کل تک
جاوید چودھری

ترتیب

⊘ ⊘ ⊘

آج نہیں تو ''کل تک'' سہی

آپ سچ پوچھیں تو میں ''ٹیلی ویژن اینیمل'' نہیں ہوں' میں ٹیلی ویژن سکرین پر ظاہر ہونے' ٹی وی پر شکل دکھانے اور اپنی آواز سنانے سے گھبراتا ہوں۔ میری گھبراہٹ کی تین وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ میری شخصیت ہے' میری شخصیت ٹیلی ویژن سے ''میچ'' نہیں کرتی' میں کسی بھی زاویے سے کیمرہ فرینڈلی نہیں ہوں' میری شکل واجبی ہے' میری آواز میں بھی گھن گرج' دبدبہ' طنطنہ' وقار اور گونج نہیں' میں ایک عام' سیدھی سادی اور غیر متاثر کن آواز کا مالک ہوں' میں اپنی باڈی لینگوئج سے بھی ''پینڈو'' دکھائی دیتا ہوں' میرے چہرے پر دیہاتیوں کا خوف' کسانوں کی پریشانی اور زمینداروں کا شرمیلا پن ہے۔ میرے اندر شدید بے چینی بھی ہے اور میں جب اس بے چینی پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوں تو یہ میرے ہاتھوں اور پلکوں میں منتقل ہو جاتی ہے اور میں بلاوجہ ہاتھ ہلانے لگتا ہوں اور تیزی سے پلکیں جھپکنے لگتا ہوں' میں اپنے ردعمل' اپنے تاثرات اور اپنی حیرانی کو بھی کنٹرول نہیں کر پاتا' میں جب بھی کوئی جھوٹی' بے وقوفی اور نادانی کی بات سنتا ہوں تو میرے منہ سے بے اختیار اُف' اوئے اور آہ نکل جاتا ہے اور یہ بھی ٹیلی ویژن بالخصوص سنجیدہ سیاسی پروگراموں کے الفاظ نہیں ہیں۔ ٹیلی ویژن سے گھبرانے کی دوسری وجہ زبان ہے' مجھے بولنا نہیں آتا' میں سنٹرل پنجاب کے دیہاتی علاقے سے تعلق رکھتا ہوں' اس علاقے کا لہجہ بہت ''کروڈ'' اور اکھڑ ہے' مجھے زندگی میں کبھی خالص اردو سننے' سیکھنے اور بولنے کا موقع نہیں ملا' میرے تمام اساتذہ بھی اسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور میں نے ان سے اردو اور انگریزی دونوں پنجابی میں پڑھی تھیں۔ میری اردو دانی کا یہ عالم تھا کہ میں ایم اے تک حبیب بینک کو جیب (پاکٹ) بینک پڑھتا تھا اور میرے لئے

مقفنہ مکلنا تھی اور میں آج بھی انگریزی کی ''دی'' کو پنجابی کی دی سمجھ کر بولتا ہوں' میں اردو اور انگریزی کی نسبت پنجابی میں زیادہ ''ایزی'' محسوس کرتا ہوں' میں دن میں اٹھارہ گھنٹے پنجابی بولتا ہوں' گھر میں پنجابی بولتا ہوں' اپنے دفتر میں پنجابی بولتا ہوں اور اپنے تمام ملاقاتیوں اور ساتھیوں کے ساتھ بھی پنجابی بولتا ہوں' میرے اندر زبان سیکھنے کی صلاحیت بھی عام لوگوں سے کم ہے۔ مجھے لفظ سیکھنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے' میں 34 بار پیرس گیا ہوں لیکن مجھے ''بونجور'' کے علاوہ فرنچ زبان کا کوئی لفظ نہیں آتا اور مجھے یقین ہے میں یہ لفظ بھی غلط بولتا ہوں گا' میں زبان کے معاملے میں مینوفیکچرنگ فالٹ کا شکار ہوں' میں ''سنگل لینگوئج'' شخص ہوں' مجھ میں دوسری زبان سیکھنے کی صلاحیت نہیں' میں پنجابی بولتے بولتے اردو کا لفظ بولتا ہوں تو اس کا تلفظ ہمیشہ غلط ہوتا ہے' اسی طرح اردو کے درمیان انگریزی کا لفظ آ جاتا ہے تو وہ بھی عموماً غلط ہوتا ہے۔ میں اگر آج انگریزی بولنا شروع کروں تو میں اُردو بھول جاؤں گا۔ میں طالب علم تھا تو میری انگریزی اردو سے بہتر تھی لیکن جب میں نے اردو لکھنا شروع کی تو میں انگریزی سے فارغ ہو گیا۔ آج حالت یہ ہے میں عام معمولی سے لفظ کے ''سپیلنگ'' بھی درست نہیں لکھ پاتا۔ آپ یہ جان کر بھی حیران ہوں گے میں اکثر انگریزی میں اپنا نام بھی غلط لکھ دیتا ہوں' میں نے سیکھنے کو اردو تو سیکھ لی لیکن سچ تو یہ ہے میری اُردو اچھی نہیں کیونکہ میں کبھی لٹکانے کو آویزاں لکھ سکا ہوں اور نہ ہی بول پایا ہوں۔ میں لٹکانے کو ہمیشہ لٹکانا لکھتا ہوں اور لٹکانا ہی بولتا ہوں اور لٹکانا کو لٹکانا کہنے اور بولنے والوں کی اُردو کو اچھا نہیں کہا جا سکتا۔ میری تیسری خامی سیاستدان ہیں' میرے سیاستدانوں کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں ہیں' میں زندگی میں تین چار سیاستدانوں کے علاوہ آج تک کسی کے گھر' کسی کے دفتر نہیں گیا' میں سترہ سال کی صحافت میں صرف تین بار پارلیمنٹ ہاؤس' چھ بار ایوان صدر اور چار بار وزیراعظم ہاؤس گیا ہوں۔ میں آج تک پنجاب' سندھ اور بلوچستان اسمبلی کی عمارت میں نہیں گیا اور مجھے صرف ایک بار سرحد اسمبلی جانے کا اتفاق ہوا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں سیاست یا سیاستدانوں کو برا سمجھتا ہوں۔ آپ یقین کیجئے میں دل کی گہرائیوں سے سیاستدانوں کا احترام کرتا ہوں' میں سمجھتا ہوں یہ ملک کی واحد کلاس ہے جس کی اکاؤنٹیبلٹی ہوتی ہے' سیاستدانوں کو اپنی ہر زیادتی' ظلم اور کرپشن کی سزا سڑکوں پر بھگتنا پڑتی ہے جبکہ جرنیل اور بیوروکریٹس ان سے کہیں بڑے مجرم ہوتے ہیں لیکن آج تک ان میں سے کسی کا احتساب نہیں ہوا لہٰذا میں دل سے سیاستدانوں کا احترام کرتا ہوں مگر وقت کی کمی کے باعث ان کے ساتھ تعلقات استوار نہیں کر پاتا۔ میں اپنی زندگی میں مگن اور مصروف ہوں' میری لگی بندھی زندگی ہے چنانچہ میرے پاس کسی کو وزٹ کرنے یا سیاسی گفت وشنید کا وقت نہیں بچتا۔

یہ میری تین بڑی خامیاں ہیں لہٰذا آپ میری شخصیت سے لے کر زبان تک اور زبان سے لے کر سیاست کے فہم تک مجھے جس زاویے سے بھی دیکھیں گے میں آپ کو ''ٹیلی ویژن اینیمل'' دکھائی نہیں دوں گا' یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے پھر میں ٹیلی ویژن کی طرف کیسے آ گیا؟ اس کی تمام تر ذمہ داری میرے چند دوستوں پر استوار ہوتی ہے' یہ ان کا پریشر تھا جس کی وجہ سے میں ٹیلی ویژن کی مشکل اور خوفناک دُنیا میں آ گیا۔ یہ ڈاکٹر صداقت علی' عرفان جاوید اور قمر راٹھور جیسے دوست تھے جن کا خیال تھا مجھے ٹیلی ویژن کو ضرور ''ٹرائی'' کرنا چاہئے۔ ان لوگوں کا کہنا تھا ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں تین' چار ایسی صعات سے نواز رکھا ہے جس سے دوسرے لوگ محروم ہیں۔'' ان کا کہنا تھا ''تمہارے پاس سچائی ہے' اس سچائی کو بیان کرنے کی جرات ہے اور سچائی کے مرتبے کے مطابق الفاظ ہیں۔'' ان کا خیال تھا ''تمہارے پاس ذہن بھی ہے' معلومات بھی ہیں اور تمہاری یادداشت بھی تیز ہے اور تم دوسروں کی پوزیشن سے بھی جلدی متاثر نہیں ہوتے چنانچہ تمہارا اخلاص' تمہاری سچائی' تمہارا علم اور تمہاری جرات بہت جلد لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔'' میں نے اس وقت بھی ان سے اختلاف کیا اور میں آج بھی ان کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں یہ ایسی غیر معمولی صفات نہیں ہیں کہ ان کی بنیاد پر کوئی شخص ٹیلی ویژن میں کود کر خودکشی کر لے بہرحال ناں ناں اور ہاں ہاں کرتے میں نے 2008ء میں ٹیلی ویژن کا کیرئر اپنا لیا جس کے بعد میرے اپنے بارے میں تمام اندازے درست نکلے' میرے کام میں خامیاں ہی خامیاں تھیں اور بدقسمتی سے میں ابھی تک ان خامیوں پر قابو نہیں پا سکا۔ میری ادائیگی میں ابھی تک بے شمار سقم' بے شمار خامیاں ہیں اور میں ابھی تک آویزاں کو لٹکانا ہی کہتا ہوں لیکن اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا ہوں ''کوئی بات نہیں آج نہیں تو کل سہی یہ ٹھیک ہو جائیں گی'' میرے اس کانفیڈنس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین ہے' میرا ایمان ہے اللہ تعالیٰ دُنیا کے کسی انسان کو صلاحیتوں اور خوبیوں کے بغیر پیدا نہیں کرتا' میں بھی کیونکہ اللہ کا بندہ ہوں چنانچہ مجھے بھی اللہ نے چند نعمتوں سے نوازا ہے' میں چیلنج قبول کر لیتا ہوں اور اس کے بعد کبھی پیچھے نہیں ہٹتا' میں ہر اس چیلنج کے ساتھ گتھم گتھا بھی ہو جاتا ہوں جس کا تعلق میری ذات کی تبدیلی سے ہو' میں سیکھنے' جاننے اور اپنے آپ کو بہتر بنانے کا کوئی موقع بھی ضائع نہیں کرتا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے شیطان جیسی مستقل مزاجی بھی عنایت کی ہے۔ میں جو کام شروع کرتا ہوں اسے راستے میں نہیں چھوڑتا۔ میں آپ کو یہ بھی بتا تا چلوں میری یہ خوبیاں غیر معمولی نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے یہ خوبیاں دُنیا کے ہر انسان کو دے رکھی ہیں بس کچھ لوگ انہیں استعمال کر لیتے ہیں اور باقی ان پر توجہ نہیں دیتے۔ آپ بھی آج ارادہ' چیلنج' مستقل مزاجی اور سیکھنے کے عمل کو زندگی کا حصہ بنا لیں آپ یقین کیجئے آپ

دُنیا کے بے شمار کامیاب لوگوں سے آگے نکل جائیں گے کیونکہ قدرت نعوذ باللہ کامیاب لوگوں کی رشتے دار نہیں ہوتی' یہ ہر اس شخص کا ساتھ دیتی ہے جو اپنے حالات سے بغاوت کرتا ہے' جو آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے' قدرت میدان میں اُترنے والے ہر شخص کی یکساں ''رشتے دار'' ہوتی ہے اور یہ سب کو کامیاب ہونے کا برابر موقع دیتی ہے۔

آپ یہ بھی ذہن میں رکھیں' کامیابی اور عزت دو مختلف چیزیں ہوتی ہیں اور یہ ضروری نہیں دُنیا کے ہر کامیاب شخص کو عزت بھی نصیب ہو اور ہر عزت دار شخص دُنیاوی لحاظ سے کامیاب بھی ہو' اللہ تعالیٰ نے عزت کا خزانہ مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور وہ یہ خزانہ کس کے لئے اور کس وقت کھولتا ہے؟ اس کا فارمولا آج تک کسی شخص کو معلوم نہیں ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی بھی شخص کو کسی بھی وقت عزت سے نواز سکتی ہے اور کسی بھی بڑے شخص کو کسی بھی وقت بے عزت کر سکتی ہے۔ عزت کا کامیابی اور ناکامی کے ساتھ ہرگز ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی ناکام شخص کو ایسی عزت سے نواز دیتا ہے کہ دُنیا کی تمام کامیابیاں اس ناکامی پر قربان کی جا سکتی ہیں اور کبھی کبھار کامیاب سے کامیاب ترین شخص پر ایسی ہزیمت' ایسی بے عزتی نازل کر دیتا ہے کہ اس کی کامیابی بول و براز کی ٹوکری بن جاتی ہے۔ آپ دو مثالیں ملاحظہ کیجئے' حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دُنیاوی لحاظ سے کربلا کی جنگ ہار گئے تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی ہار ایک ایسی ہار تھی جس پر ہزاروں' لاکھوں فتوحات قربان کی جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہار میں ایسی عزت رکھ دی کہ اس عزت کا سلسلہ آج تک کم ہونے میں نہیں آ رہا جبکہ اس کے مقابلے میں شمر کا لشکر جنگ جیت گیا تھا مگر وہ جیت کر بھی بے عزت ہو گیا اور آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی کوئی ماں اپنے بچے کا نام شمر نہیں رکھتی۔ چنانچہ ثابت ہوا کامیابی اور ناکامی انسانی فعل ہے جبکہ عزت اور بے عزتی منجانب اللہ ہے۔ لوگ جوئے' سٹے اور ڈکیتی میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن کیا انہیں عزت بھی نصیب ہوتی ہے؟ نہیں ہوتی۔ بھیک مانگنا کیسا فعل ہے؟ یقیناً بھیک مانگنا بے عزتی کا فعل ہے لیکن جب عبدالستار ایدھی اور مدر ٹریسا جیسے لوگ در در بھیک مانگتے ہیں تو اللہ کی ذات ان کے سر پر عزت کا تاج رکھ دیتی ہے چنانچہ آپ زندگی میں جب بھی کامیابی کے لئے کوشش کریں تو محنت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے عزت بھی مانگیں کیونکہ عزت کے بغیر کامیابی اکثر عذاب ثابت ہوتی ہے لیکن یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے اللہ سے عزت کب مانگنی چاہئے۔ عزت مانگنے کا سب سے بڑا اور سنہری وقت ''کام'' ہوتا ہے' آپ جب محنت مزدوری کر رہے ہوں اور مشقت پسینہ بن کر آپ کے ماتھے پر چمک رہی ہو تو آپ اپنا ماتھا صاف کرنے سے پہلے آسمان کی طرف دیکھیں اور اپنے رب سے التجا کریں ''یا پروردگار عزت اور

ذلت صرف اور صرف تمہارے ہاتھ میں ہے' یا باری تعالیٰ مجھے عزت سے نواز دے' یا پروردگار میرے کام کو میرے لئے باعث عزت بنا دے۔'' میرا ایمان ہے اللہ تعالیٰ اس وقت آپ کی ضرور سنے گا کیونکہ محنت اور مشقت کا پسینہ قدرت کے کان ہوتا ہے۔ قدرت ہمیشہ مشقت کے ان قطروں کے ذریعے سنتی ہے چنانچہ انشاءاللہ آپ کی یہ التجا رائیگاں نہیں جائے گی۔

میں جب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو میں خود کو دنیا کے ان خوش نصیب لوگوں میں پاتا ہوں جن پر اللہ تعالیٰ کو ترس آ گیا تھا' اللہ تعالیٰ نے جن کی التجاؤں کو اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی تھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ رحم' یہ کرم اور یہ ترس میری عزت افزائی کا باعث بن گیا جس نے میرے کام کو میری عزت کا ذریعہ بنا دیا۔ اللہ کا یہ کرم میرا واحد اثاثہ' میرا واحد ہنر اور میری واحد کامیابی ہے۔ یہ اس کا کرم ہے جس کی بدولت ایک ان پڑھ' اکھڑ' پینڈو اور ''نان ٹیلی ویژن ایبل'' ٹیلی ویژن سکرین پر دکھائی دیتا ہے اور لوگ اسے دیکھتے بھی ہیں' سنتے بھی ہیں اور اس کو پسند بھی کرتے ہیں۔ میں نے آج تک کیا کیا؟ میں اپنے کام کے ''ویٹ'' اور اوقات کا اندازہ نہیں لگا سکتا لیکن میں اتنا جانتا ہوں میں نے اپنا گزرا ہوا کل اور اپنا آج کا دن ضائع نہیں کیا' میں اپنی اوقات کے مطابق اللہ کے دیئے ہوئے وقت کو مثبت سمت میں استعمال کر رہا ہوں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے میں اپنی کوششوں کا وہ نتیجہ حاصل نہیں کر پایا جو مجھے کرنا چاہئے تھا لیکن میں ساتھ ہی اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا ہوں میں جو نتائج آج حاصل نہیں کر سکا میں وہ انشاءاللہ ''کل تک'' ضرور پا لوں گا کیونکہ وقت کی سوئیاں اور سورج کی کرنیں آگے کی طرف سفر کر رہی ہیں اور آپ اگر وقت کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں تو آپ کبھی نہ کبھی اپنی منزل پر ضرور پہنچ جاتے ہیں۔

دنیا میں محنت' محبت اور دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

جاوید چودھری
شہزاد ٹاؤن، اسلام آباد

⊘ ⊘ ⊘

سیاسی مذہبی جماعتوں سے خطرہ

آغاز:

خواتین و حضرات! آج سے تیس برس قبل کسی اخبار نویس نے مذہبی سیاسی جماعت کے ایک راہنما سے پوچھا تھا ''آپ سیاست کیوں کر رہے ہیں'' مولانا نے فوراً جواب دیا تھا ''ہم چاہتے ہیں ہم اقتدار میں آئیں اور آ کر پاکستان میں شریعت نافذ کریں'' اخبار نویس نے دوسرا سوال کیا ''آپ سمجھتے ہیں اقتدار میں آئے بغیر پاکستان میں شریعت نافذ نہیں ہو سکتی'' مولانا نے جواب دیا تھا ''کبھی نہیں'' ان کا فرمانا تھا ''نظام بدلنے کے لئے طاقت چاہئے اور جب تک علمائے کرام کے پاس طاقت نہیں ہو گی ہم اس وقت تک نظام تبدیل نہیں کر سکیں گے۔''

خواتین و حضرات! مولانا کی یہ بات 1970ء تک درست محسوس ہوتی تھی کیونکہ 1970ء تک پاکستان کی اسمبلیوں میں علمائے کرام کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ 1970ء کے انتخابات میں جمعیت علمائے اسلام نے وفاق میں سات اور صوبوں میں آٹھ نشستیں حاصل کی تھیں جبکہ جماعت اسلامی نے صوبائی اسمبلیوں میں چار سیٹیں لی تھیں۔ 1970ء کے الیکشن میں بھی اسلامی سیاسی جماعتوں کی نشستیں بہت کم تھیں' 1988ء کے الیکشنز میں جمعیت علمائے اسلام نے قومی اسمبلی کی آٹھ نشستیں حاصل کی تھیں اور 1990ء کے الیکشن میں جے یو آئی کی چھ نشستیں تھیں' 1993ء کے الیکشنز میں اسلامی جمہوری محاذ' متحدہ دینی محاذ اور پاکستان اسلامک فرنٹ نے تین' تین نشستیں حاصل کی تھیں۔ 1997ء کے الیکشن میں جے یو آئی فضل الرحمان گروپ نے دو نشستیں حاصل کی تھیں چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں 1970ء سے لے کر 1997ء تک مذہبی سیاسی جماعتوں کے پاس اس قدر سیاسی قوت نہیں تھی کہ وہ ملکی نظام میں تبدیلی لا سکتیں لیکن 2002ء کے الیکشن میں مذہبی

سیاسی جماعتوں نے متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا اور وفاق میں 67 ‘ پنجاب میں 6 بلوچستان میں 14 ‘ سندھ میں 13 اور صوبہ سرحد میں 48 نشستیں حاصل کیں۔ یوں 2002ء میں پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایک مذہبی راہنما قائد حزب اختلاف بنے جبکہ ایم ایم اے نے صوبہ سرحد میں بلاشرکت غیرے اور بلوچستان میں مسلم لیگ ق کے ساتھ مل کر حکومت بنائی لہٰذا 2002ء میں مذہبی سیاسی جماعتوں کو وہ سیاسی قوت حاصل ہوگئی جس کے ذریعے یہ لوگ کسی نہ کسی حد تک نظام میں تبدیلی لاسکتے تھے اور ہمارے ماضی کے مولانا کی خواہش پوری ہوگئی۔

خواتین وحضرات! پاکستان کی مذہبی سیاسی جماعتوں نے پانچ برس تک دو صوبوں میں حکومت کی‘ ان پانچ برسوں میں ان کی کارکردگی کیسی تھی‘ کیا یہ جماعتیں ان پانچ برسوں میں دو صوبوں میں اسلامی روایات متعارف کرواسکیں‘ کیا یہ جماعتیں اقتدار کے دوران پاکستان میں اسلام کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرسکیں اور 2008ء کے الیکشنز میں ان سیاسی جماعتوں کا کیا مستقبل ہوگا۔ یہ حقیقت ہے 2002ء کے الیکشنز میں ہماری مذہبی جماعتوں نے غلبہ حاصل کیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سچ ہے اسی دور میں اسلام اور اسلامی روایات پاکستان میں خطرات کا شکار رہیں‘ اسی دور میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی نے ریکارڈ ترقی کی‘ لال مسجد کا ایشو ہوا‘ جامعہ حفصہ ختم ہوا‘ سلیبس سے آیات نکالی گئیں اور وزیرستان اور سوات میں آپریشن شروع ہوا۔ ہم نے دیکھنا ہے ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں روشن خیالی کی یلغار سے لے کر وزیرستان آپریشن تک ان تبدیلیوں کا مقابلہ کیوں نہیں کرسکیں‘ ہم اس کیوں کا بھی جائزہ لیں گے۔ ہم اگر پاکستان کی تاریخ کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے‘ اس ملک میں لبرل سیاست دانوں نے مذہبی طبقات کے مقابلے میں اسلام کی زیادہ خدمت کی تھی‘ پاکستان کو اسلامی جمہوریہ کا نام لبرل سیاست دان نے دیا تھا‘ آئین میں اسلامی دفعات‘ جمعہ کی چھٹی‘ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا‘ شراب پر پابندی اور حتیٰ کہ پاکستان میں شلوار قمیض کی ترویج بھی ذوالفقار علی بھٹو جیسے لبرل سیاست دان نے کی تھی۔ کیا ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں لبرل سیاست دانوں کی ان خدمات کا اعتراف کرتی ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! برنارڈ شا انگریزی زبان کا مشہور ڈرامہ نویس‘ ادیب اور دانشور تھا‘ اس نے ایک بار کہا تھا ’’مغربی تہذیب کو سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے ہے اور مجھے اندیشہ ہے ہماری آنے والی نسلیں اس خطرے کا مقابلہ نہیں کرسکیں گی۔‘‘ برنارڈ شا نے مزید کہا تھا ’’اگر ہم اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا چاہتے ہیں تو میرا مشورہ ہے ہم دُنیا کے کسی ملک میں ایک اسلامی ریاست قائم

ہونے دیں اور پھر اس ریاست کے ناکام ہونے کا انتظار کریں کیونکہ جب اسلامی ریاست ناکام ہوگی تو یہ ثابت ہوجائے گا مسلمان اسلام کے ساتھ مخلص نہیں ہیں اور یوں اسلام کے پھیلاؤ کا خطرہ ٹل جائے گا۔‘‘

خواتین وحضرات! اسلام دُنیا کا بہترین مذہب ہے اور اس مذہب کو ماننے والے بہترین قوم۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے اسلام کو جتنا خطرہ مسلمانوں سے ہے اتنا غیر مسلموں سے نہیں لہٰذا میری مذہبی سیاسی جماعتوں سے درخواست ہے اگر انہوں نے پانچ برسوں میں اچھے کام کئے تھے تو انہیں یہ کام جاری رکھنے چاہئیں اور اگر وہ اپنے وعدوں کا پاس نہیں کرسکی تھیں تو انہیں آئندہ احتیاط کرنی چاہئے کیونکہ مجھے خطرہ ہے ان کی سیاست سے ہمارے مذہب پر حرف نہ آجائے۔

(29 جنوری 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

معاشرے کی آکسیجن

آغاز:

خواتین وحضرات! 9 مارچ 2007ء کے دن کو پاکستان کی تاریخ کا ''ٹرننگ پوائنٹ'' کہا جاتا ہے' اس دن حکومت نے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو غیر فعال کر دیا جس کے بعد 13 مارچ کو پاکستان بھر کے وکلاء نے حکومت کے اس اقدام کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ یہ تحریک پاکستان کی چند بڑی تحریکوں میں شمار ہوتی ہے' اس تحریک کے دوران پورے ملک کے وکلاء نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا تھا' پاکستان کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں جلسے ہوئے تھے اور جلوس نکالے گئے تھے۔ اپریل کے آخر میں افتخار محمد چودھری صاحب نے ملک کی مختلف بار کونسلز سے خطاب کا اعلان کیا جس کے بعد یہ تحریک تیزی پکڑ گئی۔ 5 مئی 2007ء کو چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے اسلام آباد سے لاہور کا سفر شروع کیا' یہ سفر اس لحاظ سے تاریخی اہمیت رکھتا تھا کہ چیف جسٹس کا قافلہ 25 گھنٹوں میں لاہور پہنچا تھا' اس دوران چیف جسٹس پشاور بھی گئے تھے' انہوں نے ملتان' فیصل آباد اور کراچی کا دورہ بھی کیا تھا اور ملکی تاریخ میں 12 مئی کا سانحہ بھی پیش آیا تھا۔ وکلاء کی یہ تحریک 20 جولائی 2007ء کو اس وقت ختم ہو گئی جب سپریم کورٹ کے 13 رکنی بنچ نے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو بحال کر دیا۔

خواتین وحضرات! 20 جولائی کے بعد 3 نومبر کا دن طلوع ہوا تھا' 3 نومبر کو صدر پرویز مشرف نے ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی تھی اور ججوں کو پی سی او کے تحت نیا حلف اُٹھانے کی ہدایت کی تھی۔ اس حکم کے بعد ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے 50 کے قریب ججوں نے پی سی او پر حلف اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا اور اس کے بعد وکلاء ججوں کی حمایت میں دوبارہ سڑکوں پر نکلے اور یوں وکلاء کی تحریک کا دوسرا دور شروع ہو گیا لیکن یہ دور پچھلے دور سے مختلف تھا کیونکہ اس دور میں ایمرجنسی کی وجہ سے عوام کے

بنیادی حقوق معطل تھے حکومت نے وکلاء کی قیادت کو نظر بند کر دیا تھا اور ملک میں جلسے جلوس اور احتجاجی مظاہروں پر پابندی لگا دی تھی لہٰذا اس دور میں وکلاء کی تحریک سڑکوں تک نہ پہنچ سکی لیکن یہ بھی حقیقت ہے اس پابندی کے باوجود وکلاء کی جدوجہد جاری رہی اور وکلاء عدالتوں کے بائیکاٹ کے ذریعے اپنا احتجاج ریکارڈ کراتے رہے۔ 15 دسمبر 2007ء کو حکومت نے ایمرجنسی ختم کر دی جس کے بعد وکلاء کی تحریک دوبارہ سر اُٹھانے لگی لیکن ابھی تک کیونکہ چودھری اعتزاز احسن' علی احمد کرد' اور جسٹس طارق محمود نظر بند تھے اور منیر اے ملک شدید علیل تھے۔ لہٰذا تحریک میں گرمی نظر نہیں آئی۔

خواتین وحضرات! 31 جنوری 2008ء اس تحریک کا دوسرا ''ٹرننگ پوائنٹ'' تھا' اس دن وکلاء نے پورے ملک میں ''یوم افتخار'' منایا' اس دن پورے ملک میں عدالتوں کا بائیکاٹ ہوا' تمام شہروں میں ریلیاں ہوئیں' جلسے' جلوس اور احتجاجی مظاہرے ہوئے اور ان مظاہروں میں سول سوسائٹی اور سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے بھی وکلاء کا ساتھ دیا۔ 31 جنوری کو ایک دوسری تبدیلی بھی وقوع پذیر ہوئی اس دن وکلاء تحریک کے قائد اور پاکستان بار کونسل کے صدر چودھری اعتزاز احسن کی نظر بندی کے نوے دن پورے ہو گئے اور حکومت نے شروع میں چودھری اعتزاز احسن کی نظر بندی میں ایک ماہ کی توسیع کر دی لیکن بعد ازاں اس حکم کو واپس لے لیا اور یوں کل رات چودھری اعتزاز احسن رہا ہو گئے۔ چودھری اعتزاز احسن کی رہائی کے بعد یہ امکان ظاہر کیا جا رہا ہے اب چودھری صاحب کی طرح علی احمد کرد اور جسٹس ریٹائرڈ طارق بھی رہا کر دیئے جائیں گے اور یقیناً ان رہائیوں کے بعد وکلاء کی تحریک تیسرے فیز میں داخل ہو جائے گی۔

خواتین وحضرات! وکلاء کی اس تحریک کا اصل محرک کون تھا' اس تحریک سے سب سے زیادہ فائدہ کس نے اُٹھایا اور اب اس تحریک کا مستقبل کیا ہے؟

اختتام:

خواتین وحضرات! حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول قانون کی تمام کتابوں میں درج ہے' آپ نے فرمایا تھا ''دُنیا میں کفر کی حکومت قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی نہیں'' اور آپ نے چرچل کا وہ واقعہ بھی ضرور سنا ہو گا جس میں اس نے کہا تھا ''اگر ہماری عدالتیں انصاف دے رہی ہیں تو برطانیہ کی سالمیت کو کوئی خطرہ نہیں''

خواتین وحضرات! وکلاء کی یہ تحریک آنے والے دنوں میں کیا شکل اختیار کرے گی اور کیا وکلاء پاکستان میں ''رول آف لاء'' قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اس کا فیصلہ ابھی قبل از وقت ہو گا لیکن ایک بات طے ہے انصاف اور قانون معاشروں کے لئے آکسیجن کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ آکسیجن ہمارے معاشرے کے لئے بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی دُنیا کے دوسرے ملکوں کے لئے۔

(01 فروری 2008ء)

یومِ یکجہتی کشمیر

آغاز:

خواتین وحضرات! آج 5 فروری کا دن ہے اور آج پورے ملک میں کشمیریوں سے اظہارِ یکجہتی منایا گیا' یوم یکجہتی 1990ء میں قاضی حسین احمد نے شروع کیا تھا' اس وقت پنجاب میں میاں نواز شریف جبکہ وفاق میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت تھی' ان دونوں رہنماؤں نے قاضی صاحب کے اس فیصلے سے اتفاق کیا تھا یوں سرکاری سطح پر چھٹی ہوئی اور وہ دن ہے اور آج کا دن ہے پاکستانی قوم نے پانچ فروری کو کشمیریوں سے منسوب کر رکھا ہے۔ اس دن کے پس منظر تک پہنچنے کے لئے ہمیں 1989ء میں جانا پڑے گا۔ 1989ء میں لبریشن فرنٹ کے نوجوانوں نے مقبوضہ کشمیر میں عسکری تحریک شروع کی' اس تحریک کے ردعمل میں بھارت نے اپنی فوجیں مقبوضہ کشمیر میں داخل کر دیں' سری نگر میں کرفیو لگا اور ظلم وستم کا سلسلہ شروع ہو گیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے' اس دوران 1994ء آیا اور محترمہ بے نظیر بھٹو کشمیر کو او آئی سی میں لے گئیں' محترمہ نے حریت کانفرنس کو او آئی سی میں مبصر کی حیثیت بھی دلائی۔ مسئلہ کشمیر پر دوسرا بریک تھرو 1999ء میں ہوا' اس وقت کے وزیر اعظم میاں نواز شریف نے بھارت کے ساتھ مذاکرات شروع کئے اور مذاکرات کے نتیجے میں بھارت کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی پاکستان تشریف لائے' ان کے اس دورے سے یہ امکانات پیدا ہو گئے تھے کہ شائد مسئلہ کشمیر کا کوئی پرامن حل نکل آئے لیکن پھر کارگل کا واقعہ پیش آیا اور اس سے دونوں ممالک کے درمیان جاری مذاکرات کا عمل سرد مہری کا شکار ہو گیا۔ 12 اکتوبر 1999ء کو صدر پرویز مشرف برسر اقتدار آئے جس کے بعد دونوں ممالک کے درمیان ایک بار پھر مذاکراتی عمل شروع ہو گیا' جولائی 2001ء میں صدر پرویز مشرف سربراہی کانفرنس میں شرکت کے لئے آگرہ گئے لیکن بدقسمتی سے یہ کانفرنس کامیاب نہ ہو سکی۔ نائن

الیون کے بعد عالمی دُنیا میں تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئیں جس کے نتیجے میں آزادی کی جدوجہد اور دہشت گردی میں فرق مٹ گیا اور امریکی میڈیا تحریک آزادی کشمیر کو بھی دہشت گردی قرار دینے لگا۔ جنوری 2004ء میں پاک بھارت مذاکرات کا عمل ایک بار پھر شروع ہوا' اٹل بہاری واجپائی دوسری بار پاکستان تشریف لائے' ان مذاکرات کا بھی کوئی فوری نتیجہ نہیں نکل سکا تاہم مذاکرات کا عمل ابھی تک جاری ہے۔ اب تک ان مذاکرات کے چار راؤنڈ مکمل ہو چکے ہیں لیکن ان مذاکرات پر علامتی پیش رفت کے سوا کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اس دوران صدر پرویز مشرف نے کشمیر کا چار نکاتی حل بھی پیش کیا تھا لیکن بھارت کی جانب سے اس کا مثبت جواب نہیں دیا گیا۔ تحریک آزادی کی اس جدوجہد میں اب تک 92 ہزار 1 سو 66 کشمیری شہید ہو چکے ہیں' بھارتی فوج 1 لاکھ 14 ہزار 5 سو 12 سویلین کو گرفتار کر چکی ہے' 22 ہزار 5 سو 90 خواتین بیوہ ہو چکی ہیں' بھارتی فوجیوں نے 9 ہزار 7 سو 56 خواتین کے ساتھ زیادتی کی اور 19 برس کی جدوجہد میں اب تک 1 لاکھ 7 ہزار 54 بچے یتیم ہو چکے ہیں۔

خواتین وحضرات! اس وقت پاکستان انتہائی نازک ترین دور سے گزر رہا ہے' ایک طرف پاکستان کو داخلی بحران کا سامنا ہے اور دوسری طرف بم دھماکوں اور خودکش حملوں سے پورا ملک لرز رہا ہے' ایک طرف پاکستان کے اندر جنگ جاری ہے اور دوسری طرف عالمی طاقتیں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف پروپیگنڈا کر رہی ہیں۔ ان حالات میں مسئلہ کشمیر ترجیحات کی فہرست میں ذرا سا پیچھے چلا گیا' اس کے باوجود امکان ہے شائد مارچ میں مذاکرات کا عمل دوبارہ شروع ہو جائے۔

خواتین وحضرات! یوم اظہار یکجہتی کشمیر گزشتہ 19 برس سے منایا جا رہا ہے' پاکستانی عوام اس دن کو کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کے طور پر مناتے چلے آ رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کیا ہم نے ان 19 برسوں میں وہ مقاصد حاصل کر لئے ہیں جن کی وجہ سے ہم 5 فروری کو چھٹی مناتے ہیں' ہم سیمینارز کا انعقاد کرتے ہیں اور ریلیاں نکالتے ہیں اور کیا آزاد کشمیر میں موجود کشمیری قیادت حکومت پاکستان کی کوششوں سے مطمئن ہے اور مسئلہ کشمیر کا حل مذاکرات ہیں یا عسکری جدوجہد۔

اختتام:

خواتین وحضرات! قائداعظم محمد علی جناح نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا اور یہ حقیقت ہے شہ رگ کے بغیر کوئی انسان زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی ملک۔ کشمیر پاکستانی عوام کے لئے پہلی ترجیح تھا' ہے اور رہے گا اور میرا یقین کہتا ہے وہ وقت دور نہیں جب جموں سے لے کر مظفر آباد تک سارا کشمیر ہمارا ہوگا۔

(04 فروری 2008ء)

اس وقت تک

آغاز:

خواتین وحضرات! یہ 2007ء فروری کی بات ہے' بھارتی پنجاب میں الیکشن ہورہے تھے' انڈین پرائم منسٹر من موہن سنگھ کانگریس کے اُمیدواروں کو سپورٹ دینے کے لئے امرتسر گئے' شہر میں شام کے وقت جلسہ ہوا لیکن جلسے میں لوگوں کی تعداد توقع سے بہت کم تھی۔ یوں یہ جلسہ ناکام ہو گیا۔ میرے ایک دوست ان الیکشنوں کی کوریج کے لئے لاہور سے امرتسر گئے تھے' وہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے اور اس شام انہوں نے الیکشن کمیشن کے ایک عہدیدار سے پوچھا ''کیا انڈیا میں وزیراعظم کا جلسہ کامیاب کرانا' ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن کا کام نہیں ہوتا'' الیکشن کمیشن کے عہدیدار نے جواب دیا ''یقیناً وزیراعظم کے پروٹوکول اوران کی سیکورٹی کا بندوبست ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن کی ذمہ داری ہوتی ہے۔'' میرے دوست نے پوچھا ''پھر وزیراعظم کا جلسہ ناکام کیوں ہوا؟'' عہدیدار نے مسکرا کر جواب دیا ''ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن وزیراعظم کو سیکورٹی اور پروٹوکول ضرور دیتی ہے لیکن اس کے الیکشن کے جلسے کامیاب کرانا اس کی ذمہ داری نہیں'' میرے دوست نے پوچھا ''اگر کوئی سرکاری افسر اس معاملے میں پرائم منسٹر کو فیور دے دے تو آپ کیا کرتے ہیں'' افسر نے جواب دیا ''الیکشن کمیشن اسی وقت اس افسر کو معطل کر دیتا ہے'' میرے دوست کے لئے یہ جواب حیران کن تھا' الیکشن کمیشن کے عہدیدار نے اسے بتایا ''الیکشنوں کے دوران انڈیا میں حکومت کے تمام اختیارات الیکشن کمیشن کے پاس چلے جاتے ہیں اور الیکشن کمیشن صدر اور وزیراعظم تک کو کٹہرے میں کھڑا کر سکتا ہے۔

خواتین وحضرات! کسی ملک میں جب تک لوکل باڈیز' پولیس' ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن

اور الیکشن کمیشن غیرجانبدار نہیں ہوتی اس وقت تک اس ملک میں فری' فیئر اور انڈیپنڈنٹ الیکشن ممکن نہیں ہوتے۔ پاکستان میں بھی 18 فروری 2008ء کو الیکشن ہورہے ہیں لیکن سیاسی جماعتیں ان تینوں شعبوں کی غیرجانبداری کے بارے میں بار بار سوال اُٹھا رہی ہیں۔ اگر ہم پاکستان میں لوکل باڈیز کے نظام کو دیکھیں تو سن 2002ء سے ڈسٹرکٹ کے سارے اختیارات ناظمین کو منتقل ہوچکے ہیں۔ محکمہ تعلیم ہو' محکمہ صحت ہو' ریونیوڈیپارٹمنٹ ہو یا پھر پولیس کا محکمہ۔ غرض اس وقت تمام محکمے اور اختیارات ناظمین کے پاس ہیں۔ اس کے علاوہ ڈسٹرکٹ کے ترقیاتی فنڈز بھی ناظمین کے قبضے میں ہیں چنانچہ غیرسرکاری اداروں کا خیال ہے 2008ء میں صرف وہی اُمیدوار کامیاب ہوں گے جنہیں ناظمین کی حمایت حاصل ہوگی۔ ہم اگر ذرا سی دیر کے لئے گمان کو سچ مان لیں تو معلوم ہوگا پاکستان میں اس وقت 56 حلقے ایسے ہیں جن میں ناظمین کے قریبی رشتے دار الیکشن لڑ رہے ہیں۔ ان حلقوں میں سکھر' لاڑکانہ' گھوٹکی' قمبر' جیکب آباد' نوشہروفیروز' نواب شاہ' خیرپور' ٹنڈوالٰہ یار' میرپور خاص' تھرپارکر' جام شورو' دادو' سانگھڑ اور ٹھٹھہ۔ پنجاب میں راولپنڈی' اٹک' جہلم' سرگودھا' خوشاب' میانوالی' بھکر' فیصل آباد' جھنگ' ٹوبہ ٹیک سنگھ' گوجرانوالہ' حافظ آباد' گجرات' منڈی بہاؤالدین' سیالکوٹ' نارووال' لاہور' شیخوپورہ' ننکانہ صاحب' قصور' اوکاڑہ' ملتان' لودھراں' خانیوال' ساہیوال' پاک پتن' وہاڑی' ڈیرہ غازی خان' راجن پور' مظفر گڑھ' لیہ' بہاولپور' بہاولنگر اور رحیم یار خان شامل ہیں جبکہ صوبہ سرحد میں مانسہرہ' شانگلہ' سوات' صوابی اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ایسے دس حلقے ہیں جن میں ناظمین کے بھائی' والد' بیٹا' بیٹی اور داماد الیکشن لڑ رہے ہیں اور ناظم الیکشنوں میں انہیں بھرپور مدد دے رہے ہیں۔

دوسرا مسئلہ پولیس اور ڈی سی اوز ہیں' الیکشن کے دوران ڈی سی اوز اور پولیس کے پاس وسیع اختیارات ہوتے ہیں اور یہ دونوں افسر براہ راست وفاقی' صوبائی اور ڈسٹرکٹ حکومت کے ماتحت ہوتے ہیں اور 10 سیاسی جماعتوں کا دعویٰ ہے پچھلی حکومتوں نے 2007ء میں پورے ملک میں اپنی مرضی کے ایس پی اور ڈی سی اوز لگوا دیئے تھے اور یہ لوگ اب الیکشن کے دوران دھاندلی کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور الیکشن کا تیسرا اور اہم ادارہ الیکشن کمیشن ہے اور سیاسی جماعتیں الیکشن کمیشن اور چیف الیکشن کمشنر کے بارے میں بھی بے شمار تحفظات کا شکار ہیں۔

خواتین وحضرات! کیا اس الیکشن کے دوران الیکشن کمیشن' ایس پیز' ڈی سی اوز اور ناظم غیرجانبدار رہیں گے؟ کیا ناظمین کی موجودگی میں الیکشن فری اینڈ فیئر ہوسکتے ہیں؟ اور کیا پولیس اور ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن کی غیرجانبداری کے بغیر پاکستان میں شفاف الیکشن ممکن ہیں۔

اختتام:

خواتین و حضرات! جوزف سٹالن سوویت یونین کا صدر اور دُنیا کا مشہور کمیونسٹ رہنما تھا۔ اس نے ایک بار الیکشن کے بارے میں کہا تھا کسی ملک میں یہ اہم نہیں ہوتا کہ وہاں ووٹرز کی تعداد کتنی ہے، پولنگ سٹیشن کتنے ہیں اور کتنے ووٹروں نے الیکشن کے دوران اپنا ووٹ کاسٹ کیا تھا۔ امپارٹنٹ یہ ہوتا ہے ان ووٹوں کو گنتا کون ہے! ہم بھی جب تک ووٹ گننے والوں کو فری، فیئر اور ٹرانسپرنٹ نہیں بنائیں گے اس وقت تک ہمارے الیکشنوں کی کریڈبلٹی بھی اسٹیبلش نہیں ہوگی۔

(05 فروری 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

حلف نامے

آغاز:

خواتین و حضرات! شورش کاشمیری پاکستانی تاریخ کے نامور صحافی، ادیب، شاعر اور خطیب تھے، پاکستان میں آج تک 8 مقررین شعلہ بیان کہلائے، شورش کاشمیری ان آٹھ مقررین میں شامل تھے۔ شورش صاحب اکتوبر 1957ء میں اس وقت کے صدر سکندر مرزا سے ملاقات کے لئے گئے اس ملاقات کے دوران شورش صاحب کو محسوس ہوا سکندر مرزا وزیراعظم حسین شہید سہروردی کی حکومت ختم کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ شورش صاحب نے ایوان صدر سے باہر آتے ہی وزیراعظم صاحب سے رابطہ کیا اور انہیں صدر کے عزائم کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ اس شام حسین شہید سہروردی شورش کاشمیری صاحب سے ملنے کے لئے ان کی رہائش گاہ پر تشریف لائے اور آتے ہی کہنے لگے ''بڑے بھائی تمہارا خدشہ غلط تھا'' شورش صاحب نے وجہ پوچھی تو وزیراعظم سہروردی بولے ''میں تمہارے ٹیلی فون کے بعد سیدھا ایوان صدر گیا تھا اور میں نے سکندر مرزا سے اپنی حکومت کے مستقبل کے بارے میں پوچھا تھا، اس وقت صدر کی بیگم صاحبہ بھی وہیں موجود تھیں، سکندر مرزا فوراً اُٹھے، انہوں نے اپنی بیگم کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا میں اپنی بیگم کے سر کی قسم کھاتا ہوں، میں تمہاری حکومت کے خلاف سازش نہیں کر رہا، اگر میں نے تمہاری حکومت ختم کی تو اللہ تعالیٰ میری بیوی کی جان لے لے'' وزیراعظم سہروردی نے اس کے بعد شورش صاحب سے کہا ''میں مطمئن ہو گیا ہوں کیونکہ اگر صدر کے دل میں کوئی میل ہوتی تو وہ کبھی اپنی بیوی کے سر کی قسم نہ کھاتے'' شورش صاحب نے قہقہہ لگایا اور سہروردی سے کہنے لگے ''وزیراعظم صاحب میرا خیال ہے صدر سکندر مرزا آپ کے ساتھ ساتھ اپنی بیگم سے بھی تنگ ہیں لہٰذا ان کی کوشش ہے آپ کی حکومت کے ساتھ ان کی بیگم بھی اللہ کو پیاری ہو جائے'' سہروردی صاحب نے شورش صاحب کی بات

نہ مانی لیکن نتیجہ وہی نکلا سکندر مرزا نے قسم کھانے کے باوجود 17 اکتوبر 1957ء کو حسین شہید سہروردی کی حکومت ختم کر دی۔

خواتین و حضرات! پاکستان میں سیاسی حلف ناموں کا ایک اور دلچسپ واقعہ بھی موجود ہے' 1989ء میں محترمہ بے نظیر کی حکومت تھی اس وقت کی مسلم لیگ کی قیادت نے محترمہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرانے کا فیصلہ کیا' اس تحریک کے لئے بعض غیر جانبدار ارکان اسمبلی کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ ان ارکان میں ہندو کمیونٹی کے ایک رکن اسمبلی رانا چندر سنگھ بھی شامل تھے۔ مسلم لیگی قیادت نے تحریک سے چند دن پہلے ان ارکان سے قرآن مجید پر حلف لینے کا فیصلہ کیا' تمام ارکان نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا وہ تحریک عدم اعتماد کے دوران اسمبلی میں محترمہ کے خلاف ووٹ دیں گے۔ جب رانا چندر سنگھ کی باری آئی تو ان سے کہا گیا' آپ گیتا پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کر دیں' رانا صاحب نے مسکرا کر جواب دیا ''میری زبان ہی کافی ہے' آپ تحریک کے دن دیکھ لیجئے' میں محترمہ کے خلاف سب سے آگے ہوں گا'' اس حلف کے بعد جب عدم اعتماد پر ووٹنگ کا وقت آیا تو مسلم لیگی قیادت دیکھ کر حیران رہ گئی جن ارکان نے قرآن مجید پر حلف اُٹھایا تھا وہ محترمہ کے حق میں ووٹ دے رہے تھے جبکہ گیتا پر ہاتھ رکھ کر وعدہ نہ کرنے والے رانا چندر سنگھ بے نظیر بھٹو کے خلاف کھڑے تھے۔ اس تاریخی موقع پر رانا چندر سنگھ نے ایک خوبصورت بیان دیا تھا' میں یہ بیان آپ کو آخر میں سناؤں گا۔

خواتین و حضرات! سیاسی حلف ناموں کی ایک تقریب 6 فروری 2008ء کو لاہور میں بھی ہوئی تھی' اس دن مسلم لیگ ن کے قائدین نے اپنے صوبائی اور قومی اسمبلی کے اُمیدواروں سے حلف لیا وہ اسمبلیوں میں پہنچ کر 1973ء کے آئین کو 12 اکتوبر 1999ء کی پوزیشن پر بحال کرائیں گے اور وہ معزول ججوں کو بھی ان کے عہدوں پر دوبارہ بحال کرائیں گے' یہ حلف میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کی موجودگی میں سابق چیف جسٹس آف پاکستان سعید الزمان صدیقی نے لیا تھا اور حلف کی زبان کچھ یوں تھی ''میں اُمیدوار حلقہ فلاں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اقرار کرتا ہوں یا کرتی ہوں' میں 18 فروری 2008ء کے عام انتخابات میں کامیاب ہو کر اسمبلی کی رکنیت کا حلف اُٹھانے کے بعد سپریم کورٹ وہائی کورٹ کو 2 نومبر 2007ء کی پوزیشن پر بحال کرانے' فوج کا سیاسی کردار ختم کرنے' 73ء کے آئین کو تمام متنازعہ ترامیم سے پاک کر کے 12 اکتوبر 99ء کی شکل میں بحال کرانے اور 3 نومبر کے آئین دُشمن اقدامات کی توسیع نہ کرنے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کروں گا' گی۔ میں اس سلسلے میں اپنی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں' استحقاق' تحریر و تقریر اور قانون سازی کے جملہ حقوق استعمال کروں گا' گی۔ میں ایسے تمام اقدامات کو یقینی بناؤں گا' گی جن کے تحت ہر سطح کی عدلیہ کے تمام فاضل جج صاحبان

اپنے فرائض منصبی آئینی و قانون کے عین مطابق پوری آزادی سے بجا لا سکیں اور کوئی فرد' اتھارٹی' قانون' پی سی او یا قرارداد اس حوالے سے جج صاحبان کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ میں مسلم لیگ ن کے آئین' منشور اور ڈسپلن کی جان و مال سے پابندی کروں گا' گی۔ میں ہر وہ عمل کرنے کا یقین دلاتا' دلاتی ہوں جس کا بروئے کار لانا ان عظیم مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہو۔''

خواتین و حضرات! یہ حلف نامہ ہمارا موضوع ہے' ہم آج یہ جائزہ لیں گے کہ مسلم لیگ ن اس حلف نامے پر کیوں مجبور ہوئی' کیا مسلم لیگی ارکان مستقبل میں اس حلف پر کاربند رہ سکیں گے اور کیا مسلم لیگ ن واقعی 1973ء کا آئین اور معزول ججوں کو بحال کرا سکے گی۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں رانا چندر سنگھ کا ذکر کیا تھا' رانا صاحب نے 1989ء میں بیان دیا تھا ''قرآن مجید پر قسم کھانے والے اپنے حلف سے منحرف ہو گئے لیکن زبان دینے والا اپنی زبان پر قائم رہا'' مجھے رانا چندر سنگھ کے الفاظ کے ساتھ بین الاقوامی معیشت دان اور کمیونزم کے بانی کارل مارکس کے چند الفاظ بھی یاد آ رہے ہیں' انہوں نے کہا تھا ''پارٹیوں اور تحریکوں کے منشور حلف ناموں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اور جو کارکن اپنی پارٹی کے منشور کی عزت نہیں کرتا وہ اپنے حلف کا پاس بھی نہیں کرتا'' یہ مسلم لیگ ن کے حلف ناموں کی آج تک کی صورت حال تھی کل کو ان حلف ناموں کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اس کے لئے ہمیں ''کل تک'' کا انتظار کرنا پڑے گا۔

(08 فروری 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

فوجی افسروں کی سول محکموں سے واپسی

آغاز:

خواتین وحضرات! یہ 2006ء کا سن تھا اور ملک کا نام انڈیا تھا' انڈین آرمی کے دو بریگیڈئر لال شنکر اور بریگیڈئر میش کمار ورما آرمی ہیڈ کوارٹر کولکتہ میں تعینات تھے' یہ دونوں فوج کے خفیہ اسلحہ خانہ کے انچارج تھے' یہ اسلحہ خانہ بھارتی حکومت نے ''بیک اپ'' کے لئے بنا رکھا تھا' بھارتی حکومت نے ستمبر 2006ء میں روس اور اسرائیل سے جدید رائفلیں خریدیں' یہ رائفلیں دس اکتوبر 2006ء کو کولکتہ پہنچیں' دونوں بریگیڈئرز نے اپنی نگرانی میں یہ رائفلیں بحری جہاز سے اتروائیں لیکن کالی کٹ کی بندرگاہ اور ڈپو کے راستے میں رائفلوں کی چند پیٹیاں غائب ہو گئیں۔ ان پیٹیوں کی مالیت ساڑھے تین کروڑ روپے تھی' بھارت کے ''جی ایچ کیو'' نے اس ہیرا پھیری کا شدید نوٹس لیا' تفتیش شروع ہوئی تو دونوں بریگیڈئرز مجرم نکل آئے جس کے بعد انڈین ڈیفنس منسٹری نے بریگیڈئرز کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اس حکم کی تعمیل میں بریگیڈئر لال شنکر اور بریگیڈئر میش کمار کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب یہ خبر بھارتی اخبارات میں پرنٹ ہوئی تو اس وقت کسی ستم ظریف نے اس واقعے پر بڑا خوبصورت تبصرہ کیا تھا۔ اس نے کہا اگر انڈین حکومت پاکستان کی طرح سول اداروں میں فوجی افسر تعینات کر دیتی تو بھارتی فوج میں اس قسم کے واقعات رونما نہ ہوتے۔ اس نے کہا تھا اگر بھارت 650 فوجی افسروں کو سول ڈیپارٹمنٹ میں لگا دیتا تو آج بھارتی فوج میں ایسے سنگین اور افسوسناک واقعات پیش نہ آتے اور یوں بھارتی فوج کا وقار اور عزت مٹی میں نہ ملتی۔ اس کا کہنا تھا اگر بھارتی حکومت فوج کے افسروں کو امریکہ' تاجکستان' یو اے ای' سعودی عرب' تھائی لینڈ' یوکرائن' برازیل' انڈونیشیا اور بحرین میں سفیر لگا دیتی' اگر وہ فوجی افسروں کو وفاقی یونیورسٹی' انڈین پنجاب کی انجینئرنگ یونیورسٹی اور چندی گڑھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر لگا دیتی' اگر وہ فوجی

افسروں کو فیڈرل پبلک سروس کمیشن کا چیئرمین بنا دیتی' اگر وہ فوجی افسروں کو انڈین پنجاب کے پبلک سروس کمیشن کا چیئرمین لگا دیتی' اگر حکومت کسی میجر جنرل کو انڈین ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی کی چیئرمین شپ دے دیتی' اگر وہ بریگیڈئرز کو نیشنل کمیونیکیشن سیکورٹی بورڈ کا سیکرٹری' ایڈیشنل سیکرٹری' جوائنٹ سیکرٹری اور کسی کرنل کو ڈپٹی سیکرٹری بنا دیتی' اگر وہ کسی ریٹائر کرنل کو پرنٹنگ کارپوریشن کا ایم ڈی' کسی بریگیڈئر کو ڈیپارٹمنٹ آف کمیونیکیشن' سیکورٹی کا ایڈیشنل ڈی جی' کسی بریگیڈئر کو نیشنل کمیشن فار ہیومن ڈویلپمنٹ اور کسی میجر جنرل کو نیشنل ری کنسٹرکشن بیورو کا ممبر بنا دیتی' اگر وہ بھارتی فوج کے افسروں کو ایکسپورٹ پروموشن بیورو' انڈین پورٹ اتھارٹی' ممبئی پورٹ ٹرسٹ' انڈین میرین اکیڈمی' نیشنل شپنگ کارپوریشن' نیشنل ہائی وے اتھارٹی' موٹر وے پولیس' کولکتہ پورٹ اتھارٹی' انڈین ریلوے' انڈین سپورٹس بورڈ' منسٹری آف ڈیفنس' ائر پورٹ سیکورٹی فورس' انڈین آرمڈ سروسز بورڈ' ممبئی شپ یارڈ' سروے آف انڈیا' ائر انڈیا' سول ایوی ایشن اتھارٹی' ملٹری لینڈز' ڈیفنس پروڈکشن ڈویژن' وزارت تعلیم' اسٹیبلشمنٹ ڈویژن' فنانس ڈویژن' منسٹری آف فوڈ اینڈ ایگریکلچر' منسٹری آف ہاؤسنگ اینڈ ورکس' منسٹری آف انڈسٹریز اینڈ پروڈکشن' انڈین سٹیل ملز' یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن' منسٹری آف انفارمیشن' ٹیلی کام ڈویژن' نیشنل ٹریننگ بیورو' کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور انڈین رینجرز کی چیئرمین شپ' سیکرٹری شپ' ڈائریکٹر جنرل شپ' مینجنگ ڈائریکٹر شپ اور ممبر شپ دے دیتی' اگر بھارتی حکومت بھارتی فوج کے جرنیلوں' بریگیڈئرز' کرنلز' میجرز اور کیپٹنز کو کلچر' سپورٹس اور ٹورازم' اویکیو پراپرٹی ٹرسٹ بورڈ' نارکوٹیکس کنٹرول بورڈ' اینٹی نارکوٹیکس کنٹرول فورس' افغان رفیوجیز آرگنائزیشن' منسٹری آف پٹرولیم' انڈین منرل ڈویلپمنٹ اتھارٹی' نیشنل لاجسٹک سیل' منسٹری آف واٹر اینڈ پاور' منسٹری آف وومن ڈویلپمنٹ' سپیشل ایجوکیشن اور انڈین بیت المال کی سربراہی دے دیتی اور اگر انڈین حکومت کسی ریٹائر میجر کو انڈین پنجاب کا آئی جی لگا دیتی تو آج انڈین سرکار اور بھارتی ملٹری کی یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔ آج بریگیڈئر لال شنکر اور بریگیڈئر میش کمار ورما جیسے شاندار افسروں کو رائفلیں چوری نہ کرنا پڑتیں۔

خواتین وحضرات! یہ انڈیا کی صورتِ حال تھی ہم اگر پاکستان کے سرکاری نظام کو دیکھیں تو ہمیں ملک کے مختلف ڈیپارٹمنٹ میں بے شمار حاضر سروس اور ریٹائر فوجی افسر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ افسر ڈیپوٹیشن پر سول اداروں میں آتے ہیں اور بعض اوقات ریٹائرمنٹ کے بعد تک سول اداروں میں پوسٹ رہتے ہیں۔ ان افسروں کی آمد کا سلسلہ انگریز دور سے شروع ہوا' قیامِ پاکستان سے قبل برٹش حکمران فوج کے مختلف افسروں کو سول ڈیوٹیز پر تعینات کر دیتے تھے لیکن پاکستان کے قیام کے بعد صدر ایوب خان کے دور میں یہ سلسلہ سیاسی بنیادوں پر شروع ہو گیا' ایوب خان فوج کے ذریعے اقتدار میں

آئے اور وہ اپنے ساتھ 108 فوجی افسروں کو سول اداروں میں لائے تھے اور 1965ء تک ان افسروں کی تعداد بارہ سو تک پہنچ گئی تھی صدر ایوب خان کے بعد جنرل یحییٰ خان، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف کے ادوار تک فوجی افسر سول محکموں میں آتے رہے۔ یہ سلسلہ ملٹری حکومتوں کے ساتھ ساتھ سیاسی ادوار میں بھی جاری رہا۔ محترمہ بےنظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کے دور میں بھی آرمی افسر سول میں آتے رہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت تک پاکستان کے مختلف سول محکموں میں 1600 کے قریب حاضر سروس اور ریٹائرڈ آرمی افسر موجود ہیں۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے چند روز قبل کور کمانڈرز کے اجلاس میں 300 آرمی افسروں کو سول اداروں سے واپس بلانے کا فیصلہ کیا۔ آرمی چیف نے ان 300 فوجی افسروں میں سے 158 کو 15 مارچ تک جی ایچ کیو میں رپورٹ کرنے کا حکم دیا، ان 158 افسروں میں 6 میجر جنرل، 8 بریگیڈیئرز، 7 کرنلز، 50 لیفٹیننٹ کرنلز اور 71 میجر اور کیپٹن شامل ہیں۔ ان افسروں کا تعلق 43 سول محکموں سے ہے، ان محکموں میں پولیس، متبادل انرجی ڈویلپمنٹ بورڈ، پاکستان سٹاف کالج، نیشنل کرائسز مینجمنٹ سیل، نادرا، واپڈا، آئی بی، وزارت تعلیم، حکومت پنجاب، سندھ، بلوچستان، سول ایوی ایشن، ایف بی آر، سکیورٹی پرنٹنگ کارپوریشن، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن اور وزیراعظم آزاد کشمیر کا آفس شامل ہے۔

خواتین وحضرات! فوجی افسروں کی سول اداروں سے یہ واپسی ہمارا موضوع ہے، ہم نے یہ جائزہ لینا ہے کہ فوجی افسر سول اداروں میں کیوں پوسٹ ہوتے ہیں، فوج ان افسروں کو کیوں واپس بلا رہی ہے اور کیا ان فوجی افسروں کی واپسی سے فوج کے امیج میں اضافہ ہوگا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں صدر ایوب کا ذکر کیا تھا، میں نے عرض کیا تھا صدر ایوب پاکستان کے پہلے سربراہ تھے جو فوجی افسروں کو سول اداروں میں لائے تھے۔ مجھے اس موقع پر صدر ایوب خان ہی کا ایک فقرہ یاد آ رہا ہے صدر ایوب خان نے اقتدار سے محرومی کے بعد ایک اخبار نویس کو انٹرویو دیا تھا اور اس انٹرویو میں انہوں نے کہا تھا ”میں اپنے تجربے کی بنیاد پر یہ سمجھتا ہوں جب فوج بیرکس سے نکل کر شہروں میں آتی ہے تو اس کے ساتھ جذبہ ہوتا ہے لیکن جب وہ واپس جاتی ہے تو اس کے دامن میں بدنامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔“

خواتین وحضرات! میں یہ سمجھتا ہوں ہماری حکومت اور بالخصوص ملٹری قیادت نے افسروں کی واپسی کا بروقت فیصلہ کیا اور اس فیصلے کے دوررس نتائج سامنے آئیں گے۔

(13 فروری 2008ء)

پرارٹی

آغاز:

خواتین وحضرات! مہاتیر محمد جدید ملائشیا کے بانی ہیں، وہ 20 دسمبر 1925ء کو پیدا ہوئے، ان کے والد ایک سکول ٹیچر تھے اور وہ دس بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ مہاتیر محمد نے 1964ء میں سیاست میں قدم رکھا، وہ 1974ء میں وزیر تعلیم بنے اور 1976ء میں نائب وزیر اعظم۔ مہاتیر محمد نے 16 جولائی 1981ء کو ملائشیا کی وزارت عظمیٰ کا حلف اُٹھایا اور وہ 30 اکتوبر 2003ء تک مسلسل 22 برس تک ملائشیا کے وزیراعظم رہے، مہاتیر نے رضاکارانہ طور پر اقتدار چھوڑا تھا، وہ دُنیا کے ان 18 سربراہان میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی مرضی سے اقتدار سے ریٹائرمنٹ لی تھی، ان کی ریٹائرمنٹ پر ملائشیا نے انہیں ”بابائے ترقی“ کا خطاب دیا تھا۔ مجھے 2006ء میں مہاتیر محمد سے ملاقات کا اعزاز حاصل ہوا تھا، میں نے اس ملاقات میں ان سے ملائشیا کی ترقی کی وجوہات پوچھی تھیں۔ مہاتیر محمد ایک نرم گفتار اور منجھے ہوئے سفارتکار کی طرح آہستہ آہستہ بولنے والے انسان ہیں۔ مہاتیر نے جواب دیا ”ہم نے 1975ء میں دُنیا کی جدید قوموں کی ترقی کا مطالعہ کیا تھا، ہمیں اس مطالعے کے دوران معلوم ہوا تھا ترقی یافتہ قوموں کی ترقی کی دس وجوہات ہیں لیکن ان وجوہات میں سے تین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ بنیادی وجوہات تعلیم، صحت اور روزگار ہیں چنانچہ ہم نے 1980ء میں ان تینوں شعبوں پر کام شروع کر دیا اور ہم اپنے جی ڈی پی کا 25 فیصد حصہ تعلیم پر خرچ کرنے لگے“ مہاتیر رکے اور انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا ”ہم ڈیفنس پر 6 فیصد خرچ کرتے تھے جبکہ تعلیم پر 25 فیصد رقم لگاتے تھے، ہم نے پورے ملک میں جدید سکول، کالج اور یونیورسٹیاں بنائیں، طلباء وطالبات کو بھاری وظائف دیئے اور تمام

طالب علموں کو تعلیم کے یکساں مواقع فراہم کئے' ملائشیا میں عام شہری اور میرا بچہ ایک ہی سکول میں داخل ہوتا تھا' ایک ہی بینچ پر بیٹھتا تھا اور ایک ہی سلیبس پڑھتا تھا۔ دوسرا اہم نے صحت کی سہولتیں سب کے لئے یکساں کردیں۔'' مہاتیر نے یہاں پہنچ کر ایک واقعہ سنایا' انہوں نے بتایا'' 1989ء میں مجھے دل کا دورہ پڑا' میرے سٹاف نے مجھے امریکہ لے جانے کا فیصلہ کیا لیکن میں نے انہیں منع کر دیا اور تحریری حکم دے دیا میرا آپریشن ملائشیا ہی میں ہوگا اور ملائشین ڈاکٹر ہی کریں گے' میں نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ ملائشیا میں عام شہریوں کے آپریشن ہمارے ڈاکٹر کرتے ہیں چنانچہ مہاتیر محمد کا علاج بیرون ملک کیوں ہو؟ میرے حکم کے بعد میرا آپریشن ملائشیا میں ہوا اور میں صحت یاب ہو گیا۔'' انہوں نے بتایا'' میرے آپریشن سے پہلے ہر سال دو ملین ملائشین علاج کے لئے بیرون ملک جاتے تھے لیکن اب دُنیا بھر سے سالانہ 6 ملین لوگ علاج کے لئے ملائشیا آتے ہیں۔'' مہاتیر محمد نے بتایا '' ہم نے پورے ملک میں روزگار کے ذرائع پیدا کئے' ہم نے 1985ء میں ملائشیا میں گاڑیاں بنانے کا کارخانہ لگایا' ہماری کار مارکیٹ میں آئی تو لوگ یہ گاڑی استعمال نہیں کرتے تھے' میں وزیراعظم تھا اور میں نے یہ گاڑی خود استعمال کرنا شروع کر دی' میں اتوار کے دن یہ گاڑی خود ڈرائیو کرتا تھا' مارکیٹ جاتا تھا اور لوگوں کے سامنے خریداری کرتا تھا اس کا یہ نتیجہ نکلا عوام کو اس کار پر اعتماد ہوگیا اور یوں گاڑی کی سیل میں دس گنا اضافہ ہوگیا' ہم نے ملائشیا میں بڑے پیمانے پر روزگار سکیمیں بھی متعارف کرائیں' ہماری ان روزگار سکیموں کا یہ نتیجہ نکلا کہ 1990ء تک ملائشیا کے 30 فیصد جوان لوگ بے روزگار تھے لیکن 2000ء میں ہم نے بیرونی دُنیا سے 30 لاکھ مزدور اور کارکن امپورٹ کئے تھے'' مہاتیر محمد کا کہنا تھا'' جب تک کوئی ملک تعلیم' صحت اور روزگار کو اپنی پہلی ترجیح نہیں بناتا اس وقت تک وہ ترقی کی شاہراہ پر نہیں آتا'' مہاتیر محمد نے ایک آخری بات بھی کی تھی' وہ بات بھی ان دوسری باتوں کی طرح بہت اہم تھی لیکن میں وہ بات آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

خواتین وحضرات! ہم ملائشیا سے پاکستان کی طرف آتے ہیں' پاکستان میں 2007ء کے اعداد و شمار کے مطابق 2 لاکھ 3 ہزار پرائمری سکول' 47 ہزار مڈل اور 27 ہزار ہائی سکول ہیں' پاکستان میں سکینڈری اور تربیتی اداروں کی تعداد 64 ہے جبکہ پاکستان میں ایک ہزار 7 سو 37 کالج اور صرف 61 یونیورسٹیز ہیں۔ 2007ء کے اعداد و شمار کے مطابق ہماری یونیورسٹیوں میں 2 لاکھ 21 ہزار 5 سو 41 کالجز میں 10 لاکھ 47 ہزار' ہائی سکولوں میں 21 لاکھ 81 ہزار' مڈل سکولوں میں 53 لاکھ 18 ہزار جبکہ پرائمری سکولوں میں 3 کروڑ 61 لاکھ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اگر ہم ان سب طالب علموں کی تعداد جمع کریں تو یہ 4 کروڑ' 48 لاکھ' 67 ہزار 5 سو 41 بنتی ہے۔ آپ

ایک دوسری دلچسپ حقیقت بھی ملاحظہ کیجئے' پاکستان میں 3 کروڑ 61 لاکھ بچے پرائمری سکول میں داخل ہوتے ہیں لیکن ان میں سے صرف 2 لاکھ 21 ہزار 5 سو طالب علم یونیورسٹیز میں پہنچ پاتے ہیں اور یہ تعداد دُنیا میں سب سے کم ہے اس کے علاوہ اس وقت ملک میں 65 لاکھ بچے تعلیم سے مکمل طور پر محروم ہیں اور اس محرومی میں ہم دُنیا میں سیکنڈ لاسٹ ملک ہیں۔ ہمارے بعد نائیجریا کا نمبر آتا ہے جبکہ ہم اپنے جی ڈی پی کا صرف 2 اعشاریہ 7 فیصد تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ صحت کے شعبے میں بھی صورتِ حال انتہائی خراب ہے' 2007ء کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں 924 ہاسپٹلز' 4 ہزار 7 سو 12 ڈسپنسریز' 5 ہزار 3 سو 36 بیسک ہیلتھ یونٹس' 906 میٹرنٹی اینڈ چائلڈ ہیلتھ سنٹرز' 560 رورل ہیلتھ سنٹرز اور 288 ٹی بی سنٹرز ہیں۔ پاکستان میں 1254 شہریوں کے لئے ایک ڈاکٹر' 2 ہزار 6 سو 71 شہریوں کے لئے ایک نرس' 20 ہزار 8 سو 39 شہریوں کے لئے ایک ڈینٹسٹ جبکہ ایک ہزار 5 سو 8 مریضوں کے لئے ہسپتال کا ایک بیڈ ہے۔ پاکستان میں 10 کروڑ لوگوں کی صحت پر سالانہ 50 ارب روپے خرچ کئے جاتے ہیں اور یہ رقم ہمارے جی ڈی پی کا آدھا فیصد بنتی ہے اور یہ خطے میں سب سے کم ہے جبکہ پاکستان میں عوام کی صحت خطرے کی لکیر سے کہیں نیچے ہے' ہماری 19 فیصد آبادی خوراک کی کمی کا شکار ہے' پاکستان میں ہر سال 4 لاکھ بچے صحت کی سہولیات کی کمی کے باعث انتقال کر جاتے ہیں' ہم میں سے ہر تیسرا شخص بلڈ پریشر' ہر چوتھا شخص شوگر' ہر تیسری عورت کینسر اور ہر ساتواں شخص ہیپاٹائٹس کا مریض ہے۔

خواتین وحضرات! صحت اور تعلیم کی طرح پاکستان میں غربت اور بے روزگاری بھی خطرناک لکیر کو چھو رہی ہے۔ پاکستان میں اس وقت اڑھائی کروڑ نوجوان ہیں لیکن ان میں سے صرف 3 لاکھ برسرروزگار ہیں۔ پاکستان میں ایک کروڑ 45 لاکھ پڑھے لکھے بے روزگار ہیں اور ہماری یونیورسٹیوں سے ہر سال دو لاکھ نوجوان ڈگریاں لے کر معاشرے میں آتے ہیں اور ان کے لئے روزگار کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہوتا۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں ہر سال 30 لاکھ بے روزگار نوجوانوں کا اضافہ ہوتا ہے اور ان کے لئے اس ملک میں کوئی نوکری نہیں جبکہ ہماری آبادی کا 30 سے 60 فیصد حصہ خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔

ہم آج ملک کی تین بڑی سیاسی جماعتوں پاکستان مسلم لیگ ق' پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن کے نمائندوں سے پوچھیں گے اگر 18 فروری کے بعد ان کی حکومت بنتی ہے تو ان کے پاس غربت کے خاتمے' بے روزگاری' صحت اور تعلیم کے لئے کیا فارمولا ہے۔ انہوں نے اپنے پارٹی منشور میں پاکستان کے ان بنیادی مسائل کے لئے کیا تجاویز رکھی ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں مہاتیر محمد سے ایک ملاقات کا ذکر کیا تھا اور اس ذکر کے حوالے سے آپ سے وعدہ کیا تھا میں آپ کو آخر میں مہاتیر محمد کی مزید ایک بات سناؤں گا۔ مہاتیر محمد نے کہا تھا ''دُنیا کی کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرتی جب تک وہ اپنے محروم طبقوں کو مراعات یافتہ طبقوں پر فوقیت نہیں دیتی'' ان کا کہنا تھا ''دُنیا میں آج تک جس قوم نے بھی ترقی کی اس نے سب سے پہلے اپنے غریب لوگوں کو نوازا'' میرا خیال ہے اگر ہماری سیاسی جماعتیں اس ملک کو حقیقتاً ترقی یافتہ دیکھنا چاہتی ہیں تو انہیں بھی محروم طبقوں کو ''پرارٹی'' دینا پڑے گی۔

(14 فروری 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

قدرت کا موقع

آغاز:

خواتین وحضرات! ہندوستان میں تین ایسے بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے پورے برصغیر پر حکومت کی تھی اور اس حکومت کے باعث وہ عالمگیر یا گریٹ کہلائے تھے' ان بادشاہوں کے نام تھے اکبر اعظم' اورنگ زیب عالمگیر اور اشوک اعظم۔ میں اکبر اعظم اور اورنگ زیب عالمگیر کا ذکر تو پھر کبھی کروں گا' آج کے دن ہم اشوک اعظم کی بات کرتے ہیں۔ اشوک اعظم کابل سے لے کر کولکتہ تک ہندوستان کا مالک اور مختار تھا' وہ پیدائشی بادشاہ تھا' وہ دُنیا کا سب سے بڑا فاتح بننا چاہتا تھا' اس نے فتوحات کا آغاز اپنے بھائیوں سے کیا' اس نے ایک ایک کر کے اپنے تمام بھائی مروا دیئے اور آخر میں بادشاہ بن گیا۔ اقتدار کی ہوس زیادہ تھی اور سلطنت چھوٹی لہٰذا وہ فاتح عالم بننے کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا' اس خواہش کی تکمیل کے دوران اس کے راستے میں جو آیا اس نے اسے کچل دیا' جس نے سر اُٹھایا اسے روند ڈالا' ہزاروں لوگ اشوک کی خواہش کا ایندھن بن گئے' یہاں تک کہ وہ مارتا دھاڑتا ہوا ہندوستان کے آخری سرے تک پہنچ گیا۔ اشوک کے پاس اس وقت دُنیا کی سب سے بڑی اور انتہائی جدید فوج تھی' اس کے پاس سات لاکھ پیادے' تیر انداز اور گھڑ سوار تھے' اس نے یہ سورمے پورے ہندوستان سے چن چن کر اکٹھے کئے اور وہ اپنی فوج پر ہمیشہ فخر کرتا تھا۔ کلنگہ کے مقام پر اس نے آخری لڑائی لڑی تھی' اس جنگ میں اس نے دُشمن کے ایک لاکھ سپاہی قتل کر دیئے تھے اور اس جنگ کے بعد وہ ہندوستان کا مالک بن گیا تھا' یہ کلنگہ کا مقام تھا اور شام کا وقت تھا' اشوک گھوڑے سے اترا' سامنے میدان میں ہزاروں نعشیں پڑی تھیں' اس نے زندگی میں کبھی اتنی نعشیں اکٹھی نہیں دیکھی تھیں' اس نے اپنے مشیر سے پوچھا ''کتنے لوگ مارے گئے'' مشیر نے سینہ پھلا کر

جواب دیا ''ایک لاکھ'' وہ نیچے بیٹھ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا' اس وقت اس کی فوج مال و متاع جمع کر رہی تھی' سپاہیوں نے جب اشوک اعظم کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے' اشوک چلا چلا کر کہہ رہا تھا ''اشوک تم نے لاکھ لوگ مار دیئے' ان لوگوں کا کیا قصور تھا'' وہ بلک بلک کر روتا رہا' جب اشوک کے آنسو تھمے تو وہ ایک نیا انسان تھا' اس نے نیام سے تلوار نکالی' دریا میں پھینکی اور ہندومت ترک کر دیا' اس نے کلنگہ کے میدان میں کھڑے کھڑے فوج کے خاتمے کا اعلان کر دیا' اس نے اپنے سات لاکھ فوجیوں کو گھر بھیج دیا۔

خواتین و حضرات! اس کے بعد اشوک کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا اور اس دور میں وہ تاریخ کا شاندار ترین بادشاہ کہلایا' اشوک کی حکومت کاری کے دو بڑے اُصول تھے' خدمت اور انصاف۔ اس نے پوری سلطنت میں سڑکیں بنائیں' سڑکوں کے کنارے درخت لگوائے' کنوئیں کھدوائے' مسافر خانے تعمیر کرائے' درسگاہیں اور منڈیاں بنوائیں' وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے جانوروں کے ہسپتال کا تصور دیا' جس نے عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیئے اور جو یہ کہتا تھا بچوں کی پرورش حکومت کا فرض ہے۔ اس کی خدمت اور انصاف کی شہرت دیگر ریاستوں تک پھیلی اور وہ اشوک سے اشوکا اعظم بنتا چلا گیا' اس کی سلطنت اڑیسہ سے گلگت اور بنگال سے دکن تک پھیل گئی اور وہ گوادر سے کابل تک بادشاہ بن گیا۔ وہ ہندوستان کا پہلا بادشاہ تھا جس نے فوج کے بغیر ہندوستان جیسے ملک پر حکومت کی تھی' اس کے دور میں کوئی بیرونی حملہ آور ہندوستان میں داخل ہوا اور نہ ہی کسی اندرونی شورش نے سر اُٹھایا بہر حال یہ ایک طویل داستان ہے۔ میں نے اشوک کی یہ ساری داستان آپ کو اس کے دو اقوال سنانے کے لئے سنائی' وہ کہتا تھا حکومت حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا حکومت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ وہ کہتا تھا اگر آپ چالاک ہیں اور اگر آپ لوگوں کی صلاحیتوں کو اپنے لئے استعمال کر سکتے ہیں تو آپ بہت آرام سے تخت تک پہنچ سکتے ہیں لیکن آپ کا اصل امتحان تخت پر بیٹھنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اُس وقت معلوم ہوتا ہے آپ کتنے باصلاحیت ہیں' آپ کتنے ذہین ہیں' آپ کتنے بااُصول ہیں اور آپ کتنے مضبوط ہیں۔

الیکشن ہو چکے ہیں اور الیکشن کے نتائج کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی نے وفاق میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کی ہیں' مسلم لیگ ن دوسری بڑی سیاسی جماعت بن کر ابھری ہے اور مسلم لیگ ق' ایم کیو ایم اور اے این پی اس کے بعد آتی ہیں۔ حکومت سازی کے لئے جوڑ توڑ اور سمجھوتے اور معاہدے جاری ہیں۔ آج پاکستان پیپلز پارٹی' مسلم لیگ ن اور اے این پی کی قیادتوں میں ملاقاتیں ہوئیں' ان ملاقاتوں کے کیا نتائج نکلتے ہیں' کون کس جگہ حکومت بنائے گا اور اس حکومت کی

بنیاد کیا ہوگی' یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں اشوک اعظم کا ذکر کیا تھا اور اس ذکر کے ساتھ آپ سے وعدہ کیا تھا میں آپ کو اس کا دوسرا قول آخر میں سناؤں گا' اشوک اعظم نے کہا تھا ''دُنیا میں بے شمار حکمران ہوتے ہیں لیکن ان بے شمار حکمرانوں میں اچھے حکمران بہت کم ہوتے ہیں'' اس نے کہا تھا ''اچھا حکمران وہ ہوتا ہے جو اپنے وعدے کا پاس کرتا ہے' جو اپنے بجائے عوام کے بارے میں سوچتا ہے اور جو آج نہیں بلکہ کل میں زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے۔''

خواتین و حضرات! قدرت نے آج ہمارے سیاست دانوں کو بھی ایک اچھا سیاست دان' ایک اچھا حکمران بننے کا موقع دیا اور قوم کی خواہش ہے یہ لوگ بھی ان تمام وعدوں کا پاس کریں جن کی بنیاد پر ان لوگوں نے عوام کے ووٹ حاصل کئے تھے۔ یہ ہماری سیاست کی آج تک کی صورتِ حال تھی' ہماری سیاست کل کیا شکل اختیار کرتی ہے اس کے لئے آپ بھی میرے ساتھ انتظار کیجئے۔ کل تک۔

(21 فروری 2008ء)

سچ بولنے کی جرات

آغاز:

خواتین وحضرات! 1980ء میں ایک امریکی ادارے نے دُنیا کے دس بڑے لیڈرز کی ایک فہرست جاری کی تھی اور اس فہرست میں چارلس ڈیگال کا نام دوسرے نمبر پر تھا' اس فہرست کا تیسرا حکمران سوویت یونین کا سربراہ جوزف سٹالن تھا' جوزف سٹالن کی کہانی بہت دلچسپ تھی' سٹالن ایک موچی کا بیٹا تھا اور اس نے لینن کے انتقال کے بعد روس کا اقتدار سنبھالا تھا' وہ ایک ظالم اور سخت مزاج شخص تھا' وہ مخالفین کو برداشت نہیں کرتا تھا' اس نے اقتدار سنبھالتے ہی وزیر خارجہ لیون ٹرائسکی کو نظر بند کر دیا اور دو برسوں میں ٹرائسکی سمیت 121 بڑے سیاست دانوں کو جلاوطن کر دیا' اس کے دور میں 30 لاکھ لوگ حکومتی جبر کے ہاتھوں مارے گئے یا غائب کر دیئے گئے' سٹالن کی سفارتی پالیسیاں بھی غلط اور ظالمانہ تھیں' اس نے جرمنی کے ساتھ عدم جنگ کا معاہدہ کیا اور یہ معاہدہ دوسری جنگ عظیم کا باعث بن گیا' اس نے لٹویا' اسٹونیا اور لیتھوانیا کو زبردستی سوویت یونین میں ضم کر دیا' اس نے فن لینڈ پر حملہ کیا اور سٹالن کی بے وقوفیوں کے باعث ہٹلر نے روس پر حملہ بھی کر دیا اور اس حملے کے دوران 20 لاکھ لوگ مارے گئے' سٹالن نے اشتراکیت کو وسعت دی اور پولینڈ' چیکوسلواکیہ' ہنگری' رومانیہ' بلغاریہ' مشرقی جرمنی' یوگوسلاویہ اور البانیہ میں بھی کیمونسٹ برسراقتدار آ گئے' جوزف سٹالن 1953ء میں دماغ کی نس پھٹنے سے انتقال کر گیا۔

خواتین وحضرات! سٹالن جب برسراقتدار تھا تو پارٹی کے عہدیدار اس کی پالیسیوں سے خوش نہیں تھے لیکن کسی میں اس کے سامنے کھڑے ہونے کی جرأت نہیں تھی' اس کے انتقال کے بعد 1958ء میں خروشیف سوویت یونین کا سربراہ بنا تو اس نے ماسکو کے ٹاؤن ہال میں کیمونسٹ پارٹی

کے دو ہزار جونیئر لیڈروں کو جمع کیا اور وہ ان کے سامنے سٹالن کی غلطیاں بیان کرنے لگا' اس نے پارٹی لیڈروں کو بتانا شروع کیا' سٹالن نے یہ غلطی کی' اس نے وہ غلطی کی' اس نے یہ حماقت کی' اس نے وہ حماقت کی' اس کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور اس کو وہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وغیرہ وغیرہ' خروشیف جب یہ تقریر کر رہا تھا تو ہال میں سے کسی نے کاغذ کی ایک چھوٹی سے چٹ پر لکھا ''جناب آپ سٹالن کی سنٹرل کمیٹی میں شامل تھے' جب سٹالن یہ تمام حماقتیں کر رہا تھا تو آپ نے اسے کیوں نہیں روکا' آپ اس وقت کیا کرتے رہے تھے'' یہ چٹ مختلف ہاتھوں سے ہوتی ہوئی خروشیف تک پہنچی' خروشیف نے چٹ پڑھی اور غصے سے ہال کی طرف دیکھ کر چلایا ''یہ چٹ کس نے لکھی ہے'' ہال میں سناٹا چھا گیا' وہ دوبارہ بولا ''یہ کون گستاخ ہے'' ہال میں خاموشی رہی' اس نے حکم دیا ''یہ چٹ جس نے لکھی ہے وہ سامنے آئے'' ہال میں موجود کوئی شخص باہر نہ آیا' خروشیف مسکرایا اور مسکرا کر بولا ''جب سٹالن حماقتیں' ظلم اور زیادتیاں کر رہا تھا تو میں بھی اسی قسم کی گم نام چٹیں لکھا کرتا تھا'' وہ رکا اور رک کر دوبارہ بولا ''میرے اندر سچ تو تھا لیکن اس سچ میں سٹالن کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں تھی۔''

خواتین وحضرات! خروشیف کا یہ واقعہ 27 فروری کو پاکستان میں بھی دہرایا گیا' اس دن پانچ برس تک پاکستان میں حکمران رہنے والی جماعت مسلم لیگ ق کی ایک سینیٹر نیلوفر بختیار نے سینٹ میں سچ گروپ کے نام سے ایک فارورڈ گروپ بنا لیا' اس گروپ میں 6 سینیٹر شامل ہیں اور نیلوفر بختیار کا دعویٰ ہے دس' پندرہ مزید سینیٹر بھی اس گروپ میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں' اس سچ گروپ کی تشکیل کے بعد مستقبل قریب میں دو ''پولیٹیکل ڈیولپمنٹس'' ہو سکتی ہیں' ایک اب نئی حکومت اس گروپ کی مدد سے ججوں کی بحالی اور 58 ٹو بی کا مسئلہ حل کرا سکے گی کیونکہ سردست پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کو سینٹ میں اکثریت حاصل نہیں اور اس فارورڈ گروپ' ایم کیو ایم اور مولانا فضل الرحمان کی حمایت کے بعد اسے یہ اکثریت حاصل ہو جائے گی اور دوسرا اس فارورڈ گروپ کی تشکیل کے بعد مسلم لیگ ق کا رہا سہا دم خم بھی ختم ہو گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حیران کن بات ہے' یہ سچ گروپ اس وقت کیوں نہیں بنا جب ملک کو اس کی ضرورت تھی؟ اگر یہ گروپ پچھلے پانچ برسوں کے دوران بن جاتا تو لال مسجد' فاٹا آپریشن اور سردار بگٹی جیسے ایشوز نہ ہوتے۔ سوال یہ ہے اگر نیلوفر بختیار اور دوسرے سینیٹرز کو اپنی پارٹی کی قیادت سے اختلاف تھا تو یہ اختلاف پچھلے پانچ برسوں میں سامنے کیوں نہیں آیا؟ شاید پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس میں جب تک بادشاہ باوردی اور مضبوط رہتا ہے اس وقت تک خروشیف کی طرح کوئی سینیٹر' کوئی رکن اسمبلی اور کوئی سیاست دان سچ بولنے کا رسک نہیں لیتا۔

خواتین وحضرات! پاکستان میں سیاسی عمل تیز ہو چکا ہے' پچھلے چار دنوں میں چار بڑے سیاسی واقعات پیش آئے' ان واقعات میں سپریم کورٹ کی طرف سے ''این آر او'' کی بعض شقوں کے خلاف موجود سٹے آرڈر کی منسوخی سرفہرست ہے' صدر پرویز مشرف اور محترمہ بینظیر بھٹو کے درمیان گزشتہ برس سمجھوتہ ہوا اور صدر مشرف نے اس سمجھوتے کے نتیجے میں 5 اکتوبر 2007ء کو این آر او جاری کیا اور اس این آر او کی وجہ سے محترمہ بے نظیر بھٹو اور آصف علی زرداری کے خلاف کرپشن کے مقدمات پر وقتی طور پر کارروائی روک دی گئی' اس این آر او کے خلاف میاں شہباز شریف اور قاضی حسین احمد نے سپریم کورٹ میں پٹیشن دائر کی اور اس وقت کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے ان پٹیشن پر کارروائی کرتے ہوئے این آر او کی بعض شقوں کے خلاف سٹے آرڈر دے دیا' یہ سٹے آرڈر 18 فروری کے الیکشن کے بعد حکومت کے ہاتھ میں تاش کا پتہ بن گیا اور یوں محسوس ہوتا تھا اس پتے کی وجہ سے پاکستان پیپلز پارٹی ججوں کے ایشو اور اٹھاون ٹو بی (58-2B) کے معاملے پر مسلم لیگ ن کا کھل کر ساتھ نہیں دے پا رہی چنانچہ 25 فروری کو میاں نواز شریف امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد سے ملے اور اس ملاقات کے 2 دن بعد سپریم کورٹ میں این آر او کیس کی سماعت ہوئی اور اس کیس میں میاں شہباز شریف اور قاضی حسین احمد کے وکلاء پیش نہیں ہوئے اور یوں سپریم کورٹ نے عدم پیروی کی بنیاد پر یہ سٹے خارج کر دیا اور آصف علی زرداری این آر او کے خطرے سے آزاد ہو گئے اور انہوں نے میاں نواز شریف اور اسفندیار ولی کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر نئے عزم کا اظہار کیا' اسی دن نواز شریف نے ایک چھوٹا سا بیان دیا جس میں انہوں نے اشارہ کیا ''ہم نیا صدر اے پی ڈی ایم سے بھی لے سکتے ہیں'' لہٰذا یوں محسوس ہوتا ہے شاید اے پی ڈی ایم' مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی کے درمیان صدارت کے لئے مذاکرات ہو رہے ہیں' سیاست کی دوسری ڈویلپمنٹ 28 فروری کو آصف علی زرداری اور مولانا فضل الرحمٰن کے درمیان ملاقات ہے اور اس ملاقات میں مولانا فضل الرحمٰن نے قومی حکومت کا حصہ بننے کا اعلان کیا ہے' تیسری ڈویلپمنٹ پاکستان پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے درمیان رابطہ ہے' 28 فروری کو پیپلز پارٹی کا وفد ایم کیو ایم کے ہیڈ کوارٹر نائن زیرو گیا اور دونوں نے اشتراک اقتدار پر گفتگو کی اور چوتھی ڈویلپمنٹ معزول عدلیہ اور ایوان صدر کے درمیان مذاکرات کا نیا سلسلہ ہے۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے حکومت چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے بغیر عدلیہ کو بحال کرنے پر راضی ہے لیکن میرے خیال میں وکلاء یہ آپشن قبول نہیں کریں گے۔ ہم ان تمام ایشوز پر گفتگو کریں گے لیکن اس سے قبل میں آپ کو آخری حصے کے بارے میں بتاتا چلوں ہمارے سچ گروپ کو تاریخ بھی ایک مشورہ دیتی ہے' وہ مشورہ کیا ہے یہ میں

آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں سچ گروپ کو ایک مشورہ دینے کا وعدہ کیا تھا میرے پاس ایک بڑا خوبصورت فقرہ ہے اور اس فقرہ کا بانی یا موجد کون ہے' اس کے بارے میں تاریخ میں ابہام پایا جاتا ہے' کوئی اسے ہٹلر کا فقرہ کہتا ہے' کوئی سٹالن کا اور کوئی اسے نپولین بوناپارٹ کا فقرہ کہتا ہے لیکن اس کا موجد کون ہے اس سے قطع نظر فقرہ بڑا جاندار اور خوبصورت ہے۔ کہنے والے نے کہا تھا ''جو مکا لڑائی کے بعد یاد آئے اسے انسان کو اپنے منہ پر مار لینا چاہیے'' بالکل اسی طرح میرا خیال ہے جو سچ وقت گزرنے کے بعد بولا جائے یا جو سچ گروپ بادشاہ سلامت کی کمزوری کے بعد تشکیل پائے وہ سچ اور وہ سچ گروپ کچھ زیادہ سچا نہیں ہوتا۔ سٹالن نے کہا تھا ''ہر سچ کا ایک وقت ہوتا ہے اگر وہ وقت پر نہ بولا جائے تو وہ سچ سچ نہیں رہتا جھوٹ بن جاتا ہے۔''

(29 فروری 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

معاشرے کیوں اُجڑتے ہیں۔۔!!

آغاز:

خواتین حضرات! انسان قدیم دور سے دوسرے انسانوں کو مختلف ایشوز سمجھانے کے لئے حکایات کی مدد لیتا آ رہا ہے۔ ان حکایات کا موجد کون تھا' کس سولائزیشن نے سب سے پہلے حکایات شروع کیں اور حکایات نے تحریری شکل کب اختیار کی اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں پائی جاتی لیکن یہ بات طے ہے دُنیا کے تمام خطوں' ممالک اور معاشروں کے ادب میں حکایات موجود ہیں اور انسان صدیوں بلکہ ہزاروں سال سے حکایات کے ذریعے اپنی اگلی نسل کی روحانی اور ذہنی پرورش کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس خطے میں شیخ سعدی نے سب سے پہلے سنٹرل ایشیا' ایران' ترکی' افغانستان اور ہندوستان کی حکایات جمع کیں اور انہیں گلستان اور بوستان دو کتابوں کی شکل دی اور یہ دونوں کتابیں اب تک دُنیا کی 102 زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ ان کتابوں کی حکایات نے اس خطے کی ذہنی اور روحانی پرورش میں بڑا کام کیا اور ماہرین کا خیال ہے اگر شیخ سعدی نہ ہوتے یا وہ یہ دو کتابیں مرتب نہ کرتے تو شائد سنٹرل ایشیا اور ہندوستان کے عوام کو شعور کی اس سطح تک پہنچنے کے لئے مزید دو سو سال انتظار کرنا پڑتا۔

خواتین و حضرات! حکایات کے لئے عموماً جانور کو بطور کردار استعمال کیا جاتا ہے' اس کی وجہ انسان اور جانور کی قربت ہے' انسان جذباتی طور پر جانور کے بہت قریب ہے اور تاریخ ثابت کر چکی ہے اگر آپ جانوروں کو کردار کی شکل دے کر کوئی بات کریں تو بچے اس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ایک جرمن کہاوت ہے ''جو شخص جانوروں سے محبت نہیں کرتا وہ انسانوں سے بھی محبت نہیں کرتا'' شائد یہی وجہ ہے پرانے دور کے سیانے حکایات کے لئے ہمیشہ جانوروں کا تعین کرتے تھے۔

خواتین و حضرات! میں نے یہ ساری تمہید آپ کو ایک حکایت سنانے کے لئے باندھی ہے۔

اس حکایت کی بیس انصاف اور انصاف کی ضرورت ہے۔ قدیم زمانے کے لوگ الو اور بانسری کو نحوست سمجھتے تھے' وہ لوگ کہتے تھے جس جگہ کثرت سے بانسری بجائی جائے یا جس جگہ الو آباد ہونے لگیں وہ جگہ بہت جلد اجڑ جاتی ہے یہی وجہ تھی جب نیرو نے روم کی کچی آبادیوں کو آگ لگائی تھی تو اس نے محل کی چھت پر بیٹھ کر بانسری بجائی تھی' وہ اس بانسری کے ذریعے لوگوں کو یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ روم کی یہ کچی آبادیاں نحوست تھیں چنانچہ میں نے ان کو آگ لگا دی۔ میں حکایت کی طرف آتا ہوں' کہا جاتا ہے نیرو کے زمانے میں ایک طوطا اور طوطی کہیں اُڑتے ہوئے ایک ویران گاؤں میں آ کر بیٹھ گئے' طوطی نے طوطے سے پوچھا ''یہ گاؤں کیوں اجڑ گیا'' طوطے نے جواب دیا ''میرا خیال ہے اُلوؤں کی وجہ سے'' اس وقت کوئی الو بھی وہاں سے گزر رہا تھا' اس نے طوطے کی یہ بات سن لی' وہ ان کے پاس رکا اور اس نے انہیں دعوت دی ''میرا گھر قریب ہے اگر آپ لوگ آج میرے ساتھ ڈنر کرو تو آپ لوگوں کی بہت مہربانی ہوگی'' طوطا اور طوطی نے یہ دعوت قبول کر لی' یہ دونوں شام کو الو کے گھر پہنچ گئے' الو نے دونوں کے لئے بڑی شاندار دعوت کا انتظام کر رکھا تھا' تینوں نے اکٹھے کھانا کھایا' کھانا کھانے کے بعد طوطا اور طوطی نے الو سے اجازت چاہی' الو نے مسکرا کر طوطے کی طرف دیکھا اور بولا ''آپ جا سکتے ہیں لیکن طوطی نہیں جا سکتی'' طوطے نے حیرت سے پوچھا ''کیوں'' الو بولا ''کیونکہ یہ طوطی میری بیوی ہے'' طوطے نے فوراً چلا کر کہا ''کیسے ہو سکتا ہے' تم الو ہو اور ہم طوطے۔۔۔ ایک طوطی الو کی بیوی کیسے ہو سکتی ہے'' الو نے جواب دیا ''ہم تینوں کورٹ میں جاتے ہیں'' اپنا مقدمہ چیف قاضی کے سامنے رکھتے ہیں اور جو فیصلہ قاضی کر دے ہم تینوں قبول کر لیں گے'' طوطا اور طوطی مان گئے' وہ تینوں قاضی کی کورٹ میں چلے گئے' طوطے نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا' قاضی نے الو کی طرف دیکھا' الو آگے بڑھا' اس نے حلف اُٹھایا ''میں سچ کہوں گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا'' اس کے بعد اس نے دلائل دینا شروع کر دیئے' الو کے جواب میں طوطے نے بھی دلائل دیئے لیکن بدقسمتی سے الو کے دلائل طوطے کے دلائل سے زیادہ مضبوط تھے چنانچہ چیف قاضی نے الو کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ عدالت برخواست ہو گئی' طوطا روتا دھوتا عدالت سے باہر جانے لگا تو الو نے اسے آواز دی اور اس نے کہا ''تم اپنی بیوی کو تو ساتھ لیتے جاؤ'' طوطے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا ''یہ اب میری کہاں ہے' عدالت اسے تمہاری بیوی ڈکلیئر کر چکی ہے'' الو نے قہقہہ لگایا اور جواب دیا ''میں تمہیں اس عدالت میں اس لئے لایا ہوں کہ میں تمہیں اس ملک کے اجڑنے کی وجہ بتا سکوں'' الو نے کہا ''ملک اور معاشرے الوؤں کی نحوست کی وجہ سے نہیں اجڑتے' انصاف کی کمی کے باعث تباہ ہوتے ہیں'' الو نے کہا اس ملک میں انصاف نہیں چنانچہ یہ ملک ویران ہو رہا ہے'' اس کے بعد الو نے ایک تاریخی فقرہ بولا اور وہ تاریخی فقرہ کیسا تھا' یہ میں آپ کو

آخر میں بتاؤں گا۔ سرِ دست ہم آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

خواتین وحضرات! آج نو مارچ کا دن ہے' نو مارچ کا دن پاکستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے' اس دن ملک کی تاریخ میں پہلی بار چیف جسٹس آف پاکستان معطل ہوئے اور اس کے بعد ایک ایسا بحران شروع ہوا جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ 9 مارچ 2007ء سے 9 مارچ 2008ء تک ایک برس کے دوران ملک میں 206 جلوس اور ریلیاں نکلیں' ایک لاکھ وکلاء نے 7 ماہ تک مسلسل اور دو ماہ تک عدالتوں کا جزوی بائیکاٹ کیا۔ ملک کے 27 شہروں میں 51 مرتبہ لاٹھی چارج ہوا اور آنسو گیس پھینکی گئی' پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار 16 ہزار کے قریب وکلاء گرفتار کئے گئے اور 3 نومبر 2007ء کو پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار 74 ججوں نے پی سی او کے تحت حلف اُٹھانے سے انکار کیا اور ملک کی تاریخ میں پہلی بار ایک چیف جسٹس چار ماہ تک مسلسل نظر بند رہا۔ اس ایک برس میں ''سول سوسائٹی'' کے نام سے ایک نیا طبقہ سامنے آیا اور اس طبقے نے نظام کو جڑوں سے ہلا دیا۔ اس ایک برس میں وکلاء کی شکل میں ایک نئے پریشر گروپ نے جنم لیا اور اس گروپ نے طاقت کے محور بدل دیئے۔ پاکستان کے دانشوروں کا کہنا ہے جس طرح 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا تھا بالکل اسی طرح 9 مارچ کے دن نے پاکستان کے اندر ایک نئے پاکستان کا وجود رکھا۔

خواتین وحضرات! آج نو مارچ کا دن ہے اور ہم نے آج کے دن پچھلے ایک برس کا جائزہ لینا ہے' ہم نے دیکھنا ہے کیا واقعی نو مارچ نے ایک نئے پاکستان کی بنیاد رکھی' کیا ججوں کا مسئلہ واقعی مسئلہ ہے' کیا اس تحریک کو ملک سے باہر سے سپورٹ مل رہی ہے اور اگلے ایک برس میں اس تحریک کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں آپ کو ایک حکایت سنائی تھی اور آپ سے وعدہ کیا تھا میں پروگرام کے آخر میں آپ کو الو کا تاریخی فقرہ سناؤں گا۔ الو کے اس تاریخی فقرے کا وقت آ چکا ہے۔

خواتین وحضرات! الو نے کہا تھا جس ملک کا نظام عدل اٹل اور شفاف ہوتا ہے اس ملک پر کبھی زوال نہیں آتا لیکن جس ملک کے قاضی بے ایمان اور عدالتیں بے انصاف ہوں اس ملک کو دُنیا کی کوئی طاقت برباد ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ اس نے کہا تھا نحوست الوؤں میں نہیں ہوتی بے انصافی میں ہوتی ہے چنانچہ اگر تم معاشروں کو اجڑنے سے بچانا چاہتے ہو تو تم ملک میں کبھی بے انصافی نہ ہونے دینا۔

(09 مارچ 2008ء)

ہم سب گِدھ ہیں

آغاز:

خواتین وحضرات! پنجاب اور سندھ کے دیہات میں ایک انتہائی خوفناک روایت ابھی تک موجود ہے' ان دیہات میں جب کسی کا گدھا یا خچر بوڑھا ہو جاتا ہے' بیمار ہو جاتا ہے یا کسی جسمانی معذوری یا زخم کی وجہ سے کام کے قابل نہیں رہتا تو اس کا مالک اسے احاطے میں چھوڑ دیتا ہے' یہ احاطہ عموماً گاؤں سے ذرا سے فاصلے پر ہوتا ہے اور یہ گدھوں اور خچروں کی آخری آرام گاہ سمجھا جاتا ہے' اس احاطے کی دیواروں اور درختوں پر چیلیں اور گدھ بیٹھے ہوتے ہیں' یہ گدھ گدھے کا گھیراؤ کر لیتے ہیں' اس کی پیٹھ پر چڑھتے ہیں' اپنی چونچ سے گدھے کی پیٹھ میں سوراخ کرتے ہیں اور زندہ گدھے کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیتے ہیں' ہم میں سے جن لوگوں کا تعلق گاؤں کے ساتھ ہے انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی یہ منظر ضرور دیکھا ہوگا۔

مستنصر حسین تارڑ پاکستان کے صف اول کے لکھاری ہیں' انہوں نے اردو کو سفرنامے کی پاپولر صنف دی تھی اور ہم اگر انہیں پاکستان میں سفرنامے کا بانی کہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ میں نے مستنصر صاحب کی ایک تحریر میں گدھوں کو گدھے کی پیٹھ میں سوراخ کرنے اور اس کی بوٹیاں نوچنے کا منظر پڑھا تھا۔ یقین کیجئے وہ منظر پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ مستنصر صاحب نے لکھا تھا' ان کے سامنے ایک زخمی گدھا کھڑا تھا' گدھے کی پیٹھ پر گدھ بیٹھا تھا' گدھ کی گردن گدھے کی پیٹھ کے سوراخ میں گم تھی' پیٹھ پر صرف گدھ کے پر اور پاؤں رہ گئے تھے' گدھا تکلیف سے چیخ رہا تھا لیکن گدھ اس کو اندر سے کاٹ کاٹ کر کھا رہا تھا۔ مستنصر صاحب کے دیکھتے ہی دیکھتے گدھ نے اپنی چونچ سوراخ سے باہر نکالی تو وہ گردن تک گدھے کے لہو میں لتھڑا ہوا تھا۔

خواتین وحضرات! میں جب بھی پاکستان کے نظام کو دیکھتا ہوں‘ میں اپنے بیوروکریٹ سسٹم کا جائزہ لیتا ہوں تو مجھے اس ملک کے اکثر شعبے اس زخمی گدھے کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور اس نظام‘ اس سسٹم کو چلانے والے لوگ ایسے گدھ ہیں جن کی چونچیں گردن تک اس سسٹم کے خون سے لتھڑی ہیں۔ اس میں میں بھی شامل ہوں اور آپ بھی۔ ہم سب اس ملک کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ شکوہ بھی کرتے ہیں کہ اس ملک کا سسٹم ٹھیک نہیں‘ اس میں انصاف نہیں‘ اس میں میرٹ نہیں‘ اس میں قانون اور آئین کا احترام نہیں‘ اس کی سیاست اچھی نہیں اور اس کی پالیسیوں کی سمت درست نہیں لیکن ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم نے اس ملک کے لئے کیا کیا‘ ہم نے اس نظام کو بہتر بنانے‘ اسے صاف کرنے‘ اسے پاک کرنے کے لئے کیا کیا ہے۔ ٹھیک ہے ہو سکتا ہے اس ملک نے ہمیں کچھ نہ دیا ہو لیکن سوال یہ ہے ہم نے آج تک اس ملک کو کیا دیا ہے؟ کسان یا زمیندار فصلوں کی حفاظت کے لئے کھیتوں کے گرد باڑ لگاتے ہیں‘ اس باڑ کی ذمہ داری فصل کی حفاظت ہوتی ہے لیکن جب باڑ ہی فصل کو کھانے لگے تو حالات اس وقت خراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب چوکیدار چور بن جاتا ہے‘ امام مسجد کی اینٹیں‘ سیمنٹ‘ بجری اور سریا بیچ دیتا ہے‘ پولیس ڈاکو بن جاتی ہے‘ جج بے انصافی کرتا ہے‘ فوج اپنے ہی شہریوں کو فتح کرنے لگتی ہے‘ قانون ساز قانون توڑنے لگتے ہیں‘ سیاست دان سیاست کو کاروبار بنا لیتے ہیں‘ ریوڑ کا رکھوالا بھیڑ بکریاں ذبح کرنے لگتا ہے اور عوام ملک کو لٹتے‘ برباد ہوتے اور خراب ہوتے دیکھتے ہیں تو مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے اور ہمارے ملک کے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔ اس ملک کو اس کی باڑ کھا رہی ہے‘ اس کے چوکیدار چور بن چکے ہیں اور ملک کے مالک یعنی عوام منہ دیکھ رہے ہیں چنانچہ اس کے اندر کا زخم گہرا ہوتا چلا جا رہا ہے۔

خواتین وحضرات! جب عوام جاگ اُٹھے تھے‘ جب انہوں نے پسپا ہونے سے انکار کر دیا تھا تو سسٹم معزول ججوں کو بحال کرنے پر مجبور ہو گیا‘ یہ عوامی انقلاب کی ایک بہت بڑی مثال ہے لہٰذا میں سمجھتا ہوں جب تک ہم لوگ اسی سپرٹ سے ملک کے دوسرے شعبوں کے بارے میں بھی اپنا کنسرن شو نہیں کریں گے اس وقت تک ملک کے دوسرے ڈیپارٹمنٹس ٹھیک نہیں ہوں گے‘ ہم لوگ آگے نہیں بڑھیں گے‘ عوام سب سے بڑی طاقت ہوتے ہیں اور جب تک یہ طاقت سسٹم کے سامنے کھڑی نہیں ہوتی اس وقت تک سسٹم تبدیل نہیں ہوا کرتے۔

ہم آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں‘ وفاق نے آج میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کی نااہلی کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی 4 اپیلیں دائر کر دی ہیں۔ کیا حکومت واقعی اس سلسلے میں مخلص ہے یا یہ ٹائم گین کرنے کا ایک ہتھکنڈا ہے۔ پنجاب میں کس کی حکومت بننی

چاہئے اور کیا پنجاب سیاست کا اگلا اُکھاڑا ہو گا۔ یہ سوال ہمارا موضوع ہے لیکن میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں آخر میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ پنجاب میں سیاست کا مستقبل کیا ہو گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن کی نفرت کا مرکز اب پنجاب میں شفٹ ہو چکا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ ق‘ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن تینوں پارٹیز کی مشترکہ حکومت بنانا چاہتی ہے‘ پاکستان پیپلز پارٹی مسلم لیگ ق کے ساتھ اتحاد بنا کر حکومت بنانا چاہتی ہے جبکہ پاکستان مسلم لیگ ن مسلم لیگ ق کے فارورڈ بلاک کے ساتھ حکومت بنانا چاہتی ہے اور یہ تینوں آپشن سرِ دست ممکن دکھائی نہیں دیتے‘ اس ساری صورتِ حال سے نکلنے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن واپس مئی 2008ء کی پوزیشن پر چلی جائیں‘ دونوں دوبارہ اتحادی بن جائیں اور پنجاب میں کولیشن حکومت بنا لیں کیونکہ اگر دونوں جماعتوں نے ایسا نہ کیا تو پھر اگلے دس پندرہ دنوں میں دوبارہ جنگ شروع ہو جائے گی اور معاملہ ری الیکشن یا کاکڑ فارمولا تک پہنچ جائے گا چنانچہ یہ طے ہے دونوں اتحاد کریں یا پھر دونوں فارغ ہو جائیں۔

(19 مارچ 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

ہم محبت کیوں چھوڑ دیں

آغاز:

خواتین وحضرات! ڈنمارک میں کرے بلوٹکن نام کا ایک لکھاری تھا‘ وہ بچوں کے لئے کہانیاں لکھتا تھا‘ اس نے 2004ء کے آخر میں نبی اکرم ﷺ کی ذات ذات اقدس پر ایک کتابچہ لکھا‘ جب یہ کتاب مکمل ہوگئی تو اس نے سوچا کتاب میں نعوذ باللہ کہیں کہیں خاکے شامل کردیئے جائیں تو اس سے کتاب کی سیل میں اضافہ ہوجائے گا‘ اس نے ڈنمارک کے مصوروں سے رابطہ کیا لیکن تمام آرٹسٹوں نے صاف انکار کردیا‘ ان آرٹسٹوں کا کہنا تھا‘ اس قسم کے خاکے خلاف اسلام ہیں اور مسلمان ایسے گستاخوں کو قتل کردیتے ہیں۔ کرے بلوٹکن کا ایک دوست ڈنمارک کے مشہور اخبار یولاند پوسٹن میں کام کرتا تھا‘ کرے بلوٹکن اپنی کتاب کا مسودہ لے کر یولاند پوسٹن اخبار کے دفتر چلا گیا۔ میں آپ کو یہاں یہ بھی بتاتا چلوں یولاند پوسٹن کے مالکان یہودی ہیں اور اخبار کی پیشانی پر باقاعدہ ”سٹار آف ڈیوڈ“ شائع ہوتا ہے‘ بلوٹکن کا دوست اسے اپنے ایڈیٹر کے پاس لے گیا‘ بلوٹکن نے اخبار کے ایڈیٹر کو اپنی کہانی سنائی‘ یہ کہانی سن کر ایڈیٹر کے شیطانی دماغ میں ایک انوکھا خیال آیا‘ اس نے کرے بلوٹکن سے کہا ”آؤ ہم ایک تجربہ کرتے ہیں‘ ہم خاکے بناتے ہیں اور انہیں شائع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں مسلمانوں پر ان کا کیا ردعمل ہوتا ہے“ کرے بلوٹکن نے اس سے اتفاق کیا‘ اس وقت یولاند پوسٹن کے پینل پر 40 کارٹونسٹ تھے‘ ایڈیٹر نے اسی وقت ان سب کو بلایا اور انہیں ایک ایسا ٹاسک دے دیا جس نے آنے والے دنوں میں پوری دُنیا کا امن غارت کردیا‘ ان چالیس کارٹونسٹوں میں سے 28 نے اس گستاخی سے انکار کردیا جبکہ 12 کارٹونسٹ خاکے بنا کر لے آئے‘ ایڈیٹر نے 30 ستمبر 2005ء کو یہ خاکے شائع کردیئے۔ 10 جنوری 2006ء کو ناروے کے ایک جریدے میگزینت نے بھی یہ خاکے

”ری پرنٹ“ کردیئے‘ ناروے کے ایک بڑے اخبار ”واگ بلادت“ نے یہ خاکے اپنے انٹرنیٹ ایڈیشن میں شامل کردیئے یوں انٹرنیٹ کے ذریعے یہ گستاخی پوری دُنیا میں پھیل گئی‘ یہ حج کے دن تھے اور چالیس لاکھ کے قریب مسلمان حج کے لئے سعودی عرب میں جمع تھے‘ حج کے دوران یہ گستاخی امام کعبہ کے نوٹس میں آئی تو انہوں نے مسلمانوں سے عملی احتجاج کی درخواست کی‘ سعودی عرب ڈنمارک کے حلال گوشت اور ڈیری مصنوعات کا سب سے بڑا خریدار تھا‘ ڈنمارک کی ایک کمپنی سعودی عرب کو ہر سال پانچ سو ملین ڈالرز کی ڈیری مصنوعات بیچتی تھی‘ امام کعبہ کی درخواست پر عوام نے ان مصنوعات کا بائیکاٹ کردیا‘ لوگ ڈیپارٹمنٹل سٹورز میں داخل ہوئے اور ڈینش ڈیری مصنوعات اُٹھا کر باہر پھینک دیں‘ لوگوں نے اپنے ذاتی فریجوں سے بھی ڈینش مصنوعات نکال کر پھینک دیں‘ عوامی احتجاج کو دیکھتے ہوئے سعودی عرب نے 26 جنوری کو ڈنمارک سے اپنا سفیر واپس بلالیا‘ اس کے بعد یہ احتجاج عرب امارات‘ ایران‘ لیبیا‘ مصر اور فلسطین سمیت پورے عالم اسلام میں پھیل گیا‘ 30 جنوری کو غزہ میں یورپی یونین کے دفتر پر حملہ ہوا‘ اگلے دن دمشق میں مشتعل نوجوانوں نے ڈنمارک اور ناروے کے سفارتخانے جلادیئے‘ اس سے اگلے دن بیروت میں ڈینش ایمبیسی جلادی گئی‘ نابلس میں فرانسیسی کلچرل سنٹر پر قبضہ ہوگیا‘ اس سے اگلے دن لندن میں ڈینش ایمبیسی کے باہر مارچ ہوا‘ اس سے اگلے دن برلن میں مسلمانوں اور پولیس میں جھڑپیں ہوئیں اور اس سے اگلے دن قاہرہ اور ایتھنز میں ہزاروں لوگ سڑکوں پر آگئے‘ غرض پورا عالم اسلام سراپا احتجاج بن گیا۔ اسی دوران فرانس‘ جرمنی‘ اٹلی اور سپین کے اخبارات نے بھی یہ خاکے شائع کردیئے‘ اس پر پوری مسلم امہ چراغ پا ہوگئی اور یورپ اس احتجاج کے سامنے دب گیا۔ یورپی حکومتوں نے مارچ 2006ء میں اسلامی دُنیا سے معافی مانگی اور یوں یہ ایشو وقتی طور پر ختم ہو گیا۔ اس گستاخی کا دوسرا فیز فروری 2008ء میں شروع ہوا۔ 12 فروری 2008ء کو ڈنمارک کی حکومت نے تین مسلمان باشندے گرفتار کئے‘ ان میں سے ایک کا تعلق مراکش کے ساتھ تھا جبکہ باقی دو تنزانیہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے‘ یہ تینوں مسلمان کرٹ ویسٹر گارڈ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنارہے تھے‘ کرٹ ویسٹر گارڈ ان 12 گستاخوں میں شامل تھا جنہوں نے گستاخانہ خاکے بنائے تھے‘ جب ان تینوں مسلمانوں کی گرفتاری کی خبر شائع ہوئی تو اگلے دن ڈنمارک کے چار اخبارات نے مزید ایک خاکہ شائع کردیا۔ اس سے اگلے دن سویڈن‘ ہالینڈ اور سپین کے اخبارات نے بھی یہ خاکے شائع کردیئے۔ 13 فروری 2008ء سے آج 21 مارچ 2008ء تک یورپ کے 17 اخبارات میں یہ خاکے شائع ہو چکے ہیں اور اس گستاخی پر پورا عالم اسلام سراپا احتجاج ہے‘ گزشتہ روز اسامہ بن لادن نے بھی اس گستاخی پر ردعمل ظاہر کیا تھا‘ انہوں نے فرمایا تھا ”یہ صلیبی جنگوں کا نیا دور ہے اور ہم اس گستاخی پر یورپی

ممالک پر حملے کریں گے‘‘ میں یہاں ایک اور ایشو کا ذکر بھی کرتا چلوں ہالینڈ کے ایک سیاست دان گریٹ ولڈرز نے جنوری میں اسلام کے خلاف پندرہ منٹ کی ایک فلم تیار کر لی‘ گریٹ ولڈرز ہالینڈ کا سیاست دان ہے‘ اس کی سیاسی جماعت کا نام پارٹی فار فریڈم ہے اور یہ اسلام مخالف‘ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے خلاف گستاخی‘ عربوں کے خلاف بیانات اور اسرائیل کے ساتھ قریبی تعلقات کے باعث پورے یورپ میں مشہور ہے۔ گریٹ ولڈرز یہ فلم مارچ کے آخر میں ریلیز کرنا چاہتا ہے اور پوری دُنیا اسے اس گستاخی سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔

خواتین وحضرات! نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے خلاف گستاخی کا یہ سلسلہ نیا نہیں‘ اسلام کے دُشمن یہ مکروہ حرکت 14 سو سال سے کرتے چلے آ رہے ہیں اور بعض اوقات انہیں عالم اسلام سے بھی سلمان رشدی جیسے گستاخ مل جاتے ہیں۔ پرشین اور عثمانیہ دور میں بھی ایسے گستاخانہ خاکے‘ تصاویر اور مجسمے بنائے گئے تھے۔ البیرونی کی ایک کتاب میں بھی پانچ خاکے شامل تھے۔ 1926ء میں ایک مسلمان فلم ساز یوسف واہبی نے بھی ایک گستاخانہ فلم بنانے کا اعلان کیا تھا‘ امریکہ کی سپریم کورٹ میں آج بھی ایک ایسا گستاخانہ مجسمہ موجود ہے جس کے ایک ہاتھ میں کتاب اور دوسرے میں تلوار ہے۔ 1955ء میں نیویارک کے ایک میوزیم میں ایک گستاخانہ مجسمہ نصب کیا گیا تھا اور یہ مجسمہ بعد ازاں پاکستان‘ مصر اور انڈونیشیا کے شدید احتجاج پر ہٹا دیا گیا تھا۔ دانتے کی کتاب ڈیوائن کامیڈی میں بھی ایک ایسا گستاخانہ خاکہ موجود ہے اور 1683ء میں الیگزنڈر روز نے دیو آف آل ریلی جنز ان دی ورلڈ نام کی ایک کتاب لکھی تھی اور اس کتاب میں بھی گستاخانہ خاکہ شامل تھا۔ اس قسم کی ایک کتاب 1719ء میں شائع ہوئی اور اس کتاب کا نام دی لائف آف محمد ﷺ تھا اس کتاب میں بھی گستاخانہ شبیہہ موجود تھی۔ ان تمام گستاخیوں کے ساتھ ساتھ سلمان رشدی ہو‘ تسلیمہ نسرین یا راج پال جیسے لوگ بھی تاریخ کے ہر دور میں نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے رہے اور شائد یہ سلسلہ آگے بھی چلتا رہے لیکن بحیثیت مسلمان ایسی گستاخیوں پر ہمارا کیا ردعمل ہونا چاہئے۔ یہ ہمارا موضوع ہے جبکہ آج بارہ ربیع الاوّل ہے اور آج کے دن ہم نے فیصلہ کرنا ہے ہم اس گستاخی کا کیا جواب دے سکتے ہیں اور میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ عقیدت‘ محبت اور نیکی کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا ایک بہت شاندار واقعہ ہے۔ میرا خیال ہے اگر ہم اس واقعے میں چھپے سبق کو بھانپ لیں تو ہماری زندگی کا کوئی لمحہ نبی کریم ﷺ کی محبت اور عقیدت سے خالی نہیں رہے گا۔ میں آپ کو یہ واقعہ آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ندی کے قریب سے گزر رہے تھے‘ انہوں

نے دیکھا ایک بچھو پانی میں ڈبکیاں کھا رہا ہے‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر رحم آیا‘ انہوں نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور اُنگلی کی مدد سے بچھو کو باہر نکال لیا‘ وہ بچھو جوں ہی پانی سے باہر آیا اس کی فطرت جاگ گئی اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُنگلی پر ڈنگ مار دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ جھٹکا تو بچھو دوبارہ پانی میں گر گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ پانی میں ہاتھ ڈالا‘ بچھو کو باہر نکالا لیکن اس بار بھی اس نے ڈنگ مار لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ ہاتھ جھٹکا اور وہ واپس پانی میں گر گیا۔ یوں وہاں ایک دِلچسپ سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچھو کو باہر نکالتے وہ پانی سے باہر آتا اور ان کی اُنگلی پر ڈنگ مار لیتا۔ وہ ہاتھ جھٹکتے اور وہ دوبارہ پانی میں گر جاتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا‘ جب پندرہویں مرتبہ بچھو باہر آیا اور پانی میں گرا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری نے عرض کیا ’’حضور آپ کیا کر رہے ہیں‘ آپ اس بدبخت کو پانی کے رحم وکرم پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے‘‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسکرا کر جواب دیا ’’جب یہ بچھو اپنی برائی نہیں چھوڑ رہا تو میں اپنی نیکی کیوں ترک کروں۔‘‘

خواتین وحضرات! ہمارے نبی ﷺ کے گستاخ اپنی گستاخیوں سے باز نہیں آ رہے تو ہم اپنے رسول ﷺ سے محبت کیوں چھوڑ دیں۔ جب تک ان لوگوں کی گستاخیاں جاری رہتی ہیں اس وقت تک ہمارا احتجاج بھی جاری رہنا چاہئے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو یہ لوگ حشر کے دن یہ کہہ دیں کہ ہم نے نفرت نہیں چھوڑی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا محبت چھوڑ بیٹھے تھے۔ ذرا سوچئے اگر ایسا ہوا تو ہم اپنے نبی ﷺ کو کیا شکل دکھائیں گے۔

(21 مارچ 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

راگ سرکاری

آغاز:

خواتین وحضرات! ہم اگر پاکستان کی 62 سالہ تاریخ کی تمام حکومتوں کا ڈیٹا نکالیں تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ پاکستان کے تمام حکمران صرف دو تکنیکس کے ذریعے اس ملک پر حکومت کرتے رہے ہیں اور وہ دو تکنیکس ہیں انشاء اللہ اور گا' گے' گی۔۔۔جی ہاں پاکستان کی تاریخ میں آج تک عوام نے جب بھی اور جس بھی حکمران سے اپنے مسائل حل کرنے کی درخواست کی اس نے انشاء اللہ کہہ کر مسئلے کی فائل اللہ تعالیٰ کے دربار میں بھجوادی اور خود اطمینان سے حکومت کرتا رہا۔اسی طرح پاکستان کی ہر حکومت نے عوام کے ہر مسئلے کے جواب میں گا' گے' گی کا راگ سنا دیا۔عوام نے پوچھا ''روٹی کب ملے گی'' جواب آیا ''ہم عوام کو بہت جلد روٹی فراہم کریں۔۔۔گے'' کپڑا کب ملے گا'' انشاء اللہ مل جائے۔۔گا' مکان کب ملیں گے۔۔۔انشاء اللہ عنقریب مل جائیں۔۔۔گے اور پٹرول کب سستا ہوگا؟ جواب آیا بہت جلد ہو جائے۔۔گا۔عوام نے روزگار مانگا' حکومت نے جواب دیا' روزگار کے لئے پالیسی بنا رہے ہیں' جلد مل جائے۔۔گا'' مہنگائی کب کم ہوگی' حکومت نے جواب دیا ''بہت جلد کم ہو جائے۔۔گی۔'' آپ ملاحظہ کیجئے کہ ہر جواب کے آخر میں گا آرہا ہے یا گی آرہی ہے یا گے آرہا ہے۔

میں آج آپ کو ایک دِلچسپ مشغلہ بتاتا ہوں۔آپ آج سے اخبارات اپنے سامنے رکھیں اور روزراء' وزرائے اعلیٰ' وزیراعظم اور صدر صاحب کے بیانات اور تقریریں غور سے پڑھنا شروع کردیں' میرا دعویٰ ہے آپ کو ان تمام بیانات اور تقریروں میں گا۔گی۔اور گے۔۔کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ہم عوام کا مقدر بدل کر رہیں گے۔یعنی گے۔ہم کسی کو مادر وطن کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھنے دیں گے' یعنی۔۔گے۔ہم دہشت گردوں کے ساتھ ہرگز سمجھوتہ نہیں کریں گے۔پھر۔۔۔گے۔ہم ملکی سلامتی پر آنچ

نہیں آنے دیں گے۔ پھر۔۔ گے۔ہم کسی کو قانون اور آئین سے کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے' پھر۔۔۔گے۔ہم مجرموں کو 24 گھنٹوں میں گرفتار کرلیں گے اور حکومت ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لے گی۔ یہ کیا ہے؟ یہ گا' گے' گی ہے اور اسے راگ سرکاری کہتے ہیں اور 62 برسوں سے حکومتیں اسی راگ کے ذریعے عوام کو بے وقوف بناتی چلی آرہی ہیں اور جب تک سرکاری راگ کے سامنے راگ عوامی نہیں آتا حکمران اور حکومتیں اسی طرح لوگوں کی خواہشوں سے کھیلتی رہیں گی۔

خواتین وحضرات! ہماری موجودہ حکومت کو ایک سال پورا ہوگیا ہے' اس ایک سال میں حکومت نے عوام کے لئے کیا کیا؟ کیا حکومت نے واقعی عوام کے لئے کچھ کیا یا پھر یہ حکومت بھی راگ سرکاری کے ذریعے گا' گے' گی سے کام چلاتی رہی؟ ہم جب اس سوال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں گردن افسوس سے ہلانا پڑتی ہے کیونکہ اس ایک سال میں حکومت اپنے 98 فیصد وعدے پورے نہیں کرسکی۔ وزیراعظم نے اپنی پہلی تقریر میں کنکرنٹ لسٹ کے خاتمے کا اعلان کیا تھا' وہ ختم نہیں ہوئی۔بے روزگاری کے خاتمے کے لئے ایمپلائمنٹ کمیشن بنانے کا اعلان کیا تھا' نہیں بنا۔مدرسہ ویلفیئر اتھارٹی کے قیام کا اعلان کیا' نہیں بنی' طلبہ یونینز سے پابندی اُٹھانے کا اعلان کیا تھا لیکن آج تک سٹوڈنٹ یونینز کے الیکشنز نہیں ہوئے' بلوچستان میں کشیدگی کے خاتمے کے لئے کمیشن کا اعلان کیا' نہیں بنا۔قبائلی علاقوں کے لئے خصوصی پیکج کا وعدہ کیا' ایفاء نہ ہوا۔مفاہمتی کمیشن کا اعلان کیا' نہیں بنا۔بائیس سو میگاواٹ بجلی کے نئے یونٹس لگانے کا وعدہ کیا' نہیں لگے۔ایک کروڑ انرجی سیورز کی فراہمی کا اعلان کیا' نہیں ملے۔ چھوٹے ڈیمز بنانے کا اعلان کیا' نہیں بنے۔وزراء سولہ سو سی سی گاڑیاں استعمال کریں گے' کسی وزیر نے نہیں کی۔ بچت کا اعلان کیا' پاکستان کی تاریخ کی سب سے بڑی کابینہ بنا دی۔سرکاری عمارتوں پر چراغاں نہیں کریں گے' عملدرآمد نہیں ہوا۔ فصلوں کی انشورنس سکیم شروع کریں گے' نہیں ہوئی اور کسانوں کو کم نرخ پر بیج فراہم کریں گے' یہ بھی نہیں ہوئے۔

خواتین وحضرات! حکومت نے ایک سال میں پارلیمنٹ میں 30 بل پیش کئے لیکن ان میں سے صرف چار پاس ہوئے۔ پارلیمنٹ میں 610 قراردادیں پیش ہوئیں' 300 منظور ہوئیں اور صرف 15 پر عملدرآمد ہوا۔ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام شروع کیا لیکن ابھی تک لوگوں کو فارم نہیں ملے۔ پٹرول عالمی مارکیٹ میں 36 ڈالر فی بیرل ہو چکا ہے لیکن پاکستان میں پونے 58 روپے لیٹر مل رہا ہے اور حکومت اس پر 38 روپے لیٹر منافع کما رہی ہے۔ پورے ملک میں آٹھ سے بارہ گھنٹے لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے۔ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر آج بند ہوگیا' پنجاب میں آج آٹے کی قیمت میں دو روپے اضافہ ہوگیا' مہنگائی میں ایک سال میں 37 فیصد اضافہ ہوا' بے روزگاری کی شرح نو اشاریہ تین فیصد تک چلی گئی'

40ہزار کارخانے اور ملیں بند ہوگئیں، حکومت کی رٹ گلی گلی محلے محلے میں چیلنج ہو رہی ہے، غیر ملکی کھلاڑیوں، بزنس مینوں اور سیاحوں نے پاکستان آنے سے انکار کر دیا ہے اور ہمسایوں کے ساتھ کشیدگی بڑھ رہی ہے لیکن اس کے باوجود حکومت۔۔گا، گے، گی کا راگ الاپ رہی ہے، یہ انشاء اللہ، انشاء اللہ کا ورد کر رہی ہے۔

خواتین وحضرات! حکومت کی ایک سال کی کارکردگی کیسی تھی؟ یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! قوموں کی زندگی میں یہ اہم نہیں ہوتا کہ کس نے کتنے عرصے میں کتنا سفر طے کیا، یہ اہم ہوتا ہے کہ کس کی ڈائریکشن کتنی درست تھی اور بدقسمتی سے ہم سفر بھی نہیں کر رہے اور ہماری ڈائریکشن بھی درست نہیں۔ خواتین وحضرات! اگر چیونٹی بھی پہاڑ کی چوٹی کی طرف چل پڑے تو وہ بھی کبھی نہ کبھی چوٹی تک پہنچ جاتی ہے جبکہ ہم تو انسان ہیں، ہمارے پاس عقل بھی ہے، فہم بھی، فراست بھی، علم بھی اور ارادہ بھی۔ بس ہمارے پاس اگر کسی چیز کی کمی ہے تو وہ ہے نیت۔ ہم نیت سے مار کھاتے رہے ہیں اور یہ طے ہے اللہ تعالیٰ بدنیت لوگوں کو کبھی کامیابی اور اطمینان سے نہیں نوازتا چنانچہ ہم اپنی بدنیتی کی وجہ سے بے سکون بھی ہیں اور ناکام بھی۔

(26مارچ2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

خوشحالی کا پرندہ

آغاز:

خواتین حضرات! دُنیا کی تاریخ میں آج تک پانچ ایسے بادشاہ گزرے ہیں جنہیں عادل کا خطاب ملا، ان عادل حکمرانوں میں پہلے نمبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آتے ہیں جبکہ دوسرے نمبر پر ایران کے ایک بادشاہ نوشیروان کا نام آتا ہے۔ نوشیروان 531 عیسوی میں ایران کے ساسانی خاندان میں پیدا ہوا، اس کے والد کا نام قباد تھا، نوشیروان نے اپنی حکومت کا آغاز عام بادشاہوں کی طرح کیا، وہ تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے تمام بھائی اور ان کی اولاد کو قتل کروا دیا، ان دنوں ایران میں ایک نئے مذہب نے سر اُٹھایا تھا، اس مذہب کے بانی کا نام مُزدک تھا، نوشیروان نے مُزدک اور اس کے ایک لاکھ پیروکار بھی مروا دیئے، اس نے روم، سفید ہنوں اور ترکوں سے جنگیں لڑیں اور ان جنگوں میں بھی لاکھوں لوگ مارے گئے۔ وہ ایک ظالم اور ''سیلف سینٹرڈ'' شخص تھا اور وہ صرف تفریح کے لئے پورے کے پورے دیہات کو آگ لگا دیتا تھا، نوشیروان کے ظلم وستم کے باعث لاکھوں لوگ ایران سے نقل مکانی کر گئے اور اس کی سلطنت میں دور دور تک کوئی بندہ بشر نہیں آتا تھا لیکن پھر نوشیروان کی زندگی میں ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا اور یہ واقعہ نوشیروان کو عادل بنا گیا۔ نوشیروان کا ایک وزیر تھا اور اس وزیر کا نام بزرجمہر تھا، بزرجمہر انتہائی دانشور اور سمجھدار شخص تھا، وہ سلطنت کے حالات اور لوگوں کی تکالیف پر کڑھتا رہتا تھا، ایک دن نوشیروان بزرجمہر کے ساتھ سیر کے لئے محل سے نکلا، وہ چلتے چلتے ایک ویران گاؤں میں چلے گئے، گاؤں میں اس وقت کوئی بندہ بشر نہیں تھا، نوشیروان نے دیکھا ایک درخت پر دو الو بیٹھے ہیں اور ایک الو دوسرے الو کے کان میں سرگوشی کر رہا ہے، نوشیروان نے اپنے وزیر سے پوچھا ''کیا تم الوؤں کی زبان سمجھتے ہو'' بزرجمہر نے فوراً ہاں میں گردن ہلا دی، بادشاہ نے درخت پر بیٹھے الوؤں کی طرف اشارہ کیا اور

وزیر سے پوچھا ''وہ الو کیا بات کر رہے ہیں'' وزیر نے ادب سے ہاتھ باندھے' جان کی امان طلب کی اور عرض کیا ''شاخ پر بیٹھا الو مادہ الو کو شادی کی دعوت دے رہا ہے'' بادشاہ نے پوچھا ''پھر'' وزیر بولا ''مادہ الو نر الو سے مطالبہ کر رہی ہے اگر تم مجھے حق مہر میں بیس اجڑے ہوئے گاؤں دے دو تو میں تمہارے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں'' بادشاہ نے پوچھا ''پھر'' وزیر نے عرض کیا ''نر الو نے اس کے جواب میں آپ کی طرف اشارہ کیا اور مادہ الو سے کہا ''تم فکر نہ کرو سامنے ہمارا بادشاہ ہے اگر یہ بادشاہ سلامت رہا تو میں تمہیں بیس کیا دو سو گاؤں دے دوں گا'' وزیر کی یہ بات سیدھی نوشیروان کے دل پر لگی' وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور واپس محل میں آ گیا اور یہاں سے ایک نئے نوشیروان نے جنم لیا اور یہ وہ نوشیروان تھا جسے بعد ازاں تاریخ نے عادل کا خطاب دیا۔ نوشیروان نے ایران میں ایک ایسے عادل معاشرے کی بنیاد رکھی جس کی مثال آج تک سامنے نہیں آئی۔ آج بھی جب یورپ اور امریکہ میں انصاف کی بات کی جاتی ہے تو ماہرین کہتے ہیں ہم 2008ء میں بھی نوشیروان سے پیچھے ہیں' نوشیروان کے اس عدل کا یہ نتیجہ نکلا نہ صرف ایران کی سرحدیں وسیع ہو گئیں بلکہ پورے خطے کی معاشی حالت بھی بدل گئی' نوشیروان نے رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے بے تحاشا کام کئے' اس نے آبپاشی کا نظام بہتر بنایا' زرعی پیداوار کے محصول میں کمی کی' زمین کا لگان کم کیا اور کاشتکاری کے لئے عوام کو بیج' آلات کاشتکاری اور مویشی مفت فراہم کئے' اس دور میں ایران کی آبادی بہت کم تھی چنانچہ اس نے حکم جاری کیا تھا ایران کے ہر جوان لڑکے اور لڑکی کو شادی کرنا پڑے گی اور انہیں زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنا ہوں گے' اس نے اپنے دور میں پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھا دیا تھا اور بے شمار غیر ملکی عالموں اور فاضلوں کو ایران بلایا۔ نوشیروان نے اس دور میں ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ بھی کروایا تھا' طب اور فلسفہ کی ترویج کے لئے یونیورسٹی بھی قائم کی تھی اور دوسرے ممالک سے ریشم کے کیڑے بھی درآمد کئے تھے جس سے ایران حقیقی معنوں میں ترقی کی دوڑ میں شامل ہو گیا۔ نوشیروان ایران کی اس ساری ترقی کو اپنے عدل کا نتیجہ قرار دیتا تھا اور اس کا عدل دو الوؤں کی گفتگو کا نتیجہ تھا۔

خواتین و حضرات! نوشیروان نے انتقال سے قبل مستقبل کے تمام بادشاہوں کو ایک وصیت کی تھی' میں یہ وصیت آپ کو آخر میں سناؤں گا۔ سر دست ہم آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

9 مارچ 2007ء کو صدر پرویز مشرف کے ایک حکم سے چیف جسٹس آف پاکستان غیر فعال قرار دیئے گئے تھے اور اس کے بعد پاکستان تاریخ کے ایک خوفناک بحران میں مبتلا ہو گیا۔ وکلاء' سول سوسائٹی اور اپوزیشن جماعتیں سڑکوں پر آ گئیں' عدالتوں کا بائیکاٹ شروع ہوا اور پاکستان کا سارا نظام عدل معطل ہو کر رہ گیا' جوڈیشری کا یہ کرائسس آگے چل کر 3 نومبر 2007ء کے سانحے تک پہنچا' صدر پرویز مشرف

نے آرمی چیف کے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ملک میں ایمرجنسی لگائی' ججز معطل کر دیئے اور نئے ججوں کو پی سی او کے تحت حلف اُٹھانے کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے بعد سپریم کورٹ کے پانچ پرانے اور گیارہ نئے ججوں نے حلف اُٹھایا' ان گیارہ ججوں میں سے 9 جج مختلف ہائی کورٹس سے سپریم کورٹ پہنچے جبکہ دو ریٹائرڈ ججوں نے بھی حلف لے لیا' اس بحران کے دوران شروع میں 72 ججوں نے حلف اُٹھانے سے انکار کر دیا اور یہ جج معطل سمجھے جانے لگے' ان معطل ججوں میں سے بعض نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لی اور وہ نئی عدلیہ کا حصہ بن گئے جبکہ آج ایک سال گزرنے کے باوجود قریباً 60 جج معطل ہیں۔ اس دوران ملک میں الیکشن ہوئے اور مسلم لیگ ن نے ججوں کی بحالی کو اپنا الیکشن منشور بنایا اور اس بنیاد پر ووٹ حاصل کئے الیکشن کے بعد عدلیہ کے حوالے سے تین قسم کی آراء سامنے آئیں' ایک گروپ کا کہنا تھا نئی پارلیمنٹ ان ججوں کو بحال کر سکے گی۔ دوسرے گروپ کا کہنا تھا اگلی حکومت کو جج بحال کرنے کے لئے صرف اکثریت چاہئے جبکہ تیسرے گروپ کا کہنا تھا پارلیمنٹ دو تہائی اکثریت کے بغیر معطل ججوں کو بحال نہیں کر سکتی لیکن گزشتہ روز ایک چوتھا آپشن بھی سامنے آیا۔ کل پاکستان بار کونسل کے صدر اور مشہور قانون دان اور سیاست دان چودھری اعتزاز احسن نے بیان دیا ''ججوں کی بحالی کے لئے وزیراعظم کا ایک زبانی حکم کافی ہے'' اعتزاز احسن کا یہ بیان ہمارا موضوع ہے' ہم نے یہ جائزہ لینا ہے کیا واقعی وزیر اعظم کے پاس کوئی ایسی قانونی اور آئینی طاقت موجود ہے کہ وہ معطل ججوں کو بحال کروا سکیں۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا میں آپ کو آخر میں نوشیروان عادل کی وصیت بتاؤں گا' نوشیروان عادل نے انتقال سے قبل مستقبل کے بادشاہوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا ''جس ملک میں انصاف نہ ہو وہ ملک اجڑ جاتے ہیں اور جب تک ملک میں عدل نہ ہو اس وقت تک اس ملک میں امن و امان آ سکتا ہے اور نہ ہی خوشحالی۔ اس نے کہا تھا ''خوشحالی ایک ایسا پرندہ ہے جو ہمیشہ عدل کے درخت پر گھونسلا بناتا ہے اور انصاف کی زمین پر انڈے دیتا ہے۔''

(30 مارچ 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

بزدل قوم کا بہادر لیڈر

آغاز:

خواتین وحضرات! آج دُنیا کے نامور لیڈر اور پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کی برسی ہے۔ بھٹو صاحب کو 4 اپریل 1979ء کو راولپنڈی میں پھانسی دے کر شہید کر دیا گیا تھا' پاکستانی تاریخ اور سیاست اس سانحے کو عدالتی قتل قرار دیتی ہے۔ آج پورے پاکستان میں چیئرمین بھٹو کی برسی منائی جا رہی ہے' ہم آج کے دن بھٹو صاحب کی زندگی کے ان گوشوں سے پردہ اُٹھائیں گے جو عام شخص کی نظر سے اوجھل رہے۔ یہ 1963ء کی بات ہے بھٹو صاحب اس وقت صدر ایوب خان کی کابینہ میں وزیر خارجہ تھے' وہ امریکہ کے دورے پر تھے' امریکہ میں اس وقت جان ایف کینیڈی صدر تھے' بھٹو صاحب اور صدر کینیڈی کی ملاقات ہوئی' صدر کینیڈی بھٹو صاحب کی گفتگو' معلومات اور ذہانت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور جب بھٹو صاحب ''اوول آفس'' سے اُٹھنے لگے تو کینیڈی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا ''مسٹر بھٹو اگر آپ امریکی نیشنل ہوتے تو آپ اس وقت میری کابینہ میں وزیر ہوتے'' بھٹو صاحب ذرا سے مسکرائے اور کینیڈی کو جواب دیا ''مسٹر پریذیڈنٹ' نہیں' اگر میں امریکی شہری ہوتا تو میں اس وقت امریکہ کا صدر ہوتا۔''

خواتین وحضرات! ذوالفقار علی بھٹو سندھ کے مشہور جاگیردار سر شاہنواز بھٹو کے صاحبزادے تھے' سر شاہنواز بھٹو ممبئی کی قانون ساز کونسل کے رکن رہے' ممبئی کے وزیر رہے' گورنر سندھ کے اسسٹنٹ رہے اور ریاست جوناگڑھ کے وزیراعظم رہے' سر شاہنواز نے 1934ء میں سندھ پیپلز پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت بھی بنائی تھی' ان کی دو بیویاں تھیں' دوسری بیوی کا نام لکھی بائی تھا' وہ ہندومت سے تعلق رکھتی تھیں لیکن انہوں نے بعدازاں اسلام قبول کر لیا تھا اور سر شاہنواز نے ان کا نام خورشید بیگم

رکھا تھا' ذوالفقار علی بھٹو خورشید بیگم کے بطن سے پیدا ہوئے یوں وہ والد کی طرف سے جاگیردار اور والدہ کی طرف سے لوئر مڈل انسان تھے۔ بھٹو صاحب کی ذات میں جاگیرداری اور غربت دونوں آ کر جمع ہو گئی تھیں شائد یہی وجہ تھی کہ آنے والے دنوں میں وہ ایک ایسے جاگیردار سیاست دان ثابت ہوئے جس نے ملک کے غریبوں کو آواز اور الفاظ دیئے' ذوالفقار علی بھٹو نے آکسفورڈ اور کیلی فورنیا یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور انہوں نے 29 سال کی عمر میں پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ میں خطاب کیا تھا اور وہ 30 سال کی عمر میں وفاقی وزیر بن گئے تھے' وہ صدر ایوب خان کی کابینہ میں وزیر تجارت رہے' وزیر اطلاعات رہے' توانائی اور قدرتی وسائل کے وزیر رہے اور آخر میں وہ وزیر خارجہ بن گئے۔ وہ پاکستان کی تاریخ کے مقبول اور کامیاب ترین وزیر خارجہ تھے۔ صدر ایوب خان نے 1966ء میں انہیں کابینہ سے فارغ کر دیا اور یہاں سے وہ ذوالفقار علی بھٹو سامنے آیا جو تیسری دُنیا کا سب سے بڑا لیڈر کہلایا' جو آنے والے دنوں میں پاکستان کی پہچان بن گیا۔

خواتین وحضرات! ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان پیپلز پارٹی کیسے بنائی' یہ تاشقند معاہدے کے بعد کا پاکستان تھا' صدر ایوب خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو کابینہ سے بے دخل کر دیا تھا' بھٹو صاحب نے ٹرین کے ذریعے راولپنڈی سے لاہور جانے کا فیصلہ کیا تھا' وہ جب لاہور ریلوے اسٹیشن پر اترے تو پلیٹ فارم پر پچاس' ساٹھ ہزار لوگ کھڑے تھے' ان لوگوں نے بھٹو صاحب کو کندھوں پر اُٹھایا اور ''بھٹو کو واپس لو' بھٹو کو واپس لو'' کے نعرے لگانے لگے' عوام کی محبت دیکھ کر بھٹو صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ آنسو آگے چل کر پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد بن گئے۔

خواتین وحضرات! بھٹو صاحب کا سیاسی سفر' پاکستان پیپلز پارٹی کی تشکیل' ذوالفقار علی بھٹو کا اقتدار میں آنا' شملہ معاہدہ' اسلامی سربراہی کانفرنس' بھٹو صاحب کے اقتدار کا خاتمہ اور ان کی پھانسی یہ تمام باتیں اب تاریخ کا حصہ ہیں اور ہمیں ان پر گفتگو کے لئے مہینے درکار ہوں گے اور ظاہر ہے کسی ایک ٹیلی ویژن پروگرام میں ان سب پر گفتگو ممکن نہیں چنانچہ ہم صرف ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی کے چند واقعات تک محدود رہتے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 30 نومبر 1967ء کو لاہور میں ڈاکٹر مبشر حسن کے گھر پر نئی سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی' اس وقت نئی سیاسی جماعت کے لئے تین نام زیر غور آئے' پیپلز پروگریسو پارٹی' سوشلسٹ پارٹی آف پاکستان اور پاکستان پیپلز پارٹی۔ بھٹو صاحب نے تیسرے نام کی منظوری دے دی' اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد نے 1934ء میں سندھ پیپلز پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنائی تھی اور بھٹو صاحب اس نام کو لے کر آگے جانا چاہتے تھے' شروع میں پاکستان پیپلز پارٹی کی رکنیت کی فیس چار آنے تھی اور محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی پاکٹ منی سے چار آنے ادا کر کے

پارٹی کی رکنیت حاصل کی تھی۔ بھٹو صاحب عوامی نفسیات کو جانتے تھے لہٰذا وہ ہمیشہ عوام کی صفوں میں اتر کر ان کے ساتھ گفتگو کرتے تھے' 1968ء میں فیصل آباد میں جلسہ ہو رہا تھا' جلسہ شروع ہوا تو بارش شروع ہو گئی' بھٹو صاحب نے اپنا کوٹ اتارا' عوام کی طرف پھینکا اور چلا کر بولے ''اگر عوام بارش میں بھیگ رہے ہیں تو بھٹو کیسے سوکھا رہ سکتا ہے'' اور فیصل آباد کے عوام نے نعروں سے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ 1968ء ہی میں موچی دروازے میں جلسہ ہوا' لاکھوں لوگ جلسہ گاہ میں جمع تھے اور وہ ''گرتی دیوار کو ایک دھکا اور دو'' اور ''بھٹو آ گیا میدان میں ہے جمالو'' کے نعرے لگا رہے تھے' یہاں پر بھی بارش شروع ہو گئی' بھٹو صاحب چھتری کے نیچے کھڑے ہو کر تقریر کر رہے تھے' انہوں نے چھتری ہٹائی' سٹیج سے اترے اور عوام میں آ گئے اور بولے ''عوام بارش میں میری تقریر سن رہے ہیں تو میں بھی بارش میں کھڑے ہو کر بات کروں گا۔'' 1970ء میں حیدر آباد میں جلسہ تھا' بھٹو صاحب شہداد پور سے سانگھڑ آئے' راستے میں پیر پگاڑا کے مریدوں نے ان پر حملہ کر دیا' بھٹو صاحب گاڑی سے باہر نکل آئے اور سینہ تان کر بولے ''میرا نام ذوالفقار علی بھٹو ہے' مجھے گولی مارو' میرے عوام کو گولی کیوں مارتے ہو۔'' بھٹو صاحب شملہ معاہدے کے لئے بھارت گئے تھے' محترمہ بےنظیر بھٹو بھی ان کے ساتھ تھیں' وہ رات کو ان کے بیڈروم میں گئیں تو بھٹو صاحب فرش پر لیٹے تھے' محترمہ نے ان سے پوچھا ''آپ نیچے کیوں سو رہے ہیں'' بھٹو صاحب نے جواب دیا ''جس ملک کے قید خانوں میں پاکستان کے 90 ہزار فوجی زمین پر سوتے ہیں مجھے اس ملک میں بیڈ پر کیسے نیند آئے گی۔''

بھٹو صاحب میں بے انتہا اعتماد تھا' انہیں جس دن پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی اس دن جیل سپرنٹنڈنٹ اظہار ہمدردی کے لئے ان کے سیل میں گیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بھٹو صاحب اپنے مشقتی کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔ بھٹو صاحب نے سر اُٹھا کر جیلر کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا ''اصغر تم کیوں گھبراتے ہو' یہ کوکا کولا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا'' جیل کا ایک ملازم ایک دن ان کے سیل میں داخل ہوا تو وہ ہاتھ سے مچھر مار رہے تھے' ملازم نے پوچھا ''سر آپ کیا کر رہے ہیں'' بھٹو صاحب نے ہنس کر جواب دیا ''میں جرنیلوں کو مار رہا ہوں۔''

خواتین و حضرات! ہمیں یہ ماننا پڑے گا ذوالفقار علی بھٹو نے اس ملک پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں' پاکستان میں صنعتوں کی نیشنلائزیشن ہو' مزدوروں کے حقوق ہوں' بوڑھوں کے لئے پنشن اور گروپ انشورنس ہوں' لینڈ ریفارمز ہو' شملہ معاہدہ ہو' نیشنل بک فاؤنڈیشن کا قیام ہو' نیوکلیئر پاور پلانٹ ہو' این ڈی ایف سی ہو' قائداعظم یونیورسٹی ہو' 1973ء کا آئین ہو' پورٹ قاسم اتھارٹی ہو' قومی شناختی کارڈ کا اجراء ہو' ایڈمنسٹریٹو آرڈیننس ہو' پاکستان سٹیل مل ہو' بینکوں کی نیشنلائزیشن ہو' علامہ اقبال اوپن

یونیورسٹی ہو' پہلی سیرت کانفرنس ہو' جمعہ کی چھٹی ہو' شراب پر پابندی ہو یا پھر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ ہو' ہم بھٹو صاحب کی خدمات سے انکار نہیں کر سکتے۔

خواتین و حضرات! آج اُس ذوالفقار علی بھٹو کی برسی ہے جس نے 1971ء میں اقوام متحدہ میں صلح کی قرارداد پھاڑ کر اعلان کیا تھا ''ہماری تمنا ہے ہماری آئندہ نسلیں زیادہ خوشحالی' اطمینان اور عزت و وقار کی زندگی بسر کریں لہٰذا ہم اپنے تحفظ کے لئے لڑیں گے' ہم اپنی عزت کے لئے لڑیں گے' ہم پاکستان کے لئے لڑیں گے اور ہم ہزار سال تک لڑیں گے'' ہم آج اس ذوالفقار علی بھٹو پر گفتگو کریں گے لیکن اس سے قبل میں آپ کو آخری حصے کے بارے میں بتاتا چلوں' میں آخر میں آپ کو قوم کے نام بھٹو صاحب کا آخری پیغام سناؤں گا' یہ پیغام محض پیغام نہیں ہے بلکہ اس ملک کی اصل ٹریجڈی ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں بھٹو صاحب کے آخری پیغام کا ذکر کیا تھا' 4 اپریل 1979ء کو بھٹو صاحب کو پھانسی دینے کے بعد انہیں گڑھی خدا بخش میں دفن کر دیا گیا' چھ اپریل کو فوج کا پہرہ ختم ہوا تو پاکستان پیپلز پارٹی کے قائدین فاتحہ خوانی کے لئے گڑھی خدا بخش پہنچنا شروع ہو گئے' ان قائدین میں بھٹو صاحب کے وکیل یحییٰ بختیار بھی شامل تھے' یحییٰ بختیار جب گڑھی خدا بخش پہنچے تو گاؤں کے لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ان سے پوچھنے لگے' آپ ہمارے صاحب کے بہت قریب تھے خدا کے لئے ہمیں یہ بتائیے انہوں نے آخری ملاقات میں آپ سے کیا کہا تھا' یہ سن کر یحییٰ بختیار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' انہوں نے آنکھوں پر رومال رکھ لیا اور روتے ہوئے بولے' بھٹو صاحب نے آخری ملاقات میں مجھ سے کہا تھا ''بزدل قوموں کے بہادر لیڈروں کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

(04 اپریل 2008ء)

شیر بنگال کی نصیحت

آغاز:

خواتین وحضرات! پاکستان کی قرارداد 23 مارچ 1940ء کو پیش ہوئی تھی' یہ قرارداد بنگال کے ایک سیاست دان نے پیش کی تھی اور اس سیاست دان کا نام ابوالقاسم فضل الحق تھا' فضل الحق عرف عام میں مولوی فضل حق کے نام سے مشہور تھے' وہ بنگلہ دیش کے ایک قصبے باریسال میں پیدا ہوئے تھے اور ان کا تعلق علاقے کے مشہور قاضی خاندان سے تھا' مولوی صاحب بلا کے مقرر تھے' وہ سٹیج پر کھڑے ہوتے تھے تو سننے اور دیکھنے والوں کے تن من میں آگ لگا دیتے تھے' ان کے اس فن کے باعث انہیں ہندوستان میں شیر بنگال کہا جاتا تھا۔ 23 مارچ 1940ء کو جب مولوی صاحب منٹو پارک میں پہنچے تو اس وقت قائداعظم محمد علی جناح تقریر فرما رہے تھے' مولوی صاحب جب پنڈال میں داخل ہوئے تو مجمع نے شیر بنگال' شیر بنگال کے نعرے لگانا شروع کر دیئے' یہ نعرے اس قدر بلند اور بے قابو تھے کہ قائداعظم نے فرمایا ''جب شیر آ گیا ہے تو پھر میمنے کا کیا کام'' اور یہ فرما کر واپس اپنی نشست پر بیٹھ گئے' اس کے بعد مولوی صاحب نے تقریر فرمائی اور اس تقریر میں انہوں نے پاکستان کی قرارداد پیش کر دی جو آگے چل کر قیام پاکستان کی وجہ بنی۔

خواتین وحضرات! مولوی صاحب ایک دِلچسپ کردار تھے' وہ خطابت کو اپنی سیاست کی جان سمجھتے تھے چنانچہ اپنی زبان دانی اور شعلہ بیانی کے ذریعے بڑے سے بڑے بحرانوں سے نکل جاتے تھے' وہ مجمع کی نفسیات کو بھی سمجھتے تھے لہٰذا وہ چند لمحوں میں ہزاروں لوگوں کو اپنے لفظوں میں باندھ لیتے تھے اور اس کے بعد ان کے جذبات سے کھیلتے چلے جاتے تھے' وہ 1954ء میں مشرقی پاکستان کے وزیراعلیٰ اور 1956ء میں گورنر رہے' وہ عام زندگی میں بڑے سادہ تھے' وہ دھوتی باندھتے تھے اور اس پر بنیان پہن کر

اپنے گھر میں لکڑی کی چارپائی پر لیٹ جاتے تھے اور اسی طرح لیٹے لیٹے صوبے کا انتظام چلاتے تھے' ان کے دروازے پر کوئی دربان نہیں ہوتا تھا' ڈھاکہ کا جو بھی شخص ان سے ملاقات کرنا چاہتا تھا وہ اپنے گھر سے نکلتا تھا اور سیدھا وزیراعلیٰ کی چارپائی کے پاس جا کر بیٹھ جاتا تھا' پاکستان کے مشہور بیوروکریٹ اور دانشور الطاف گوہر مولوی صاحب کے سیکرٹری تھے' ان دنوں دو بہت دِلچسپ واقعات پیش آئے' ان دنوں سعودی عرب کے حکمران شاہ سعود پاکستان کے دورے پر تھے' انہوں نے مشرقی پاکستان کا دورہ بھی کرنا تھا لیکن دورے سے چند دن قبل بنگال میں طوفان آ گیا اور اس طوفان نے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلا دی' ڈھاکہ شہر کے سب سے بڑے محلے سرداراں کے عوام نے شاہ سعود کے دورے کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا' ان لوگوں کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان میں ہزاروں لوگ مر گئے ہیں جبکہ حکومت نمائشوں پر لاکھوں روپے خرچ کر رہی ہے' مولوی صاحب نے شاہ سعود کا دورہ ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن وفاقی حکومت راضی نہ ہوئی' جب دورے کو ایک دن رہ گیا تو مولوی صاحب نے محلّہ سرداراں کے چیدہ چیدہ لوگوں کو اپنے گھر بلایا اور دھوتی اور بنیان پہن کر ان کے درمیان بیٹھ گئے' محلّہ سرداری کے لوگ دورے کے خلاف رائے دے رہے تھے' ان لوگوں کی رائے سنتے سنتے مولوی صاحب اچانک اُٹھے اور دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا' چیف منسٹر کو روتے ہوئے دیکھ کر وہاں سناٹا طاری ہو گیا' آپ ذرا صورتِ حال ملاحظہ کیجئے ایک بہت بڑا لان ہے اور اس لان میں چیف منسٹر دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے اور لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے ہیں' جب سارا مجمع ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا تو شیر بنگال بولے ''بدبختو آج والئی کعبہ میرے گھر آ رہے ہیں' میرے پیارے رسول ﷺ کی چوکھٹ کا دربان آ رہا ہے اور میری بدقسمتی دیکھو فضل حق تم جیسے لوگوں کی وجہ سے اس کا استقبال نہیں کر سکتا' لوگو! بتاؤ جب کل فضل حق بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گا تو وہ اپنے رب کو کیا منہ دکھائے گا۔ لوگو! ہم سب جہنمی ہیں'' مولوی صاحب کے الفاظ میں ایسا درد تھا کہ پورے مجمعے نے زاروقطار رونا شروع کر دیا اور اس کے بعد انہوں نے وہاں ایک زناٹے دار تقریر کی' یہ تقریر اس قدر شاندار تھی کہ بنگالیوں نے شاہ سعود کے حق میں نعرے لگانا شروع کر دیئے' جب لوگ مطمئن ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے تو شیر بنگال مسکرائے' انہوں نے الطاف گوہر کی طرف دیکھا اور پوچھا ''کیوں حضرت کیسی رہی'' اور الطاف گوہر ان کی شخصیت کے اس پہلو پر حیران رہ گئے۔

خواتین وحضرات! مولوی صاحب کی زندگی کا دوسرا واقعہ بھی کم دِلچسپ نہیں' مولوی صاحب 1954ء میں کولکتہ کے دورے پر گئے' وہاں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے' مولوی صاحب نے تقریر شروع کی تو انہیں محسوس ہوا لوگ پاکستان کی تعریف نہیں سننا چاہتے چنانچہ انہوں نے پینترا بدلا اور کولکتہ میں

کھڑے ہو کر دو قومی نظریے کے خلاف تقریر جھاڑ دی‘ ان کی باتیں سن کر لوگوں نے ’’شیر بنگال شیر بنگال‘‘ کے نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ مولوی صاحب کی تکنیک کامیاب ہوگئی‘ وہ دوسرے دن واپس آئے تو مشرقی پاکستان کے تمام اخبارات نے ان کے خلاف آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا‘ اخبارات انہیں غدار‘ مفاد پرست‘ کوتاہ اندیش اور لوٹا قرار دے چکے تھے‘ مولوی صاحب نے اخبارات دیکھے اور فوراً اپنے سیکرٹری کو بلا کر پوچھا ’’تم نے کولکتہ میں میری تقریر کی تردید کیوں نہیں جاری کی‘‘ سیکرٹری نے عرض کیا ’’جناب آپ نے میرے سامنے تقریر کی تھی اور اس تقریر میں آپ نے دو قومی نظریے کو غلط قرار دیا تھا اور اخبارات نے حرف بہ حرف آپ کی تقریر شائع کر دی ہے‘ میں اس کی تردید کیسے جاری کر دیتا‘‘ مولوی صاحب نے اسے گھور کر دیکھا اور پوچھا ’’تم میرے سیکرٹری ہو یا صحافیوں کے‘‘ سیکرٹری نے عرض کیا ’’جناب میں آپ کا سیکرٹری ہوں‘‘ انہوں نے فوراً فرمایا ’’تو پھر یاد رکھو اگر تم نے میرے ساتھ رہنا ہے تو میں اپنی تقریروں میں جو بھی کہوں تم نے اس پر دھیان نہیں دینا‘ تمہیں بس جو بات غلط محسوس ہو تم اسی وقت اس کی تردید جاری کر دیا کرو‘‘ اور اس کے بعد جب تک مولوی فضل حق مشرقی پاکستان کے وزیراعلیٰ رہے ان کا سیکرٹری ان سے پوچھے بغیر ان کی اکثر باتوں کی تردید جاری کرتا رہا۔

خواتین و حضرات! میں یہاں آپ کو یہ بھی بتا تا چلوں کہ پاکستانی سیاست اور حکومت میں لفظ ’’تردید‘‘ کے بانی مولوی فضل حق تھے اور یہ لفظ اور یہ ترکیب سب سے پہلے 1954ء میں مولوی فضل حق نے مشرقی پاکستان میں استعمال کی تھی اور آج یہ لفظ اور یہ تکنیک پوری طرح ہماری حکومت کا حصہ بن چکی ہے۔ تردید کا تازہ ترین استعمال ہمارے وفاقی وزیر دفاع چودھری احمد مختار نے کیا تھا‘ چودھری احمد مختار نے جمعرات تین اپریل کو ایک ٹیلی ویژن پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ صدر پرویز مشرف قومی اثاثہ ہیں اور ہم ان کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ چودھری صاحب کا یہ بیان اس قدر غیر متوقع تھا کہ ایوان صدر بھی گھبرا گیا اور اس گھبراہٹ میں اس نے اس بیان کو خوش آئند قرار دے دیا۔ جب یہ بیان میڈیا کا حصہ بنا تو چودھری احمد مختار نے اس کی تردید کر دی لیکن وہ یہ بھول گئے ٹیلی ویژن پر دیئے گئے بیان کی تردید ممکن نہیں ہوتی۔ کاش آج مولوی فضل حق زندہ ہوتے تو شائد وہ ٹیلی ویژن پر جاری کردہ بیان کا بھی کوئی نہ کوئی حل تلاش کر لیتے۔

خواتین و حضرات! ہم آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں‘ ملک میں حکومت کی طرف سے ججوں کی بحالی کے بارے میں مختلف افواہیں گردش کر رہی ہیں‘ حکومتی عہدیداروں کا کہنا ہے ہم ججوں کو ایک آئینی پیکیج کے ساتھ بحال کریں گے‘ یہ آئینی پیکیج کیا ہوگا‘ اس کے بارے میں بعض ذرائع کا کہنا ہے حکومت شائد چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے کی مدت طے کر دے اور شائد یہ مدت تین برس ہو‘

اگر یہ پیکیج طے ہو گیا اور معطل جج اس پیکیج کے تحت بحال ہوئے تو چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری بحالی کے دو ماہ بعد ریٹائر ہو جائیں گے۔ ہم نے آج یہ دیکھنا ہے کہ کیا معطل ججوں کے لئے یہ پیکیج قابل قبول ہوگا جبکہ مولوی صاحب نے 1962ء میں انتقال سے قبل صدر ایوب خان کو ایک سیاسی نصیحت کی تھی‘ یہ نصیحت کیا تھی‘ یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں آپ کو شیر بنگال مولوی فضل حق کے بارے میں بتایا تھا‘ مولوی فضل حق 27 اپریل 1962ء میں انتقال کر گئے تھے‘ انتقال سے قبل ان کی ملاقات صدر ایوب خان سے ہوئی‘ صدر ایوب نے ان سے پوچھا تھا ’’مولوی صاحب وہ کون سی غلطی ہے جس سے سیاست دانوں کو بچ کر رہنا چاہئے‘‘ مولوی صاحب بہت بیمار تھے لیکن اس کے باوجود وہ سیدھے ہو کر بیٹھے اور فرمایا ’’ایک سوار بیک وقت دو گھوڑوں پر سواری کر سکتا ہے‘ ایک ملاح دو کشتیوں میں پاؤں رکھ سکتا ہے اور زندہ بھی رہ سکتا ہے لیکن ایک سیاست دان کے بیک وقت دو موقف نہیں ہو سکتے‘‘ انہوں نے کہا اور جب کوئی سیاست دان بیک وقت دو موقف اپناتا ہے تو وہ اور اس کی سیاست دونوں زندہ نہیں رہتیں۔

خواتین و حضرات! کاش ہماری حکومت بھی ججوں کی بحالی پر ایک موقف اختیار کرے اور بھانت بھانت کی بولیاں بند کر دے۔

(06 اپریل 2008ء)

امن کا تحفہ

آغاز:

خواتین وحضرات! یہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے' وفاقی سیکرٹری تعلیم ایک وفد کے ساتھ بلوچستان کے دورے پر گئے' اس وفد میں ملکی اور غیر ملکی ماہرین تعلیم شامل تھے' یہ لوگ بلوچستان کے مختلف کالجوں اور سکولوں کے دورے کرتے رہے' آخر میں یہ لوگ ژوب پہنچ گئے' یہ لوگ ژوب کے ایک کالج میں گئے' سیکرٹری صاحب اوران کے وفد کو بی اے کی ایک کلاس میں لے جایا گیا' سیکرٹری صاحب نے طالب علموں کے ساتھ گپ شپ شروع کر دی' اسی گفتگو کے دوران سیکرٹری صاحب نے جیب سے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی تصویر نکالی اور کلاس کو دکھا کر پوچھا ''یہ کون ہیں'' تمام طالب علم حیرت سے اس تصویر کو دیکھنے لگے' سیکرٹری صاحب نے دوبارہ پوچھا' کلاس میں سناٹا طاری رہا' سیکرٹری صاحب نے اس بار ذرا سے سخت لہجے میں پوچھا ''میں پوچھ رہا ہوں' یہ کون ہیں'' کلاس کے ایک کونے سے ایک طالب علم نے ہاتھ ہلایا' سیکرٹری صاحب نے اسے بولنے کی اجازت دے دی' طالب علم کھڑا ہوا اور تیز آواز میں بولا ''یہ پنجابی ہے'' سیکرٹری صاحب طالب علم کے جواب اور لہجے پر حیران رہ گئے اور انہوں نے فوراً تصویر جیب میں ڈال لی۔

خواتین وحضرات! بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے' یہ صوبہ معدنیات اور قدرتی وسائل کے حوالے سے دُنیا کے بارہ قیمتی ترین خطوں میں شمار ہوتا ہے' بلوچستان میں تیل' قدرتی گیس' سونے کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ اس خطے میں رہنے والے لوگ بلوچ کہلاتے ہیں اور بلوچ صدیوں سے ہندوستان کے قدرتی اور مفت محافظ چلے آ رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت بلوچوں نے پاکستان کی غیر مشروط حمایت کی تھی لیکن بدقسمتی سے پچھلے چالیس برسوں میں ہماری وفاقی حکومتوں کی غلط

پالیسیوں کے باعث بلوچستان اور بلوچ' سندھ اور پنجاب سے دور ہو گئے ہیں اور اب حالت یہ ہے بلوچستان کے نوجوان صدر پاکستان کو بھی پنجابی قرار دے رہے ہیں۔ یہاں میں آپ کو اپنی زندگی کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ پچھلے برس میرے پاس قائداعظم یونیورسٹی کا ایک طالب علم آیا' اس نوجوان کا تعلق بلوچستان سے تھا اور یہ اسلام آباد میں ایم فل کر رہا تھا' اس کے ہاتھ میں دو فائلیں تھیں' اس نے فائلیں کھولیں' کاغذ نکالے اور یہ سارے کاغذ میرے سامنے پھیلا دیئے' اس نے ایک کاغذ اُٹھایا اور میری طرف لہرا کر بولا ''سر یہ اسلام آباد شہر کا بجٹ ہے' سی ڈی اے کے چیئرمین نے 21 ارب 23 کروڑ 80 لاکھ روپے کے بجٹ کا اعلان کیا ہے' اگلے برس اسلام آباد کے 15 پراجیکٹ پر ان 23 ارب روپوں کے علاوہ 19 ارب 12 کروڑ روپے بھی خرچ ہوں گے' اس 19 ارب 12 کروڑ روپے سے ایوان صدر میں ایک کالونی تعمیر کی جائے گی' ایوان صدر میں پولیس کے لئے رہائش گاہیں بنائی جائیں گی' قومی اسمبلی کے سپیکر کا گھر بنے گا' پارلیمنٹ ہاؤس کا ائرکنڈیشنڈ سسٹم اپ گریڈ کیا جائے گا' کلوز سرکٹ ٹی وی سسٹم لگائے جائیں گے' سیکرٹریٹ' فارن آفس اور پارلیمنٹ ہاؤس کے سنٹرل ائرکنڈیشنر سسٹم کی مرمت کی جائے گی۔ ایوان صدر' سینٹ ہال اور پارلیمنٹ ہاؤس کا فرنیچر بدلا جائے گا اور پارلیمنٹ ہاؤس میں سٹینڈنگ کمیٹیوں کے چیئرمینوں کے لئے نئے دفاتر بنائے جائیں گے۔ میں خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا' اس نے کہا ''سر اسلام آباد میں صرف دس لاکھ لوگ رہتے ہیں اور اس کا کل رقبہ 906 مربع کلومیٹر ہے اور حکومت اگلے سال ان دس لاکھ لوگوں اور 906 مربع کلومیٹر کے اس چھوٹے سے شہر پر 21 ارب 23 کروڑ 80 لاکھ روپے خرچ کرے گی جبکہ ایوان صدر سے پارلیمنٹ ہاؤس تک آدھے کلومیٹر کے دائرے میں 19 ارب 12 کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے اور اگر اس رقم کو جمع کیا جائے تو یہ 40 ارب 35 کروڑ 80 لاکھ روپے بنتے ہیں'' میں خاموشی سے سنتا رہا' اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور دوسرا کاغذ اُٹھا کر بولا ''اس کے مقابلے میں 7-2006ء میں بلوچستان کے پورے صوبے کا بجٹ 59 ارب 69 کروڑ روپے ہے اور اس میں سٹیٹ بینک کا 17 ارب روپے کا قرضہ بھی شامل ہے۔ اگر ہم' یہ 17 ارب روپے نکال دیں تو یہ رقم 42 ارب روپے بن جاتی ہے گویا اس سال پورے بلوچستان پر صرف 42 ارب روپے جبکہ اسلام آباد پر 40 ارب 35 کروڑ 80 لاکھ روپے خرچ کئے جائیں گے'' وہ رکا' اس نے کاغذ اُٹھایا اور اس کے درمیان اُنگلی رکھ کر بولا ''آپ بلوچستان کا ترقیاتی بجٹ دیکھئے' حکومت پورے بلوچستان کے ترقیاتی کاموں پر 10 ارب 82 کروڑ روپے خرچ کرے گی'' میں خاموش رہا' وہ رک کر بولا ''سر بلوچستان کا رقبہ 3 لاکھ 47 ہزار ایک سو 90 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ پاکستان کا سب سے محروم اور غریب صوبہ ہے' سر کیا یہ ظلم نہیں حکومت 906 مربع کلومیٹر کے اسلام آباد اور دس لاکھ لوگوں پر 40 ارب روپے خرچ کرے جبکہ تین لاکھ 47 ہزار ایک سو

80 مربع کلومیٹر کے بلوچستان اور ایک کروڑ بلوچوں کی ترقی پر صرف دس ارب 82 کروڑ روپے سر کیا یہ ظلم نہیں ایوان صدر سے پارلیمنٹ ہاؤس تک نصف کلومیٹر کی ترقی پر 19 ارب روپے خرچ کئے جائیں اور گوادر سے لے ژوب تک اور حب سے لے کر چمن تک ساڑھے تین لاکھ مربع کلومیٹر پر صرف 10 ارب 82 کروڑ روپے؟'' وہ رکا' اس نے سانس لیا اور پھر مسکرا کر بولا ''لیکن سر اس کے باوجود جب ہم لوگ بولتے ہیں تو آپ لوگ ہمیں غدار کہتے ہیں' آپ ہمیں قوم پرست کا خطاب دے دیتے ہیں۔''

خواتین وحضرات! میرے پاس اس نوجوان کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نوجوان نے اس کے بعد مجھ سے پوچھا ''کیا تم بتا سکتے ہو پاکستان میں مہنگی ترین جگہ کون سی ہے'' میں نے جواب دیا ''اسلام آباد کا ای سیون سیکٹر'' اس نے انکار میں سر ہلا دیا اور بولا ''نہیں سر! اس جگہ کا نام گوادر ہے' بھٹو کے دور میں روس اور جنرل ضیاء الحق کے دور میں امریکہ نے گوادر کی اتنی قیمت لگائی تھی جس سے اسلام آباد جیسے شہر بنائے اور خریدے جا سکتے تھے' پچھلے پانچ برسوں میں گوادر میں 80 ہزار ایکڑ سرکاری زمین خریدی اور بیچی گئی' گوادر کی ان زمینوں سے سندھ' پنجاب اور بلوچستان کے دس ہزار پراپرٹی ڈیلر ارب پتی بن گئے لیکن بلوچوں کی حالت نہ بدلی' میرے پاس اس حقیقت کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔

خواتین وحضرات! ہمیں یہ ماننا پڑے گا وفاق کا بلوچستان کے ساتھ رویہ بہتر نہیں تھا' ہم نے آج تک بلوچستان سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن اس کے بدلے میں اسے غداری کے ٹائٹل' غربت' بے روزگاری' نفرت' بم' میزائل اور فوجی آپریشن کے سوا کچھ نہیں دیا۔ آپ قدرتی گیس ہی کو لے لیجئے بلوچستان میں 1952ء میں قدرتی گیس نکلی تھی اس گیس سے پاکستان کے 152 چھوٹے بڑے شہر اور قصبے فائدہ اُٹھا رہے ہیں لیکن بلوچستان اس گیس اور اس کی آمدن سے محروم ہے' بلوچستان کی گیس سے پنجاب' سندھ اور سرحد میں ایک لاکھ اٹھارہ ہزار چھوٹے بڑے صنعتی یونٹ چلتے تھے' کھاد اور سیمنٹ بنانے والی تمام فیکٹریاں گیس سے چلتی تھیں لیکن بلوچستان میں کوئی فیکٹری' کوئی مل اور کوئی صنعت نہیں تھی' حکومت بھی جب کوئی سرکاری صنعتی یونٹ لگاتی ہے تو یہ گیس بلوچستان سے لیتی ہے اور یونٹ پنجاب یا سندھ میں لگاتی ہے' پاکستان میں مائع گیس کی 30 سے 40 کمپنیاں ہیں' یہ کمپنیاں بھی پنجابی اور سندھی بزنس مینوں کی ملکیت ہیں' یہ کمپنیاں سوئی گیس سے مائع گیس لیتی' اسے سلنڈروں میں بھر کر ملک میں فروخت کرتی ہیں اور اس سے اربوں روپے کماتی ہیں جس سے بلوچوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے ان کی گیس سندھی اور پنجابی لے جاتے ہیں اور بلوچوں کے حصے میں صرف پائپ لائن آتی ہے۔ ہماری اس پالیسی کے نتیجے میں بلوچ پچھلے چالیس برس سے اس پائپ لائن کو بموں سے اُڑاتے چلے آرہے ہیں' گیس کی اس نفرت سے بھی بلوچ سرداروں اور اینٹی پاکستان ایلیمنٹ نے خوب فائدہ اُٹھایا' یہی

صورتِ حال قدرتی گیس' کوئلے' سونے اور دوسری معدنیات کے حوالے سے ہے۔ معدنیات بلوچستان کی ہیں لیکن فائدہ دوسرے صوبے اُٹھا رہے ہیں۔

خواتین وحضرات! معدنیات کے بعد بلوچوں کے ساتھ دوسرا بڑا ظلم ملٹری آپریشنز ہیں۔ بلوچستان میں پچھلے چالیس برسوں سے وقفے وقفے سے آپریشن جاری ہیں' ان آپریشنز میں اب تک بلوچستان میں سینکڑوں لوگ مارے جا چکے ہیں' ان لوگوں میں نواب اکبر خان بگٹی جیسی شخصیت بھی شامل تھی۔ اس وقت سینکڑوں کی تعداد میں بلوچ نوجوان جیلوں میں بند ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ مشہور بلوچ لیڈر اور سیاست دان اختر مینگل بھی جیل میں بند ہیں اور حکومت ابھی تک انہیں جائز سہولتیں بھی فراہم نہیں کر سکی۔ 18 فروری کے الیکشن کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری نے بلوچوں سے معافی بھی مانگی تھی' گزشتہ روز بلوچستان کے گورنر ذوالفقار علی مگسی نے بلوچستان آپریشن کے خاتمے کا مطالبہ بھی کیا اور آج بلوچستان اسمبلی کے 62 ارکان نے حلف بھی اُٹھا لیا لیکن اس کے باوجود بلوچستان کے عوام کے مسائل اپنی جگہ موجود ہیں۔ خواتین وحضرات! بلوچستان آج ہمارا موضوع ہے لیکن اس سے قبل میں آخری حصے کے بارے میں بتا تا چلوں کہ ژوب شہر کا پرانا نام فورٹ سنڈیمن تھا اور یہ شہر ایک انگریز سنڈیمن نے آباد کیا تھا۔ سنڈیمن نے پچھلی صدی کے شروع میں انگریز وائسرائے کو خط لکھا تھا اور اس خط میں اس نے بلوچوں کی نفسیات پر روشنی ڈالی تھی' وہ نفسیات کیا تھیں یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں سنڈیمن کا ذکر کیا تھا' سنڈیمن نے بلوچستان میں ایک شہر آباد کیا جو شروع میں اس کے نام کے حوالے سے فورٹ سنڈیمن کہلایا اور قیام پاکستان کے بعد اس کا نام تبدیل کر کے ژوب رکھ دیا گیا۔ سنڈیمن نے قیام پاکستان سے قبل انگریز وائسرائے کو بلوچوں کی نفسیات بتائی تھیں' اس نے ایک خط میں وائسرائے کو لکھا تھا ''بلوچ صرف اور صرف محبت کے بھوکے ہیں' آپ انہیں گولی' تلوار اور بندوق سے شکست نہیں دے سکتے' آپ انہیں صرف اور صرف محبت سے فتح کر سکتے ہیں۔'' اس نے کہا ''جناب عالی اگر آپ بلوچستان میں امن چاہتے ہیں تو آپ بلوچستان میں محبت کے سفید پھول بھجوا دیں اور اگر آپ اپنی راتوں کی نیندیں حرام کرنا چاہتے ہیں تو آپ بلوچوں کو چھیڑ لیں' فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے'' مجھے محسوس ہوتا ہے اگر آج سنڈیمن زندہ ہوتا اور ہماری وفاقی حکومت اس سے مشورہ کرتی تو وہ یقیناً اس بار بھی حکومت کو یہی مشورہ دیتا بلوچوں سے محبت کریں' یہ آپ کو امن اور سکون کا تحفہ دیں گے۔

(07 اپریل 2008ء)

بشریٰ کی کہانی

آغاز:

خواتین وحضرات! میں ابھی آپ کو جس خاتون کی کہانی سنانے لگا ہوں اس کا نام بشریٰ تھا' بشریٰ کی عمر پچیس برس تھی اور یہ لاہور میں سیون اپ فیکٹری کے قریب مکہ کالونی میں رہتی تھی' بشریٰ کے خاوند کا نام رمضان تھا' وہ ویلڈنگ کا کام کرتا تھا' بشریٰ کے دو بچے تھے' صائمہ بیٹی تھی جس کی عمر چار سال تھی جبکہ اس کے بیٹے زبیر کی عمر پانچ سال تھی' بشریٰ کے خاوند نے سیون اپ پھاٹک کے نزدیک ویلڈنگ کی دکان بنائی لیکن یہ دکان چل نہ سکی' بشریٰ کا خاندان کرائے کے مکان میں رہتا تھا' آمدنی نہ ہونے کے باعث گھر میں غربت اور بھوک نے ڈیرے ڈال رکھے تھے' پانچ سال کا زبیر اور چار سال کی صائمہ روٹی' دودھ اور فروٹ مانگتے تھے' جب بچوں کے مطالبے بڑھ جاتے تھے تو دونوں میاں بیوی ساری ساری رات رو رو کر گزار دیتے تھے۔ آج سے دو دن قبل بشریٰ کے بیٹے زبیر نے ماں سے آئس کریم مانگی' ماں کو غصہ آیا اور اس نے بیٹے کو مارنا شروع کر دیا' وہ بیٹے کو مارتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی' وہ جب بیٹے کو مارتے مارتے نڈھال ہو گئی تو اس نے دونوں بچوں کو سینے سے لگایا' ذرا دیر سوچا اور غربت سے نجات کا حل تلاش کر لیا' بشریٰ نے اپنے دو بچے ساتھ لئے' گھر کو تالا لگایا' چابی مالک مکان کے حوالے کی اور اس سے کہا کہ شام کو میرا خاوند آئے گا' تم یہ چابی اس کو دے دینا اور اسے یہ پیغام دینا کہ میں نے اس کے لئے کھانا پکا دیا ہے' کھانا باورچی خانے میں پڑا ہے وہ کھا لے' اس کے بعد بشریٰ نے اپنے دونوں معصوم بچوں کو ساتھ لیا اور وہ سیون اپ پھاٹک کے قریب کھڑی ہو گئی' اس وقت کوئٹہ سے جعفر ایکسپریس لاہور آ رہی تھی' بشریٰ ریلوے ٹریک کے قریب کھڑی ہو گئی جونہی ٹرین۔۔ سیون اپ پھاٹک کے قریب پہنچی تو بشریٰ نے دونوں بچوں کو کلیجے کے ساتھ لگایا اور ٹرین کے سامنے کود گئی' ٹرین نے

بشریٰ اور اس کے دونوں معصوم بچوں کے ٹکڑے اُڑا دیئے' چار سال کی صائمہ کا دھڑ جسم سے جدا ہو گیا جبکہ زبیر کی نعش ٹرین کے پہیوں تلے آ گئی۔ لوگوں کو ٹرین کے ٹریک پر بشریٰ کا ایک ہاتھ ملا' ہاتھ میں ایک رقعہ تھا اور بشریٰ نے اس رقعے میں لکھا تھا ''اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دیں' میرا خاوند رمضان بہت اچھا ہے اگر اس حادثے میں میرا کوئی بچہ زندہ بچ جائے تو اسے میرے والد کے حوالے کر دیا جائے کیونکہ میرے خاوند کے پاس ہمارے کفن کے لئے پیسے نہیں ہوں گے' خدا سب کو اس غربت کی تکلیف سے بچائے۔''

خواتین وحضرات! بشریٰ اور اس کے دونوں معصوم بچوں کی خودکشی کی خبر 13 اپریل کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی' اس خبر کے بالکل نیچے پنجاب کے وزیراعلیٰ ہاؤس کی خبر شائع ہوئی تھی' پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ نے لاہور میں ساڑھے سترہ کنال پر ایک انتہائی خوبصورت اور شاندار وزیراعلیٰ ہاؤس بنوایا تھا' اس وزیراعلیٰ ہاؤس پر سرکاری خزانے سے ڈیڑھ ارب روپے خرچ ہوئے تھے' یہ وزیراعلیٰ ہاؤس 8 کلب روڈ پر بنا تھا اور اس کی بلڈنگ کی تعمیر پر 35 کروڑ روپے لاگت آئی تھی جبکہ تزئین وآرائش پر 11 کروڑ 90 لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے' کھڑکیوں میں ایک کروڑ روپے کا بلٹ پروف شیشہ لگایا گیا تھا' لان میں 1 کروڑ 44 لاکھ روپے کے پودے اور بیلیں لگائی گئی تھیں' چیف منسٹر ہاؤس میں 12 کروڑ روپے سے ائیرکنڈیشنگ سسٹم لگایا گیا' ایک کروڑ 71 لاکھ روپے سے لوہے کی چار دیواری بنائی گئی تھی' عمارت کے تمام دروازے ساگوان کی لکڑی سے بنائے گئے تھے' عمارت کے فرشوں پر سنگ مرمر کی ٹائلیں لگائی گئیں' اس عمارت میں 98 سیکورٹی کیمرے جبکہ 4 ڈے اینڈ نائٹ ملٹی ڈوم کیمرے نصب کئے گئے تھے' اس عمارت کی مرمت پر ہر سال 40 لاکھ روپے خرچ کئے جاتے ہیں' وزیراعلیٰ سیکرٹریٹ کے لئے 894 ملازمین رکھے گئے اور ان کی تنخواہوں کے لئے سالانہ 14 کروڑ 94 لاکھ روپے مختص کئے گئے' وزیراعلیٰ ہاؤس کا سالانہ بجٹ 34 کروڑ 90 لاکھ روپے تھا جبکہ وزیراعلیٰ ہاؤس کے لئے 137 گاڑیاں خریدی گئیں جن میں 16 قیمتی گاڑیاں بھی شامل ہیں اور 16 گاڑیوں میں 9 گاڑیاں بلٹ پروف ہیں' آپ کے لئے شائد یہ حیران کن ہو گا سابق وزیراعلیٰ نے 51 کروڑ 18 لاکھ روپے سے 7 بلٹ پروف گاڑیاں خریدی تھیں۔

خواتین وحضرات! اگر ہم بشریٰ کے مسائل اور وزیراعلیٰ ہاؤس کے شاہانہ اخراجات کا تقابل کریں تو ہمیں محسوس ہو گا اگر ہمارے سابق وزیراعلیٰ چیف منسٹر ہاؤس کے ایک بلب کی قیمت بشریٰ کو دے دیتے تو شائد بشریٰ اور اس کے دونوں بچے یوں نہ مارے جاتے' شائد ان دونوں بچوں کو آئس کریم مل جاتی اور ان کی ماں کو غربت سے جان چھڑانے کے لئے اتنا بڑا قدم نہ اُٹھانا پڑتا۔ میں آپ کو یہ بتانا

بھول گیا بشریٰ اور اس کے بچوں کو خیرات کا کفن نصیب ہوا تھا جبکہ لاہور کے گورنر ہاؤس کی بجلی کا ایک دن کا خرچ 16 ہزار روپے ہے اور چیف منسٹر کا ایک دن کا خرچ 41 لاکھ 9 ہزار 5 سو 90 روپے۔ شائد ہماری سابق حکومت اسی قسم کی اکانومی کو ٹریکل ڈاؤن کرنا چاہتی تھی شائد ہم نے ایسے ہی پڑھے لکھے پنجاب کا خواب دیکھا تھا جس میں بشریٰ جیسی خواتین خودکشی سے قبل کم از کم اپنے لواحقین کے نام ایک رقعہ ضرور لکھ سکیں۔

خواتین و حضرات! ہم موضوعات کی طرف آتے ہیں‘ آج کا سب سے بڑا سیاسی ایشو ایم کیو ایم اور پاکستان پیپلز پارٹی کے درمیان اختلافات ہیں‘ ایم کیو ایم نے گزشتہ روز اپوزیشن میں بیٹھنے کا اعلان کر دیا جبکہ پیپلز پارٹی نے کراچی میں ایم کیو ایم کو ’’ٹف‘‘ ٹائم دینے کا فیصلہ کر لیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے پیپلز پارٹی پہلے ایم کیو ایم کے خلاف ایک ہلکا سا آپریشن لانچ کرے گی اور اس کے بعد آصف علی زرداری لندن میں الطاف حسین سے ملاقات کریں گے اور ان سے اپنی ٹرم اینڈ کنڈیشنز پر مفاہمت کر لیں گے اور یوں دونوں پارٹیاں دوبارہ ساتھ ساتھ چلنے لگیں گی۔ ہمارا دوسرا موضوع ججز کی بحالی ہے‘ میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری کے درمیان میثاق مری کو پندرہ دن گزر چکے ہیں لیکن حکومت ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکی کہ اعلان مری کے تیس دن کب شروع ہوتے ہیں اور کب ختم ہوں گے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے حکومت اس معاہدے سے نکلنے کی کوشش کرے گی۔ ہم نے آج کے پروگرام میں وکلاء کے نمائندوں سے اس خدشے کے بارے میں بھی پوچھنا ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں لاہور میں اپنے دو بچوں کے ساتھ خودکشی کرنے والی ایک خاتون بشریٰ کا ذکر کیا تھا‘ ہمارا ایمان ہے دُنیا کا ہر شخص موت کے بعد اپنے اللہ کے حضور پیش ہوتا ہے اور وہ اپنے رب سے ان تمام زیادتیوں اور مظالم کی شکایت کرتا ہے جو دُنیا میں اس کے بندوں نے اس کے ساتھ روا رکھی تھیں‘ آپ ذرا تصور کیجئے جب چار برس کی صائمہ اور پانچ سال کا زبیر اللہ کے دربار میں پیش ہوا ہوگا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا ہوگا یا باری تعالیٰ تمہاری قائم کردہ حکومتیں ہمیں دو وقت کی روٹی بھی نہ دے سکیں تو اس وقت خالق کائنات نے ہمارے حکمرانوں کے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔ ہو سکتا ہے ان معصوم بچوں کی شکایت پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا ہو یا پروردگار آپ اجازت دیں تو ہم لاہور شہر کو برباد کر دیں‘ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی بات سن کر فرمایا ہو ’’نہیں شہروں کو برباد کرنا فرشتوں کا نہیں انسانوں کا کام ہے۔‘‘

(14 اپریل 2008ء)

عزت کا امتحان

آغاز:

خواتین و حضرات! پولینڈ مشرقی یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے‘ اس کی آبادی 3 کروڑ 90 لاکھ ہے اور یہ ملک خوراک‘ توانائی‘ روزگار اور دفاع کے معاملات میں یورپ کا محتاج ہے۔ اس ملک کی فارن سروس میں کرسٹوف سبر ووچ نام کا ایک سفیر تھا‘ یہ سفیر 2000ء میں یمن میں خدمات سرانجام دے رہا تھا‘ مارچ 2000ء میں یمن کے شہر صنعا میں اس سفیر کے ساتھ ایک خوفناک سانحہ پیش آیا۔ کرسٹوف اپنی بیٹی کے دانت کا معائنہ کرانے کے لئے سفارتخانے سے نکلا‘ اس نے بیٹی کو ’’ڈینٹسٹ‘‘ کے کلینک پر چھوڑا اور باہر سڑک پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ کرسٹوف کو وہاں ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ تین گاڑیاں آئیں‘ ان گاڑیوں میں سے مسلح افراد اترے‘ انہوں نے کرسٹوف کے سر پر پستول رکھا اور اسے چپ چاپ گاڑی میں بیٹھنے کا حکم دے دیا۔ کرسٹوف نے ہاتھ سر پر رکھے اور ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا‘ یہ مسلح جوان اسے شہر سے 30 میل باہر لے گئے‘ پولینڈ کا سفیر اغواء ہو چکا تھا‘ کرسٹوف کے اغواء کے آدھ گھنٹے بعد یمن کے ایک قبیلے خول سان نے اس کے اغواء کی ذمہ داری قبول کر لی۔ یہاں میں آپ کو خول سان کے بارے میں بھی بتاتا چلوں‘ خول سان یمن کا ایک باغی قبیلہ ہے‘ اس کے سردار کا نام شیخ القاری تھا‘ شیخ القاری اردن میں روپوش تھا اور وہ وہاں سے یمن میں دہشت گردی کراتا تھا۔ وہ مارچ 2000ء کے شروع میں بھیس بدل کر صنعا آ رہا تھا کہ یمن کی پولیس نے اسے صنعا کے ائرپورٹ سے گرفتار کر لیا۔ شیخ القاری کی گرفتاری کے دو دن بعد یہ واقعہ پیش آ گیا اور خول سان قبیلے کے جوانوں نے کرسٹوف کے اغواء کی ذمہ داری قبول کر لی‘ وہ لوگ کرسٹوف کے بدلے حکومت سے شیخ القاری کی رہائی کا مطالبہ کرنے لگے۔ ایمبیسڈر کرسٹوف کے اغواء کی خبر جب پولینڈ پہنچی تو پولینڈ کی حکومت نے فوری

طور پر تمام سرکاری امور معطل کر دیئے اور کرسٹوف کی رہائی کو اپنی سب سے بڑی ترجیح بنالیا' حکومت نے کرسٹوف کی رہائی کے لئے ''کرائسس سیل'' بنایا' پولینڈ کے وزیر خارجہ صنعا پہنچ گئے اور انہوں نے کرسٹوف کی رہائی تک یمن میں رہنے کا اعلان کر دیا۔ پولینڈ نے اپنی فوج کو جنگی مشقوں کا حکم دیا جس کے بعد پولش فوج نے اپنی رائفلوں اور توپوں کی ''ٹیسٹنگ'' شروع کر دی' پولینڈ نے پوری دُنیا میں موجود اپنے سفارتخانوں کو متحرک کیا جس کے بعد پولینڈ کے سفیروں نے میزبان ممالک کی حکومتوں سے ملاقاتیں شروع کر دیں' یورپی یونین نے پولینڈ کی حمایت میں قرار داد منظور کی جبکہ امریکہ نے یمن حکومت کو اس زیادتی کا ذمہ دار ٹھہرا دیا۔ پولینڈ نے کرسٹوف کی رہائی کے لئے دُنیا بھر میں اس قدر خوفناک تحریک چلائی کہ یمن حکومت پولینڈ کے دباؤ میں آ گئی' یمنی فوج آگے بڑھی' اس نے اغواء کاروں کے خلاف آپریشن کیا اور صرف پانچ دنوں میں کرسٹوف کو برآمد کر کے پولینڈ کے حوالے کر دیا۔ جس دن کرسٹوف پولینڈ واپس پہنچا اس دن پورے ملک میں سرکاری چھٹی ہوئی اور پولینڈ کے چار کروڑ عوام نے کرسٹوف کا قومی ہیرو کے طور پر استقبال کیا۔

خواتین وحضرات! یہ پولینڈ کا واقعہ تھا۔ ہم اب پاکستان کے تازہ ترین واقعے کا جائزہ لیتے ہیں۔ طارق عزیز الدین وزارت خارجہ کے ایک سینئر افسر ہیں' وہ افغانستان میں پاکستان کے سفیر ہیں' طارق عزیز الدین 11 فروری 2008ء کو اسلام آباد سے افغانستان روانہ ہوئے اور وہ راستے میں خیبر ایجنسی میں اپنے ڈرائیور اور محافظ کے ساتھ اغواء ہو گئے' 12 فروری کو اطلاع آئی طارق عزیز الدین کو چند جرائم پیشہ لوگوں نے تاوان کے لئے اغواء کیا ہے' اس کے بعد پاکستانی میڈیا میں 15 فروری تک طارق عزیز الدین کے بارے میں خبریں آتی رہیں اور پھر اچانک یہ خبریں غائب ہو گئیں۔ اس دوران الیکشن ہوئے' نئی حکومت بنی اور اس حکوت نے کام شروع کر دیا لیکن حکومتی سطح پر طارق عزیز الدین کی رہائی کے لئے کسی قسم کی سرگرمی سامنے نہ آئی لیکن پھر گزشتہ روز اچانک ایک بین الاقوامی عربی چینل نے طارق عزیز الدین کی ایک ویڈیو فلم نشر کر دی' اس فلم میں طارق عزیز الدین نے اپنے ہم وطنوں اور خاندان کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا ''میں خیریت سے ہوں لیکن آپ مجھے ان لوگوں سے چھڑائیں'' اس فلم میں انکشاف ہوا طارق عزیز الدین طالبان کی قید میں ہیں' اس فلم کے چند گھنٹے بعد پاکستانی طالبان نے اعلان کر دیا ''طارق عزیز الدین ہماری قید میں نہیں ہیں'' جس کے بعد یہ ثابت ہو گیا ہمارے سفیر افغانستان کے طالبان کی حراست میں ہیں۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق طالبان نے طارق عزیز الدین کی رہائی کے بدلے پاکستانی حکومت سے اپنے بارہ کمانڈرز اور 50 کروڑ روپے طلب کئے ہیں' ان بارہ لوگوں میں طالبان کے کمانڈر ملا عبیداللہ بھی شامل ہیں' ملا عبیداللہ کو پاکستانی

ایجنسیوں نے یکم مارچ 2007ء کو گرفتار کیا تھا اور وہ طالبان کے ایک بڑے لیڈر سمجھے جاتے ہیں' طالبان نے حکومت سے ملا عبیداللہ کے علاوہ رشید زمان محسود' مولانا صوفی محمد' لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز اور بے نظیر بھٹو کے قتل کے الزام میں گرفتار تین ملزمان کی رہائی کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ آج طارق عزیز الدین کے اغواء کو دو ماہ' گیارہ دن گزر چکے ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے ہمارا سفیر حکومت کی ترجیح میں شامل نہیں۔

خواتین وحضرات! کیا طارق عزیز الدین واقعی طالبان کی قید میں ہیں' کیا حکومت یا ریاست نے طارق عزیز الدین کے معاملے میں بے حسی اور سستی کا مظاہرہ کیا اور حکومت کو طارق عزیز الدین کی رہائی کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ یہ ہمارے موضوعات ہیں لیکن میں یہاں آپ کو آخری حصے کے بارے میں بھی بتاتا چلوں۔ پولینڈ کے وزیر خارجہ نے سفیر کرسٹوف کی رہائی کے بعد ایک ٹیلی ویژن چینل کو انٹرویو دیا تھا اور اس انٹرویو میں انہوں نے ایک بڑا خوبصورت فقرہ کہا تھا' کاش ہماری حکومت نے وہ انٹرویو دیکھا ہوتا تو آج ہمارے سفیر دو ماہ' گیارہ دن تک کسی کی قید میں نہ ہوتے' وہ فقرہ کیا تھا؟ یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں پولینڈ کے وزیر خارجہ کے ایک انٹرویو کا ذکر کیا تھا' سفیر کرسٹوف رہائی کے بعد پولینڈ پہنچا تو پولش وزیر خارجہ نے ایک عالمی نشریاتی ادارے کو انٹرویو دیا تھا اور اس انٹرویو میں اس نے کہا تھا ''سفیر محض دو سو پونڈ کے انسان نہیں ہوتے' یہ ملک کی انا' عزت' وقار اور غیرت ہوتے ہیں اور جب کسی ملک کا کوئی سفیر اغواء ہوتا ہے تو اس ملک کی غیرت' وقار' عزت اور انا داؤ پر لگ جاتی ہے۔''

خواتین وحضرات! میں پولینڈ کے وزیر خارجہ سے متفق ہوں' واقعی سفیر محض ایک شہری نہیں ہوتے' وہ ملکوں کی غیرت اور عزت ہوتے ہیں اور جب کوئی ملک اپنے سفیر کو نہیں چھڑا پاتا تو اس کا مطلب ہوتا ہے دُنیا میں اس ملک کی رٹ اور وقار ختم ہو چکا ہے اور اب اس ملک کو اپنا جھنڈا لہرانے' اپنا ترانہ پڑھنے اور اپنی غیرت اور عزت کے دعوے کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ طارق عزیز الدین کی رہائی ہماری عزت اور غیرت کا امتحان ہے' ہم دیکھتے ہیں ہم اس امتحان میں کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔

(20 اپریل 2008ء)

گریجوایٹ منافق

آغاز:

خواتین وحضرات! یہ جنرل ضیاء الحق کے دور کا واقعہ ہے 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات ہوئے' ان انتخابات کے نتیجے میں ایک طویل عرصے بعد اسمبلیاں معرض وجود میں آئیں اور یہ اس دور کا واقعہ ہے۔ پنجاب اسمبلی کے ایک رکن تھے' یہ رکن وسطی پنجاب سے منتخب ہو کر آئے تھے اور اپنے حلیے کی وجہ سے پورے لاہور میں مشہور ہو گئے تھے' یہ صاحب بڑے گھیرے والا تہبند باندھتے تھے' لمبا اور کھلا کرتا پہنتے تھے اور انہوں نے سر پر ایک تین منزل کا پگڑ باندھا ہوتا تھا' ان کے پگڑ کے بارے میں مشہور تھا اس میں نو گز کپڑا استعمال ہوتا ہے۔ یہ رکن اسمبلی چٹے ان پڑھ تھے اور پہلی بار منتخب ہو کر اسمبلی میں آئے تھے' اخبارات میں ان کی روزانہ تصاویر شائع ہوتی تھیں اور جب یہ اسمبلی ہال سے باہر نکلتے تھے تو اس وقت انہیں دیکھنے کے لئے اسمبلی کی عمارت کے سامنے سینکڑوں لوگ جمع ہوتے تھے' یہ صاحب اپنی اس پذیرائی پر بہت خوش ہوتے تھے لیکن دوسرے اراکین کو بڑی خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان ارکان کا خیال تھا اس رکن اسمبلی کے حلیے کی وجہ سے معاشرے میں ان کا استحقاق مجروح ہوتا ہے چنانچہ ان کا حلیہ درست ہونا چاہئے۔ اس دور میں پنجاب اسمبلی کے ایک رکن نے اسمبلی میں یہ قرارداد پیش کر دی کہ ارکان اسمبلی کے لئے کوئی باقاعدہ ''ڈریس کوڈ'' ہونا چاہئے اور تمام اراکین اس ضابطے کی پابندی کریں' سپیکر نے قرارداد کو بحث کے لئے منظور کر لیا اور یوں اس پر بحث شروع ہو گئی۔ اس بحث کے دوران زیادہ تر ارکان کا خیال تھا ارکان اسمبلی خواہ تہبند باندھیں' دھوتی باندھیں یا شلوار' کرتا اور سوٹ پہنیں لیکن انہیں تین منزل کا پگڑ نہیں باندھنا چاہئے۔ یہ بحث آگے چل کر الجھ گئی چنانچہ سپیکر نے اس مسئلے پر ایوان میں ووٹنگ کرانے کا فیصلہ کر لیا' جب ووٹنگ کی باری آئی تو وہ ارکان جو پگڑ کے خلاف تھے انہوں

نے پگڑ کی مخالفت میں ہاتھ کھڑے کر دیئے' پگڑ والے صاحب بھی اس وقت اسمبلی میں موجود تھے' انہوں نے جب ارکان کو ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی ہوا میں ہاتھ لہرا دیا' ارکان اسمبلی نے ان کا ہاتھ دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسمبلی کی ساری کارروائی اردو میں ہو رہی تھی اور وہ صاحب کیونکہ چٹے ان پڑھ تھے چنانچہ انہیں یہ تک معلوم نہ ہوا کہ یہ قرارداد ان کے خلاف پیش ہو رہی ہے بعد ازاں جب سپیکر نے ان سے ہاتھ کھڑا کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''میں نے دیکھا ایوان کے زیادہ تر ارکان نے ہاتھ کھڑے کر رکھے ہیں چنانچہ میں نے بھی ہاتھ اُٹھا دیا''

خواتین وحضرات! جب سے پاکستان بنا ہے ملک میں یہ بحث جاری ہے کہ آیا ارکان اسمبلی کے لئے بھی کوئی نہ کوئی کوالیفیکیشن ہونی چاہئے یا نہیں۔ صدر پرویز مشرف نے 2002ء میں صوبائی اور قومی اسمبلی کے الیکشن کے لئے بی اے کی کوالیفکیشن طے کر دی تھی جس کے بعد 2002ء اور 2008ء میں گریجوایٹس اسمبلیاں معرض وجود میں آئیں لیکن آج سپریم کورٹ نے یہ شرط ختم کر دی۔ اس مسئلے پر دو قسم کی آراء ہیں۔ پہلی قسم کے لوگوں کا خیال ہے پاکستان میں چھ کروڑ 81 لاکھ ووٹرز ہیں جبکہ پچیس لاکھ 39 ہزار 5 سو 48 گریجوایٹس ہیں اور اگر ان گریجوایٹس کی شرح نکالیں تو یہ ایک اعشاریہ چار فیصد بنتے ہیں چنانچہ یہ لوگ پورے ملک کی نمائندگی نہیں کر پاتے جبکہ دوسرے مکتبہ فکر کا کہنا ہے جب پاکستان میں چپڑاسی اور کلرک تک کے لئے ایک کوالیفیکیشن موجود ہے تو پھر ارکان اسمبلی اس سے کیوں مبرا ہوں بہرحال پہلے مکتبہ فکر کی بات درست ہے یا دوسرے مکتبہ فکر کی۔۔ یہ بحث اب لاحاصل ہو چکی ہے کیونکہ سپریم کورٹ اس شرط کو ختم کر چکی ہے۔ یہ ہمارا پہلا موضوع ہے' ہم نے یہ جائزہ لینا ہے اس شرط کے خاتمے کا پس منظر کیا تھا' کہیں یہ شرط صرف جناب آصف علی زرداری کے لئے اقتدار کا راستہ کھولنے کے لئے تو ختم تو نہیں کی گئی اور وہ کیا وجوہات تھیں جن کے باعث یہ فیصلہ اتنی عجلت میں کیا گیا۔ ہمارا دوسرا موضوع ججز کی بحالی کا مسودہ ہے' آج پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کی قیادت کے درمیان ملاقات ہوئی اور اس ملاقات میں دونوں جماعتوں نے اس قرارداد کے مسودے کی منظوری دینا تھی جس کے ذریعے آئندہ چند دنوں میں معطل ججز نے بحال ہونا ہے لیکن دونوں جماعتیں چار گھنٹے کی ملاقات میں مسودے کی شقیں طے نہیں کر سکیں۔ اس سے یوں محسوس ہوتا ہے قرارداد کے مسودے پر دونوں جماعتوں کے درمیان اختلافات موجود ہیں اور یہ اختلافات کسی بھی وقت سیاسی طلاق کا باعث بن سکتے ہیں۔ آج اٹارنی جنرل آف پاکستان نے بی اے کی شرط کو فرد واحد کا قانون قرار دے دیا ہے۔ اٹارنی جنرل کے اس بیان کے اندر بے شمار انکشافات چھپے ہیں' وہ انکشافات کیا ہیں' میں اس کی وضاحت آخر میں کروں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں اٹارنی جنرل آف پاکستان کے حالیہ بیان کا حوالہ دیا تھا‘ اٹارنی جنرل ملک محمد قیوم نے آج فرمایا ”بی اے کی شرط ایک امتیازی قانون ہے‘ یہ پابندی فرد واحد نے عائد کی تھی اور یہ بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔“ انہوں نے فرمایا تھا ”قائداعظم محمد علی جناح‘ مہاتما گاندھی اور چرچل بھی گریجوایٹ نہیں تھے“ میں نے اس بیان کے بارے میں عرض کیا تھا اس میں بے شمار انکشافات چھپے ہیں۔ تو اس بیان سے پہلا انکشاف یہ ہوتا ہے کہ صدر پرویز مشرف جن لوگوں کو اپنا انتہائی قریبی ساتھی سمجھتے تھے‘ وہ ساتھی بھی ان کے ساتھی نہیں تھے۔ دوسرا انکشاف یہ ہے کہ آج سے اٹارنی جنرل بھی فرد واحد سے فاصلے پر چلے گئے ہیں اور آخری انکشاف قائداعظم محمد علی جناح ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ایک بار کسی نے کہا تھا ”آپ انگریزی سوٹ پہن کر مسلمانوں کے جلسے میں کیوں چلے جاتے ہیں؟“ قائداعظم نے فرمایا تھا ”اس لئے کہ میں منافق نہیں ہوں‘ میری گردن پر دو چہرے نہیں ہیں“ اس میں کوئی شک نہیں قائداعظم گریجوایٹ نہیں تھے لیکن وہ منافق بھی نہیں تھے۔

(21 اپریل 2008ء)

صرف چار دن

آغاز:

خواتین وحضرات! ٹونی بلیئر برطانیہ کے سابق وزیراعظم ہیں‘ وہ دُنیا کی سو نامور شخصیات میں شمار ہوتے ہیں‘ ٹونی بلیئر کے ساتھ اس ہفتے کے شروع میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ وہ لندن کے زیر زمین ریلوے سسٹم ”انڈر گراؤنڈ“ میں سفر کر رہے تھے‘ دوران سفر ٹرین میں اچانک ٹکٹ انسپکٹر آ گیا اور اس نے ٹونی بلیئر سے ٹکٹ دکھانے کی درخواست کی‘ ٹکٹ انسپکٹر کا مطالبہ سن کر ٹونی بلیئر کا رنگ فق ہو گیا‘ انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور شرمندہ ہو کر بولے ”میرے پاس کھلے پیسے نہیں تھے چنانچہ میں ٹکٹ نہیں خرید سکا“ سابق وزیراعظم کی بات سن کر ٹکٹ انسپکٹر مسکرایا اور اس نے عرض کیا ”جناب پھر آپ کو جرمانہ بھرنا ہو گا“ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ وہاں لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے ٹونی بلیئر کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا اور ٹونی بلیئر شرمندگی سے دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

خواتین وحضرات! اس واقعے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں پہلی بات برطانیہ دُنیا کے پانچ بڑے ممالک میں شمار ہوتا ہے اور ٹونی بلیئر اس ملک کا دس سال تک وزیراعظم رہا لیکن وزارت عظمیٰ کے خاتمے کے بعد وہ ٹرینوں میں سفر کر رہا ہے‘ دوسری بات‘ برطانیہ میں ٹکٹ انسپکٹر جیسے چھوٹے افسر بھی اتنے بااختیار اور مضبوط ہیں کہ وہ حکمران جماعت کے سب سے بڑے لیڈر اور سابق وزیراعظم کو بھی ٹکٹ دکھانے کا حکم دے سکتے ہیں‘ ہو سکتا ہے‘ ہم یہ سمجھیں کہ کیونکہ ٹونی بلیئر اب اقتدار میں نہیں رہے چنانچہ برطانوی انتظامیہ کا ان سے رویہ بدل گیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ سن 2000ء میں ٹونی بلیئر کی بیگم اور اس وقت کی خاتون اول بغیر ٹکٹ ٹرین میں سفر کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی اور انہوں نے 50 پاؤنڈ جرمانہ بھی بھرا تھا۔ ٹونی بلیئر کا بیٹا شراب نوشی کے جرم میں تھانے میں بند کر دیا گیا تھا اور وزیراعظم اور ان کی

بیگم کو باقاعدہ تھانے جاکر تحریری معذرت نامہ جمع کرانا پڑا تھا' گویا برطانیہ میں کوئی شخص وزیر اعظم ہو یا سابق وزیر اعظم وہ اگر قانون کی زد میں آ جائے تو قانون اس سے آنکھیں نہیں پھیرتا۔ ایک طرف یہ خبر تھی جبکہ دوسری طرف ہمارے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے 23 اپریل کو قومی اسمبلی میں انکشاف کیا' صدر پرویز مشرف نے پچھلے پانچ برسوں میں 37 غیر ملکی دورے کئے جن پر سرکاری خزانے سے ڈیڑھ ارب روپے خرچ ہوئے تھے' وزیر خارجہ نے انکشاف کیا ان دوروں میں صدر مجموعی طور پر 1325 افراد کو اپنے ساتھ بیرون ملک لے کر گئے' صدر پرویز مشرف جب نیویارک میں اپنی کتاب ''ان دی لائن آف فائر'' کی رونمائی کے لئے گئے تو اس دورے پر 22 کروڑ 70 لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے' اسی طرح جب صدر پرویز مشرف بے نظیر بھٹو سے مذاکرات کے لئے 43 رکنی وفد کے ہمراہ ابوظہبی گئے تو اس دورے پر 1 کروڑ 50 لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔ صدر نے سعودی عرب کے مجموعی طور پر آٹھ دورے کئے تھے اور ان دوروں پر مجموعی طور پر 14 کروڑ 20 لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے لہٰذا صدر نے عمرہ تک غریب عوام کے پیسے سے کیا۔ صدر پرویز مشرف یورپ کے آخری دورے کے دوران اپنے ایک دوست کے ساتھ برج کھیلنے کے لئے لندن میں رکے تھے اور یہ ہر لحاظ سے صدر کا ذاتی سٹے تھا کیونکہ اس دوران برطانوی حکومت نے انہیں سرکاری پروٹوکول نہیں دیا تھا' اس دورے کے دوران صدر پرویز مشرف لندن کے جس ہوٹل میں ٹھہرے تھے اس میں ایک رات کا کرایہ 18 لاکھ روپے تھا۔

خواتین و حضرات! اگر ہم صدر پرویز مشرف کے ان دوروں اور ٹرین میں کھڑے ٹونی بلیئر کا تقابل کریں تو ہمارا سر شرم سے جھک جائے گا کیونکہ ایک طرف وہ ملک ہے جس میں وزیر اعظم ہو یا سابق وزیر اعظم حکمرانوں کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی کا احتساب ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف ایک ایسا ملک ہے جس کے صدر قوم کے ڈیڑھ ارب روپے دوروں پر اُڑا دیتے ہیں اور کوئی شخص اُنگلی سے ان کی طرف اشارہ تک نہیں کر سکتا۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے برطانیہ میں ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ اور ہمارے ملک میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی صرف اور صرف ایک ہی وجہ ہے اور اس وجہ کا نام قانون اور عدالتیں ہیں۔ برطانیہ میں قانون کی حکمرانی ہے اور وہاں کی عدالتیں حکمرانوں اور حکومتوں سے مضبوط ہیں چنانچہ وہاں کا کوئی حکمران سرکاری خزانے سے خریدی گئی ایک بال پین تک ضائع نہیں کر سکتا جبکہ پاکستان میں عدالتیں اور قانون موم کی ناک ہیں لہٰذا پاکستان میں حکمران خواہ دوروں پر ڈیڑھ ارب روپے اُڑا دیں یا آدھا ملک کھا پی کر ڈکار مار جائیں کوئی ان کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔

خواتین و حضرات! بات پھر عدالتوں کی طرف آتی ہے۔ اگلے چار روز پاکستان کی تاریخ کے نازک ترین دن ہیں۔ اگر ان چار دنوں میں حکمران اتحاد نے ایمان' ضمیر اور حوصلے کا مظاہرہ کیا تو

پاکستان بھی ایک ایسے دور میں داخل ہو جائے گا جس میں حکمرانوں کو بھی ٹکٹ انسپکٹر روک لیں گے اور ان کے پاس معافی مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا بصورت دیگر اگر حکمران اتحاد دباؤ میں آ گیا تو ملک ایک ایسے بحران میں مبتلا ہو جائے گا جس میں سڑکوں پر خون بہے گا اور حکمران کلاس کے کسی شخص کے لئے گھر سے باہر نکلنا ممکن نہیں رہے گا۔

آج مسلم لیگ ق کے سربراہ چودھری شجاعت حسین نے لاہور میں اعلان کیا' اگر حکمران اتحاد ججز کی بحالی کے لئے قرارداد کا مسودہ تیار نہ کر سکا تو مسلم لیگ ق قومی اسمبلی میں ججز کی بحالی کی قرارداد پیش کر دے گی' ہمارا دوسرا موضوع بلوچستان کی کابینہ ہے' بلوچستان کی صوبائی اسمبلی میں 62 ارکان ہیں لیکن وہاں 41 وزراء اور 2 مشیروں نے حلف اُٹھایا یوں اس کابینہ نے پاکستان کی تاریخ کی سب سے بڑی کابینہ کا اعزاز حاصل کر لیا۔

اختتام:

خواتین و حضرات! کہا جاتا ہے دولت اور طاقت دُنیا کا سب سے بڑا سچ ہے اور جس کے پاس یہ دونوں موجود ہوں وہ دُنیا میں سب کچھ کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بات درست ہو لیکن مجھے اس سے اختلاف ہے کیونکہ دولت سے آپ مکان تو خرید سکتے ہیں لیکن گھر نہیں' آپ گھڑی تو خرید سکتے ہیں لیکن وقت نہیں' آپ بستر تو خرید سکتے ہیں لیکن نیند نہیں' آپ کتاب تو خرید سکتے ہیں لیکن علم نہیں' آپ ڈاکٹر اور دوا تو خرید سکتے ہیں لیکن شفاء نہیں' آپ عہدہ تو خرید سکتے ہیں لیکن عزت نہیں' آپ خون تو خرید سکتے ہیں لیکن زندگی نہیں اور آپ جسم تو خرید سکتے ہیں لیکن محبت نہیں اور طاقت سے آپ حکومت کو تو ڈرا سکتے ہیں لیکن عوام کو نہیں' طاقت سے آپ عوام کا آئین تو بدل سکتے ہیں لیکن عوام کی سوچ نہیں' طاقت سے آپ قانون تو توڑ سکتے ہیں لیکن لوگوں کا حوصلہ نہیں اور طاقت سے آپ گھڑیوں کو تو روک سکتے ہیں لیکن وقت نہیں۔ کیونکہ آج تک دُنیا میں کوئی شخص نکلتے ہوئے سورج اور چڑھتے ہوئے دن کو نہیں روک سکا' آج تک کوئی وقت کو شکست نہیں دے سکا اور ہمارے سیاست دانوں کے پاس صرف چار دن باقی ہیں۔

(25 اپریل 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

سچ یہ ہے

آغاز:

خواتین وحضرات! آج سے چار روز قبل کراچی میں ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا' کراچی کے ایک نوجوان طفیل شاہ نے بینک سے قرضہ لیا تھا' اس نے اس قرضے سے گیس سیلنڈرز کا کاروبار شروع کیا' بدقسمتی سے اس کی دکان تجاوزات میں آ گئی اور کراچی کارپوریشن نے اس کی دکان مسمار کر دی۔ اس واقعے کے بعد طفیل شاہ کے حالات خراب ہو گئے اور اس پر سود چڑھنے لگا' بینک کی قسطوں میں تعطل آیا تو بینک کی ریکوری ٹیم اس کے گھر چھاپے مارنے لگی۔ میں آپ کو یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ بینکوں نے قرضوں کی ریکوری کے لئے بدمعاشوں کی ٹیمیں بھرتی کر رکھی ہیں' یہ بدمعاش لوگوں کے گھر جاتے ہیں' انہیں اور ان کے خاندان کو ہراساں کر کے ریکوری کرتے ہیں۔ چار روز قبل بینک کی ریکوری ٹیم طفیل شاہ کے گھر آئی' طفیل شاہ اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا' ریکوری ٹیم نے اس کی ماں' بہن اور بیوی کی بے عزتی شروع کر دی' شور سن کر لوگ جمع ہو گئے اور طفیل شاہ کے گھر والوں کو شدید خفت اُٹھانا پڑ گئی۔ شام کو طفیل شاہ واپس آیا' اس نے اپنی ماں' بہن اور بیوی کو روتے دیکھا تو اسے شدید صدمہ پہنچا' وہ کمرے میں گیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ طفیل شاہ کو نیو کراچی نمبر 6 کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ سوال یہ ہے طفیل شاہ کا جرم کیا تھا' طفیل شاہ کے تین جرم تھے' اس کا پہلا جرم ایک عام انسان ہونا تھا' اگر وہ کرپٹ سیاست دان ہوتا' وہ قانون شکن جرنیل ہوتا' وہ بے ایمان بیوروکریٹ ہوتا' وہ بدکردار صنعت کار اور وہ بداخلاق بزنس مین ہوتا تو وہ آج نہ صرف زندہ ہوتا بلکہ وہ اس وقت دو کروڑ روپے کی بلٹ پروف گاڑی میں بیٹھا ہوتا اور کراچی پولیس اسے پروٹوکول دے رہی ہوتی۔ طفیل شاہ کا دوسرا جرم ''چھوٹا قرض'' تھا۔ طفیل شاہ نے بینک سے چند لاکھ روپے قرض لئے تھے' اگر اس نے دس' بیس' پچاس کروڑ روپے قرض لیا ہوتا تو وہ آج کابینہ میں بیٹھا ہوتا اور ہمارا سارا نظام اسے سیلوٹ کر رہا ہوتا

اور صدر پرویز مشرف اور وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اسے عشائیہ دے رہے ہوتے' طفیل شاہ کا تیسرا جرم افتخار محمد چودھری ہیں۔ افتخار محمد چودھری نے پچھلے ایک برس میں طفیل شاہ جیسے لوگوں کو اپنے حقوق کا شعور دے دیا تھا اور ان لوگوں نے اب اس معاشرے سے توقعات وابستہ کر لی تھیں اور ظاہر ہے اب یہ توقعات پوری نہیں ہو سکتیں لہٰذا طفیل شاہ جیسے لوگوں کے پاس خودکشی کے سوا کیا آپشن بچتا ہے۔

خواتین وحضرات! میں آپ کو طفیل شاہ کی کہانی سے ایک لمحے کے لئے سابق وزیراعظم شوکت عزیز کے دور میں لے جانا چاہتا ہوں' شوکت عزیز نے صدر پرویز مشرف کے حکم پر 2002ء میں 50 ہزار لوگوں کے 54 ارب روپے معاف کئے تھے' یہ پچاس ہزار لوگ بھی بینکوں کے مقروض تھے لیکن ان میں کوئی طفیل شاہ نہیں تھا' یہ لوگ مسلم لیگ ق' پاکستان پیپلز پارٹی پیٹریاٹ' ایم کیو ایم اور ایم ایم اے سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں فوج سے ریٹائر افسر اور نامور بزنس مین شامل تھے' حکومت نے جب ان قرضوں کی معافی کا اعلان کیا تھا تو اس کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ اس سہولت سے صرف وہ لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جنہوں نے پانچ لاکھ روپے سے زائد قرض لیا ہے۔ اس شرط کا مطلب یہ تھا کہ اس سہولت سے طفیل شاہ کی کلاس کا کوئی شخص فائدہ نہ اُٹھا سکے' اس سے صرف کرپٹ سیاست دانوں اور بے ایمان بزنس مینوں کو فائدہ ہو۔ آپ مزید ظلم ملاحظہ کیجئے شوکت عزیز نے جاتے جاتے 628 لوگوں کو 12 ارب روپے معاف کر دیئے اور یہ لوگ بھی ملک کے امراء اور سیاست دان تھے اور شوکت عزیز کی دریا دلی سے فائدہ اُٹھانے والے لوگ اس وقت بھی قومی اسمبلی میں بیٹھے ہیں اور ان میں دو سابق وزرائے اعلیٰ بھی شامل ہیں۔

خواتین وحضرات! آپ این آر او کو بھی لے لیجئے' صدر پرویز مشرف نے 2007ء کے آخر میں قومی مفاہمتی آرڈی ننس جاری کیا تھا جس سے چار ہزار سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کے کرپشن کے داغ دھل گئے تھے' این آر او سے بے نظیر بھٹو' آصف علی زرداری اور رحمان ملک سمیت پیپلز پارٹی کے 5 بڑے لیڈرز' مسلم لیگ ق کے 31' ایم ایم اے کے دو' مسلم لیگ ن کے پانچ' لغاری فیملی کے چھ اور ایم کیو ایم کے 2500 لوگوں نے فائدہ اُٹھایا اور اس سے ایک اندازے کے مطابق سوا ارب روپے کی کرپشن کو قانونی شکل مل گئی۔

خواتین وحضرات! ایک طرف یہ لوگ ہیں اور دوسری طرف طفیل شاہ جیسے لوگ ہیں جنہیں غربت کی سزا مل رہی ہے۔ ستم تو یہ ہے اس ملک میں روٹی چُرانے والوں پر پوری تعزیرات پاکستان لگا دی جاتی ہے جبکہ اربوں روپے کھانے والوں کو پروٹوکول اور بلٹ پروف گاڑیاں دی جاتی ہیں لہٰذا آج کا پاکستانی یہ سوال کرتا ہے' چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کا کیا قصور تھا' چودھری صاحب کا یہی قصور تھا وہ اس عدم مساوات کو ختم کرنا چاہتے تھے' انہوں نے سوموٹو ایکشن لیا تھا اور حکومت سے جواب طلب کیا تھا کہ اس نے یہ 54 ارب روپے کیوں اور کس قانون کے تحت معاف کئے؟ حکومت نیشنل بینک کے صدر کو سالانہ پانچ

کروڑ روپے کا ''ریوارڈ'' دیتی تھی' چودھری صاحب نے بینک کے صدر کو بلا کر پوچھا تھا کہ آپ کو پانچ کروڑ روپے کس کارکردگی کے صلے میں ملتے ہیں؟ انہوں نے فارماسیوٹیکل کمپنیوں کو عدالت میں طلب کر کے پوچھنا شروع کر دیا تھا کہ ''ایک دوا بھارت میں دس روپے میں ملتی ہے تو یہاں اس کی قیمت پانچ سو روپے کیوں ہے؟'' افتخار محمد چودھری کے یہ سات ہزار سوموٹو ایکشن جرم ثابت ہوئے تھے اور وہ پچھلے ایک برس سے اس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں۔ انہیں طفیل شاہ جیسے لوگوں کی فریاد سننے کی سزا دی جا رہی ہے اور جب تک یہ توبہ نہیں کریں گے انہیں یہ سزا ملتی رہے گی۔ خواتین وحضرات! آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں' دوبئی میں پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کی قیادت میں ججز کی بحالی کے ایشو پر مذاکرات ہو رہے ہیں' ان مذاکرات کے حتمی نتائج ابھی تک سامنے نہیں آئے' یہ مذاکرات ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ججوں کی بحالی میں تاخیر کی تین وجوہات ہیں' حکومت چیف جسٹس کی مدت ملازمت تین سال طے کرنا چاہتی ہے' افتخار محمد چودھری کے تین سال جون میں پورے ہوں گے چنانچہ حکومت اس مسئلے کو کسی نہ کسی طرح جون تک کھینچنا چاہتی ہے تاکہ افتخار محمد چودھری گھر میں بیٹھے بیٹھے ریٹائر ہو جائیں۔ دوم صدر پرویز مشرف اور پیپلز پارٹی کے درمیان ''مفاہمت'' میں یہ طے ہوا تھا کہ آصف علی زرداری کے خلاف سارے کیس ختم کر دیئے جائیں گے اور اس کے جواب میں وہ صدر کو صدر رہنے دیں گے۔ دوبئی کے ایک شہزادے نے اس مفاہمت کی گارنٹی دی تھی' پیپلز پارٹی اس ایگریمنٹ پر عملدرآمد کرنا چاہتی ہے اور صدر مشرف' زرداری اور ان کے ''گارنٹر'' کا خیال ہے کہ 2 نومبر کی جوڈیشری صدر کو فارغ کر دے گی اور آخری وجہ امریکی صدر بش ہیں۔ صدر بش نومبر 2008ء تک صدر ہیں اور یہ کھل کر صدر مشرف کی حمایت کر رہے ہیں۔ حکومت کا خیال ہے جب تک بش صدر ہیں' اس وقت تک ہمیں صدر مشرف کو نہیں چھیڑنا چاہئے۔ صدر بش 4 جولائی 2008ء کو آخری بار بطور صدر امریکہ کا قومی دن منائیں گے چنانچہ صدر مشرف کا مواخذہ اگست 2008ء تک نہیں ہوگا۔ خواتین وحضرات! اصل سانحہ یہ نہیں کہ افتخار محمد چودھری کا کیا بنے گا؟ اصل المیہ یہ ہے کہ اگر افتخار محمد چودھری بحال نہیں ہوتے تو مستقبل میں حکومت کا کوئی عہدیدار حکومت سے نہیں ٹکرائے گا۔ یہ تو وہ سیاسی حقائق تھے جن کے باعث ججز کا مسئلہ لٹکتا چلا جا رہا ہے لیکن اس کے علاوہ ہم مسلمانوں کا کردار بھی اس مسئلے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ آپ اندازہ لگایئے جس قوم نے نواسا رسول ﷺ کو انصاف نہیں دیا تھا وہ افتخار محمد چودھری کو کیا انصاف دے گی' جس قوم نے ٹیپو سلطان کا ساتھ نہیں دیا تھا وہ معطل ججوں کا ساتھ کیا دے گی۔ یہ سچ ہے' ہم مروانے والے لوگ ہیں' بچانے والے نہیں ہیں۔

(30 اپریل 2008ء)

لوگ بے نقاب کب ہوتے ہیں

آغاز:

خواتین وحضرات! آپ نے بچپن میں بادشاہوں' ملکاؤں اور شہزادوں' شہزادیوں کی کہانیاں سنی ہوں گی' میں آپ کو آج دوبارہ آپ کے بچپن میں لے جانا چاہتا ہوں' میں آپ کو ایک بادشاہ اور ایک حجام کی کہانی سنانا چاہتا ہوں' ہماری اس کہانی کے بادشاہ سلامت کی عجیب عادت تھی' وہ روز صبح اپنے مشیر خاص اور شاہی حجام کو طلب کرتے تھے' حجام بادشاہ کی حجامت بناتا اور مشیر انہیں عوام کی خوشحالی کی خوشخبری سناتا تھا۔ وہ بادشاہ کو بتاتا تھا حضور جب سے آپ نے اقتدار سنبھالا ہے ہمارے فارن ایکسچینج ریزروز میں سوا بلین ڈالر کا اضافہ ہو گیا ہے' ہمیں امریکہ سے تین بلین ڈالرز کا مزید قرضہ مل گیا ہے' حضور جب سے آپ لاہور میں خودکشی کرنے والی خاتون بشریٰ کے گھر گئے ہیں اور آپ نے اس کے شوہر کو دو لاکھ روپے کی امداد دی ہے اس وقت سے پوری دُنیا میں آپ کی دھوم مچ گئی ہے' مجھے کل امریکہ' جاپان اور برطانیہ کے بادشاہوں نے فون کیا تھا اور وہ آپ کی مسلسل تعریف کر رہے تھے اور حضور والا جب سے آپ نے رحمان ملک کو وزارت داخلہ کا چارج دیا ہے اس وقت سے لوگوں کو پیاس لگتی ہے' نہ بھوک اور نہ ہی گرمی اور 16 کروڑ لوگ صبح شام ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں' ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں اور دھمالیں ڈالتے ہیں۔

خواتین وحضرات! مشیر خاص بادشاہ کو روزانہ یہ اچھی خبریں سناتا رہتا تھا اور حجام بادشاہ کی حجامت بناتا رہتا تھا۔ یہ سلسلہ کئی ماہ تک چلتا رہا یہاں تک کہ حجام اس گفتگو سے تنگ آ گیا اور اس نے ایک دن کلمہ حق کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک روز جب مشیر خاص بادشاہ کو سب اچھا کی رپورٹ دے رہا تو حجام نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ''حضور اگر جان کی امان پاؤں تو میں کلمہ حق کہنے کی جسارت

کروں‘‘ بادشاہ نے اسے اجازت دے دی۔ حجام نے عرض کیا ’’حضور مشیر خاص بکواس کر رہا ہے‘ صورتِ حال بالکل مختلف ہے‘ عوام اس وقت مہنگائی‘ بے روزگاری‘ بے انصافی‘ لاقانونیت اور بے بسی کی انتہا سے گزر رہے ہیں‘ لوگوں کے پاس کھانے کے لئے روٹی‘ پینے کے لئے پانی اور پہننے کے لئے کپڑا نہیں۔ ملک میں ڈاکے‘ قتل اور فراڈ روز کا معمول بن چکے ہیں۔ غربت کا یہ عالم ہے لوگ روٹی اور سالن کی ایک پلیٹ کے بدلے مہینہ مہینہ کام کرنے کے لئے تیار ہیں اور لوگ جھولیاں پھیلا پھیلا کر آپ اور آپ کی ٹیم کو بددعائیں دے رہے ہیں۔‘‘ حجام خاموش ہوا تو بادشاہ نے بڑی شفقت سے اس کو تھپکی دی‘ سرکاری منشی کو طلب کیا اور اسی وقت مشیر خاص کو حجام اور حجام کو مشیر بنا دیا اور اس کے بعد حجام کو حکم دیا آئندہ مجھے تم عوام کی صورتِ حال سے مطلع کیا کرو گے۔

خواتین وحضرات! اس کے بعد کہانی ٹرن لیتی ہے‘ اب نیا مشیر خاص اور سابق حجام روزانہ بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور سچ سچ لوگوں کی حالت زار بادشاہ کے گوش گزار کر دیتا۔ شروع شروع میں حجام کی رپورٹیں بہت کڑوی ہوتی تھیں لیکن پھر ان رپورٹوں میں خوشگوار تبدیلی آنے لگی اور وہ بھی بادشاہ کو پرانے مشیر کی طرح سب اچھا کی رپورٹ دینے لگا۔ بادشاہ یہ تبدیلی نوٹ کرتا رہا‘ ایک دن جب سابق حجام اور موجودہ مشیر خاص سب اچھا کی رپورٹ دے چکا تو بادشاہ نے سرکاری جلاد بلایا اور حجام کو دھوپ میں لٹا کر کوڑے مارنے کا حکم جاری کر دیا۔ حجام نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ’’حضور میری خطا کیا ہے؟‘‘ بادشاہ جلال سے بولا ’’او بدبخت انسان تمہیں مشیر بنے ہوئے صرف ایک مہینہ گزرا ہے‘ پہلے مشیروں کو تو حالات ٹھیک کرنے میں سال چھ مہینے لگ جاتے تھے لیکن تم نے ایک ہی مہینے میں ملک کا مقدر بدل دیا‘‘ حجام نے عرض کیا ’’حضور میں ایک مہینہ پہلے بھی صحیح کہہ رہا تھا اور میں آج بھی سچ بول رہا ہوں۔‘‘ بادشاہ نے اسے غصے سے دیکھا‘ حجام بولا ’’حضور جب میں صرف ایک حجام تھا تو میں تیلی محلے میں رہتا تھا‘ وہاں بے روزگاری‘ لاقانونیت‘ غربت اور مہنگائی تھی‘ میں روزانہ ان مسائل سے گزر کر آپ تک پہنچتا تھا چنانچہ میں آپ کو برے حالات کی اطلاع دیتا تھا جب آپ نے مجھے مشیر خاص بنایا تو آپ نے مجھے منسٹر انکلیو میں گھر دے دیا‘ میں تیلی محلے سے اُٹھ کر محلات میں آ گیا‘ حضور یہاں کے حالات یکسر مختلف تھے یہاں قانون بھی تھا‘ تحفظ بھی‘ روزگار بھی‘ ہسپتال بھی‘ ڈاکٹر بھی‘ شاہی سواری بھی اور سیکرٹ فنڈز بھی لہٰذا جب میں دن رات اس ماحول میں رہنے لگا تو میں نے آپ کو بھی وہی کچھ بتانا شروع کر دیا جو میں دیکھ رہا تھا۔‘‘

خواتین وحضرات! 9 مارچ 2008ء کو حکمران اتحاد نے مری میں یہ اعلان کیا تھا کہ وفاقی حکومت کے قیام کے تیس دنوں کے اندر معطل ججز کی بحالی کے لئے قومی اسمبلی میں ایک قرارداد پیش

کی جائے گی اور اس قرارداد کے ذریعے جج بحال کر دیئے جائیں گے۔ قوم نے خوشیاں منائیں‘ 17 مارچ کو قومی اسمبلی کے ارکان نے حلف اُٹھایا‘ 19 مارچ کو سپیکر اور ڈپٹی سپیکر منتخب ہوئے‘ 25 مارچ کو یوسف رضا گیلانی وزیراعظم بنے‘ 31 مارچ کو وفاقی کابینہ نے حلف اُٹھایا‘ یکم اپریل کو ججوں کی بحالی کا ’’کاؤنٹ ڈاؤن‘‘ شروع ہوا اور جوں جوں الٹی گنتی آگے بڑھتی گئی‘ حکومت کے موقف میں تبدیلی آتی گئی یہاں تک کہ ججز کے ایشوز پر پیپلز پارٹی اور ن لیگ میں ’’ڈیڈ لاک‘‘ پیدا ہو گیا اور قوم نو مارچ اور تیس اپریل کے سیاست دانوں کے رویے میں فرق‘ قول وفعل کے تضاد اور موقف میں تبدیلی پر حیران رہ گئی اور لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے ’’آخر یکم اپریل سے 30 اپریل کے درمیان ایسی کیا تبدیلی آ گئی جس کے باعث سیاست دان اپنے موقف سے پھر گئے۔ خواتین و حضرات تبدیلی آئی ہے اور یہ تبدیلی بادشاہ کے حجام کی نفسیاتی کیفیت سے ملتی جلتی تھی‘ نو مارچ تک ہمارے حکمران تیلی محلے میں رہتے تھے چنانچہ انہیں لوگوں کے خیالات کا علم تھا لیکن یکم اپریل کو یہ لوگ تیلی محلے سے منسٹر انکلیو میں شفٹ ہو گئے‘ ان کے حالات بدل گئے چنانچہ حالات کی تبدیلی سے ان کی رائے بھی بدلنا شروع ہو گئی اور یہی اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ہمارے حکمران جب تک اپوزیشن میں رہتے ہیں تو ان سے بڑا کوئی سچا اور محب وطن نہیں ہوتا لیکن جونہی یہ لوگ اقتدار میں آتے ہیں تو ان کا سچ بدل جاتا ہے اور یہ لوگ اپنے وعدوں‘ سمجھوتوں اور اعلانوں سے پھر جاتے ہیں‘ یہ لوگ اپوزیشن میں رہ کر اعلان مری کرتے ہیں اور اقتدار میں آ کر اسے سیاسی بیان قرار دے دیتے ہیں۔

خواتین وحضرات! آج کا دن بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آج مسلم لیگ ن کے قائد میاں نواز شریف نے لاہور میں ججز کی بحالی کا فارمولا پیش کیا‘ کیا اس فارمولے سے ججز واقعی بحال ہو جائیں گے‘ کیا یہ فارمولا تمام فریقین کے لئے قابل قبول ہے اور کیا میاں نواز شریف کے اعلان سے عدلیہ کا بحران ختم ہو جائے گا۔ یہ ہمارا موضوع ہے اور میں آپ کو یہ بتاتا چلوں ہمارے حکمران عموماً اختیار ملنے کے بعد بدل جاتے ہیں‘ یہ لوگ کیوں بدل لیتے ہیں؟ اس مسئلے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بہت خوبصورت قول تھا۔ میں یہ قول آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ججز کی بحالی کا مسئلہ آج تک یہاں پہنچا ہے‘ یوں محسوس ہوتا ہے اس مسئلے کے تمام فریقین تھوڑی تھوڑی لچک کا مظاہرہ کر کے اس مسئلے کو حل تک لے آئے ہیں‘ میری دعا ہے ججز کی بحالی کا جو مسئلہ آج حل نہیں ہو سکا وہ کل تک ضرور حل ہو جائے گا کیونکہ اس ملک کے عوام نو

مارچ 2007ء سے چین کی نیند نہیں سو پائے۔ ان لوگوں کو اب نیند بھی چاہئے اور سکون بھی۔ اس مسئلے کا حل ہماری حکومت کے لئے بھی بہت ضروری ہے کیونکہ جب تک معطل ججز بحال نہیں ہوں گے اس وقت تک حکومت ڈانواں ڈول رہے گی' اس وقت تک اس کا مستقبل اندیشوں میں گھیرا رہے گا۔ میں اب آتا ہوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرف۔ کہا جاتا ہے اقتدار' طاقت اور دولت تین ایسی چیزیں ہیں جن کے حصول کے بعد زیادہ تر لوگ بدل جاتے ہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا ''اقتدار' طاقت اور دولت کے بعد لوگ بدلتے نہیں ہیں بلکہ بے نقاب ہو جاتے ہیں۔

(02 مئی 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

پٹھانوں کی فطرت

آغاز:

خواتین وحضرات! یہ 2005ء کی گرمیوں کا ذکر ہے' میں اپنے ایک صحافی دوست کے ساتھ ہری پور جیل گیا' جیل کی انتظامیہ ہمیں جیل کے زنانہ حصے میں لے گئی' وہاں ہم نے بیرک کے برآمدے میں بے شمار عورتیں دیکھیں' ان عورتوں میں سے ایک عورت اپنی دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھی تھی' اس کی ایک بیٹی کی عمر دو سال' دوسری کی سات برس اور بیٹے کی عمر قریباً 9 برس تھی' اس خاتون کا نام حکم جان تھا۔ یہ خاتون اور اس کے تینوں بچے پچھلے دو' برس سے جیل میں بند تھے۔ ہم نے جیل حکام سے اس خاندان کا جرم پوچھا تو ہم جیل انتظامیہ کا جواب سن کر حیران رہ گئے۔ اس کیس کی بیک گراؤنڈ کچھ یوں تھی کہ لکی مروت کے دو بھائیوں قادر خان اور ارسال خان نے کسی شخص کو تاوان کے لئے اغواء کیا تھا' پولیٹیکل ایجنٹ نے ان کے گھر پر چھاپہ مارا' قادر اور ارسال خان بھاگ گئے' پولیٹیکل حکام نے اس جرم کے بدلے میں قبیلے کے سو گھر مسمار کر دیئے اور خاندان کے سولہ افراد گرفتار کر لئے' ان سولہ افراد میں قادر اور ارسال کی بوڑھی والدہ' بیویاں' بہن اور بچے شامل تھے' میں نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے پوچھا ''ان لوگوں کو کس قانون کے تحت گرفتار کیا گیا'' سپرنٹنڈنٹ نے جواب دیا پولیٹیکل حکام نے انہیں ایف سی آر کے تحت گرفتار کیا اور یہ بچے اور ان کی مائیں اب تین برس تک جیل میں رہیں گی۔

خواتین وحضرات! ہو سکتا ہے آپ کے لئے ایف سی آر کی اصطلاح نئی ہو' ایف سی آر فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کا مخفف ہے اور اس قانون کے تحت پولیٹیکل ایجنٹ قبائلی علاقے کے کسی بھی شخص کو کسی جرم کے بغیر جیل میں بند کر سکتا ہے۔ انگریزوں نے 1848ء میں صوبہ سرحد کے لئے یہ ضابطہ بنایا' اس ضابطے کے تحت انگریز حکمرانوں نے صوبہ سرحد میں پولیٹیکل ایجنٹس تعینات کر دیئے تھے' یہ پولیٹیکل ایجنٹس علاقے میں انگریز حکمرانوں کے نمائندے ہوتے تھے اور ان کے پاس وسیع اختیارات

ہوتے تھے‘ ان اختیارات کو ایف سی آر کہا جاتا تھا‘ ایف سی آر کو قانونی شکل لارڈ کرزن نے دی‘ لارڈ کرزن نے 1901 میں صوبہ سرحد اور فاٹا کے علاقوں کو پنجاب سے الگ کیا اور ایک نیا صوبہ بنا دیا‘ اس نے اس نئے صوبے کو نارتھ ویسٹ فرنٹیئر پروانس کا نام دے دیا اور ایف سی آر کو اس صوبے کا قانون بنا دیا اور آج ایک سو سات برس گزرنے کے بعد بھی یہ قانون اسی طرح موجود ہے۔

خواتین وحضرات! ایف سی آر بنیادی طور پر 69 دفعات کا ایک قانونی پیکج ہے جس میں پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس وسیع اختیارات ہیں اور کوئی متاثرہ فریق ان اختیارات کے خلاف عدالت میں نہیں جا سکتا۔ ایف سی آر کے تین قوانین کو زیادہ ظالمانہ کہا جاتا ہے۔ پہلا قانون ایف سی آر 21 ہے جس کے تحت پولیٹیکل ایجنٹ کسی بھی قبیلے کے افراد کو پاکستان کے کسی بھی علاقے سے گرفتار کرا سکتا ہے‘ دوسرا قانون ایف سی آر 40 ہے جس کے تحت پولیٹیکل ایجنٹ کسی بھی قبائلی شخص کو تین سال کے لئے قید کر سکتا ہے اور تیسرا قانون ایف سی آر الیون ہے جس کے تحت پولیٹیکل ایجنٹ کی مرضی کے خلاف جرگہ نہیں بن سکتا۔ ایف سی آر کے تحت قبائلی علاقوں میں سول اور فوجداری مقدمات کی سماعت عدالتوں میں نہیں ہو سکتی‘ اور جرگے اور پولیٹیکل ایجنٹس کی مرضی کے فیصلوں کو حتمی سمجھا جاتا ہے اور انہیں کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ ایف سی آر کی وجہ سے پولیٹیکل ایجنٹس کے پاس یہ اختیار موجود ہے اگر اسے ملزم نہیں ملتا تو وہ اس کے اہل خانہ یا قبیلے کے افراد حتیٰ کہ گاؤں اور محلے کے لوگوں کو گرفتار کر لے اور وہ ملزم کے بدلے انہیں سزا بھی دے سکتا ہے۔ ایف سی آر کی دفعہ 34 کے تحت پولیٹیکل حکام فاٹا کے کسی بھی علاقے میں کوئی بھی عمارت گرا سکتے ہیں اور دفعہ 38 کے تحت کسی بھی شخص کو وارنٹ کے بغیر گرفتار کر سکتے ہیں۔ یہ قانون ایک سو سات برس گزرنے کے باوجود تا حال موجود ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی بڑی ترمیم نہیں کی گئی۔

خواتین وحضرات! پاکستان کے نئے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے 29 مارچ 2008ء کو اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے بعد پارلیمنٹ ہاؤس میں کھڑے ہو کر ایف سی آر کے خاتمے کا اعلان کر دیا تھا‘ وزیراعظم کے اس اعلان کی روشنی میں آج اسلام آباد میں ایف سی آر کے خاتمے‘ فاٹا میں امن وامان کی صورتِ حال کے قیام اور قبائلی علاقہ جات میں ترقیاتی کاموں کے آغاز کے لئے گرینڈ جرگہ بلایا گیا‘ اس جرگے میں فاٹا کے 45 ارکان نے شرکت کی اور اس جرگے کی صدارت وفاقی وزیر سرحدی امور نجم الدین خان نے کی۔ یہ گرینڈ جرگہ ہمارا موضوع ہے‘ ہم نے دیکھنا ہے کہ قبائلی علاقوں کے ارکان اسمبلی کے لئے اس گرینڈ جرگے اور اس میں پیش کی گئی ریک مینڈیشن قابل قبول ہیں‘ لیکن اس سے پہلے ایک دوسرا اہم ایشو ڈسکس کریں گے۔ ہمارا پہلا ایشو ضمنی الیکشن ہیں۔ آج الیکشن کمیشن آف پاکستان

نے ضمنی الیکشن کو 18 اگست تک ملتوی کر دیا ہے‘ الیکشن کے التواء کے کیا نتائج نکلیں گے‘ ہم اس کا جائزہ بھی لیں گے لیکن اس سے قبل میں آپ کو آخری حصے کے بارے میں بھی بتاتا چلوں۔ ایف سی آر کا بانی ہندوستان کا وائسرائے لارڈ کرزن تھا‘ لارڈ کرزن نے قبائلی علاقوں پر حکومت کرنے اور مقامی لوگوں کے مسائل سے نمٹنے کا ایک دِلچسپ طریقہ بتایا تھا اور یہ طریقہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں لارڈ کرزن کا ذکر کیا تھا‘ لارڈ کرزن ہندوستان کا وائسرائے تھا اور اس نے 1901ء میں ایف سی آر کو باقاعدہ قانون کی شکل دی تھی‘ وہ چھ برس تک ہندوستان کا حکمران رہا تھا‘ اس نے یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے ہمارے قبائلی علاقوں کے بارے میں کہا تھا ”آپ پیار سے ان لوگوں کی گردن اتار سکتے ہیں لیکن زبردستی انہیں سونے کا نوالہ بھی نہیں کھلا سکتے۔“ اس نے کہا تھا ”جب تک تم لوگ پٹھانوں کو عزت اور محبت نہیں دیتے اس وقت تک تم ان پر حکومت نہیں کر سکتے“ محبت اور عزت یہ قبائلی علاقوں کے تمام مسائل حل کرنے کا ”کل تک“ کا فارمولا تھا‘ یہ فارمولا آج بھی کارآمد ہے اور یہ آنے والے کل تک بھی افیکٹو رہے گا کیونکہ پختون کی فطرت نہ کل بدلی تھی‘ نہ آج بدلی اور نہ ہی کل تک بدلے گی‘ پٹھان آج بھی محبت اور عزت کی قدر کرتا ہے۔

(05 مئی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

۱

ماں

آغاز:

خواتین وحضرات! جان مائیکل امریکہ کی ایک درمیانے درجے کی سافٹ ویئر کمپنی کا مالک ہے‘ مائیکل نے امریکہ میں مدرز کے نام سے ایک این جی او بنا رکھی ہے‘ یہ تنظیم امریکہ میں ”ماؤں“ کے حقوق کے لئے کام کر رہی ہے‘ مائیکل اپنی والدہ کی اکلوتی اولاد تھا۔ مائیکل کی ماں ایک بدصورت خاتون تھی‘ اس کی بدصورتی کی وجہ اس کی آنکھ تھی‘ مائیکل کی والدہ کی ایک آنکھ کم تھی‘ چنانچہ لوگ مائیکل کی والدہ کا مذاق اُڑاتے تھے لیکن وہ لوگوں کی باتوں اور مذاق کو ہنسی میں ٹال دیتی تھی‘ مائیکل بچپن میں اپنی والدہ کی بدصورتی پر شدید احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا‘ وہ جب ماں کے ساتھ گھر سے باہر نکلتا تو وہ ماں سے ایک خاص فاصلہ رکھ کر چلتا تھا تاکہ لوگ اسے اس کا بیٹا نہ سمجھیں۔ اس کی کوشش ہوتی تھی اس کی ماں اس سے ملنے کے لئے سکول نہ آئے‘ مائیکل اپنی ماں سے روز لڑتا تھا‘ وہ اس سے اکثر کہتا تھا ”اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کانا بنایا تھا تو تمہیں شادی کرنے اور مجھے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی‘ تم نے میری زندگی کو دوزخ بنا دیا“ ماں روز اس کی یہ باتیں سنتی اور اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگتی تھی۔ قصہ مختصر سکول کی تعلیم کے بعد مائیکل اپنے قصبے سے نکلا اور نیویارک آ گیا‘ اس نے نیویارک میں شادی کی‘ اللہ تعالیٰ نے اسے دو بیٹے اور ایک بیٹی دی اور اس دوران اس نے کبھی اپنی ماں سے رابطہ نہ کیا‘ وہ ایک شام اپنے گھر میں بیٹھا تھا تو اس کا بیٹا چیختا ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے مائیکل سے کہا ”ہمارے دروازے پر ایک چڑیل کھڑی ہے“ مائیکل باہر آیا تو دروازے پر اس کی ماں تھی‘ ماں کمزور اور بیمار دکھائی دے رہی تھی‘ مائیکل نے ماں کو دیکھا تو اسے شدید غصہ آ گیا اور اس نے چلا کر کہا ”تم نے ابھی تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا‘ میں تم سے بھاگ کر آیا لیکن تم یہاں بھی پہنچ گئی“ ماں نے معافی مانگی اور آہستہ آواز میں بولی ”بیٹا میں تمہیں آخری

بار چھو کر دیکھنا چاہتی ہوں‘ میں اپنے پوتوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہتی ہوں‘ پلیز بیٹا مجھے مایوس نہ کرنا“ مائیکل کو مزید غصہ آ گیا‘ اس نے اپنی ماں کو گالیاں دیں‘ سیڑھیوں کی طرف دھکا دیا اور اس سے سختی سے کہا ”تم یہاں سے چلی جاؤ‘ میرے بچے تمہیں دیکھ کر ڈر جائیں گے“ ماں نے حسرت سے مائیکل کی طرف دیکھا اور چپ چاپ سیڑھیاں اتر گئی‘ چند دن بعد مائیکل کو اپنے قصبے کی میونسپل کمیٹی کی طرف سے ایک خط موصول ہوا‘ کمیٹی نے خط میں لکھا تھا ”تمہاری والدہ چند دن قبل انتقال کر گئی تھی‘ اس نے وصیت میں لکھا تھا‘ میری تدفین کے سلسلے میں میرے بیٹے کو تکلیف نہ دی جائے کیونکہ اسے بہت دور سے آنا پڑے گا جس کی وجہ سے اس کے کام کا حرج ہو گا“ کمیٹی نے اس کے بعد لکھا ”مرحومہ مرنے سے قبل تمہارے نام ایک خط چھوڑ گئی تھی‘ یہ خط تمہیں بھجوا رہے ہیں“ مائیکل نے اس کے بعد ماں کا خط کھولا‘ خط میں ماں نے سب سے پہلے مائیکل سے معافی مانگی تھی اور اس سے کہا تھا ”بیٹا میں نے بہت کوشش کی‘ میں ایک اچھی ماں ثابت ہوں لیکن افسوس میں ناکام رہی‘ تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے تو میں ہر ماہ نیویارک آتی تھی‘ تمہارے اپارٹمنٹ کے سامنے کھڑی ہو جاتی تھی‘ تم گھر سے نکلتے تو میں تمہیں دیکھتی تھی‘ تم سے ملے بغیر چپ چاپ واپس آ جاتی تھی‘ تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے لیکن میں روزانہ تمہارے جوتے پالش کرتی تھی‘ تمہاری پرانی یونیفارم دھوتی‘ استری کرتی تھی اور تمہارا لنچ باکس تیار کرتی تھی‘ میں تمہارے بچپن کے ٹوٹے کھلونوں سے کھیلتی رہتی اور ہنستی رہتی‘ بیٹا مجھے معلوم ہے ایک کانی ماں نے تمہیں کتنی تکلیف پہنچائی‘ میری بدصورتی نے تمہیں کتنا پریشان رکھا لیکن بیٹا میں آج تمہیں اپنی بدصورتی کی وجہ بتانا چاہتی ہوں“ مائیکل رکا‘ اس نے سانس لیا اور دوبارہ خط پڑھنے لگا‘ ماں نے لکھا ”بیٹا جب تم دو برس کے تھے تو تم ایک کیل پر گر گئے تھے جس سے تمہاری ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی‘ تم بدصورت ہو گئے تھے اور دُنیا کی کوئی ماں اپنے بچے کو بدصورت نہیں دیکھ سکتی چنانچہ بیٹا میں نے تمہیں اپنی آنکھ دے دی تھی‘ ڈاکٹروں نے میری آنکھ نکال کر تمہیں لگا دی تھی جس کے بعد میں خود زندگی بھر کانی‘ اور بدصورت رہ گئی لیکن تمہیں ایک خوبصورت زندگی مل گئی۔“ اس کے بعد مائیکل کی ماں نے آخری فقرہ لکھا‘ یہ فقرہ دُنیا بھر کی ماؤں کے جذبات کا عرق ہے اور میں یہ فقرہ آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

خواتین وحضرات! آج دُنیا بھر میں ماؤں کا عالمی دن منایا جا رہا ہے‘ آج کے دن میری آپ سے درخواست ہے‘ آپ جس بھی جگہ پر ہیں آپ مائیکل ہیں یا مبشر۔ آپ فوراً اپنی ماں سے رابطہ کریں اور ان سے کہیں‘ ماں ہم آج اس لئے صحت مند‘ خوبصورت اور کامیاب ہیں کہ تم نے ہمارے لئے اپنی کامیابی‘ خوبصورتی اور صحت کی قربانی دی تھی۔ شکریہ امی جی۔۔ تھینک یو مام۔۔

خواتین وحضرات! آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ملک‘ وطن اور سرزمین بھی ماں کی

طرح ہوتی ہے شائد اسی لئے ملک کو مادرِ وطن یا مدر لینڈ کہا جاتا ہے اور دُنیا میں صرف وہی معاشرے اور قومیں کامیاب ہوتی ہیں جو ملک کو ماں جتنی عزت، توقیر اور "محبت" دیتی ہیں۔ ہمارے ساتھ آج پاکستان کے ایک مشہور سیاست دان اعجاز الحق تشریف رکھتے ہیں اور ہم نے ان سے یہ پوچھنا ہے کیا ان کی حکومت نے پاکستان کو مادرِ وطن سمجھا تھا۔

اختتام:

مائیکل کی ماں نے بیٹے کو لکھا "دُنیا کی کوئی ماں بدصورت تو ہوسکتی ہے لیکن بری نہیں"

خواتین وحضرات! دُنیا کی تمام زبانوں میں ماں کا لفظ میم کی آواز سے شروع ہوتا ہے اور میم وہ لفظ یا وہ آواز ہے جو بچہ سب سے پہلے بولنا شروع کرتا ہے اور ملک بھی میم سے شروع ہوتا ہے چنانچہ جو شخص اپنی ماں کا احترام نہیں کرتا، دُنیا میں اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور جو قوم اپنے ملک کو اپنی ماں نہیں سمجھتی وہ قوم موہنجوداڑو اور ہڑپہ بن جاتی ہے اور جو سیاست دان اپنے ملک سے وفادار نہیں ہوتے، ان حکمرانوں اور سیاست دانوں کو بھی اس ملک کی مٹی نصیب نہیں ہوتی۔

(07 مئی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

اعتماد

آغاز:

خواتین وحضرات! آپ نے یقیناً کنفیوشس کا نام سنا ہوگا، کنفیوشس چین کا ایک مشہور فلسفی تھا، وہ ایشیاء کی دانائی کہلاتا تھا اور چین کے قدیم بادشاہ دانش سیکھنے کے لئے اس کے پاس حاضر ہوتے تھے، میں آج آپ کو کنفیوشس کی زندگی کے دو واقعات سنانا چاہتا ہوں، یہ بنیادی طور پر کنفیوشس کی دو بادشاہوں کو نصیحت تھی۔ میں ایک واقعہ آپ کو ابھی سناؤں گا اور دوسرا آخری حصے میں۔ آپ پہلا واقعہ ملاحظہ کیجئے، کنفیوشس کے دور میں ایک شہزادہ بادشاہ بن گیا اور وہ تخت پر بیٹھنے سے پہلے کنفیوشس کے پاس آیا اور آکر اس سے عرض کیا "حضور بادشاہ کو کامیاب حکمران کہلانے کے لئے کیا کرنا چاہئے" کنفیوشس نے چند لمحے سوچا اور پھر مسکرا کر بولا "بادشاہ سلامت آپ سب سے پہلے معیشت پر توجہ دیں، اگر آپ کے دور میں لوگوں کو روٹی ملتی رہی تو لوگ آپ کے لئے دُعائیں کریں گے" بادشاہ نے عرض کیا "حضور اس کے بعد کیا کروں؟" کنفیوشس نے کہا "بادشاہ سلامت اس کے بعد آپ ایک بہت بڑی فوج تیار کریں کیونکہ اگر آپ کی سرحدیں محفوظ ہوں گی تو آپ عوام کی فلاح و بہبود پر زیادہ توجہ دے سکیں گے" بادشاہ نے عرض کیا "حضور اس کے بعد کیا کروں؟" کنفیوشس مسکرایا اور بولا "بادشاہ سلامت اس کے بعد آپ لوگوں پر اپنا اعتماد قائم کریں، اگر لوگ آپ کا دل سے احترام کریں گے تو آپ کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہوگی اور زندگی کی آخری سانس تک آپ کا اقتدار قائم رہے گا" بادشاہ نے یہ سن کر احترام سے سلام کیا اور رخصت چاہی۔ بادشاہ حجرے کے دروازے تک آیا، اس نے کچھ سوچا، وہ رکا اور واپس مڑ کر بولا "حضور اگر حالات خراب ہو جائیں اور مجھے ان تینوں میں سے کوئی آپشن ڈراپ کرنا پڑے تو میں سب سے پہلے کسے ترک کروں" کنفیوشس نے قہقہہ لگایا اور بادشاہ کو قریب بلا کر بولا

’’بادشاہ سلامت آپ فوج ختم کر دیجئے گا کیونکہ اگر ملکی معیشت بہتر رہی تو فوج دوبارہ بن جائے گی‘‘ بادشاہ کنفیوشس کے سامنے بیٹھ گیا اور احترام سے بولا ’’حضور اگر حالات مزید بگڑ جائیں اور مجھے باقی دو آپشنز میں سے بھی کسی ایک آپشن کو چھوڑنا پڑے تو پھر میں کیا کروں‘‘ کنفیوشس پوری سنجیدگی سے بولا ’’اے بادشاہ تم معیشت سے دست بردار ہو جانا لیکن کبھی عوام کا اعتماد مجروح نہ ہونے دینا کیونکہ اگر عوام کے دلوں میں بادشاہ کا اعتماد قائم ہو تو وہ آدھی روٹی کھا کر بھی اطمینان کی نیند سو سکتے ہیں‘‘ بادشاہ نے سلام کیا اور اُٹھ کر جانے لگا‘ جب وہ دروازے تک پہنچا تو کنفیوشس نے اسے آواز دی‘ بادشاہ رکا‘ رک کر مڑا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کنفیوشس بادشاہ کے عین پیچھے کھڑا تھا‘ اس نے نوجوان بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نرم آواز میں بولا ’’اے بادشاہ جو حکمران اور جو حکومتیں عوام کا اعتماد کھو بیٹھتی ہیں‘ وہ حکومتیں اور وہ حکمران زیادہ دیر قائم نہیں رہا کرتے‘ خواہ ان کے ملک کا ہر دوسرا شخص فوجی اور ہر پتھر‘ ہر پہاڑ سونے کا کیوں نہ بن جائے اور اے بادشاہ حکومتوں اور ملکوں کی اصل طاقت خزانے اور فوج نہیں ہوتی‘ حکمرانوں کا اعتماد ہوتا ہے اور اے بادشاہ اپنا سب کچھ کھو دینا لیکن عوام کا اعتماد نہ ٹوٹنے دینا کیونکہ بادشاہوں کو اقتدار‘ تخت‘ تاج‘ محل‘ خزانے اور فوجیں دوبارہ مل جاتی ہیں لیکن اگر وہ ایک بار عوام کا اعتماد کھو دیں تو انہیں یہ دوبارہ کبھی نہیں ملتا۔‘‘

خواتین وحضرات! آج 12 مئی ہے اور آپ کو آج کے دن کنفیوشس کی یہ بات ’’اِرریلی وینٹ‘‘ سی محسوس ہو رہی ہو گی لیکن مجھے یقین ہے آپ میری بات کے آخر تک کنفیوشس کی دانائی تک پہنچ جائیں گے۔

خواتین وحضرات! 9 مارچ 2008ء کو میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری نے اعلان مری کی شکل میں ایک اتحاد قائم کیا تھا‘ اس اتحاد کی بنیاد معطل ججوں کی بحالی تھی‘ دونوں رہنماؤں نے اعلان کیا تھا‘ وہ حکومت کے قیام کے تیس دنوں کے اندر جوڈیشری کو دو نومبر 2007ء کی پوزیشن پر بحال کر دیں گے‘ یہ اتحاد 63 دن قائم رہا اور آج بدقسمتی سے میاں نواز شریف نے پاکستان مسلم لیگ ن کے وزراء کو حکومت سے الگ کرنے کا اعلان کر دیا جس کے نتیجے میں پاکستان میں جمہوری عمل کو شدید دھچکا پہنچا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا میاں نواز شریف کے اعلان نے عوام اور معطل ججوں پر ان کا اعتماد بڑھا دیا؟ کیا انہوں نے اپنے وعدے اور اپنے حلف کا پاس کیا اور کیا میاں نواز شریف کی علیحدگی نے سیاست دانوں بالخصوص پاکستان پیپلز پارٹی اور آصف علی زرداری پر عوام کے اعتماد کو مجروح کیا؟ کیا پاکستان پیپلز پارٹی اکیلی رہ گئی‘ کیا میاں نواز شریف اب ججز کی حمایت میں چلنے والی تحریک کا ساتھ دیں گے اور کیا پاکستان پیپلز پارٹی کو حکومت بچانے کے لئے اب ان لوگوں کو قبول کرنا پڑے گا جنہیں اس

نے قاتل لیگ قرار دیا تھا اور کیا ہمارے حکمران بالخصوص آصف علی زرداری عوام پر اپنا اعتماد کھو بیٹھے ہیں اور اگر اس کا جواب ہاں میں ہے تو کیا پاکستان پیپلز پارٹی اب یہ اعتماد دوبارہ حاصل کر پائے گی؟ ہم نے آج ان تمام سوالوں کا جواب تلاش کرنا ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! آپ کنفیوشس کا دوسرا واقعہ سنیں۔ ایک بار چین کا مشہور بادشاہ وین وینگ کنفیوشش کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کنفیوشس سے پوچھا ’’انسان کو اپنی کون سی خوبی ہر حال میں برقرار رکھنی چاہیے‘‘ کنفیوشس نے فوراً جواب دیا ’’کردار‘‘ بادشاہ خاموشی سے سنتا رہا‘ کنفیوشس بولا ’’انسان کے تمام اثاثے فنا ہو جاتے ہیں لیکن اس کا کردار صدیوں تک زندہ رہتا ہے‘‘ وہ بولا ’’ہم زندگی بھر اپنے جسم‘ اپنی دولت‘ اپنی زمین‘ اپنی جائیداد اور اپنے اقتدار کی حفاظت کرتے رہتے ہیں لیکن ایک دن یہ تمام چیزیں ہمارا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں اور ہم محرومی کے عالم میں دُنیا سے رُخصت ہو جاتے ہیں‘‘ کنفیوشس نے کہا ’’جب ہم ان فانی چیزوں کے لئے کوشش کرتے ہیں تو ہم بھول جاتے ہیں قدرت نے کردار کی شکل میں ہمیں ایک ایسے عطیے سے نواز رکھا ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتا لیکن کتنے افسوس کی بات ہے ہم اپنے اس اصل جوہر کو فراموش کر دیتے ہیں چنانچہ ہم اربوں لوگوں کی طرح چپ چاپ مٹی میں مل جاتے ہیں اور ہمارے بعد لوگ ہمارا نام تک بھول جاتے ہیں‘‘ کنفیوشس نے کہا ’’اگر ہم عارضی کامیابیوں کی بجائے اپنے کردار پر توجہ دیں‘ ہم اس کی حفاظت کریں‘ ہم اسے مضبوط اور خوبصورت بنائیں تو ہم سینکڑوں ہزاروں سال زندہ رہ سکتے ہیں‘‘

خواتین وحضرات! کاش آج کنفیوشس زندہ ہوتا اور وہ یہ بات ہمارے آج کے حکمرانوں کو سمجھا دیتا تو شائد ہمارے حکمرانوں کی کریڈیبلٹی اور کردار ضائع نہ ہوتا لیکن شائد یہ کنفیوشس بھی ان لوگوں کو نہ سمجھا پاتا کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نہیں سنتے وہ کنفیوشس کی کیا سنیں گے۔

(12 مئی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

ا

عزت کمانے کا موقع

آغاز:

خواتین وحضرات! شاہ ایران کا نام رضا شاہ پہلوی تھا‘ وہ 26 اپریل 1926ء کو ایران کے تخت پر بیٹھا تھا‘ وہ ہمارے صدر پرویز مشرف کی طرح ایک روشن خیال اور اعتدال پسند انسان تھا لیکن 1978ء میں عوام نے اس کی اعتدال پسندی اور روشن خیالی کو مسترد کر دیا‘ عوام سڑکوں پر آئے‘ شاہ نے فوج‘ پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے عوام کے اس سیلاب کو روکنے کی کوشش کی لیکن شاہ کی ہر کوشش کے بعد عوامی احتجاج میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ 16 جنوری 1979ء کو شاہ کو ملک سے فرار ہونا پڑ گیا۔ وہ تہران سے نکلا اور باقی زندگی دربدری میں گزار دی۔ شاہ ایران نے اپنا آخری وقت مصر میں گزارا تھا‘ مصر میں اس کا ایک استاد ہوتا تھا‘ یہ استاد مصر میں اکثر اس کے پاس آ جاتا تھا اور شاہ اس کے ساتھ بیٹھ کر اپنے اچھے دنوں کو یاد کرتا رہتا تھا۔ ایک دن شاہ نے اپنے استاد سے پوچھا ”آقا کیا تم مجھے میری وہ غلطی بتا سکتے ہو جس کی وجہ سے میں زوال کا شکار ہوا“ استاد نے تھوڑا سا سوچا اور نرم آواز میں بولا ”عوام“ بادشاہ نے حیرت سے پوچھا ”مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آئی“ استاد بولا ”حضور جب عوام کسی حکمران کو پسند کرتے ہیں تو وہ خوش نصیبی کی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے اور جب عوام کسی حکمران کے خلاف ہو جائیں تو دُنیا کی کوئی طاقت اسے برباد ہونے سے نہیں بچا سکتی“ استاد رکا اور دوبارہ بولا ”اور حضور عوام آپ کے خلاف ہو چکے تھے اور اس وقت آپ نے وہی غلطی کی جو دُنیا کے زیادہ تر آمر کرتے ہیں‘ آپ نے عوام کی مخالفت کو ڈنڈے سے روکنے کی کوشش کی اور حضور یاد رکھئے طوفان‘ سیلاب اور عوام کی نفرت کو دُنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی“ شاہ ایران نے سنا اور اداس لہجے میں پوچھا ”مجھے کیا کرنا چاہئے تھا“ استاد نے چند لمحے سوچا اور عرض کیا ”حضور اگر آپ عوام کی بات مان لیتے تو آپ کا اقتدار‘ دولت اور عزت بچ جاتی اور آپ آج یوں دربدر نہ ہوتے“ استاد رکا

اور اس کے بعد اس نے وہ تاریخی الفاظ کہے جن کے بارے میں شاہ ایران نے وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو یہ الفاظ میری قبر کے کتبے پر تحریر کر دیئے جائیں‘ وہ الفاظ کیا تھے یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

خواتین وحضرات! ہم آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں‘ آج اے پی ڈی ایم کا اجلاس ہوا‘ اس اجلاس میں متفقہ طور پر صدر پرویز مشرف کے مواخذے کا مطالبہ کیا گیا‘ وکلاء‘ ججوں اور سول سوسائٹی کی تحریک کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ مبصرین کا کہنا ہے وکلاء اتحاد 17 مئی کو حکومت کے خلاف تحریک کا اعلان کرے گا اور مئی کے آخر میں مسلم لیگ ن بھی تحریک کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرے گی اور یوں ملک ایک بار پھر 9 مارچ 2007ء کی پوزیشن پر آ جائے گا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس ہو چکا ہے اور اس اجلاس میں پاکستان پیپلز پارٹی نے مسلم لیگ ن کو راضی کرنے کی کوشش کا فیصلہ کیا ہے لیکن شائد اب مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی قریب نہ آسکیں کیونکہ معطل ججز وہ ایشو ہے جس نے پاکستان کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں میں فاصلے پیدا کر دیئے ہیں۔ آنے والے دنوں میں کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں سردست کوئی ٹھوس پیش گوئی نہیں کی جا سکتی لیکن ایک چیز طے ہے اس ملک کے سولہ کروڑ عوام ججز کو بحال دیکھنا چاہتے ہیں اور عوام کی یہ رائے وہ سیلاب ہے جو ججوں کی مخالفت پر حکومت کو بہا لے جائے گا اور جو شخص ججوں کی مخالفت کرے گا اس کا انجام شاہ ایران سے مختلف نہیں ہوگا۔ خواتین وحضرات! ہم نے آج یہ فیصلہ کرنا ہے‘ کیا اے پی ڈی ایم کا آج کا اجلاس ججز کی بحالی کی کسی بڑی تحریک کا نقطہ آغاز ہے اور کیا ن لیگ اور پیپلز پارٹی دوبارہ قریب آسکتی ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے آپ کو آغاز میں شاہ ایران اور اس کے ایک استاد کی گفتگو سنائی تھی اور میں نے عرض کیا تھا میں آپ کو آخر میں استاد کا فقرہ سناؤں گا جس کے بارے میں شاہ ایران نے وصیت کی تھی کہ یہ فقرہ میری قبر کے کتبے پر لکھ دیا جائے۔ شاہ ایران کے استاد نے کہا تھا ”دُنیا کے نوے فیصد حکمران دُشمنوں کے بجائے اپنی ضد اور اپنی انا کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں“

خواتین وحضرات! میں اس فقرے میں چند لفظوں کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں‘ میرا خیال ہے صرف حکمران نہیں بلکہ حکومتیں بھی اپنی قیادت کی ضد اور انا کے ہاتھوں برباد ہوتی ہیں‘ آپ 9 مارچ کے واقعے کو دیکھ لیجئے اگر صدر مشرف اس دن انا اور ضد کا مظاہرہ نہ کرتے تو آج ان کی یہ پوزیشن نہ ہوتی اور جب بھی کوئی شخص کسی سے یہ سوال پوچھتا ہے کہ ”کیا حکومت معطل ججز کو بحال کر دے گی“ تو میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو یہ موقع دیا تھا کہ یہ ججز کو بحال کرتے اور عزت کماتے لیکن شائد عزت ان لوگوں کے نصیب میں نہیں لہٰذا یہ لوگ اب ججز کو بحال کریں گے لیکن خوار ہو کر۔

(14 مئی 2008ء)

قاضی بدل دو

آغاز:

خواتین وحضرات! یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب شاعر مشرق علامہ محمد اقبال ہائیڈل برگ میں زیر تعلیم تھے' ان دنوں کسی جرمن دانشور نے علامہ صاحب سے پوچھا'' آپ اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت بتایئے'' علامہ صاحب نے فوراً فرمایا ''عدل'' جرمن دانشور نے وضاحت چاہی تو آپ نے فرمایا'' اسلام کی روح انصاف ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں جب تک کسی معاشرے میں مکمل طور پر انصاف قائم نہیں ہوتا اس وقت تک اس معاشرے کو اسلامی نہیں کہا جا سکتا'' علامہ صاحب نے فرمایا'' انصاف کے بغیر کوئی مسلمان مطمئن رہ سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی معاشرے میں سکون آ سکتا ہے۔''

خواتین وحضرات! مجھے علامہ اقبال کا یہ واقعہ کراچی کے حالیہ واقعات کی وجہ سے یاد آیا' ان واقعات کا آغاز 14 مئی کو ہوا تھا' اس دن دوپہر بارہ بجے تین ڈاکو رنچھوڑ لائن کے ایک گھر میں داخل ہوئے' گھر میں اس وقت ایک بزرگ اور چند خواتین موجود تھیں' ڈاکوؤں نے بزرگ کو ایک کمرے میں بند کیا' خواتین سے زیورات اور نقدی چھینی اور گھر سے فرار ہونے لگے لیکن اس دوران گھر کی خواتین نے چیخ و پکار شروع کر دی جس کے نتیجے میں محلے دار اکٹھے ہو گئے' ڈاکو باہر نکلے تو محلہ داروں نے انہیں پکڑا' انہیں جی بھر کر مارا' انہیں سڑک پر پھینکا' ان پر پٹرول چھڑکا اور انہیں آگ لگا دی۔ اس واقعے میں دو ڈاکو لوگوں کے سامنے جل کر ہلاک ہو گئے۔ دوسرا واقعہ 17 مئی کو نارتھ ناظم آباد میں پیش آیا' 17 مئی کو ایک بس فائیو سٹار چورنگی سے سخی حسن جا رہی تھی' اس بس میں دو ڈاکو سوار ہوئے' انہوں نے مسافروں کو یرغمال بنایا اور لوٹ مار شروع کر دی' لوٹ مار کے بعد جب

ڈاکو فرار ہونے لگے تو شہریوں نے انہیں پکڑ لیا اور پٹرول چھڑک کر انہیں بھی آگ لگا دی' اس دوران پولیس نے ڈاکوؤں کو بچانے کی کوشش کی لیکن شہریوں نے پولیس کے اہلکاروں پر بھی پٹرول چھڑک دیا اور پولیس اہلکاروں نے بھاگ کر جان بچائی۔ اور تازہ ترین واقعہ کے مطابق آج کراچی کے گلبرگ میں بھی شہریوں نے دو ڈاکوؤں کو پکڑا' ان پر پٹرول چھڑکا اور انہیں آگ لگانے کی کوشش کی لیکن اس دوران پولیس وہاں پہنچ گئی اور اس نے بڑی مشکل سے ڈاکوؤں کی جان بچائی۔

خواتین وحضرات! ان تینوں واقعات کے دوران جب شہریوں سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو لوگوں کا کہنا تھا'' ہمیں پولیس اور عدالتوں پر اعتماد نہیں رہا' ہم ڈاکوؤں کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کرتے ہیں' پولیس انہیں چند گھنٹے میں چھوڑ دیتی ہے اور اس کے بعد یہ دوبارہ وارداتیں شروع کر دیتے ہیں اگر انہیں پولیس نہ چھوڑے تو یہ لوگ عدالتوں سے رہا ہو جاتے ہیں چنانچہ ہم نے موقع واردات پر انصاف شروع کر دیا'' یہ صورتِ حال انتہائی الارمنگ ہے کیونکہ اگر ہم دُنیا میں آج تک آنے والے انقلابات کا جائزہ لیں تو ان تمام انقلابوں کا سٹارٹ اسی قسم کے واقعات سے ہوا تھا' آپ انقلاب فرانس کو دیکھئے' فرانس میں شہریوں نے سڑکوں پر گلوٹین لگا دی تھیں اور سرعام مجرموں کے گلے کاٹنا شروع کر دیئے تھے اور انقلاب ایران میں عوام نے ناپسندیدہ لوگوں کو سڑکوں پر پھانسیاں دینا شروع کر دی تھیں۔

خواتین وحضرات! اگر ہم پاکستان کی اس صورتِ حال کو دُنیا میں آج تک آنے والی انارکی یا انقلابات میں رکھ کر دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے ہم خانہ جنگی کے ایک ایسے دھانے پر کھڑے ہیں جس کی تہہ میں ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے آج یہ جائزہ لینا ہے کیا ہم حقیقتاً خانہ جنگی کے دھانے پر کھڑے ہیں' کیا عوام کا پولیس اور عدالتوں پر اعتماد ختم ہو چکا ہے اور کیا معطل ججز کی بحالی سے یہ مسئلہ ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے میں آپ کو آخری حصے کے بارے میں بتاتا چلوں۔ امیر تیمور دُنیا کے پانچ بڑے فاتحین میں شمار ہوتا ہے' اس کی سلطنت سمرقند سے بغداد تک پھیلی تھی' اس کے دور میں بغداد شہر میں وارداتوں میں اضافہ ہو گیا' یہ وارداتیں اس قدر بڑھیں کہ ایک دن کسی شخص نے قاضی کی عدالت میں ایک مجرم کو قتل کر دیا' امیر تیمور کو اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے بغداد کی حکومت کو ایک سطر کا ایک حکم بھجوایا اور اس کے بعد بغداد میں کبھی اس قسم کا واقعہ پیش نہ آیا۔ وہ ایک سطر کا حکم کیا تھا' یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! امیر تیمور نے عراق کے گورنر کو لکھا تھا'' تم میرا حکم نامہ ملتے ہی تمام

عدالتوں کے قاضی بدل دو‘‘ گورنر نے حکم پر عمل کیا اور بغداد میں امن قائم ہوگیا۔ امیر تیمور نے بڑے عرصے بعد اس واقعے کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا ’’اگر کسی شہر کے قاضی ایماندار اور انصاف پسند ہوں تو اس میں وارداتیں نہیں ہوتیں‘‘ اس نے کہا تھا ’’لوگ اس وقت قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں جب قانون اور عدالتوں پر ان کا اعتماد اُٹھ جائے‘‘ آپ امیر تیمور کے ان الفاظ کو سامنے رکھ کر سوچئے کہیں ہم بھی اسی قسم کے بحران کا شکار تو نہیں ہیں‘ آپ ضرور سوچئے گا۔

(18 مئی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

بتّی

آغاز:

خواتین وحضرات! ہم میں سے زیادہ تر لوگ لطیفے یا جوک کو ایک ہنسنے یا قہقہہ لگانے کا عمل سمجھتے ہیں لیکن میرا خیال ذرا سا مختلف ہے‘ میں سمجھتا ہوں دُنیا کے ہر لطیفے کے اندر ایک انتہا درجے کی سنجیدگی اور حقیقت چھپی ہوتی ہے اور اکثر لطائف ایک پورا فلسفہ حیات ہوتے ہیں۔ سردست میں آپ کو ایک عام سا لطیفہ سنانا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے 90 فیصد لوگوں کے لئے یہ جوک نیا نہیں ہوگا۔

خواتین وحضرات! دو سکھوں نے شرط لگائی کہ سامنے دو بتیاں نظر آ رہی ہیں‘ ان میں سے ایک بتی کو ایک سکھ اور دوسری بتی کو دوسرا سکھ ہاتھ لگائے گا اور جو پہلے واپس آئے گا وہ جیت جائے گا‘ دونوں سکھ بھاگ کھڑے ہوئے‘ ان میں سے ایک سکھ چند لمحے بعد واپس آ گیا جبکہ دوسرا غائب ہوگیا‘ لوگ اس کا انتظار کرتے رہے‘ وہ واپس نہیں آیا تو لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے‘ دوسرا سکھ تین دن بعد واپس آیا تو اسکی بری حالت تھی‘ کپڑے پھٹے تھے‘ پاؤں سوجھے تھے اور سر میں مٹی تھی‘ لوگوں نے اس سے پوچھا ’’تم کہاں چلے گئے تھے‘ سکھ غصے سے بولا ’’ان بدبختوں نے مجھے ٹرک کی بتی کے پیچھے لگا دیا تھا‘ میں ٹرک کے قریب پہنچا تو وہ چل پڑا اور میں اس کے پیچھے پیچھے بھاگتا ہوا گوجرانوالہ پہنچ گیا۔۔

بظاہر یہ ایک لطیفہ ہے لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا ہمارا پورا دفتری نظام اس ایک لطیفہ پر قائم ہے۔ آپ کام کے لئے پاکستان کے کسی دفتر میں چلے جائیں‘ وہاں موجود کلرک‘ سیکشن افسر یا ڈپٹی سیکرٹری آپ کو کسی نہ کسی ٹرک کی بتی کے پیچھے لگا دے گا‘ وہ آپ سے کہے گا‘ آپ مہربانی فرما کر فلاں صاحب سے درخواست پر دستخط کرا لائیں یا آپ فلاں کاغذ‘ فلاں سرٹیفکیٹ یا فلاں تصدیق نامہ لے آئیے‘ آپ کا کام یوں چٹکی بجاتے ہوئے ہو جائے گا اور آپ سرٹیفکیٹ لانے کے لئے نکلیں گے تو پتہ چلے گا

آپ کو حقیقتاً ٹرک کی بتی کے پیچھے لگا دیا گیا اور آپ ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے دفتر میں خوار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ ٹرک کی بتی صرف ہمارے بیوروکریٹک سسٹم تک محدود نہیں بلکہ ہمارے محترم سیاست دان اس ٹیکنیک کو اب سیاست میں بھی لے آئے ہیں اور ہماری سیاست میں بھی اب بے شمار ٹرک اور ٹرکوں کی بے تحاشا بتیاں ہیں مثلاً آپ ججز کے مسئلے کو لے لیجئے' 9 مارچ 2008ء تک ہمارے حکمرانوں کا خیال تھا یہ مسئلہ ایک قرارداد اور ایک ایگزیکٹو آرڈر سے حل ہو جائے گا لیکن جب حکومت بن گئی تو سیاست دانوں نے آئینی پیکج کی ایک بتی ایجاد کی اور پوری قوم کو اس بتی کے پیچھے لگا دیا' اب قوم ڈیڑھ ماہ سے اس بتی کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ یہ آئینی پیکج پہلے مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی مل کر بنا رہی تھی پھر پیپلز پارٹی بنانے لگی اور اب یہ بھاری ذمے داری فاروق ایچ نائیک کے ناتواں کندھوں پر آ پڑی ہے۔ نائیک صاحب کل یہ ذمہ داری پارٹی کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے سامنے لا پھینکیں گے اور اس کے بعد بتی کا ایک نیا اور طویل ترین سفر شروع ہو جائے گا۔

خواتین و حضرات! حکمران جماعت نے قوم کے لئے گزشتہ روز ایک دوسری بتی ایجاد کر دی ہے' کل 22 مئی کو حکمران جماعت کے قائد آصف علی زرداری نے بھارت کی خبر رساں ایجنسی پی ٹی آئی کو ایک تہلکہ خیز انٹرویو دیا تھا' اس وقت اس انٹرویو کی گونج پوری دُنیا میں سنائی دے رہی ہے' اس انٹرویو میں زرداری صاحب نے فرمایا ''عوام روٹی اور بجلی کی بجائے صدر مشرف سے نجات چاہتے ہیں اور مجھ پر صدر مشرف کو ہٹانے کے لئے شدید دباؤ ہے اور میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں'' انہوں نے کہا ''مجھے نہیں پتہ صدر کے دن گنے جا چکے ہیں یا میرے یا میری حکومت کے'' انہوں نے کہا ''صدر مشرف ماضی کا ورثہ ہیں اور یہ ہمارے اور جمہوریت کے درمیان رکاوٹ ہیں'' زرداری صاحب نے کہا ''صدر مشرف نے بے نظیر بھٹو سے مذاکرات اور عالمی دباؤ میں آ کر وردی اتاری لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان کی صدارت قانونی ہے۔'' یہ لب ولہجہ آصف علی زرداری نے پہلی بار اختیار کیا' اس سے قبل وہ اور ان کی پارٹی ہمیشہ صدر کے ساتھ چلنے کا عندیہ دیتی رہی' زرداری صاحب کے اس بیان سے یوں محسوس ہوتا ہے ہماری سیاست میں کوئی نیا دھماکہ ہونے والا ہے کیونکہ ایوان صدر نے حکومت سے زرداری صاحب کے اس بیان کی تفصیل مانگ لی ہے' ایوان صدر نے حکومت کے خلاف ایک لمبی چوڑی چارج شیٹ بھی تیار کر رکھی ہے اور صدر ایک دو دنوں میں اس چارج شیٹ کے ساتھ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی سے ملاقات بھی کرنے والے ہیں' زرداری صاحب کے اس بیان کی ٹائمنگ بڑی الارمنگ ہے کیونکہ حکومت 62 نکات کا ایک آئینی پیکج تیار کر چکی ہے جس میں ججز کی بحالی کے ساتھ ساتھ صدر کے

اختیارات بھی کم کر دیئے جائیں گے' ان اختیارات میں صدر سے اٹھاون ٹو بی اور سروسز چیف کا تقرر بھی شامل ہے اور آصف علی زرداری کے بیان سے یوں محسوس ہوتا ہے صدر اور حکومت کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے ہیں۔

خواتین و حضرات! ہم نے آج کے پروگرام میں یہ جائزہ لینا ہے کہ کیا حقیقتاً زرداری اور مشرف کے درمیان اختلافات کا آغاز ہو چکا ہے اور کیا صدر حکومت کو اپنے اختیارات کم کرنے کا موقع دے دیں گے۔ ہم نے یہ جائزہ بھی لینا ہے کیا یہ بیان واقعی ہماری سیاست کا ایک ٹرننگ پوائنٹ ہے یا پھر یہ بھی ایک بتی ہے اور ہمارے حکمران عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کے لئے قوم کو اس بتی کے پیچھے لگانا چاہتے ہیں یا پھر کہیں ایوان صدر' پرویز مشرف سے خالی تو نہیں کرایا جا رہا اور پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری تو زرداری ہاؤس سے ایوان صدر شفٹ ہونے کا منصوبہ نہیں بنا رہے۔ میں یہاں آپ کو آخری حصے کے بارے میں بھی بتاتا چلوں' گزشتہ روز ہمارے ایک ساتھی رپورٹر محمد ابراہیم باجوڑ ایجنسی میں شہید کر دیئے گئے' میں آخری حصے میں ابراہیم کی شہادت پر گفتگو کروں گا۔

اختتام:

خواتین و حضرات! گزشتہ روز ایکسپریس ٹی وی کے رپورٹر محمد ابراہیم موٹر سائیکل پر گھر جا رہے تھے کہ عنایت کلے بائی پاس کے قریب چند نامعلوم افراد نے انہیں گولی مار دی' حملہ آور ابراہیم کا موٹر سائیکل اور کیمرہ چھین کر لے گئے' محمد ابراہیم باجوڑ میں تحریک طالبان پاکستان کے مرکزی ترجمان مولوی عمر کا انٹرویو کر کے واپس آ رہے تھے۔

خواتین و حضرات! محمد ابراہیم سچائی اور کلمہ حق کہنے والے اس لشکر کا سپاہی تھا جس نے اس ملک میں آزادی رائے اور انسانی حقوق کے تحفظ کی قسم کھا رکھی ہے' دُنیا میں جب بھی کوئی شخص مرتا ہے تو اس کے خواب' اس کی خواہشات اور اس کے عزائم بھی اس کے ساتھ ہی مر جاتے ہیں لیکن آزادی اور حقوق کے شعبوں میں کام کرنے والے لوگ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے مرنے سے ان کے عزائم' خواہشات اور خوابوں کی لو میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کی شہادت سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے دلوں کی آگ اور حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور محمد ابراہیم کی شہادت سے اس ملک میں صحافیوں کے حوصلوں میں ایسی ہی بلندی آئی ہے' ابراہیم کا خون اور خواب رائیگاں نہیں جائیں گے۔

(22 مئی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

لکاؤ

آغاز:

خواتین وحضرات! آپ نے راجہ رنجیت سنگھ کا نام سنا ہوگا' رنجیت سنگھ وہ شخص تھا جس نے تاریخ میں سکھوں کی پہلی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی اور وہ تاریخ کا واحد راجہ یا بادشاہ تھا جس نے پٹھانوں کو فتح کیا تھا' اس کی سلطنت امرتسر سے لے کر سرینگر اور ملتان سے لے کر پشاور اور ڈیرہ اسماعیل خان سے لے کر جلال آباد تک پھیلی تھی' آپ نے اکثر "شیر پنجاب" کا لقب سنا ہوگا' یہ لقب کبھی غلام مصطفیٰ کھر اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور کبھی میاں نواز شریف کے جلسوں میں شیر پنجاب کے نعرے لگتے ہیں لیکن راجہ رنجیت سنگھ پہلا شخص تھا جس نے خود کو شیر پنجاب کہا تھا۔ راجہ رنجیت سنگھ نے سیاسی اور سرکاری امور نبٹانے کے لئے ایک دِلچسپ طریقہ ایجاد کیا تھا' وہ اس طریقے کو لکاؤ کہتا تھا۔

خواتین وحضرات! میں آگے بڑھنے سے قبل لفظ لکاؤ کی وضاحت کرتا چلوں' لکاؤ پنجابی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں اس کا مطلب کھینچنا' لٹکانا یا گھسیٹنا ہوتا ہے' راجہ رنجیت سنگھ کے سامنے جب کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا تھا جس کے حق میں وہ فیصلہ نہیں دینا چاہتا تھا اور اس کا خیال ہوتا تھا کہ اگر اس نے فوری طور پر اس کے خلاف فیصلہ دے دیا تو سلطنت میں فساد پھیل جائے یا عوام میں اس کی شہرت کو نقصان پہنچے گا تو وہ اپنے وزیر اعظم کو قریب بلاتا تھا اور اس کے کان میں سرگوشی کر دیتا تھا۔۔ لکاؤ۔ اس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ ایک طرف اس مسئلے کو اتنا الجھا دیا جائے کہ عوام کنفیوژ ہو جائیں اور دوسری طرف اس مسئلے کا اتنے تواتر سے ذکر کیا جائے کہ لوگ اس سے اکتا جائیں اور جب راجہ اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے مسئلے کیخلاف فیصلہ دے تو لوگ احتجاج کی بجائے شکر ادا کریں اور یوں سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے۔ راجہ رنجیت سنگھ کی یہ تکنیک "نو من تیل ہوگا اور نہ رادھا ناچے گی" کے

فلسفے کے قریب تھی چنانچہ جب 1860ء میں انگریزوں نے پنجاب فتح کیا تو انہوں نے لکاؤ کی تکنیک کو اپنی حکومت کا باقاعدہ حصہ بنالیا۔

خواتین وحضرات! یہ تکنیک 1947ء تک صرف پنجاب کا حصہ تھی لیکن قیام پاکستان کے بعد شائد یہ دستور پاکستان میں شامل ہو چکی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے یہ تکنیک ملک غلام محمد سے لے کر آصف علی زرداری تک اس ملک کے تمام حکمران استعمال کر رہے ہیں۔ آپ ججز کے ایشو کو لے لیجئے' آپ کو صاف صاف محسوس ہوگا حکومت اس مسئلے کے لئے لکاؤ کی تکنیک استعمال کر رہی ہے' 18 فروری کے بعد جب بھی ججز کی بحالی کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالا جاتا ہے تو حکومت فوراً کہتی ہے ہم نو من تیل جمع کر رہے ہیں جوں ہی تیل جمع ہو جائے گا ججز بحال ہو جائیں گے۔ لکاؤ کا یہ عالم ہے کہ ججز کے ایشوز پر پہلے مری میں لکاؤ ہوا' پھر اسلام آباد' دوبئی اور لندن میں لکاؤ ہوتا رہا' پھر مسلم لیگ ن کے وزراء نے استعفے دیئے' پھر مسئلہ آئینی پیکج کے لکاؤ میں پھنس گیا اور اب یہ 62 نکات کے ایک ایسے آئینی مسودے کے لکاؤ میں آکر الجھ گیا ہے جس سے یہ اب باہر نہیں نکل سکے گا۔ حکومت نے ججز کی بحالی کو ایک ایسے آئینی مسودے کے ساتھ نتھی کر دیا ہے جس میں اٹھاون ٹو بی' سروسز چیف کی تقرری اور برطرفی' نیشنل سیکورٹی کونسل کے خاتمے اور صوبہ سرحد کے نام کی تبدیلی سمیت بے شمار ایسے آئینی اور قانونی مسائل شامل ہیں جن پر سیاسی جماعتوں کا اتفاق نہیں ہو سکے گا۔ حکومت کا دعویٰ ہے وہ یہ اٹھارہویں ترمیم کا مسودہ بجٹ سے پہلے قومی اسمبلی میں پیش کر دے گی۔ ہو سکتا ہے حکومت اپنا یہ وعدہ پورا کر دے لیکن سوال یہ ہے جب پارلیمنٹ میں ان 62 ترامیم پر بحث شروع ہو گی تو ارکان پارلیمنٹ 62 ماہ تک اس پیکج پر اتفاق پیدا نہیں کر سکیں گے' یوں ججز بحال نہیں ہو سکیں گے اور یہ مسئلہ تاریخ کے سب سے بڑے لکاؤ کا شکار ہو جائے گا۔ میں آپ کو یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ اس وقت پاکستان میں امریکی سینیٹروں کا ایک وفد موجود ہے اور یہ وفد مائنس ٹو کا فارمولا لے کر پاکستان آیا ہے' اس وفد کا خیال ہے اگر صدر پرویز مشرف اور افتخار محمد چودھری دونوں استعفیٰ دے دیں تو یہ بحران حل ہو سکتا ہے' یہ فارمولا لے کر عنقریب آصف علی زرداری صدر پرویز مشرف سے ملنے والے ہیں۔

خواتین وحضرات! یہ مائنس ٹو فارمولا' صدر مشرف اور زرداری صاحب کی ممکنہ ملاقات اور لکاؤ کا شکار آئینی پیکج ہمارا موضوع ہے اور باقی رہ گیا آخری حصہ تو میں اس حصے میں آپ کو راجہ رنجیت سنگھ کا ایک اور سیاسی فارمولا بتاؤں گا اور یہ وہ فارمولا تھا جو انگریز ہندوستان سے برطانیہ لے کر گیا تھا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں آپ کو راجہ رنجیت سنگھ کا لکاؤ فارمولا بتایا تھا' رنجیت

سنگھ کا خیال تھا اگر آپ کسی اہم مسئلے کو لٹکا دیں تو عوام کی اس میں دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا میں آخر میں آپ کو اس کا دوسرا فارمولا بھی بتاؤں گا‘ راجہ رنجیت سنگھ کا دوسرا فارمولا تھا ڈراؤ۔ وہ کہتا تھا اگر کوئی حکمران عوام پر مکمل گرفت رکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے وہ عوام کو کسی نہ کسی خوف کا شکار رکھے‘ وہ اسے کبھی دُشمن سے ڈراتا رہے‘ کبھی قحط سے‘ کبھی بیماری سے‘ کسی سیلاب سے اور کبھی آسمانی آفتوں سے۔ راجہ رنجیت سنگھ نے سلطنت میں اپنے بے شمار جاسوس چھوڑ رکھے تھے یہ جاسوس عوام کو طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا رکھتے تھے چنانچہ رنجیت سنگھ بڑے آرام اور سکون سے حکومت کرتا رہا تھا۔ انگریزوں نے پنجاب فتح کیا تو وہ اس تکنیک سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ اسے برطانیہ لے گئے اور برطانیہ سے یہ آرٹ امریکہ چلا گیا چنانچہ آج یہ دونوں ملک اپنی عوام کو کبھی اسامہ بن لادن سے ڈراتے ہیں اور کبھی چین سے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے ہمارے آج کے حکمران اس تکنیک کو دوبئی‘ لندن اور نیو یارک سے واپس پاکستان لے آئے ہیں شائد اسی لئے یہ لوگ پچھلے تین ماہ سے عوام کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ اگر ججز کی بحالی کے لئے ایگزیکٹو آرڈر جاری ہوا تو صدر اٹھاون ٹو بی استعمال کر دیں گے‘ سپریم کورٹ اس کے خلاف سٹے دے دے گی اور ملک میں مارشل لاء لگ جائے گا۔ وغیرہ‘ وغیرہ۔ ہمارے حکمران یہ تکنیک تو استعمال کر رہے ہیں لیکن وہ یہ نہیں مانتے‘ خوف ایک حد تک رہے تو اس کا اثر رہتا ہے‘ اگر وہ حد سے آگے نکل جائے تو وہ عوام کو بے خوف بنا دیتا ہے اور عوام بے خوف ہوتے جا رہے ہیں۔

(26 مئی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘
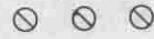
خواری ابھی باقی ہے

آغاز:

خواتین و حضرات! آپ نے بنگلہ دیش کے صدر جنرل حسین محمد ارشاد کا نام سنا ہو گا‘ جنرل ارشاد کی زندگی کے دو فیز تھے‘ پہلا فیز 1982ء میں شروع ہوا‘ جنرل حسین محمد ارشاد 1982ء میں بنگلہ دیش فوج کے چیف تھے‘ وہ جنوری میں نیشنل سیکورٹی کونسل کے ممبر بنے اور پندرہ دن بعد انہوں نے سویلین حکومت کا تختہ الٹ دیا‘ انہوں نے آئین معطل کیا اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا‘ جنرل ارشاد کے اس اقدام کے خلاف ملک میں ہڑتالیں‘ جلسے اور جلوس شروع ہو گئے لیکن جنرل ارشاد ڈٹے رہے‘ اس دوران انہوں نے عام انتخاب منسوخ کئے‘ سیاسی جماعتوں پر پابندی لگائی‘ ریفرنڈم کرایا‘ جاتیہ پارٹی کے نام سے ایک سرکاری جماعت بنائی اور اس جماعت نے الیکشن میں 300 میں سے 183 سیٹیں حاصل کر لیں۔ 15 اکتوبر 1986ء کو جنرل ارشاد نے سرکاری جماعت کی مدد سے خود کو اگلے پانچ سال کے لئے صدر منتخب کرا لیا جس کے بعد ملک میں افراتفری میں اضافہ ہو گیا‘ مظاہروں میں شدت آ گئی یہاں تک کہ جو بھی سرکاری ملازم یا فوجی جوان سڑک پر آتا عوام اسے پکڑ کر مارنا شروع کر دیتے‘ جنرل ارشاد نے اس صورتِ حال سے نکلنے کے لئے 27 نومبر 1987ء کو ملک میں ایمرجنسی لگا دی لیکن ملک میں ایمرجنسی کے خلاف ہنگامے پھوٹ پڑے‘ جنرل ارشاد نے عوامی دباؤ میں آ کر 3 مارچ 1988ء کو دوبارہ الیکشن کرا دیئے لیکن ان الیکشنوں میں حیرت انگیز طریقے سے سرکاری جماعت نے 250 سیٹیں حاصل کر لیں لیکن عوام الیکشن کے نتائج پر مزید ناراض ہو گئے اور یوں ملکی نظام عملاً معطل ہو کر رہ گیا‘ اسی دوران بنگلہ دیش میں تاریخ کا انتہائی خوفناک سیلاب آیا اور حکومت کا سارا انفراسٹرکچر بہا لے گیا‘ پوری دُنیا نے سیلاب زدگان کے لئے امداد دی لیکن جنرل ارشاد نے فوج کو خوش کرنے کے لئے یہ امدادی رقم جرنیلوں

کے حوالے کر دی‘ یہ اقدام اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہوا اور یہاں سے جنرل ارشاد کا دوسرا اور عبرتناک فیز شروع ہوا۔

خواتین وحضرات! بنگلہ دیش میں اس وقت تین بڑی اور بارہ چھوٹی سیاسی جماعتیں تھیں‘ بڑی سیاسی جماعتوں میں بی این پی‘ عوامی لیگ اور جماعت اسلامی شامل تھیں‘ بی این پی کی قیادت بیگم خالدہ ضیاء کر رہی تھیں جبکہ عوامی لیگ کی سربراہ حسینہ واجد تھیں‘ 1989ء میں بنگلہ دیش کی تین بڑی اور بارہ چھوٹی جماعتیں اکٹھی ہوئیں اور انہوں نے عوام کے ساتھ مل کر جنرل ارشاد کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا‘ جنرل صاحب نے سیاسی جماعتوں کے اس اعلان کو غیر سنجیدگی سے لیا‘ ان کا خیال تھا وہ ان سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مقبول ہیں لیکن آنے والے دنوں میں جنرل کا یہ خیال غلط نکلا عوام نے جب اپنی سیاسی قیادت کو فوجی آمریت کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے دیکھا تو وہ بھی اکٹھے ہو گئے لہٰذا 6 دسمبر 1990ء کا دن آ گیا‘ یہ دن انقلابی تحریکوں اور جمہوری جدوجہد کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جانے والا دن تھا اس دن سیاسی جماعتوں نے اعلان کیا ’’ہم آج چار بجے فوجی آمر کے خلاف تحریک شروع کریں گے‘ آپ مہربانی کر کے ہمارا ساتھ دیجئے گا‘‘ عوام اگلے حکم کے لئے گھروں میں بیٹھ گئے‘ سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے پورے ڈھاکہ میں لاؤڈ سپیکر لگا دیئے‘ ٹھیک چار بجے سیاسی جماعتوں کے لیڈروں نے عوام سے درخواست کی ’’آپ تمام لوگ بیوی بچوں سمیت گھروں سے باہر نکلیں‘ گھر کے دروازے کو تالا لگائیں اور جب تک جنرل ارشاد کے فرار کی خبر نہیں آتی اس وقت تک شہر کی گلیوں میں ڈیرے ڈالے رکھیں‘‘ یہ اعلان جونہی عوام کے کانوں تک پہنچا تو ڈھاکہ کے 80 لاکھ لوگ گلیوں اور سڑکوں پر نکل آئے‘ انہوں نے گھروں کو تالے لگائے اور سڑکوں پر قبضہ کر لیا‘ یہ انتہائی پرامن مظاہرہ تھا‘ 80 لاکھ لوگ فٹ پاتھوں پر بیٹھے تھے اور ایک آواز میں ’’امار وابی تمارا وابی‘‘ ہمارا مطالبہ‘ تمہارا مطالبہ ’’ارشاد رکلا چائی‘ کلا چائی‘‘ ارشاد کا سر چاہیے‘ سر چاہیے کے نعرے لگا رہے تھے‘ 80 لاکھ عوام کو سڑکوں پر دیکھ کر پہلے پولیس فرار ہوئی اور اس کے بعد فوجیوں نے بیرکوں میں پناہ لے لی‘ شام مغرب کے وقت ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی انتظامیہ نے اپنے دروازے کھول دیئے‘ یوں احتجاج کا عملی مظاہرہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر ہونے لگا‘ اس مظاہرے کو دیکھ کر پورا ملک سڑکوں پر آ گیا‘ جنرل ارشاد ٹیلی ویژن پر ہجوم دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے ساتھی جرنیلوں سے مدد مانگی لیکن طویل منت سماجت کے بعد فوج صرف انہیں ایوان صدر سے نکالنے پر تیار ہوئی‘ ڈھاکہ کے جی ایچ کیو سے ایک ہیلی کاپٹر ایوان صدر پہنچا اور جنرل ارشاد اور اس کی بیگم کو چھاؤنی میں لے آیا‘ رات پونے بارہ بجے ریڈیو بنگلہ دیش سے جنرل ارشاد کے استعفے کی خبر نشر ہوئی اور بنگلہ دیش کی سیاست سے فوج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

رخصت ہو گئی بعد ازاں جنرل ارشاد کو عدالت نے دس سال قید کی سزا سنا دی۔ جنرل حسین محمد ارشاد جب جیل میں تھے تو ایک صحافی نے ان کا ایک طویل انٹرویو کیا تھا‘ اس انٹرویو کا ایک فقرہ میرے ذہن میں چپک کر رہ گیا ہے۔ کاش یہ فقرہ کسی نہ کسی طرح دُنیا بھر کے آمروں تک پہنچ جائے تو شائد دُنیا میں کوئی جرنیل مارشل لاء نہ لگائے۔ وہ فقرہ کیا تھا یہ میں آپ کو آخر میں سناؤں گا۔

خواتین وحضرات! آج وکلاء نے کراچی سے لانگ مارچ کا آغاز کیا‘ یہ لانگ مارچ کل ملتان پہنچے گا اور پرسوں یعنی 11 جون کو اسلام آباد پہنچے گا۔ اس لانگ مارچ میں سول سوسائٹی‘ فوج کے ریٹائرڈ جوان اور افسر‘ سابق سفیر اور پنجاب حکومت شامل ہیں۔ اس لانگ مارچ کے دو مقاصد ہیں‘ پہلا مقصد معطل ججز کی بحالی ہے‘ وکلاء اس لانگ مارچ کے ذریعے معطل ججز کو بحال کرانا چاہتے ہیں اور دوسرا مقصد صدر پرویز مشرف کو دباؤ میں لانا ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا وکلاء کا یہ لانگ مارچ اپنے یہ دونوں اہداف حاصل کر پائے گا اور کیا یہ اسی قسم کا لانگ مارچ ہے جس نے بنگلہ دیش میں آمریت کا راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا تھا۔ یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں جنرل حسین محمد ارشاد کا ذکر کیا تھا‘ جنرل ارشاد 6 دسمبر 1990ء کو گرفتار ہوئے تھے‘ ان کے خلاف مقدمہ قائم ہوا تھا اور عدالت نے انہیں دس سال قید کی سزا دے دی تھی‘ وہ جب جیل میں تھے تو اٹلی کے ایک صحافی نے ان کا ایک طویل انٹرویو کیا تھا‘ اس انٹرویو میں صحافی نے ان سے پوچھا تھا ’’6 دسمبر 1990ء کے واقعے کو سامنے رکھتے ہوئے آپ دُنیا کے آمروں کو کیا نصیحت کریں گے۔‘‘ جنرل ارشاد نے ذرا سا سوچا اور پھر تھکی ہوئی آواز میں بولے ’’جس وقت کسی آمر کے خلاف پہلا نعرہ لگ جائے تو اسے اقتدار چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ جب عوام سڑکوں پر نکل آتے ہیں تو دُنیا کا مضبوط ترین آمر بھی اپنی کرسی پر نہیں ٹھہر سکتا۔‘‘

خواتین وحضرات! میرا خیال ہے جنرل ارشاد کا یہ فقرہ ہمیں پاکستان کے آئین‘ پاکستان کے دستور کا حصہ بنا دینا چاہئے تاکہ مستقبل کے جرنیل ہر 12 اکتوبر سے پہلے جنرل ارشاد کا حشر دیکھ لیں لیکن شائد ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ہم ابھی بنگلہ دیش کے عوام جتنے مجبور نہیں ہوئے‘ ہم نے ابھی اپنے حصے کی مار کھانی ہے‘ ہم نے ابھی اور خواری دیکھنی ہے۔

(09 جون 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

گل محمدوں کا بجٹ کب آئے گا

آغاز:

خواتین وحضرات! رحیم یار خان پنجاب کا آخری ضلع ہے' رحیم یار خان کا ایک قصبہ ہے راجن پور۔ راجن پور سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر کوٹ کرم خان کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی ہے اور اس بستی میں گل محمد رہتا ہے۔ میں ابھی آپ کو جو کہانی سنانے لگا ہوں' یہ بظاہر گل محمد کی کہانی ہے لیکن یہ دراصل اس ملک کے 11 کروڑ لوگوں کی داستان ہے اور اس کہانی کے بعد آپ کو بھی میری طرح یوں محسوس ہوگا کہ اس ملک کا ہر وہ شخص جس کے پاس کھانے کے لئے روٹی' پینے کے لئے پانی اور رہنے کے لئے چھت نہیں وہ گل محمد ہے اور ملک کا وہ شہری جو خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہا ہے اس کا نام بھی گل محمد ہے۔

گل محمد کوٹ کرم خان کے ایک زمیندار کی زمینوں میں کام کرتا ہے' وہ چوبیس گھنٹے کا ملازم ہے اور اس ڈیوٹی کے عوض اسے صرف 2 ہزار 2 سو روپے ماہانہ ملتے ہیں' گل محمد کے 8 بچے ہیں' اس کا ایک بیٹا محمد یار پیدائشی معذور تھا' وہ چل پھر نہیں سکتا تھا' گل محمد اور اس کے دس افراد کے کنبے کے لئے بائیس سو روپے میں گزارا ممکن نہیں تھا چنانچہ پچھلے ہفتے یعنی بجٹ سے صرف پانچ دن پہلے گل محمد نے اپنا یہ معذور بچہ گیارہ ہزار روپے میں فروخت کر دیا' یہ بچہ بھکاریوں کے ایک گینگ نے خریدا اور وہ اسے کوئٹہ لے گئے' یہ بچہ آج کل کوئٹہ میں بھیک مانگتا ہے۔

خواتین وحضرات! یہ کہانی کا ایک پہلو تھا' آپ اب دوسرا پہلو دیکھئے۔ جس دن یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی اسی دن اخبار میں کتے کی فروخت کا ایک چھوٹا سا اشتہار بھی چھپا تھا' اشتہار کی عبارت کچھ یوں تھی ''جرمن نسل کا ایک پلا برائے فروخت ہے جو خواتین وحضرات کتے پالنے کا شوق رکھتے ہیں وہ فوری طور پر درج ذیل ٹیلی فون نمبرز پر رابطہ کریں۔ نوٹ پلا تیس ہزار روپے سے کم میں

فروخت نہیں کیا جائے گا''۔

خواتین وحضرات! یہاں پر گل محمد کی کہانی ختم ہوتی ہے اور پاکستان کے ان گیارہ کروڑ گل محمدوں کی داستان شروع ہوتی ہے جو خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ وہ تمام لوگ ہیں جن کی روزانہ آمدن ایک سو روپے سے ایک سو بیس روپے ہے جبکہ ان میں ایک کروڑ ایسے گل محمد بھی شامل ہیں جن کی روزانہ آمدن 73 روپے ہے۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کے مطابق پاکستان کے 7 کروڑ 70 لاکھ لوگ خوراک کی کمی کا شکار ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن کو تین وقت کا کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی پاکستان کے ایک کروڑ گھروں میں صرف ایک بار چولہا جلتا ہے اور ان میں بھی ایسے لاکھوں گھرانے ہیں جن میں مائیں ہانڈیوں میں پتھر ڈال کر بچوں کو بہلاتی رہتی ہیں۔ پاکستان کا شمار دنیا کے ان 35 ممالک میں ہوتا ہے جو خوراک کے شدید بحران کا شکار ہیں۔ پاکستان کے 14 کروڑ لوگ اپنی آمدنی کا سو فیصد خوراک پر خرچ کرتے ہیں۔ آپ مہنگائی کا اندازہ لگائیے 1947ء میں آٹا 20 پیسے کلو تھا' آج یہ سرکاری ریٹ پر 22 روپے کلو مل رہا ہے۔ یوں ان 60 برسوں میں آٹے کے ریٹ میں 9500 فیصد اضافہ ہوا' چینی 60 پیسے کلو تھی آج یہ 32 روپے کلو ہے' چینی کے ریٹ میں 60 برس میں 5500 فیصد اضافہ ہوا' گھی 1947ء میں اڑھائی روپے کلو تھا یہ آج 140 روپے کلو ہے یوں اس میں 5400 فیصد اضافہ ہوا۔ دالیں 25 پیسے کلو تھیں یہ آج اوسطاً 90 روپے کلو ہیں یوں دالوں کے ریٹ میں 20 ہزار 800 فیصد اضافہ ہوا۔ گوشت ایک روپے 25 پیسے کلو تھا آج یہ گوشت 285 روپے کلو مل رہا ہے یوں 60 برسوں میں گوشت کے ریٹ میں 22 ہزار 8 سو فیصد اضافہ ہوا اور پٹرول.. جی ہاں 1947ء میں پٹرول کی قیمت 15 پیسے لیٹر تھی' آج یہ پٹرول 70 روپے لیٹر مل رہا ہے یوں پٹرول کے ریٹ میں 41 ہزار 3 سو 33 فیصد اضافہ ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں یعنی 1972ء میں 4 روپے 70 پیسے میں ایک ڈالر آتا تھا آج اوپن مارکیٹ میں ڈالر کی قیمت 70 روپے کو چھو رہی ہے' سونا 1972ء میں 271 روپے تولہ تھا' آج اس کی قیمت 19 ہزار روپے تولہ ہو چکی ہے۔ اگر ہم اس مہنگائی کا تقابل لوگوں کی آمدنی سے کریں تو ہمیں اس ملک کے 80 فیصد عوام پر ترس آئے گا۔ پچھلے ساٹھ برسوں میں لوگوں کی آمدنی میں صرف 4 سو 11 فیصد اضافہ ہوا۔ آپ مہنگائی کو دیکھئے اور لوگوں کی آمدنی دیکھئے اور پھر اندازہ لگائیے اس ملک کے لوگ ظلم کی کس چکی میں پس رہے ہیں۔

خواتین وحضرات! پاکستان میں آج تک 58 بجٹ پیش کئے گئے لیکن آج تک کسی حکومت' کسی وزیر خزانہ نے گل محمد جیسے لوگوں کے لئے کوئی بجٹ نہیں بنایا۔ ایک طرف گل محمد جیسے لوگ مہنگائی سے مجبور ہو کر اپنے بچے فروخت کر رہے ہیں' پیٹ کو قائم رکھنے کے لئے گردے بیچ رہے ہیں' ریل کی

پٹڑیوں پر لیٹ رہے ہیں اور آبپارہ چوک میں کھڑے ہو کر خود کو گولی سے مار رہے ہیں جبکہ دوسری طرف حکومت اربوں اور کھربوں کے اعداد وشمار کا انبار لگا رہی ہے۔

خواتین وحضرات! آج 2008ء کا بجٹ پیش ہوا۔ یہ بجٹ ہمارا موضوع ہے‘ ہم نے یہ جائزہ لینا ہے کہ ہمارے وزیرخزانہ جناب نوید قمر نے بجٹ میں گل محمد جیسے لوگوں کا بھی خیال رکھا ہے یا پھر گل محمد کو یہ سال بھی اپنا کوئی بچہ فروخت کر کے گزارنا ہوگا۔۔

اختتام:

خواتین وحضرات! پچھلے تیس برسوں میں دُنیا کے دو ملک تباہ ہوئے‘ ان میں پہلے نمبر پر سوویت یونین آتا ہے اور دوسرے نمبر پر یوگوسلاویہ۔ سوویت یونین دُنیا کی دوسری بڑی سپر پاور تھا جبکہ یوگوسلاویہ یورپ کا ایک ملک تھا۔ ہم جب ان دونوں ممالک کی تباہی کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس کی دو بڑی وجوہات معلوم ہوتی ہیں۔ ان ممالک کی تباہی کی پہلی وجہ اکانومی یعنی معیشت تھی اور دوسری وجہ عدلیہ۔۔ ان دونوں ممالک کی عدلیہ آزاد نہیں تھی اور وہاں مہنگائی لوگوں کی قوت خرید سے بہت اُوپر چلی گئی تھی اور آج ہمیں بھی یہی دونوں مسئلے درپیش ہیں۔ اگر ہم نے "کل تک" یہ دونوں مسئلے حل نہ کئے تو خدانخواستہ ہمارا انجام بھی روس اور یوگوسلاویہ سے مختلف نہیں ہوگا۔

(11 جون 2008ء)

بنانا ری پبلک

آغاز:

خواتین وحضرات! ہنڈورس لاطینی امریکہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے‘ یہ ملک گھنے جنگلات‘ صاف پانی اور کیلے کی وجہ سے پوری دُنیا میں مشہور ہے‘ یہ ملک کولمبس نے 1502ء میں دریافت کیا تھا‘ 1525ء میں سپینش لوگوں نے اسے اپنی کالونی بنایا تھا اور ہنڈورس کے لوگوں نے 1838ء میں سپینش سے آزادی حاصل کی تھی۔ 1901ء میں اس ملک میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا اور یہ واقعہ آگے چل کر سفارت کاری کی ایک خوبصورت اصطلاح بن گیا تھا۔

خواتین وحضرات! دُنیا میں سب سے زیادہ کیلے ہنڈورس میں پیدا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے یہ ملک کیلوں کا سب سے بڑا ایکسپورٹر ہے۔ اُنیسویں صدی میں ہنڈورس میں فروٹس کی دو بڑی کمپنیاں تھیں‘ ایک کا نام یونائیٹڈ فروٹ تھا جبکہ دوسری سٹینڈرڈ فروٹ کے نام سے جانی جاتی تھی‘ یہ دونوں کمپنیاں سالانہ اربوں ڈالرز کے کیلے اور فروٹ شمالی امریکہ‘ جنوبی امریکہ‘ کینیڈا اور یورپ ایکسپورٹ کرتی تھیں‘ کسی تجارتی لین دین کی وجہ سے ان دونوں کمپنیوں میں لڑائی ہوئی اور یہ تجارتی کمپنیاں مافیا میں تبدیل ہو گئیں۔ یونائیٹڈ فروٹ‘ سٹینڈرڈ فروٹ کمپنی سے اثر ورسوخ میں بڑی تھی چنانچہ اس نے سیاست میں قدم رکھ دیا‘ اس نے سب سے پہلے ہنڈورس کے تمام وزراء خریدئے‘ پھر وزیراعظم کو اپنا ملازم رکھ لیا‘ پھر اپنی مرضی کا پولیس چیف لگا دیا‘ پھر بدمعاشوں کا گینگ بنایا اور اسے ہنڈورس کی فوج کا نام دے دیا اور پھر اپنے منشیوں کو جج بنا دیا یوں پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔ یونائیٹڈ فروٹ کمپنی کے اس پولیٹیکل انفلوئنز سے سٹینڈرڈ فروٹ کمپنی کو نقصان پہنچنے لگا چنانچہ اس نے امریکہ اور یورپ کی ان کمپنیوں سے رابطہ کیا جن کو وہ کیلے فروخت کرتی تھی‘ یورپ اور امریکہ کی فروٹس کمپنیوں نے سٹینڈرڈ فروٹ کمپنی کو

مالی' سفارتی اور فوجی مدد دینا شروع کر دی' یوں ہنڈورس میں دونوں فروٹس کمپنیوں کے درمیان پاور وار شروع ہو گئی' اس جنگ کے دوران امریکہ کے مشہور رائٹر او ہنری نے ایک کتاب لکھی اور اس کتاب میں اس نے ہنڈورس کو بنانا ری پبلک کا نام دے دیا اور وہ دن ہے اور یہ دن ہے دُنیا ہنڈورس کو بنانا ری پبلک کہتی ہے۔

خواتین و حضرات! بنانا ری پبلک کی اصطلاح صرف ہنڈورس تک محدود نہیں بلکہ آج وہ ملک جو سیاسی طور پر غیر مستحکم ہو' جس کی پارلیمنٹ بے اختیار ہو' جس میں مافیا حکمرانی کرتے ہوں' جس میں سرکاری افسر اور ادارے حکمران کلاس کے ذاتی ملازم سمجھے جاتے ہوں' جس کی عدالتیں سیاست دانوں کی تابع ہوں' جس کے الیکشنز میں دھاندلی ہوتی ہو جہاں ڈکٹیٹر شپ ہو' جس میں کرپشن عام ہو' جس میں سرکاری ملازمتیں رشتے داروں اور دوستوں میں تقسیم ہوتی ہوں' جس کی سرحدوں کی خلاف ورزی ہوتی ہو' جس میں فوج پارلیمنٹ سے زیادہ مضبوط ہو' جس میں جرنیل اقتدار پر قبضے کرتے رہتے ہوں' جس میں قانون اور انصاف بکتا ہو' جس میں امن و امان نہ ہو' جس میں بیرونی طاقتوں کا اثر و رسوخ ہو' جس کی اکانومی ورلڈ بینک' آئی ایم ایف اور دوسرے ممالک کے زیر اثر ہو اور جس میں اقتدار کرپٹ تاجروں' بے ایمان سیاست دانوں اور مفاد پرست جرنیلوں کے دائرے میں گھومتا رہتا ہو' دُنیا اس ملک کو بنانا ری پبلک کہتی ہے۔

خواتین و حضرات! 22 جنوری 2008ء کو صدر پرویز مشرف نے غیر ملکی صحافیوں کے ساتھ گفتگو میں پہلی بار یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان بنانا ری پبلک نہیں ہے' مجھے اچھی طرح یاد ہے صدر کے اس اعلان پر وہاں موجود تمام صحافی ہنس پڑے تھے کیونکہ یہ حقیقت ہے پاکستان میں بنانا ری پبلک کے تمام آثار موجود ہیں' ہم مانیں یا نہ مانیں لیکن ہم بڑی تیزی سے بنانا ری پبلک بن رہے ہیں۔ ہمارے پاس پارلیمنٹ ہے لیکن اس کے پاس کوئی اختیار نہیں' ہمارے پاس صدر ہیں لیکن وہ غیر مقبول ہیں' وزیراعظم ہیں بے اختیار ہیں' چیف منسٹرز ہیں بے اختیار ہیں' سپریم کورٹ ہے لیکن ملک میں دو چیف جسٹس ہیں' فوج ہے لیکن امریکی جہاز پاکستان کی حدود میں آ کر ہمارے فوجی جوانوں کو شہید کر جاتے ہیں اور ہم ایک کمزور سے احتجاج کے سوا کچھ نہیں کرتے' پولیس ہے لیکن مجرم کھلے پھر رہے ہیں' کھمبے ہیں لیکن بجلی نہیں اور دفتر ہیں لیکن کام نہیں لہٰذا پاکستان بنانا ری پبلک نہیں تو کیا ہے۔

خواتین و حضرات! آپ حد ملاحظہ کیجئے کل افغانستان کے صدر حامد کرزئی نے پاکستان میں فوجیں اُتارنے کی دھمکی دے دی' افغانستان اور حامد کرزئی کون ہیں' حامد کرزئی دُنیا کے کمزور ترین حکمران ہیں' ان کی حکومت کابل میں صرف دس کلومیٹر تک محدود ہے جبکہ افغانستان دُنیا کا واحد ملک ہے

جسے پاکستان امداد دیتا ہے۔ افغانستان کے عوام پاکستانی آٹا کھاتے ہیں لیکن آج ہم اس قدر بنانا سٹیٹ بن چکے ہیں کہ افغانستان بھی ہمیں جنگ کی دھمکی دے رہا ہے' ہمارے لئے اس سے بڑی شرمندگی بلکہ ذلت کی کیا بات ہو گی۔

خواتین و حضرات! حامد کرزئی کی یہ دھمکی ہمارا پہلا موضوع ہے جبکہ ہمارا دوسرا موضوع جناب آصف علی زرداری کا وہ بیان ہے جس میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ صدر کی یونیفارم بھی ہم نے اُتاری تھی اور اب ان کا مواخذہ بھی پاکستان پیپلز پارٹی کرے گی۔

اختتام:

خواتین و حضرات! کہا جاتا ہے کہ اگر انسان بوڑھا ہو جائے' کمزور ہو جائے یا بیمار ہو جائے تو گلی کے کتے بھی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کا دُشمن باہر نہیں ہوتا اس کے اندر ہوتا ہے اور جو انسان اور جو قومیں اندر سے مضبوط ہوتی ہیں انہیں باہر سے کوئی شکست نہیں دے سکتا اور ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہم اندر سے کمزور اور کھوکھلے ہوتے چلے جا رہے ہیں لہٰذا آج افغانستان جیسے ملک بھی پاکستان میں فوجیں اتارنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! اگر ہم نے کل تک اپنی ان تمام سیاسی' سفارتی اور معاشی کمزوریوں پر قابو نہ پایا' ہم نے نائین زیرو' رائیونڈ اور زرداری ہاؤس سے پاور واپس لے کر پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ کو نہ دی تو ہم میں اور ہنڈورس میں کوئی فرق نہیں ہو گا' ہم بنانا ری پبلک ہوں گے اور افغانستان جیسے ملک ہمیں فتح کر لیں گے۔

(16 جون 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

سات بجارہا ہے

آغاز:

خواتین وحضرات! اُستاد امانت علی خان برصغیر پاک وہند کے مشہور گلوکار تھے' کہا جاتا ہے پچھلی صدی میں اس خطے میں 5 بڑے گلوکار پیدا ہوئے تھے اور استاد امانت علی خان کا شمار ان پانچوں میں دوسرے نمبر پر ہوتا تھا۔ استاد نے زندگی میں بے شمار غزلیں' گیت اور نغمے گائے اور پوری دُنیا میں نام کمایا لیکن ''انشاء جی اُٹھو'' اور ''اے وطن' پیارے وطن'' ان کے ایسے شاہکار تھے جو آج بھی سننے والوں کے اندر آگ بھر دیتے ہیں۔ میں آپ کو ابھی استاد امانت علی خان کی زندگی کا ایک دِلچسپ واقعہ سنانے لگا ہوں۔ یہ 1950ء کی دہائی تھی' ان دنوں استاد ریڈیو پاکستان کا ایک پروگرام کرتے تھے' میں آپ کو یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ پاکستان کے ابتدائی دنوں میں ریڈیو کے تمام پروگرام لائیو ہوتے تھے۔ ایک شام استاد امانت علی خان لاہور کے ریڈیو اسٹیشن پہنچے' اس دن شام سات بجے ان کا پروگرام ہونا تھا' ان سے پہلے شام چھ بجے سے سات بجے تک کسی دوسرے گلوکار کا پروگرام چل رہا تھا۔ استاد امانت علی خان ساڑھے چھ بجے سٹوڈیو میں جا کر بیٹھ گئے' اب بدقسمتی سے ان سے پہلے جو گلوکار نغمہ سرا تھے' وہ استاد کو دیکھ کر گھبرا گئے اور اپنے سارے گیت بھول گئے' اس وقت پونے سات بجے تھے' اب وہ گلوکار وہاں سے اُٹھ سکتا تھا اور نہ ہی گا سکتا تھا چنانچہ اس نے ہارمونیم بجانا شروع کر دیا' ہارمونیم کی دھنیں بھی غیر متوازن تھیں' موسیقی کا یہ شاہکار دیکھ کر استاد امانت علی خان کے ایک سازندے نے ان سے پوچھا ''اُستاد یہ کیا بجا رہا ہے'' امانت علی خان مسکرائے اور اپنے شاگرد کی طرف دیکھ کر بولے ''یہ سات بجا رہا ہے۔''

خواتین وحضرات! بظاہر یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اگر ہم اس واقعے کی کیمسٹری پر توجہ

دیں' اگر ہم اسے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں رکھ کر دیکھیں تو ہمیں یہ واقعہ واقعہ کم اور فلسفہ زیادہ محسوس ہوگا' آپ اپنی تمام پچھلی حکومتوں کا پروفائل نکال کر دیکھئے' آپ کو پاکستان کی تمام حکومتیں بڑے بڑے ایشوز پر سات بجاتی نظر آئیں گی' اس ملک میں جب بھی کوئی فوری نوعیت کا واقعہ یا بحران پیدا ہوا تو حکومت نے اس بحران کا فوری حل تلاش کرنے کے بجائے سات بجانا شروع کر دیئے اور حکومتی عہدیدار عوام کی توجہ ہٹانے میں مصروف ہو گئے۔ ہم بحران کو بحران اور مسئلے کو مسئلے کے ذریعے حل کرتے ہیں' ملک میں جب گندم کا بحران پیدا ہوتا ہے اور لوگ سڑکوں پر نکل آتے ہیں تو ہم لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ پیدا کر کے عوام کی توجہ آٹے سے ہٹا دیتے ہیں' لوگ لوڈ شیڈنگ پر شور کرتے ہیں تو ہم صدر کے مواخذے کا اعلان کر دیتے ہیں' لوگ گو مشرف گو کے نعرے لگاتے ہیں تو حکومت لانگ مارچ کے مسئلے کو ہوا دے دیتی ہے اور لوگ لانگ مارچ کے لئے نکلتے ہیں تو ہم قبائلی علاقوں میں چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتے ہیں غرض ہماری حکومتیں ہر دور میں سات بجا کر وقت گزارتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے ہماری حکومتیں ہمیشہ کوئی مثبت اور بڑا اقدام اُٹھانے سے گھبراتی ہیں لہٰذا ان کی کوشش ہوتی ہے یہ مسئلے کو اتنا لمبا کر دیں کہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے یا لوگ اسے بھول جائیں۔

خواتین وحضرات! آج سیاسی دُنیا میں دو مختلف مقامات پر سات بجائے گئے ہیں' آج اسلام آباد میں ''اے پی ڈی ایم'' کا اجلاس ہوا' یہ اجلاس ججوں کی بحالی کے لئے اگلا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اس اجلاس میں کیا ہوا؟ کیا اس اجلاس کا کوئی ٹھوس نتیجہ نکلے گا یا پھر اس کے شرکاء بھی سات بجا کر گھروں کو چلے جائیں گے؟ یہ ہمارا پہلا موضوع ہے جبکہ دوسرا موضوع لاہور میں آصف علی زرداری اور میاں نواز شریف کی ملاقات ہے۔ آخری اطلاعات تک اس ملاقات کا کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ دونوں جماعتیں ججز کے مسئلے پر ''جیسے تھے'' کی پوزیشن پر ہیں جبکہ صدر کے مواخذے پر دونوں جماعتوں کے درمیان ایک خفیہ انڈرسٹینڈنگ ڈویلپ ہو رہی ہے۔ کیا یہ انڈرسٹینڈنگ آگے چل کر کوئی ٹھوس شکل اختیار کرے گی یا پھر ملاقاتوں کا یہ سلسلہ بھی سات بجا کر ختم ہو جائے گا؟ یہ ہمارا دوسرا موضوع ہے اور میں آخر میں آپ کو یہ بتاؤں گا اے پی ڈی ایم کیا فیصلہ کرے گی اور دونوں بڑی حکمران جماعتیں صدر کا مواخذہ کب کریں گی۔

اختتام:

خواتین وحضرات! اے پی ڈی ایم کا یہ اجلاس بڑی اہمیت کا حامل ہے' اس اجلاس میں اے پی ڈی ایم کی جماعتیں ججز کی بحالی کے معاملے پر وکلاء سے الگ ہونے کا فیصلہ کر رہی ہیں اور اے پی ڈی ایم شائد 14 اگست کے آگے پیچھے اسلام آباد میں دھرنا دے۔ دھرنے کے اس پروگرام میں وکلاء کو

شریک نہیں کیا جائے گا لیکن اس کا مقصد ججز کی بحالی اور صدر کو ایوان صدر سے باہر نکالنا ہو گا جبکہ مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت کی یہ میٹنگز بجٹ پاس کرانے کے سلسلے میں ہو رہی ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن کو صدر پرویز مشرف کے مواخذہ کی انڈرسٹینڈنگ دے کر بجٹ پاس کرائے گی۔ مسلم لیگ ن صدر کے مواخذے کا بل تیار کر چکی ہے جس پر اس کے 93 ارکان دستخط کر چکے ہیں جبکہ پیپلز پارٹی بھی مواخذے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس فیصلے کی وجہ پاکستان پیپلز پارٹی اور آصف علی زرداری کی عوام میں گرتی ہوئی مقبولیت ہے اور پارٹی کی قیادت کو اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے صدر کے مواخذے، ججز کی بحالی کا ''پاپولر'' فیصلہ کرنا پڑے گا۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے یہ فیصلے کب ہوں گے۔ یہ دونوں فیصلے پرسوں یعنی جمعہ کے دن ہونگے اور اگر اس دن یہ فیصلے نہ ہوئے تو اس بجٹ کے بعد اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے وہ حکمران جماعتیں جو کل تک سات بجا کر وقت گزار رہی تھیں وہ آنے والے کل تک سات نہیں بجا سکیں گی کیونکہ دونوں کے پاس وقت بہت کم ہے۔ یعنی صرف کل تک۔

(18 جون 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

بے اُصولیاں

آغاز:

خواتین و حضرات! آپ نے اکثر یہ فقرہ سنا ہوگا ''کھایا، پیا کچھ نہیں، گلاس توڑا بارہ آنے'' یہ فقرہ یا محاورہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب ایک لمبی چوڑی میٹنگ بلائی جاتی ہے، جلسہ ہوتا ہے، جلوس نکلتا ہے، کانفرنس ہوتی یا پھر کوئی بہت بڑا اکٹھ ہوتا ہے۔ دس، پندرہ، بیس دن اس کے کرٹن ریزر چلتے رہتے ہیں اور لوگ اس کے ساتھ اُمیدیں وابستہ کر لیتے ہیں لیکن پھر اچانک یہ ساری ایکٹویٹی کسی نتیجے، کسی رزلٹ کے بغیر ختم ہو جاتی ہے اور اس صورتِ حال پر لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ''کھایا پیا کچھ نہیں، گلاس توڑا بارہ آنے''۔ مجھے یقین ہے یہ محاورہ یا فقرہ آپ نے بھی بارہا سنا ہو گا لیکن شائد آپ اس کی بیک گراؤنڈ سے واقف نہ ہوں۔ میں بات آگے بڑھانے سے پہلے آپ کو اس محاورے کا پس منظر بتانا چاہتا ہوں۔

ناظرین لاہور میں ایک ریستوران تھا جس کا نام تھا مسلم ہوٹل۔ یہ ایک درمیانے درجے کا ریستوران تھا جس میں لوگ آ کر بیٹھتے تھے اور بیرے ان کے سر پر کھڑے ہو کر ایک ہی سانس میں مینیو بتاتے تھے جو عموماً اس طرح ہوتا تھا۔ آلو گوشت، مٹر قیمہ، دال ماش، چکن بریانی اور مٹن قورمہ۔۔۔۔۔ بتاؤ صاحب کیا کھاؤ گے۔ صاحب اپنی مرضی کا آرڈر دے دیتے تھے، کھانا کھاتے تھے اور کاؤنٹر پر جا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس وقت کیشئر بیروں کی طرف دیکھ کر آواز لگاتا تھا ''چھوٹے۔۔ صاحب کا بل بتاؤ'' اور صاحب نے جو کچھ کھایا پیا ہوتا تھا، چھوٹا کھڑے کھڑے دہرا دیتا تھا اور کیشئر رقم جوڑ کر گاہک سے بل وصول کر لیتا تھا۔ ایک بار ریستوران میں ایک پارسی جوڑا کھانا کھانے آیا، مینیو کے تعین پر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا، بیوی کو غصہ آ گیا اور غصے کے عالم میں بیوی نے میز سے گلاس اُٹھایا اور فرش

پر دے مارا' گلاس کی کرچیاں سارے ہال میں بکھر گئیں۔ خاوند بیوی کی اس حرکت پر شرمندہ ہو گیا' وہ اُٹھا' اس نے بیوی کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹتے ہوئے ہوٹل سے باہر لے جانے لگا' یہ دونوں جب کاؤنٹر کے قریب پہنچے تو کیشئر نے مکینیکل انداز سے بیروں کی طرف دیکھا اور آواز لگائی ''صاحب کا بل بتاؤ'' ویٹر نے فوراً نعرہ لگایا ''کھایا پیا کچھ نہیں' گلاس توڑا بارہ آنے'' بس ویٹر کا یہ کہنا تھا اور اردو زبان کو ایک نیا محاورہ مل گیا۔ اس محاورے سے ملتا جلتا ایک محاورہ انگریزی زبان میں بھی موجود ہے۔ انگریز اس قسم کی صورتِ حال میں کہتے ہیں ''میٹ گریٹ اینڈ ڈیپرس'' فارسی دُنیا کی مہذب ترین زبان ہے اور اس زبان کے بولنے والے ''کھایا' پیا کچھ نہیں گلاس توڑا بارہ آنے'' جیسی صورتِ حال پر کہتے ہیں ''نشستن' گفتن' برخاستن۔''

خواتین وحضرات! محاورے کی بات اپنی جگہ لیکن پچھلے تین ماہ سے ہماری سیاست بھی بارہ آنے کے گلاس کے اردگرد گھوم رہی ہے اور پاکستان کے اہم ترین ایشوز پر تمام سیاسی جماعتیں نشستن' گفتن اور برخاستن کے فارمولے پر عمل پیرا ہیں۔ ججز کی بحالی اور صدر کے مواخذے پر 18 فروری 2008ء کے بعد آج تک پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن نے 26 ملاقاتیں اور میٹنگز کیں اور ان میٹنگز میں گلاس ٹوٹنے کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وکلاء نے لانگ مارچ کی دھمکی دی' 9 سے 13 جون تک ملکی تاریخ کا سب سے بڑا مارچ کیا لیکن یہ مارچ بھی گلاس توڑ کر ختم ہو گیا۔ لانگ مارچ کے بعد قوم کی اُمیدیں اے پی ڈی ایم سے وابستہ ہو گئیں۔ اے پی ڈی ایم میں شامل تمام جماعتوں کے قائدین نے 18 اور 19 جون کو قومی کانفرنس کی لیکن اس کانفرنس سے صرف ایک دھمکی کے سوا کچھ برآمد نہ ہوا۔ اے پی ڈی ایم نے 19 جون کے دن اعلان کیا ''اگر ضروری ہوا تو ہم سول نافرمانی کی تحریک بھی چلا سکتے ہیں اور پی سی او پر حلف لینے والے ججوں کا گھیراؤ بھی کر سکتے ہیں۔'' یوں یہ کانفرنس بھی ناکام ہو گئی۔ میں یہاں یہ بھی بتاتا چلوں' اس کانفرنس میں محمود خان اچکزئی' قاضی حسین احمد' جنرل حمید گل اور عمران خان کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ آج لاہور میں پاکستان مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی کے قائدین کے درمیان سوا چار گھنٹے لمبی میٹنگ ہوئی لیکن اس میٹنگ کا بھی کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا اور صورتِ حال ''کھایا پیا کچھ نہیں اور گلاس توڑا بارہ آنے'' سے آگے نہ بڑھ سکی۔

خواتین وحضرات! ہم آج جائزہ لیں گے کہ اے پی ڈی ایم کے اجلاس میں کیا ہوا؟ اور پاکستان مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی کے مذاکرات کا کوئی نتیجہ کیوں نہیں نکلا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! سیاست اُصولوں کا کھیل ہے اور اُصولوں کی عمر ہمیشہ انسان کی زندگی سے

طویل ہوتی ہے۔ یہ سقراط کا اُصول تھا جس نے اسے مرنے کے بعد بھی اڑھائی ہزار سال تک زندہ رکھا۔ یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُصول تھے جنہوں نے شہادت کے بعد بھی انہیں ساڑھے چودہ سو سال سے زندہ رکھا ہوا ہے۔ یہ گلیلیو کے اُصول تھے' یہ ٹیپو سلطان کے اُصول تھے اور یہ سراج الدولہ کے اُصول تھے جنہوں نے ان لوگوں کو آج تک تاریخ میں مرنے نہیں دیا۔ دُنیا میں سمجھوتے کرنے' ڈرنے' گھبرانے اور ڈیل کرنے والوں کی عمر' ان کی زندگی سے بھی مختصر ہوتی ہے' میں نے آج تک بے شمار لوگوں کو دیکھا جو زندہ تھے لیکن سمجھوتے' فریب اور دھوکے انہیں مار چکے تھے اور یہ لوگ باقی زندگی سمجھوتوں اور مصلحتوں کا کفن اوڑھ کر زندگی کے بازار میں پھرتے رہے اور انہیں دفن ہونے کے لئے جگہ نہیں ملی۔

خواتین وحضرات! ہماری آج کی سیاسی صورتِ حال کی اصل وجہ ہمارے سیاست دانوں کی بے اُصولیاں ہیں' ان کی زندگی کا صرف ایک ہی اُصول ہے کہ ان کا کوئی اُصول نہیں چنانچہ ہمارا کوئی جینوئن مسئلہ حل نہیں ہو رہا اور یہ صورتِ حال اس وقت تک جوں کی توں رہے گی جب تک ہماری سیاست میں اُصول پیدا نہیں ہوتے۔ مجھے خطرہ ہے اگر کل تک ہماری سیاست میں اُصول نہ آئے تو ہم بھی ان سیاست دانوں کی طرح زندہ لاش بن جائیں گے اور وقت کے گدھ ہمیں نوچ کر کھا جائیں گے۔ کاش ہم کل تک ٹھیک ہو جائیں۔

(20 جون 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

پاگل پن

آغاز:

خواتین وحضرات! قوموں کے مزاج' قوموں کی ترجیحات' قوموں کی سوچ اور قوموں کی اصل رائے کا اظہار ہمیشہ چھوٹے چھوٹے واقعات سے ہوتا ہے۔ لوگ سڑک پر کیسے بی ہیو کرتے ہیں' لوگ لوگوں سے کیسے ملتے ہیں' لوگ کھاتے' پیتے کیسے ہیں' لوگ احتجاج کیسے کرتے ہیں' لوگ کس قسم کی فلمیں دیکھتے ہیں' لوگ کتابیں کیسی پڑھتے ہیں اور لوگ اپنے گند اور اپنے کچرے کو کیسے ٹھکانے لگاتے ہیں۔ یہ تمام چھوٹی چھوٹی حرکتیں' یہ چھوٹے معمول ہماری سائیکی' ہماری سوچ' ہماری رائے' ہمارے مسائل اور بڑی حد تک ہمارے مستقبل کا اظہار کرتے ہیں مثلاً میں آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ جس ملک' جس قوم میں ٹینشن یا ڈپریشن ہوتا ہے وہاں تین کام بہت کثرت سے ہوتے ہیں' وہاں لوگ بہت زیادہ کھاتے ہیں' بلاوجہ ہنستے ہیں اور زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں' اسی طرح جس ملک میں جاب سیکورٹی نہیں ہوتی اس ملک کے لوگوں کی قوت برداشت کم ہو جاتی ہے' وہاں لوگ بہت جلد غصے میں آ جاتے ہیں' جس ملک میں گوشت زیادہ کھایا جاتا ہو وہاں کے لوگ لڑاکے یا جنگجو ہوتے ہیں' ہمارے قبائلی علاقوں اور افغانستان میں دُنیا میں فی آدمی سب سے زیادہ گوشت کھایا جاتا ہے چنانچہ اس خطے کے 90 فیصد لوگ لڑاکے ہیں۔ اسی طرح جس ملک میں پولیس کے پاس زیادہ اختیارات ہوتے ہیں اس ملک میں جرائم زیادہ ہوتے ہیں' جس ملک میں انصاف کا سسٹم ویک ہوتا ہے اس میں قتل زیادہ ہوتے ہیں اور جس ملک میں بے روزگاری ہوتی ہے (یہ نقطہ خاص طور پر نوٹ کرنے والا ہے) اس ملک میں حکومتیں بڑی تیزی سے تبدیل ہوتی ہیں اور جس ملک میں پچاس سال تک آمریت رہتی ہے اس ملک میں قحط پڑ جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے یہ ایک لمبی بحث ہے اور میں اس بحث پر بعد میں کبھی بات کروں گا۔ سردست

میں اسلام آباد میں چند روز پہلے ہونے والے ایک چھوٹے سے واقعے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد ہم اس چھوٹے سے واقعے کے اثرات دیکھیں گے۔

خواتین وحضرات! چند دن پہلے اسلام آباد میں ایک سکول کی تقریب تھی' اس تقریب کی مہمان خصوصی امریکی سفیر این ڈبلیو پیٹرسن تھیں' تقریب میں امریکی سفیر مختلف طالب علموں میں سرٹیفکیٹس اور شیلڈز تقسیم کر رہی تھیں' تقریب کے دوران ہاورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ایک پاکستانی نوجوان طالب علم صمد خرم کو سٹیج پر بلایا گیا۔ میں آپ کو یہاں یہ بھی بتا دوں' ہاورڈ یونیورسٹی دُنیا کی 500 بڑی یونیورسٹیوں میں پہلے نمبر پر آتی ہے اور صمد خرم نے اس یونیورسٹی کا سکالرشپ جیتا تھا۔ صمد خرم تالیوں کی گونج میں سٹیج پر آیا' امریکی سفیر کی طرف بڑھا' سفیر نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا' سلام کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن صمد خرم نے امریکی سفیر کے ہاتھ کو اگنور کر دیا۔ وہ پلٹا اور سیدھا راسٹرم پر پہنچ گیا' اس نے مائیک سیدھا کیا اور تیس سیکنڈ کا ایک تاریخی فقرہ بولا' اس نے کہا ''امریکہ نے چند دن پہلے ہمارے قبائلی علاقے پر بمباری کی تھی' امریکہ پاکستان میں آمریت کو بھی سپورٹ کر رہا ہے لہٰذا میں آج بطور احتجاج امریکی سفیر سے سرٹیفکیٹ اور شیلڈ وصول نہیں کروں گا'' صمد نے اتنا کہا اور سٹیج سے اتر گیا۔

خواتین وحضرات! اس کے بعد تمام موبائل نیٹ ورکس میں ایس ایم ایس کا ایک طوفانی سلسلہ شروع ہو گیا اور لوگوں نے اس جرات مند ماں کو سلام کہنا شروع کر دیا جس نے صمد خرم کو جنم دیا تھا' لوگ نہ صرف اس نوجوان کی جرات پر خوش ہیں بلکہ وہ صمد خرم کو پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

خواتین وحضرات! یہ چھوٹا سا واقعہ پاکستان کے عوام کی سوچ' پاکستانی عوام کی رائے اور پاکستانی لوگوں کی خواہشوں کا اظہار ہے۔ اس ملک کے لوگوں کی نظروں میں اب صرف وہ شخص ہیرو ہے جس میں جرات ہو' جو امریکہ کے سامنے ڈٹ جائے اور جو آمرانہ احکامات ماننے سے انکار کر دے۔ آپ اس واقعے کو 9 مارچ 2007ء کے تسلسل میں رکھ کر دیکھئے' 9 مارچ کو چیف جسٹس نے صدر پرویز مشرف کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا اور ان کے اس انکار پر پوری قوم نے انہیں کندھوں پر اُٹھا لیا اور عدلیہ کی بحالی آج بھی ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ صمد خرم کا واقعہ اور اس پر عوامی ردعمل ایک ریفرنڈم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے اس ملک کے عوام کیا چاہتے ہیں۔

خواتین وحضرات! آج پارلیمنٹ نے 2008ء کا بجٹ پاس کر دیا' اس بجٹ کے ساتھ ہی 29 ججوں کی سپریم کورٹ کی اجازت بھی مل گئی۔ 29 ججوں کی پروزیشن پر مسلم لیگ ن کو شدید

تحفظات تھے لیکن ان تحفظات کے باوجود یہ بجٹ پاس ہوگیا۔ یہ ہمارا موضوع ہے۔ میں آخر میں آپ کو بتاؤں گا جس ملک میں لوگ زیادہ بولتے ہوں اس ملک کا کیا مستقبل ہوتا ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! خاموشی دانشمندی اور عقل کی نشانی ہوتی ہے اور بولنا اور بہت زیادہ بولنا پاگل پن کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ پاگلوں کو دیکھئے آپ ان کو ہمیشہ بولتے ہوئے یا بڑبڑاتے ہوئے پائیں گے جبکہ آپ کو عالم فاضل' دانشور اور صوفی ہمیشہ خاموش دکھائی دیں گے۔ ہمارے ملک کے لوگ بولنے' چیخنے چلانے اور بلاوجہ الجھنے کے مرض میں مبتلا نظر آ رہے ہیں' ہم میں سے ہر شخص کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن سننے کے لئے تیار نہیں' یہ چیز پاگل پن کو ظاہر کرتی ہے۔ ہمارا معاشرہ ناہموار اور بے توازن ہو چکا ہے' ہم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی حد تک پاگل پن کا شکار ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا ایک بڑا شاندار فقرہ تھا' انہوں نے کہا تھا ''بولنے کی ایک حد ہوتی ہے لیکن بکنے کی کوئی حد نہیں ہوتی۔'' مجھے محسوس ہوتا ہے ہم لوگ بولنے کی حدود کراس کرتے چلے جا رہے ہیں اور اگر ہم نے کل تک اپنی اس بری عادت پر قابو نہ پایا تو یہ ملک پاگل خانہ بن جائے گا۔ ہم نے آج سے سننے کی عادت بڑھانی ہے اور بولنے کا خبط کم کرنا ہے تاکہ ہم کل تک ایک صحت مند قوم بن سکیں۔

(22جون2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

جب تک

آغاز:

خواتین وحضرات! میں آج آپ کو ایک دلچسپ اور سچی داستان سنانا چاہتا ہوں۔ 1947ء میں جب پاکستان بنا تو جالندھر کا ایک خاندان ہجرت کر کے پاکستان آ گیا' یہ لوگ پہلے لاہور پہنچے اور بعدازاں ایک قافلے کے ساتھ پشاور چلے گئے' حکومت نے اس خاندان کو گورا بازار کی شبلی سٹریٹ میں ایک گھر الاٹ کر دیا' یہ گھر دریام بلڈنگ کہلاتا تھا' یہ مکان کسی ہندو تاجر کا تھا اور یہ تاجر مکان چھوڑ کر ہندوستان چلا گیا تھا' خاندان کا ایک بچہ فوج میں کیپٹن تھا' یہ مکان خاندان کی ضرورت سے بڑا تھا لہٰذا ان لوگوں نے اس کے دو پورشن کئے اور ایک حصہ کرائے پر چڑھا دیا۔ کرائے کا یہ معاملہ چند ماہ تک ٹھیک چلتا رہا لیکن پھر 1948ء میں اچانک کرائے دار نے کرایہ دینے سے انکار کر دیا' خاندان کے بزرگ نے کرایہ مانگا تو کرایہ دار نے جواب دیا ''یہ مکان تو ہے ہی میرا'' بزرگ نے اس سینہ زوری پر احتجاج کیا لیکن کرایہ دار نے انہیں کاغذات پیش کر دیئے' کاغذات کی رو سے نا صرف مکان کا وہ پورشن کرایہ دار کی ملکیت تھا بلکہ وہ اس حصے کا بھی مالک تھا جس میں مکان کے اصل مالکان مقیم تھے۔ ظاہر ہے کرایہ دار نے جعلی کاغذات تیار کرا لئے تھے۔ بزرگ اس جعل سازی پر ہکا بکا رہ گئے اور انہوں نے یہ ساری واردات اپنے کیپٹن بیٹے کو لکھ کر بھیج دی۔ بیٹا خط ملتے ہی پشاور آ گیا اور اس نے یہ معاملہ گفتگو کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی لیکن ''کرایہ دار'' نہ مانا لہٰذا کیپٹن صاحب اگلے دن سول کورٹ چلے گئے۔ عدالت نے کیس وصول کر لیا اور یوں مقدمے کی کارروائی شروع ہوگئی' مقدمہ شروع ہونے کے تین ماہ بعد عدالت کی طرف سے پہلی پیشی کا حکم آیا' کیپٹن پشاور آیا اور والد کو ساتھ لے کر عدالت حاضر ہوگیا لیکن جج صاحب نے انہیں دو ماہ بعد کی تاریخ دے دی۔ باپ بیٹے نے حکم سنا تو گردن جھکا کر واپس آ گئے۔ دو ماہ

بعد دوبارہ حاضر ہوئے تو جج نے تین ماہ کی تاریخ دے دی۔ تین ماہ بعد نئی پیشی ڈال دی گئی۔ بہر حال قصہ مختصر دو' تین برس بعد وہ کیپٹن میجر کے رینک پر پروموٹ ہو گیا لیکن کیس اسی جگہ کھڑا رہا' وہ میجر مستقل مزاج تھا لہٰذا وہ بغیر گھبرائے' تھکے اور پریشان ہوئے ہر پیشی پر والد کو ساتھ لے کر عدالت میں حاضر ہو جاتا تھا' وہ میجر بعد ازاں لیفٹیننٹ کرنل ہوا تو اس کیس کی بھی پروموشن ہو گئی اور وہ کیس سول جج سے سیشن کورٹ میں آیا' مظلوم کرنل بھی اس کے پیچھے چل پڑا' کچھ عرصے بعد وہ کرنل بریگیڈئر بن گیا لیکن کیس اسی طرح ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آتا جاتا رہا' پھر وہ بریگیڈئر میجر جنرل بن گیا تو کیس نے بھی سیشن کورٹ سے چھلانگ لگائی اور ہائی کورٹ پہنچ گیا۔ حالات نے ایک اور پلٹا کھایا اور میجر جنرل' لیفٹیننٹ جنرل بن گیا لیکن کیس بدستور ہائی کورٹ کی سرد فائلوں میں دبا رہا۔ پھر کرنی خدا کی کیا ہوئی وہ جنرل آرمی چیف بن گیا' اس دوران کیس نے بھی ترقی کی اور وہ سپریم کورٹ میں آ گیا' ابھی وکلاء کی جرح جاری تھی اور جج مسلسل تاریخیں دے رہے تھے کہ ایک رات اس آرمی چیف نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور وہ ملک کا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گیا لیکن اس کے کیس کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ آپ اب تک یقیناً اس مظلوم شخص کے نام سے واقف ہو چکے ہوں گے جی ہاں اپنے مکان کے قبضے کے لئے چالیس سال تک عدالتوں کے دھکے کھانے والا وہ شخص جنرل ضیاء الحق تھا۔

خواتین وحضرات! اب آپ اس کھیل کا کلائمکس دیکھئے' جنرل ضیاء الحق کو اقتدار سنبھالے ابھی کچھ دن گزرے تھے کہ ایک روز جنرل ضیاء الحق کے سیکرٹری نے انہیں بتایا کہ کوئی صاحب پشاور سے ملنے آئے ہیں اور مسلسل دو دن سے باہر بیٹھے ہیں۔ جنرل صاحب نے ملاقات کی اجازت دے دی' اس کے بعد کمرے میں ایک بوڑھا شخص اس انداز سے داخل ہوا کہ اس کے ایک ہاتھ میں مکان کی چابی تھی اور دوسرے میں قرآن مجید۔ اس نے جونہی جنرل ضیاء کو دیکھا' وہ وہیں کھڑا ہو کر بولا ''سر اس کتاب کے تقدس کے واسطے مجھے معاف کر دیں' میں آپ کو مکان کی چابی پیش کرنے آیا ہوں''' جی ہاں وہ بوڑھا شخص کیپٹن ضیاء الحق کے مکان کا کرایہ دار تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ صدر پرویز مشرف کے ساتھ بھی پیش آیا۔ صدر پرویز مشرف کے والد 35 برس قبل سری لنکا میں پاکستانی سفارتخانے میں ملازم تھے' ان کی کسی غلطی کے باعث وزارت خارجہ نے ان کی مراعات' تنخواہ اور پنشن روک دی' سید مشرف سروسز ٹریبونل میں چلے گئے' ان کا مقدمہ شروع ہوا اور 35 برس تک چلتا رہا۔ جب صدر پرویز مشرف نے 12 اکتوبر 1999ء کو ٹیک اوور کیا اور وہ ملک کے چیف ایگزیکٹو بن گئے تو وزارت خارجہ نے رضا کارانہ طور پر وہ کیس واپس لیا اور سید مشرف کا چیک بنا کر ان کے گھر بھجوا دیا۔

خواتین وحضرات! یہ دونوں واقعات ثابت کرتے ہیں اگر جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف اقتدار تک نہ پہنچتے تو شائد انہیں کبھی انصاف نہ ملتا لہٰذا ہمیں یہ ماننا پڑے گا پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس میں اس وقت تک آپ کو اپنا حق نہیں ملتا جب تک آپ ملک کے مضبوط ترین عہدیدار نہیں بنتے۔

خواتین وحضرات! ہم نے آج یہ جائزہ لینا ہے کیا صرف معطل ججز کی بحالی سے پاکستان کے 16 کروڑ لوگوں کو انصاف مل جائے گا؟ کیا صرف اعلیٰ عدلیہ کی تبدیلی سے نچلی سطح تک انصاف کی فراہمی شروع ہو جائے گی اور کیا اس ملک میں کبھی انصاف کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! انصاف کا تعلق معاشرے سے ہوتا ہے' عدالتوں کے ساتھ نہیں۔ جس معاشرے میں انصاف نہیں ہوتا اس معاشرے کی عدالتیں بھی بے انصاف ہوتی ہیں۔ میں آپ سے آج ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتائیے کیا آپ لوگ ایک افسر کی حیثیت سے اپنے ماتحتوں کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ آپ باپ کی حیثیت سے' ماں کی حیثیت سے' بیٹے اور بیٹی کی حیثیت سے' دوست اور کولیگ کی حیثیت سے انصاف کرتے ہیں۔ کیا آپ استاد' تاجر' صنعتکار' دکاندار اور صحافی کی حیثیت سے انصاف کر رہے ہیں۔ نہیں۔۔ یقیناً نہیں لہٰذا اگر آپ خود انصاف نہیں کر رہے تو آپ کو انصاف کیسے ملے گا' آپ کے ساتھ انصاف کیسے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نعمتیں ان کو دیتا ہے جو اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں' انصاف اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت ہمیں اس وقت تک نہیں ملے گی جب تک ہم اس کی قدر کرنا نہیں سیکھیں گے۔

(29 جون 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

اچھی قوم کیسے بنتی ہے

آغاز:

خواتین وحضرات! آپ نے نپولین بونا پارٹ کا نام سنا ہوگا‘ ہم لوگ اسے نپولین پڑھتے ہیں لیکن فرنچ اسے نیپولین کہتے ہیں۔ نپولین کا شمار دُنیا کے پانچ بڑے وائیر میں ہوتا ہے۔ یورپین مؤرخین کا خیال ہے یورپ میں کبھی نپولین سے بڑا جرنیل پیدا نہیں ہوگا اور یہ بات بڑی حد تک درست ہے۔ نپولین 1769ء میں فرانس میں پیدا ہوا تھا‘ اس کا قد چھوٹا تھا لہٰذا وہ فوج میں بھرتی ہونے کا اہل نہیں تھا لیکن اپنی اس جسمانی کمزوری کے باوجود وہ نہ صرف فوج میں بھرتی ہوا بلکہ وہ فرنچ آرمی کا چیف بنا اور اس فوج کے ذریعے اس نے دوتہائی یورپ فتح کیا۔ وہ یورپ کا پہلا جرنیل تھا جس نے جنگ میں بڑے پیمانے پر توپ خانہ استعمال کیا تھا‘ وہ بارود اور توپوں کا شوقین تھا اور اس نے ایک ٹیکنیک ایجاد کی تھی جس کے ذریعے زیادہ فاصلے پر گولے پھینکے جاسکتے تھے۔ نپولین میں چند ایسی خصوصیات تھیں جو اس سے پہلے کسی جرنیل میں تھیں اور شائد نہ آنے والے کسی زمانے کے جرنیل میں ہوں گی۔ میں ان خوبیوں میں سے آج آپ کو صرف دو خوبیاں بتاؤں گا۔ وہ بلا کی یادداشت کا مالک تھا‘ اسے نہ صرف اپنے تمام سپاہیوں کے نام‘ شکل اور پتے یاد تھے بلکہ وہ ان کے بچوں کے کوائف تک جانتا تھا اسے فوج‘ حکومت اور پورے ملک کے بجٹ کی تفصیل زبانی یاد تھی اور وہ پورے یورپ کے جغرافیے کا حافظ تھا اسے یہ معلوم تھا کس طرف سے کتنے منٹ بعد کون سی منزل آتی ہے اور اسکی دوسری خوبی اس کی جرات تھی‘ وہ ڈرتا اور گھبراتا نہیں تھا‘ اس کی گرفتاری کا بھی ایک بڑا خوبصورت واقعہ تھا‘ اس نے اپنے ہم شکل بنا رکھے تھے‘ یہ تمام لوگ ہو بہو نپولین لگتے تھے۔ جب 18 جون 1815ء کو واٹرلو کے مقام پر اسے شکست ہوئی تو اس کے دُشمنوں کے لئے 12 ڈمیز میں سے اصل نپولین کی شناخت کرنا مشکل ہوگیا‘ انگریز جرنیلوں نے

بڑے طویل غور و فکر کے بعد اس مسئلے کا بڑا دلچسپ حل نکالا‘ انہوں نے نپولین کے تمام ہم شکلوں کو ناشتے کے وقت ایک جگہ جمع کیا‘ جب ان تمام ہم شکلوں نے چائے کے کپ اُٹھائے تو ڈائننگ ہال کے باہر ایک بہت بڑی توپ چلائی گئی‘ توپ کی آواز سن کر تمام ہم شکلوں کے ہاتھوں سے کپ گر گئے لیکن اصل نپولین ایک کونے میں بیٹھ کر اطمینان سے چائے پیتا رہا۔ انگریزوں نے اسے گرفتار کرلیا اور جولائی 1815ء کو ایک تیز ابی جزیرے سینٹ ہیلنا میں قید کردیا۔ میں آپ کو نپولین کی اس قید کا ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ ایک صحافی قید خانے میں نپولین بونا پارٹ سے ملنے گیا‘ نپولین اس وقت ایک بدبودار کوٹھڑی میں بند تھا‘ صحافی نے پوچھا ”آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟“ نپولین نے مسکرا کر چھت کی طرف اشارہ کیا‘ صحافی نے اُوپر دیکھا‘ چھت سے جالے لٹک رہے تھے‘ نپولین نے دیواروں کی طرف اشارہ کیا‘ صحافی نے دیواروں پر نظر دوڑائی‘ دیواروں کا۔ پلستر اکھڑ چکا تھا اور اینٹیں نمی سے بھربھری ہو چکی تھیں۔ نپولین نے آخر میں فرش پر ہاتھ پھیرا‘ صحافی نے گھبرا کر نیچے دیکھا فرش سے ٹائلیں غائب تھیں اور اس کے پلنگ کے پائے آدھ آدھ فٹ تک زمین میں دھنس چکے تھے۔ صحافی کوٹھڑی کے مشاہدے سے فارغ ہوا تو نپولین نے شگفتہ لہجے میں پوچھا ”تم خود بتاؤ کیا یہ جگہ بادشاہوں کے رہنے کے قابل ہے“ صحافی نے افسوس سے گردن ہلا کر جواب دیا ”نہیں ایکسی لینسی ہرگز نہیں لیکن آپ اس سلوک پر احتجاج کیوں نہیں کرتے“ نپولین نے قہقہہ لگایا اور نوجوان صحافی کا بازو دبا کر کہا ”بادشاہ حکم دیتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں‘ احتجاج نہیں کیا کرتے۔“

خواتین وحضرات! حکومت حکم کا نام ہوتا ہے اور جس حکومت میں آپ کو حکم اور اس حکم پر عملدرآمد نظر نہ آئے آپ اس حکومت کو حکومت نہیں کہہ سکتے۔ انگریزی کا ایک محاورہ ہے حکومت رٹ کا نام ہے اور اگر حکومت کی رٹ ختم ہوجائے تو حکومت دم توڑ جاتی ہے۔ آج ہماری حکومت چوتھے ماہ میں داخل ہوچکی ہے‘ یہ پاکستان کی تاریخ کی واحد حکومت تھی جس نے ازلی دُشمن جماعتوں کی کولیشن سے جنم لیا تھا اور عوام کو اس حکومت سے بے شمار توقعات تھیں۔ عوام کا خیال تھا یہ حکومت ملک کے تمام مسائل حل کردے گی لیکن بدقسمتی سے حکومت نہ صرف ان کی توقعات پر پوری نہ اتر سکی بلکہ آپ کو عملاً ملک کے کسی حصے میں حکومت نظر ہی نہیں آتی۔ آپ کے سامنے ایک حکومت ہے جس میں صدر بھی ہے‘ وزیراعظم بھی‘ کابینہ بھی اور پارلیمنٹ بھی لیکن اس حکومت کے اختیارات کہاں ہیں؟ اس سوال کا جواب پاکستان کے کسی شخص کے پاس نہیں ہے۔

خواتین وحضرات! حکومت کہاں ہے؟ حکومت کی اصل طاقت اور اصل اختیارات کس کے پاس ہیں اور کہیں ہم ایک نئے سیاسی بحران کا شکار تو نہیں ہونے والے۔ میں یہاں آپ کو آخری حصے

کے بارے میں بھی بتا تا چلوں۔ نپولین سے کسی نے پوچھا تھا ’’کوئی بری قوم‘ اچھی قوم کیسے بن سکتی ہے‘‘ نپولین نے اس کا کیا جواب دیا تھا‘ یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! نپولین نے کہا تھا ’’صرف اچھی مائیں ہی اچھی قوم بنا سکتی ہیں اور جس قوم کی مائیں اچھی نہیں ہوتیں وہ قوم کبھی اچھی نہیں بن سکتی۔‘‘ دوسرا اس نے کہا تھا ’’ایک اخبار میں ہزار تلواروں سے زیادہ طاقت ہوتی ہے چنانچہ اگر تم کسی بری قوم کو اچھا بنانا چاہتے ہو تو اس کے صحافیوں اور اخباروں کو اچھا بنا دو‘ وہ قوم اچھی بن جائے گی‘‘ اور تیسرا نپولین نے کہا تھا ’’اچھے حکمران بری قوموں کو اچھا بنا جاتے ہیں‘ اگر بھیڑوں کے ریوڑ کو شیر کی قیادت مل جائے تو وہ ریوڑ کو لشکر بنا دیتا ہے اور اگر شیروں کی قیادت بھیڑ کو دے دی جائے تو وہ شیروں کو گھاس کھانے پر مجبور کر دیتی ہے اور جو قوم اپنے لئے اچھے لیڈر منتخب نہیں کرتی وہ قوم کبھی اچھی نہیں بن سکتی۔‘‘

(04 جولائی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

خطرے کی بُو

آغاز:

خواتین وحضرات! 27 اپریل 1936ء کو بھارت کے مشہور شہر بھوپال میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا‘ سات بہن بھائیوں میں اس کا نمبر چھٹا تھا اور اس کے والد ضلع ہاشنگ آباد میں ہیڈ ماسٹر تھے‘ 1952ء میں یہ بچہ کراچی آ گیا اور اس نے محلہ شیر شاہ میں سکونت اختیار کر لی‘ اس نے عام سے کالج سے ایف ایس سی کی‘ پھر بی ایس سی کی اور اس کے بعد گیارہویں گریڈ میں بھرتی ہو گیا‘ سرکاری نوکری کے دوران اسے جرمنی کا سکالرشپ مل گیا‘ اس نے جرمنی سے ایم ایس سی کی‘ پھر وہ ہالینڈ کی ٹیکنیکل یونیورسٹی میں داخل ہوا‘ وہاں سے میٹالرجی میں ماسٹر کیا اور 1967ء میں وہ واپس پاکستان آیا۔ ان دنوں کراچی میں سٹیل ملز کا منصوبہ شروع ہوا تھا‘ اس نے سٹیل ملز میں سترہویں گریڈ میں ملازمت کے لئے اپلائی کیا لیکن کمیٹی نے اسے انٹرویو میں فیل کر دیا لہٰذا وہ مجبوراً واپس ہالینڈ چلا گیا اور اس نے بیلجیئم میں پی ایچ ڈی کر لی‘ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس شخص نے ہالینڈ کی ایک فرم میں نوکری کر لی‘ یہ فرم ان دنوں یورینیم کی افزودگی کا پلانٹ بنا رہی تھی یہاں سے اس شخص کی ایک نئی کہانی کا آغاز ہوا۔

خواتین وحضرات! آپ کو یقیناً اب تک اس شخص کا نام معلوم ہو چکا ہوگا۔۔ جی ہاں یہ دُنیا کے نامور سائنس دان اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی کہانی تھی‘ ڈاکٹر 1975ء میں اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی دعوت پر پاکستان آئے تھے اور انہوں نے محض تین سالوں میں پاکستان میں یورینیم کی افزودگی کا جدید ترین سسٹم ’’الٹراسینٹری فیوج پلانٹ‘‘ لگا دیا تھا اور اس پلانٹ کی مدد سے پاکستان نے 1984ء میں ایٹم بم بنا لیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان دسمبر 1975ء میں جب ہالینڈ سے نکلے تو اس دن سے مغربی میڈیا نے ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا‘ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف پروپیگنڈا جاری ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف اس پروپیگنڈے میں 2004ء کے شروع میں اس وقت زیادہ شدت آ گئی جب مغربی میڈیا میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نے لیبیا' ایران اور شمالی کوریا کو سینٹری فیوج پلانٹ بنا کر دیئے ہیں۔ ان دنوں صدر پرویز مشرف نے میڈیا کے چند لوگوں کو بریفنگ کے لئے ایوان صدر بلایا تھا' میں بھی اس بریفنگ میں شریک تھا' اس بریفنگ میں صدر نے انکشاف کیا تھا کہ لیبیا اور ایران کی حکومت نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف چند ثبوت امریکی عہدیداروں کے حوالے کر دیئے ہیں اور یہ ثبوت اتنے سالڈ ہیں کہ ہم ان کی تردید نہیں کر سکتے۔ امریکی حکومت نے یہ ثبوت پاکستان بھجوا دیئے ہیں بہرحال قصہ مختصر حکومت نے 2004ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو خصوصی تحویل میں لے لیا اور اس دن سے ڈاکٹر صاحب نظر بند ہیں۔ چند روز قبل ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جاپان کے ایک روزنامے کو ایک انٹرویو دیا اور اس میں انہوں نے انکشاف کیا 2000ء میں سینٹری فیوج سسٹم کے اہم پرزے شمالی کوریا بھجوائے گئے تھے اور صدر پرویز مشرف اس سے واقف تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے اس انکشاف کے بعد ایک بار پھر ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے بارے میں کنٹروورسی شروع ہو گئی۔ گزشتہ روز سٹرٹیجک پلاننگ ڈویژن کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) خالد قدوائی نے سینئر صحافیوں کو بریفنگ دی' اس بریفنگ میں جنرل خالد قدوائی نے کہا شمالی کوریا کو سینٹری فیوجز ڈاکٹر قدیر نیٹ ورک نے بھجوائے تھے اور ان کے پاس ڈاکٹر قدیر کے جوہری پھیلاؤ کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان لیبیا' ایران اور شمالی کوریا کو ایٹمی مواد سمگل کرتے رہے تھے۔ جنرل خالد قدوائی کا کہنا تھا 2003ء میں شمالی کوریا کو سینٹری فیوجز بھیجے جانے کی تحقیقات ہوئی تھیں اور ڈاکٹر صاحب نے انکوائری ٹیم کے سامنے سینٹری فیوجز کوریا سمگل کرنے کا اعتراف کیا تھا اور اسی اعتراف کی بنیاد پر انہیں معافی دی گئی تھی اور ڈاکٹر صاحب نے معافی نامے پر رضاکارانہ طور پر دستخط کئے تھے۔ جنرل صاحب نے بتایا ڈاکٹر صاحب کو مشروط معافی دی گئی تھی اور معافی نامہ میں انہوں نے یہ یقین دہانی کرائی تھی وہ پاکستان کی سلامتی کیخلاف بات نہیں کریں گے۔ جنرل خالد قدوائی نے کہا ڈاکٹر صاحب کو اندرونی اور بیرونی خطرات لاحق ہیں' ان کے خلاف اسرائیل کے آپریشن کا خطرہ بھی ہے چنانچہ ان کو سیکورٹی کور فراہم کیا جا رہا ہے۔ خالد قدوائی نے کہا میں نے چار' ساڑھے چار سال کے عرصے میں ان کو ذاتی طور پر پیش کش کی تھی وہ جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں لیکن وہ نہیں مانے۔ وہ اپنے دوستوں سے ملنا چاہتے تھے ہم نے ان سے دوستوں کی فہرست مانگی' انہوں نے تیس افراد کی فہرست دی ہم نے 26 افراد سے ان کی ملاقات کرائی' وہ ہوٹل میں جانا چاہتے تھے ہم نے انہیں سیکورٹی کے ساتھ جانے کی اجازت دی اور ہم انہیں اکیڈمی آف سائنسز لے گئے۔

خواتین وحضرات! ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے انٹرویو اور انٹرویو پر جنرل خالد قدوائی کے ردعمل کے بعد یہ ایشو مزید الجھ گیا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے اگر الزامات اور جواب الزامات کا یہ سلسلہ نہ رکا تو ہمارا ایٹمی پروگرام خطرات کا شکار ہو جائے گا۔

خواتین وحضرات! کیا ہمارے جوہری پروگرام کو خطرات درپیش ہیں' جنرل خالد قدوائی کی وضاحت پر ڈاکٹر عبدالقدیر کا کیا ردعمل ہے اور اس ایشو کا اختتام کیا ہوگا۔ یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! جوہری معلومات کی سمگلنگ میں کون کون ملوث ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اب اس بحث سے نکل جانا چاہئے کیونکہ اس بحث کا اونٹ جس بھی کروٹ بیٹھا اس کا نقصان پاکستان کو پہنچے گا۔ مجھے خطرہ ہے اگر صدر پرویز مشرف اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے یہ مسئلہ ختم نہ کیا تو عالمی برادری اور امریکہ آگے آ جائے گا اور اگر امریکہ ایک بار آگے آ گیا تو یہ اس وقت تک واپس نہیں جائے گا جب تک ایشو اور فریقین دونوں ختم نہ ہو جائیں اور مجھے اس ایشو میں خطرے کی یہ بو محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے خطرہ ہے ہم نے اگر کل تک اس مسئلے کو ختم نہ کیا تو یہ ایشو ہم سب کو ختم کر دے گا۔

(06 جولائی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

وعدے نہ کریں

آغاز:

خواتین وحضرات! یہ پہلی گلف وار کے دنوں کی بات ہے' راولپنڈی میں بلدیاتی الیکشن ہو رہے تھے اور جس طرح اُمیدوار الیکشنز میں ووٹروں کو متاثر کرنے کے لئے دھڑا دھڑ جلسے کرتے ہیں بالکل اسی طرح مختلف دھڑوں نے جلسے شروع کر دیئے' الیکشن سے ایک دن قبل راجہ بازار میں ایک اُمیدوار نے جلسہ کیا' جلسے کے آخر میں انتخابی روایات کے مطابق اُمیدوار کو خطاب کی دعوت دی گئی' اب منظر یہ تھا' اُمیدوار آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسٹیج پر آیا اور خطاب شروع کر دیا' دوران خطاب وہ جذبات کی رو میں بہتا چلا گیا' جب جلسہ خوب گرم ہو گیا تو اُمیدوار نے فضا میں مکا لہرایا اور گلہ پھاڑ کر بولا ''میرے بھائیو اور بہنو۔ اگر میں کامیاب ہو گیا تو میں امریکی فوج کو عراق سے باہر نکال دوں گا'' اُمیدوار کے بس اتنا کہنے کی دیر تھی کہ جلسہ گاہ نعروں سے گونج اُٹھی' لوگ تالیاں بجانے لگے اور اپنی اپنی نشستوں پر کھڑے ہو کر نعرے لگانے لگے لیکن اس سے قبل کہ اُمیدوار یہودیوں سے بیت المقدس اور بھارت سے کشمیر آزاد کرانے جیسے مسائل بھی اپنے ایجنڈے میں شامل کرتا' جلسہ گاہ سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور اُمیدوار کو مخاطب کر کے چلا کر بولا ''لیکن قریشی صاحب آپ یہ کریں گے کیسے؟'' نوجوان کے سوال پر جلسہ گاہ میں خاموشی چھا گئی' اُمیدوار نے دائیں بائیں دیکھا اور دانت پیس کر بولا ''میرے بھائیو اور بہنو۔ میرا یہ بھائی مجھ سے پوچھتا ہے ہم امریکیوں کو عراق سے باہر کیسے نکالیں گے۔ تو سنو ہم امریکیوں کو۔۔۔'' یہاں پہنچ کر اُمیدوار رک گیا' اس نے راسٹرم پر مکا مارا' بڑبڑایا اور فقرہ مکمل کرنے کی کوشش کرنے لگا جب ناکام ہو گیا تو اس نے دوبارہ مکا فضا میں لہرایا اور بولا ''ہم امریکیوں کو عراق سے کیسے نکالیں گے اس کا جواب میں آپ کو کامیاب ہونے کے بعد دوں گا۔''

خواتین وحضرات! بلدیاتی الیکشن کا وہ اُمیدوار پاکستان کا ایک سچا اور کھرا سیاست دان تھا' پاکستان میں سیاست دانوں کے ہمیشہ دو چہرے ہوتے ہیں' الیکشن سے پہلے اور الیکشن کے بعد کا چہرہ۔ الیکشن سے پہلے ہر جماعت ایک خوبصورت منشور پیش کرتی ہے اور اس منشور میں وہ تمام مطالبات اور مسائل موجود ہوتے ہیں جو عوام کی خواہش ہوتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جوں ہی یہ جماعت یا اُمیدوار اسمبلی میں پہنچے گا تو عوام کے یہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے لیکن ناظرین جوں ہی وہ پارٹی یا اُمیدوار اسمبلی پہنچتا ہے تو اس کا موقف بدل جاتا ہے اور وہ کبھی پچھلی حکومت پر الزامات لگا کر وقت گزارنے لگتا ہے اور کبھی ہم یہ کریں گے' ہم وہ کریں گے جیسے دعووں کی مدد سے اقتدار کے مزے لوٹتا رہتا ہے۔

خواتین وحضرات! اس بار بھی صورتِ حال مختلف نہیں' ہمارے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے وزارت عظمٰی کا حلف اُٹھانے کے بعد 100 دن کے پروگرام کا اعلان کیا تھا' اس اعلان میں انہوں نے عوام سے وعدہ کیا تھا وہ سو دنوں میں طلباء اور ٹریڈ یونینز پر عائد پابندی ختم کر دیں گے' قومی احتساب بیورو کو انتظامیہ کے بجائے عدلیہ کے ماتحت کر دیں گے' عدلیہ کو آزاد اور ججز کو بحال کیا جائے گا' دہشت گردی کا خاتمہ کیا جائے گا' ملک میں امن وامان قائم کیا جائے گا' دو ہفتوں کے اندر سویلین اداروں سے فوجی افسران کو واپس بھیج دیا جائے گا' میڈیا کو آزاد کیا جائے گا' ایف سی آر کے فرسودہ قوانین ختم کر دیئے جائیں گے' لوڈشیڈنگ پر قابو پانے کے لئے حکومت کی طرف سے بچت مہم چلائی جائے گی' ایک کروڑ انرجی سیور مناسب قیمت پر عوام کو دیئے جائیں گے' اس کے علاوہ وزیراعظم نے اپنے پہلے سو دن کے ایجنڈے میں نہریں اور کھالیں پختہ کرنے' غریب خاندانوں کو ملازمت دینے' ریٹائر ہونے والے سرکاری ملازمین کو مکان دینے' قدرتی آفات کی وجہ سے معذور ہونے والے سرکاری ملازمین کو مکمل فوائد دینے' دیہی علاقوں میں سرکاری زمین پر پانچ مرلے کے مکان بنانے' شہروں میں اسی گز کے پلاٹ پر مکان بنانے اور ہر سال بے گھر لوگوں کے لئے دس لاکھ مکان بنانے' کچی آبادیوں کو ریگولرائز کرنے' ہوائی اڈوں سے وی آئی پی کاؤنٹر ختم کرنے' کسی وزیر کے سرکاری خرچ پر اکانومی پلس سے اُوپر کے درجہ میں سفر نہ کرنے' وزیروں کو سولہ سو سی سی سے زیادہ والی گاڑی استعمال نہ کرنے' پارلیمان کی تمام کمیٹیوں کی کارروائی اوپن کرنے' آئی آر او کو ختم کرنے' برطرف اور چھانٹی کیئے گئے ملازمین کو بحال کرنے' کم سے کم ماہانہ اجرت چھ ہزار کرنے' تمام سیاسی قیدیوں کو باعزت بری کرنے' بلوچ قوم کے ساتھ ہونے والے مظالم کا ازالہ کرنے اور میثاق جمہوریت اور مری اعلامیہ پر مکمل طور پر عمل کرنے کا بھی اعلان کیا تھا۔

خواتین وحضرات! آج وزیراعظم کے اس اعلان کو سو دن پورے ہو چکے ہیں اور ہم آج یہ جائزہ لیں گے حکومت نے سو دنوں میں ان میں سے کون‘ کون سے منصوبے مکمل کئے ہیں اور حکومت نے اپنے کون‘ کون سے وعدے پورے کئے ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! جذباتی آدمی جب خوش ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ اپنی استطاعت سے بڑا وعدہ کرتا ہے اور غریب اور مسکین شخص جب کسی کی مہربانی پر خوش ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ احسان کرنے والے کی اوقات اور اس کی مہربانی سے بڑی دُعا دیتا ہے۔ چارلس ڈیگال نے کہا تھا ”حکمرانوں کو وعدوں میں کنجوس اور منصوبوں میں فراخ دل ہونا چاہئے“ اچھی حکومتیں اور اچھے حکمران ہمیشہ کم وعدے کرتے ہیں اور زیادہ ڈیلیور کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے حکومت نے شروع میں وعدے زیادہ اور بھاری کر لئے تھے اور ظاہر ہے حکومت یہ سارے وعدے پورے نہیں کر سکی لیکن اس کے باوجود ہمیں حکومت پر حسن ظن رکھنا چاہئے ہو سکتا ہے حکومت جو کام آج تک نہیں کر سکی شائد وہ کام کل تک کر دے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں حکومت سے اتنی درخواست بھی کروں گا‘ حکومت کام کرے نہ کرے لیکن وعدے نہ کرے کیونکہ عوام کو جھوٹے وعدے مسائل سے زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔

(07 جولائی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

بڑی اور بری موت

آغاز:

خواتین وحضرات! شاعر مشرق علامہ اقبال کے بعد فیض احمد فیض اُردو کے سب سے بڑے شاعر سمجھے جاتے ہیں‘ فیض صاحب کا تعلق بھی علامہ اقبال کی طرح سیالکوٹ سے تھا‘ وہ بھی شاعر مشرق کی طرح اپنی شاعری میں فارسی اور عربی کے الفاظ استعمال کرتے تھے اور ان کی شاعری میں بھی انقلاب کے ساتھ ساتھ جمالیات نظر آتی ہیں۔ اپنے اپنے وقت کے ان دونوں بڑے شاعروں میں موجود ان سم لیریٹز کے باوجود کچھ نظریاتی اختلافات بھی تھے مثلاً علامہ اقبال دائیں بازو کے شاعر تھے جبکہ فیض صاحب پر کمیونزم‘ اشتراکیت اور روس نوازی کا ٹھپہ لگ گیا تھا اور فیض صاحب پوری زندگی اس ٹھپے کی سزا بھگتتے رہے تھے۔ انہوں نے اس ملک میں قید بھی کاٹی‘ جلاوطنی بھی دیکھی‘ تیر دشنام بھی سہے‘ روز ناکام بھی دیکھے‘ صبح ناشاد بھی کاٹی اور وہ رسم الزام کا شکار بھی ہوئے اور یہ وہ ساری سزائیں ہیں جو اس ملک میں ہر محب وطن‘ ہر ایماندار اور ذہنی‘ جسمانی اور روحانی طور پر بالغ ہر شخص کو بھگتنا پڑتی ہیں اور فیض صاحب کیونکہ ایک درویش صفت ایک ٹرو انٹیلیکچوئل اور ایک ایماندار محب وطن شخص تھے چنانچہ وہ ان سزاؤں سے کیسے بچ سکتے تھے۔

خواتین وحضرات! فیض صاحب کی زندگی کا ایک واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ یہ جنرل ضیاء الحق کا دور تھا‘ افغانستان میں جہاد شروع ہو چکا تھا اور صوبہ سرحد سے بری بری خبریں آ رہی تھیں‘ ایک دن فیض صاحب لاہور کے پاک ٹی ہاؤس میں بیٹھے تھے اچانک دروازہ کھلا اور شاعر انقلاب حبیب جالب گھبرائے ہوئے اندر داخل ہوئے اور فیض صاحب سے مخاطب ہو کر بولے ”فیض صاحب‘ فیض صاحب میرے پاس ایک بہت بری خبر ہے“ فیض صاحب نے گھبرا کر جالب صاحب

کی طرف دیکھا‘ جالب صاحب جذباتی لہجے میں بولے ’’فیض صاحب مجھے یقین ہو گیا ہے‘ یہ ملک نہیں چلے گا‘‘۔ فیض صاحب نے پوچھا ’’کیا تم مجھے یہی بری خبر سنانا چاہتے تھے‘‘ جالب صاحب نے ہاں میں گردن ہلا دی‘ فیض صاحب مسکرائے‘ انہوں نے سگریٹ کا لمبا سا کش لیا اور آہستہ سے بولے ’’بھئی میرے پاس اس سے بھی زیادہ بری خبر موجود ہے‘‘ جالب صاحب نے پوچھا ’’فیض صاحب وہ کیا‘‘ فیض صاحب بولے ’’جالب بری خبر یہ نہیں کہ یہ ملک نہیں چلے گا بلکہ بری خبر یہ ہے کہ یہ ملک اسی طرح چلتا رہے گا‘‘۔ فیض صاحب رکے اور اس کے بعد انہوں نے بڑے تاریخی الفاظ کہے اور میں روز صبح جب اخبارات کھولتا ہوں اور ان میں سینکڑوں بری خبریں پڑھتا ہوں تو مجھے بے اختیار فیض صاحب کے وہ الفاظ یاد آ جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے میں آج جب آپ کو وہ الفاظ سناؤں گا تو آپ بھی میری طرح فیض صاحب کے وہ الفاظ روزانہ یاد کیا کریں گے لیکن فیض صاحب کے وہ الفاظ کیا تھے ۔۔ یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔ سردست ہم آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

آج کی چار بڑی خبریں ہیں‘ حکومت نے پٹرولیم کی مصنوعات کی قیمت چار روپے لیٹر کمی کا فیصلہ کیا ہے اور پاکستان کی تاریخ میں دوسری مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ مٹہ میں شدت پسندوں کے خلاف سیکورٹی فورسز کا آپریشن جاری ہے‘ اس آپریشن میں اب تک چالیس طالبان جاں بحق ہو چکے ہیں جبکہ معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے آج کراچی بار سے خطاب کیا اور اس خطاب میں انہوں نے فرمایا ’’گڈ گورننس کے لئے عدلیہ کی آزادی ناگزیر ہے‘‘ اور آخری خبر وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کا امریکہ کا دورہ ہے جس کے بارے میں ابھی تک تجزیہ نگار یہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ وہ اس دورے کو کامیاب قرار دیں یا ناکام۔ ان تمام خبروں کے علاوہ آج کل ایک اور خبر بھی گردش کر رہی ہے کہ حکومت نے چند معطل ججز کو موجودہ ججز کے ساتھ بیٹھنے کے لئے تیار کر لیا ہے۔ حکومتی حلقوں کا کہنا ہے ان ججز کا تعلق کراچی کے ساتھ ہے اور یہ ججز چند دنوں میں دوبارہ اوتھ لے کر عدالتوں میں بیٹھ جائیں گے لیکن گزشتہ روز افتخار محمد چودھری نے کراچی میں ایک عشائیہ کے دوران ان ججز کے ساتھ ملاقات کی اور اس ملاقات کے دوران ان ججز نے معزول چیف جسٹس کو اپنی بھرپور مدد کی یقین دہانی کرا دی جس کے بعد ظاہر ہے حکومتی موقف سچ ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! فیض صاحب نے کہا تھا ’’قدرت جب کسی شخص یا قوم سے ناراض ہوتی ہے تو وہ اسے برے حالات میں رہنے کی عادت ڈال دیتی ہے اور وہ قوم یا شخص اپنے برے حالات سے سمجھوتہ کر لیتا ہے اور برے حالات سے سمجھوتہ سب سے بری اور بڑی موت ہوتی ہے۔‘‘

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم برے حالات سے سمجھوتہ کر چکے ہیں‘ ہم نے تسلیم کر لیا ہے یہ ملک ٹھیک نہیں ہو سکتا چنانچہ اس یقین کے نتیجے میں ہم نے کوشش ترک کر دی ہے اور کوشش کا ترک کر دینا‘ برے حالات سے سمجھوتہ کر لینا اور چیزوں کو جوں کا توں تسلیم کر لینا قوموں کی سب سے بڑی اور بری موت ہوتی ہے اور اگر ہم نے کل تک اپنی کوشش‘ اپنی جدوجہد اور اپنی سٹرگل کو زندہ نہ کیا تو یقین کر لیجئے ہم تاریخ کے اس گڑھے میں گر جائیں گے جس سے قوموں کی آخری آواز تک باہر نہیں آتی۔ یاد رکھئے اللہ تعالیٰ قوموں کو اپنی غلطیاں سدھارنے کا زیادہ موقع نہیں دیا کرتا اور ہم لوگ اپنے حصے سے زیادہ غلطیاں کر چکے ہیں۔

(30 جولائی 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

تم تقدیر کو دھوکہ نہیں دے سکتے

آغاز:

خواتین وحضرات! سب سے پہلے آپ کو رمضان مبارک ہو‘ میری دُعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقدس مہینے کی ساری برکتیں اور انعام عنایت کرے۔

خواتین وحضرات! میں پچھلے پندرہ برسوں سے اخبار میں کالم لکھ رہا ہوں‘ میں نے ان پندرہ برسوں میں ہزاروں کالم لکھے ہیں لیکن ان میں صرف دس ایسے کالم ہیں جن پر مجھے فخر ہے‘ ان دس کالموں میں ایک کالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث مبارکہ پر مشتمل تھا‘ میں آج آپ کو وہ حدیث مبارکہ سنانا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ انسان ہوں یا قومیں ان کے صرف 25 مسائل ہیں اور اگر قومیں اور انسان یہ 25 مسائل حل کر لیں تو ان کے لئے نہ صرف جنت کے دروازے کھل جائیں بلکہ یہ ساری دُنیا بھی ان کے لئے جنت بن جائے اور اس حدیث مبارکہ میں انسان کے انہیں 25 مسائل کا حل موجود ہے۔ ایک بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں امیر بننا چاہتا ہوں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ارشاد فرمایا ''قناعت کرو امیر ہو جاؤ گے'' بدو نے عرض کیا ''عالم بننا چاہتا ہوں'' فرمایا ''تقویٰ اختیار کرو عالم بن جاؤ گے'' عرض کیا ''عزت والا بننا چاہتا ہوں'' فرمایا ''لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا بند کر دو باعزت ہو جاؤ گے'' عرض کیا ''اچھا انسان بننا چاہتا ہوں'' فرمایا ''لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ'' عرض کیا ''عادل بننا چاہتا ہوں'' فرمایا ''جو اپنے لئے اچھا سمجھتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو'' عرض کیا ''طاقتور بننا چاہتا ہوں'' فرمایا ''اللہ پر توکل کرو'' عرض کیا ''اللہ کے دربار میں خاص درجہ چاہتا ہوں'' فرمایا ''کثرت سے اللہ کا ذکر کرو'' عرض کیا ''رزق کی کشادگی چاہتا ہوں'' فرمایا ''ہمیشہ وضو میں رہو'' عرض کیا ''دُعاؤں کی قبولیت

چاہتا ہوں'' فرمایا ''حرام نہ کھاؤ'' عرض کیا ''ایمان کی تکمیل چاہتا ہوں'' فرمایا ''اخلاق اچھے کر لو'' عرض کیا ''قیامت کے روز گناہوں سے پاک ہو کر اللہ سے ملنا چاہتا ہوں'' فرمایا ''غسل کیا کرو'' عرض کیا ''گناہوں میں کمی چاہتا ہوں'' فرمایا ''کثرت سے توبہ کیا کرو'' عرض کیا ''قیامت کے روز نور میں اُٹھنا چاہتا ہوں'' فرمایا ''ظلم کرنا چھوڑ دو'' عرض کیا ''چاہتا ہوں اللہ مجھ پر رحم کرے'' فرمایا ''اللہ کے بندوں پر رحم کرو'' عرض کیا ''چاہتا ہوں اللہ میری پردہ پوشی کرے'' فرمایا ''لوگوں کی پردہ پوشی کرو'' عرض کیا ''رسوائی سے بچنا چاہتا ہوں'' فرمایا ''بدکاری سے بچو'' عرض کیا ''چاہتا ہوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب بن جاؤں'' فرمایا ''جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے اسے اپنا محبوب بنا لو'' عرض کیا ''اللہ کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں'' فرمایا ''فرائض ادا کرو'' عرض کیا ''احسان کرنے والا بننا چاہتا ہوں'' فرمایا ''اللہ کی یوں بندگی کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو یا جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے'' عرض کیا ''گناہوں سے کون سی چیز معافی دلائے گی'' فرمایا ''آنسو‘ عاجزی اور بیماری'' عرض کیا ''کیا چیز دوزخ کی آگ ٹھنڈا کرے گی'' فرمایا ''دُنیا کی مصیبتوں پر صبر'' عرض کیا ''اللہ کے غصے کو کیا چیز سرد کرتی ہے'' فرمایا ''چپکے چپکے صدقہ اور صلہ رحمی'' عرض کیا ''سب سے بڑی برائی کیا ہے'' فرمایا ''بداخلاقی اور کنجوسی'' عرض کیا ''سب سے بڑی اچھائی کیا ہے'' فرمایا ''اچھے اخلاق‘ تواضع اور صبر'' اور آخر میں عرض کیا ''اللہ کے غصے سے بچنا چاہتا ہوں'' فرمایا ''لوگوں پر غصہ کرنا چھوڑ دو۔''

خواتین وحضرات! یہاں پر حدیث مبارکہ ختم ہو جاتی ہے‘ یہ دُنیا کے 25 سلگتے ہوئے مسائل ہیں اور آپ دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسائل کا کتنا آسان اور خوبصورت حل دے دیا۔

خواتین وحضرات! آج کے موضوعات کی طرف آتے ہیں‘ گزشتہ روز اچانک میاں نواز شریف اور ان کے خاندان کے خلاف نیب کے تین ریفرنسز ری اوپن کر دیئے گئے ہیں اور کل ان مقدمات کی پہلی پیشی ہو گی‘ ان ریفرنسز میں حدیبیہ پیپر ملز‘ رائے ونڈ میں غیر قانونی اثاثے اور اتفاق فونڈریز کے کیس شامل ہیں اور ان مقدمات میں شریف فیملی کے نو افراد کو عدالت میں طلب کیا گیا ہے۔ ان ریفرنسز کی ٹائمنگ بہت دلچسپ ہے۔ 6 ستمبر کو صدارتی الیکشن ہو رہے ہیں جبکہ 4 ستمبر کو شریف فیملی کے خلاف مقدمے ری اوپن ہو رہے ہیں لہٰذا یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہیں ان مقدمات کا صدارتی الیکشن کے ساتھ تو کوئی تعلق نہیں؟ اور یہ سوال ہمارا آج کا پہلا موضوع ہے جبکہ ہمارا دوسرا موضوع وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کی گاڑی پر حملہ ہے۔ یہاں میں آپ کو یہ بتا تا چلوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چار ایسی خصوصیات سے نواز رکھا ہے جو دُنیا کی کسی دوسری مخلوق کو نہیں دی گئیں۔ ان میں پہلے نمبر پر زبان یا الفاظ آتے ہیں‘ دوسری خصوصیت شعور ہے‘ تیسری خصوصیت انجوائے کرنے کی حس ہے اور چوتھی دھوکہ

دینے کی خصوصیت ہے۔ انسان اللہ کی واحد مخلوق ہے جو پوری دُنیا کو دھوکہ دے سکتا ہے یہاں تک کہ یہ دیوتاؤں اور خود اپنے آپ کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے لیکن اس کے باوجود دُنیا میں ایک ایسی چیز بھی موجود ہے جس کے سامنے انسان کی یہ خصوصیت بے بس ہے اور وہ چیز کیا ہے یہ میں آپ کو آخری حصے میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! انسان دُنیا کی ہر چیز کو دھوکہ دے سکتا ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف انسان کو عنایت کر رکھی ہے' انسان دیوتاؤں کو دھوکہ دے سکتا ہے' یہ چاند ستاروں اور موسموں کو دھوکہ دے سکتا ہے' یہ چڑھتے سورجوں اور ڈھلتی راتوں کو دھوکہ دے سکتا ہے' یہ پہاڑوں' دریاؤں' ندیوں' نالوں اور سمندروں کو دھوکہ دے سکتا ہے' یہ ہواؤں اور فضاؤں کو دھوکہ دے سکتا ہے' یہ دوسرے انسانوں کو دھوکہ دے سکتا ہے حتیٰ کہ یہ اپنے آپ کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے لیکن انسان اپنے مقدر کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ انسان کا مقدر اس کائنات کی وہ آخری حد ہے جہاں پہنچ کر انسان کے سارے دھوکے' سارے فریب اور سارے مکر جواب دے جاتے ہیں۔ یونانی کہاوت ہے تم دیوتاؤں کو شکست دے سکتے ہو لیکن تم اپنی تقدیر کو فتح نہیں کر سکتے کیونکہ تم کتنے ہی مضبوط' کتنے ہی بااختیار اور کتنے ہی صاحب دولت کیوں نہ ہو جاؤ تم رہتے بالآخر انسان ہی ہو۔

(03 اگست 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘
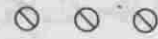
مجھے تم پر فخر ہے

آغاز:

خواتین وحضرات! یہ 2004ء کا سال تھا' امریکہ کے الیکشن تھے اور ری پبلکن پارٹی کی طرف سے صدر جارج بش صدارتی اُمیدوار تھے جبکہ ڈیموکریٹک پارٹی نے جان کیری کو اپنا صدارتی اُمیدوار بنا رکھا تھا' جان کیری ڈیموکریٹک پارٹی کا ایک پرانا سیاست دان تھا' وہ چوتھی بار سینیٹر منتخب ہوا اور اس وقت وہ سینٹ کی ایک کمیٹی کا چیئرمین ہے اور اس کا پیشہ وکالت تھا۔

خواتین وحضرات! میں بات آگے بڑھانے سے پہلے آپ کو امریکہ کے صدارتی الیکشن کی ایک خوبصورت روایت کے بارے میں بتاتا چلوں' امریکہ میں ری پبلکن پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی دو سیاسی جماعتیں ہیں' امریکہ میں چار برس بعد صدارتی الیکشن ہوتے ہیں اور ان الیکشنوں میں امریکہ کی دونوں سیاسی جماعتیں صرف اپنے صدارتی اُمیدوار کا اعلان کرتی ہیں جبکہ اُمیدوار نے الیکشن اپنے زور بازو پر لڑنا ہوتا ہے اور پارٹی اپنے اُمیدوار کو کسی قسم کی کوئی فیور نہیں دیتی یہاں تک کہ پارٹی اپنے اُمیدوار کو الیکشن کمپین کے لئے فنڈز یا رقم بھی فراہم نہیں کرتی لہٰذا صدارتی اُمیدوار الیکشن اخراجات پورے کرنے کے لئے عوام سے رجوع کرتے ہیں' اس رجوع کو ''فنڈ ریزنگ کمپین'' کہا جاتا ہے اور یہ کسی اُمیدوار کا پہلا الیکشن ٹیسٹ ہوتا ہے اور جو اُمیدوار اس مرحلے میں زیادہ فنڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اس کی کامیابی کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں' دونوں اُمیدوار بعد ازاں یہ فنڈز اپنے الیکشن ورکرز کی تنخواہوں' ٹرانسپورٹ' الیکشن کمپین میٹریل مثلاً ہینڈ بلز' ووٹر سلپس اور سٹیشنری وغیرہ اور اشتہارات پر خرچ کرتے ہیں۔ تمام اُمیدوار پابند ہوتے ہیں کہ وہ ہر تین ماہ بعد ان فنڈز کی ڈیٹیلز الیکشن کمیشن میں جمع کرائیں' وہ بتائیں کہ انہیں کس شخص' ادارے اور کمپنی نے کتنے فنڈز دیئے اور انہوں نے

یہ رقم کس کس جگہ خرچ کی، الیکشن کمیشن فنڈز کی یہ ڈیٹیلز بعدازاں عوام کے لئے اوپن کر دیتا ہے تاکہ اگر کسی شہری کو کوئی اعتراض ہو تو وہ اپنا اعتراض سامنے لے آئے، اس دوران اگر کوئی اعتراض سامنے آ جائے اور اعتراض ثابت ہو جائے تو اُمیدوار الیکشن سے ڈس کوالی فائی ہو جاتا ہے بہر حال میں واپس جان کیری کی طرف آتا ہوں۔ جان کیری نے انتخابی مہم شروع کی تو اسے فنڈز کی کمی کا سامنا ہوا، وہ فنڈ ریزنگ کمپین کے لئے نکلا تو اسے کمپین میں بھی ناکامی ہونے لگی، جان کیری کی بیوی پیکڈ فوڈ بنانے والی دُنیا کی دوسری بڑی کمپنی کی مالک تھی، جان کیری کی بیوی کو جب فنڈز کی کمی کی اطلاع ملی تو اس نے جان کیری سے کہا ''تم فکر نہ کرو تمہیں الیکشن کے لئے جتنے فنڈز چاہئیں وہ تمام فنڈز میں تمہیں فراہم کرنے کے لئے تیار ہوں''، جان کیری ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوا، اس نے چند سیکنڈز سوچا اور اس کے بعد بیوی سے کہا ''میں تم سے فنڈز لے کر اپنی ناکامی کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا'' کیری کی بیوی نے پوچھا ''وہ کیسے'' کیری بولا ''کیونکہ دُنیا کہے گی کہ جو جان کیری اپنی فنڈ ریزنگ کمپین نہیں چلا سکا وہ امریکہ کیا چلائے گا''، جان کیری کی بیوی نے اس کی اس لاجک سے اتفاق نہ کیا اور وہ اسے سمجھانے کے لئے مختلف دلیلیں دینے لگی۔ کیری بیوی کی بات سنتا رہا، جب وہ بول بول کر تھک گئی تو کیری نے اس سے ایک فقرہ کہا، یہ فقرہ سن کر بیوی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں حسب روایت آپ کو یہ فقرہ آخر میں سناؤں گا۔ سر دست میں آپ کو اتنا بتا دوں یہ جان کیری بعدازاں فنڈز کی کمی کے باعث جارج بش سے ہار گیا لیکن اس کا اُصول جیت گیا۔

خواتین وحضرات! کل، آنے والے کل کو صدارتی الیکشن ہے، اس الیکشن میں تین صدارتی اُمیدوار ہیں، پاکستان پیپلز پارٹی نے آصف علی زرداری کو اپنا اُمیدوار بنایا ہے جبکہ جسٹس ریٹائرڈ سعید الزمان صدیقی پاکستان مسلم لیگ ن اور سید مشاہد حسین مسلم لیگ ق کے اُمیدوار ہیں۔ ہم اگر نمبر گیم دیکھیں تو آصف علی زرداری بظاہر جیتتے ہوئے نظر آ رہے ہیں اور پارلیمانی جمہوریت کے اُصولوں کے مطابق صدارت آصف علی زرداری کا حق بنتا ہے کیونکہ ان کے پاس زیادہ ووٹ ہیں، زیادہ صوبوں میں ان کی حکومتیں ہیں اور یہ سب سے بڑی سیاسی جماعت کے سربراہ ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا نکتہ نظر بھی موجود ہے، پاکستان پیپلز پارٹی کے مخالفین کا کہنا ہے کل سے پورے ملک کی ذمہ داری ایک ایسے لیڈر پر آن پڑے گی جو حکمران اتحاد نہیں چلا سکا تھا، جس کا ایک بڑا کولیشن پارٹنر صدارتی الیکشن سے قبل اس کا ساتھ چھوڑ گیا تھا اور اس کی ذات اور شخصیت پر کرپشن کے بے شمار دھبے بھی موجود ہیں۔

خواتین وحضرات! پاکستان کا ایوان صدر کل کے صدارتی الیکشن کے بعد کیسا ہوگا، یہ ہمارا پہلا موضوع ہے اور ہمارا دوسرا اور اب تک کا سب سے بڑا موضوع سپریم کورٹ کے تین جج جسٹس میاں

شاکر اللہ جان، جسٹس تصدق حسین جیلانی اور جسٹس سید جمشید علی خان اور پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب طارق پرویز کا حلف ہے جبکہ ہمارا تیسرا موضوع پاکستان کے قبائلی علاقوں میں امریکی حملے ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! جان کیری نے اپنی بیوی سے کہا تھا ''اچھی حکومت کی جڑیں عوام کے دلوں میں ہوتی ہیں اور جس حکومت کی جڑ عوام کے دل تک نہ پہنچ رہی ہو اس حکومت کے پاس اقتدار تو ہوتا ہے لیکن عزت نہیں اور کیا تم چاہو گی کہ میں اقتدار کے لالچ میں اپنی عزت اور عزت نفس قربان کر دوں''، یہ سن کر جان کیری کی بیوی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے اپنے خاوند کو سیلوٹ کیا اور کہا ''کیری یو آر گریٹ'' مجھے تم پر فخر ہے۔''

خواتین وحضرات! کاش اس ملک میں بھی ایسا وقت آئے جب ہم اپنے سیاست دانوں کو سیلوٹ کریں اور ان سے کہیں ہمیں آپ پر فخر ہے۔ کاش ایسا وقت اس ملک میں بھی آ جائے۔ ایسا وقت جب اُصول حصول سے بلند ہوں اور اقدار اقتدار سے اونچی ہوں۔

(05 اگست 2008ء)

امریکن دوستی کا انجام

آغاز:

خواتین وحضرات! دُنیا کے ہر دن کا ایک سوال ہوتا ہے اور یہ سوال اس دن کا قیمتی ترین سوال ہوتا ہے۔ آج 18 اور 19 اگست 2008ء کا ''کواسچن آف دی ڈے'' یہ ہے کہ امریکہ نے اپنے وفادار صدر پرویز مشرف کو بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

خواتین وحضرات! ہمیں اس سوال کے جواب کے لئے ذرا سا ماضی میں جانا پڑے گا۔ دُنیا کی تاریخ میں امریکہ کا سب سے بڑا لائی اور وفادار دوست شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی تھا' یورپی پریس اسے ''امریکن گورنر'' کہتا تھا' وہ امریکی وفاداری میں اتنا آگے چلا گیا تھا کہ اس کے دور میں کوئی باپردہ خاتون گھر سے نکلتی تھی تو پولیس سرعام اس کا برقع پھاڑ دیتی تھی' شاہ ایران نے تمام زنانہ سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سکرٹ کو یونیفارم بنا دیا' شراب نوشی' رقص اور بدکاری فیشن بن گیا تھا۔ ایران دُنیا کا واحد ملک تھا جس میں کالجوں میں شراب کی دکانیں تھیں لیکن پھر جب اس شاہ ایران کا طیارہ ایران کی حدود سے باہر نکلا تو امریکہ نے آنکھیں پھیر لیں' وہ امریکہ سے مسلسل مدد مانگتا رہا لیکن وائٹ ہاؤس اس کا ٹیلی فون تک نہیں سنتا تھا۔ شاہ ایران سوا سال تک مارا مارا پھرتا رہا لیکن امریکہ نے اس کے اکاؤنٹس تک ''سیز'' کر دیئے تھے' شاہ ایران اس دربدری کے عالم میں جولائی 1980ء میں مصر میں انتقال کر گیا اور اسے اس کے بیڈروم میں امانتاً دفن کر دیا گیا۔

آپ ''اناس تاسیوسو'' کی مثال بھی لیجئے' وہ نکاراگوا میں امریکی ایجنٹ تھا' امریکہ نے اناس تاسیوسو کو ڈالر اور اسلحہ دے کر کمیونزم کے خلاف کھڑا کیا' تاسیوسو امریکہ کی جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر لڑتا رہا' وہ یہ جنگ لڑتا رہا' ملک سے فرار ہوا لیکن جوں ہی اس نے نکاراگوا سے باہر قدم رکھا امریکہ نے اسے

پہچاننے سے انکار کر دیا' اس نے امریکہ آنے کی کوشش کی لیکن امریکی حکومت نے اجازت نہ دی' یوں اناس تاسیوسو جنگلوں اور غاروں میں چھپ چھپ کر 1980ء میں انتقال کر گیا۔ چلی کے آمر ''جنرل اگستو پنوشے'' نے 1973ء میں سی آئی اے کی مدد سے اپنی منتخب حکومت پر شب خون مارا' اقتدار پر قبضہ کیا اور چلی کی عوام کے خلاف آپریشن شروع کر دیا۔ پنوشے نے 17 برسوں میں امریکہ کے کہنے پر ہزاروں شہری قتل کرائے' امریکہ کی ناپسندیدہ تنظیموں پر پابندیاں لگائیں اور امریکہ کی خواہش پر اپنے شہریوں کے انسانی حقوق غصب کئے رکھے' وہ مارچ 1990ء میں لندن فرار ہو گیا اور اس کا خیال تھا برطانیہ اور امریکہ اس کی وفاداریوں کی قدر کریں گے لیکن لندن آتے ہی برطانوی پولیس نے اسے گرفتار کر لیا' برطانوی حکومت نے اسے 2000ء میں چلی کے حوالے کر دیا' اس کے خلاف مقدمہ چلا' 3 دسمبر 2006ء کو اسے ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ دم توڑ گیا' امریکی حکومت نے اس کی موت پر ایک سطر کا تعزیتی پیغام تک جاری نہ کیا۔ انگولا کا باغی سردار ''جوناس سیومنی'' بھی امریکہ نواز لیڈر تھا' وہ برسوں انگولا میں امریکی مفادات کی جنگ لڑتا رہا' نومبر 1992ء میں امریکہ نے اسے کیمونسٹوں کے ساتھ امن معاہدے کا حکم دیا' اس نے معاہدے پر دستخط کر دیئے جس کے نتیجے میں جوناس سیومنی بے دست و پا ہو گیا' آج اس واقعہ کو 18 سال گزر چکے ہیں' جوناس سیومنی جان بچانے کے لئے چھپتا پھر رہا ہے لیکن امریکی حکومت اس کا ٹیلی فون تک نہیں سنتی۔ ''جنرل نوریگا'' پانامہ میں امریکہ کا آلہ کار تھا' اسے بھی امریکیوں نے کیمونسٹوں کے خلاف استعمال کیا۔ وہ 1990ء تک امریکی مفادات کی جنگ لڑتا رہا اور وہ گزشتہ چودہ برس سے جیل میں امریکی دوستی کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔ ''فرڈیننڈ مارکوس'' 22 برس تک فلپائن میں امریکی مفادات کی جنگ لڑتا رہا۔ اس نے فلپائن سے کیمونسٹوں کو چن چن کر ختم کر دیا لیکن 1986ء میں امریکہ ہی نے اس کی حکومت ختم کرادی' جس کے بعد مارکوس نے باقی زندگی ہونولولو کے ایک چھوٹے سے مکان میں گزاری اور اسے ایک عام پناہ گزین کے برابر وظیفہ ملتا تھا۔ 1979ء ہی میں امریکہ نے رہوڈیشیا میں بشپ ایبل منروریوا کو موغابے اور نکومو کے مقابلے میں کھڑا کیا' بشپ امریکیوں کے لئے لڑتا رہا لیکن جب وہ لڑتے لڑتے کمزور ہو گیا تو امریکہ نے اس کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا اور ناظرین صدر صدام حسین کی کہانی تو پوری دُنیا جانتی ہے۔ صدام حسین نے امریکہ کی ایماء پر 22 ستمبر 1980ء کو ایران پر حملہ کیا' یہ جنگ 8 سال تک جاری رہی اور اس میں دس لاکھ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ صدام حسین 1990ء تک امریکہ کا دوست رہا لیکن پھر امریکہ نے تیل کے لالچ میں عراق پر حملہ کر دیا' اس جنگ میں 86 ہزار عراقی شہری شہید ہوئے' 2003ء میں امریکہ نے ایک بار پھر عراق پر حملہ کیا' صدام حسین گرفتار ہوا اور امریکی ہدایات پر اسے 30 دسمبر 2006ء کو بغداد میں پھانسی دے

دی گئی۔

خواتین وحضرات! شاہ ایران سے لے کر صدام حسین تک امریکی تاریخ دوست کشی کی ہزاروں مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ امریکی اپنی خارجہ پالیسی کو ''ڈسپوزل ڈپلومیسی'' کہتے ہیں' ان کا فلسفہ ہے خریدو' استعمال کرو اور پھینک دو' امریکی ٹوتھ پیک ٹوٹنے سے پہلے بیوی بدل لیتے ہیں چنانچہ یہ لوگ اپنے دوستوں کو کاغذ کے گلاس' پلیٹ' ٹشو اور گندی جراب سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ یہ لوگ ہمیشہ کیس ٹو کیس اور پراجیکٹ ٹو پراجیکٹ چلتے ہیں چنانچہ ان کے دوست جنرل پنوشے ہوں' رضا شاہ پہلوی ہوں یا صدر پرویز مشرف ہوں یہ لوگ اس وقت انہیں دوست سمجھتے ہیں جب تک وہ ان کے لئے خدمات سرانجام دے سکتے ہیں اور جس دن انہیں محسوس ہوتا ہے یہ شخص ان کی ''ذمہ داری'' بنتا جا رہا ہے تو یہ ان کی قبروں تک پر ''سابق'' کی مہر لگا دیتے ہیں۔ یہ ہے امریکی دوستی اور اس کا انجام اور صدر پرویز مشرف اس پالیسی کا تازہ ترین شکار ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ہنری کسنجر امریکہ کے مشہور سیاست دان اور دانشور ہیں' انہوں نے امریکہ کی دوستی کے بارے میں ایک بڑا خوبصورت فلسفہ بیان کیا تھا۔ ہنری کسنجر نے ایک بار کہا تھا ''اگر آپ امریکہ کے دُشمن ہیں تو آپ کے بچنے کے چانسز ہو سکتے ہیں لیکن اگر آپ بدقسمتی سے ایک بار امریکہ کے دوست بن گئے تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت آپ کو امریکہ سے نہیں بچا سکتی۔'' صدر پرویز مشرف کا انجام ہمارے سامنے ہے' کاش ہمارے حکمران اس انجام کو سامنے رکھیں اور امریکہ کو اپنا قبلہ یا کعبہ نہ بنائیں' امریکہ کو امریکہ رہنے دیں کیونکہ اگر ان لوگوں نے صدر پرویز مشرف کے انجام سے کچھ نہ سیکھا تو ان کا انجام بھی صدر مشرف سے مختلف نہیں ہوگا۔

(18 اگست 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

اللہ تعالیٰ کی خوشی حاصل کرنے کا نسخہ

آغاز:

خواتین وحضرات! دُنیا میں آج تک جتنے بادشاہ اور خلفاء گزرے ہیں خلیفہ ہارون الرشید ان میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا تھا' ہارون الرشید کا تعلق عباسی خاندان سے تھا' وہ 22 برس کی عمر میں خلیفہ بنا تھا اور وہ بیک وقت ایک شاندار سپاہی' ایک عالم' ایک عبادت گزار شخصیت اور ایک عادل حکمران تھا' بغداد اس کا دارالحکومت تھا اور اس وقت بغداد کی آبادی 17 لاکھ تھی۔ ہارون الرشید کے دور میں تاریخ اسلام کی پانچ بڑی شخصیات امام مالک' امام شافعی' امام محمد' امام موسیٰ کاظم اور امام یوسف رضی اللہ عنہم بغداد میں مقیم تھے۔ ہارون الرشید نے الف لیلیٰ کے نام سے ایک طویل داستان تخلیق کروائی تھی' اس داستان میں ہزار کہانیاں تھیں اور یہ دُنیا کی واحد کتاب ہے جس کا ترجمہ دُنیا کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔ الہ دین کا چراغ ہو' علی بابا اور اس کے چالیس چور ہوں' عمرو عیار ہو یا امیر حمزہ ہو یہ سب وہ کردار ہیں جو خلیفہ ہارون الرشید نے سن 790 میں تخلیق کروائے تھے۔ ہارون الرشید کی ملکہ کا نام زبیدہ تھا اور اس نے مکہ معظمہ میں پہلی نہر کھدوائی تھی' یہ نہر' نہر زبیدہ کے نام سے مشہور تھی اور اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ نہر ہارون الرشید اور اس کی ملکہ زبیدہ دونوں کی بخشش کے لئے کافی ہے۔

خواتین وحضرات! ہارون الرشید کے دور میں بغداد میں ایک درویش رہتا تھا' اس درویش کا نام بہلول دانا تھا' بہلول دانا بیک وقت ایک فلاسفر اور ایک تارک الدنیا درویش تھا' اس کا کوئی گھر' کوئی ٹھکانہ نہیں تھا' وہ عموماً شہر میں ننگے پاؤں پھرتا رہتا تھا اور جس جگہ تھک جاتا تھا وہیں پر ڈیرہ ڈال لیتا تھا' لوگ اس کے پیچھے پیچھے پھرتے رہتے تھے' وہ جب کسی جگہ بیٹھ جاتا تھا تو لوگ اس

کے گرد گھیرا ڈال لیتے تھے جس کے بعد بہلول دانا بولتا رہتا تھا اور لوگ اس کے اقوال لکھتے رہتے تھے اگر کسی دن اس کا موڈ ذرا سا خوشگوار ہوتا تھا تو وہ لوگوں کو سوال کرنے کی اجازت بھی دے دیتا تھا اور اس کے بعد لوگ اس سے مختلف قسم کے سوال پوچھتے رہتے تھے۔ ہارون الرشید بھی اس کا بہت بڑا فین تھا اور جب کبھی بہلول دانا کا موڈ ذرا سا بہتر ہوتا تھا تو وہ بھی اس کی محفل میں شریک ہو جاتا تھا۔ ایک دن بہلول دانا محل کے پاس آ گیا' ہارون الرشید کو اطلاع ملی تو وہ اس کے پاس حاضر ہو گیا' بہلول نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور غصے سے پوچھا ''ہاں بتاؤ کیا تکلیف ہے'' ہارون الرشید نے ادب سے عرض کیا ''حضور میں یہ جاننا چاہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کسی حکمران سے خوش ہوتا ہے تو وہ اس کو کیا تحفہ دیتا ہے'' بہلول دانا نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور بولا ''اللہ اسے درست اور بروقت فیصلے کی قوت دیتا ہے'' ہارون الرشید نے پوچھا ''حضور اگر اللہ تعالیٰ کسی حکمران سے ناراض ہو جائے تو وہ اس سے کون سی چیز چھین لیتا ہے'' بہلول دانا نے چند لمحے سوچا اور ہنس کر بولا ''فیصلہ کرنے کی قوت'' ہارون الرشید نے اس کے بعد اس سے تیسرا سوال پوچھا ''حضور بادشاہ کو کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ اس سے خوش ہے یا ناراض۔'' اس سوال پر بہلول دانا نے ہارون الرشید کو ایک ایسا نسخہ بتایا جس کی مدد سے کوئی بھی شخص اللہ کی رضا کا اندازہ لگا سکتا ہے لیکن میں آپ کو وہ نسخہ آخر میں بتاؤں گا۔

خواتین وحضرات! آج سے تین دن قبل پاکستان مسلم لیگ ن نے پاکستان پیپلز پارٹی کو معطل ججز کی بحالی کے لئے 72 گھنٹے کی مہلت دی تھی' یہ مہلت آج دوپہر کے وقت پوری ہو گئی جس کے بعد حکمران اتحاد میں شامل تین جماعتوں کے سربراہان میاں نواز شریف' اسفند یار ولی اور مولانا فضل الرحمٰن نے آج مشترکہ پریس کانفرنس کی اور اس پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ معطل ججز کی بحالی کے لئے 25 اگست کو قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کی جائے گی' 26 اگست تک اس قرارداد پر بحث ہو گی اور 27 اگست بروز بدھ کو ججز بحال ہو جائیں گے۔ یوں معطل ججز کی بحالی کی ڈیڈ لائین 22 اگست سے 27 اگست تک چلی گئی' کیا یہ ڈیڈ لائین آخری ہے یا 27 اگست کو ایک اور ڈیڈ لائین جاری کر دی جائے گی؟ یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! خلیفہ ہارون الرشید نے بہلول دانا سے پوچھا تھا ''حضور بادشاہ کو کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے یا ناراض'' بہلول دانا نے اس کے جواب میں کہا تھا ''ہارون الرشید خوف اور خدا کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے اور جب خدا کسی حکمران سے ناراض ہوتا ہے تو وہ اس کے

دلوں میں خوف ڈال دیتا ہے اور خوف کی بنیادوں پر کئے گئے فیصلے کبھی مضبوط نہیں ہوتے' کبھی درست نہیں ہوتے اور کبھی بروقت نہیں ہوتے'' بہلول دانا نے کہا ''ہارون الرشید دنیا کا ہر وہ فیصلہ جو آپ کو قوت دے اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہوتی ہے اور ہر وہ فیصلہ جو آپ کو کمزور کر دے اس کے پیچھے اللہ کی ناراضی ہوتی ہے اور یہ چھوٹا سا نسخہ ہے۔''

خواتین وحضرات! میرا ذاتی خیال ہے معطل ججز کی بحالی اس ملک کے 17 کروڑ عوام کی خواہش ہے اور جو حکمران اس خواہش کا احترام کرے گا اسے اللہ کی تائید اور قوت نصیب ہو گی' اسے عوام کی محبت ملے گی' اب دیکھنا یہ ہے یہ محبت' یہ قوت اور یہ تائید کسے نصیب ہوتی ہے۔

(22 اگست 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

سب سے بڑی اپوزیشن

آغاز:

خواتین وحضرات! میں کچھ عرصے سے انقلاب ایران اور شاہ ایران کا بڑی کثرت سے ذکر کر رہا ہوں' اس ذکر کی دو بڑی وجوہات ہیں' پہلی وجہ اس انقلاب کی ٹائمنگ ہے' یہ انقلاب انقلابات کی تاریخ کا تازہ ترین ''ریوولوشن'' ہے اور میری نسل کے بے شمار لوگوں کو بھی اس کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور دوسری وجہ ایران اور پاکستان کے حالات کی سمیلیرٹی ہے۔ 1970 کی دہائی کا ایران اور 2008ء کا پاکستان بڑی حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مثلاً آپ آیت اللہ خمینی اور شاہ ایران کا یہ واقعہ ملاحظہ کیجئے اور یہ دیکھئے کہ اس واقعے کی ہمارے حالات کے ساتھ کتنی مماثلت ہے۔ یہ انقلاب سے بہت پہلے کا واقعہ ہے' امام خمینی ایران کے مذہبی اور روحانی راہنما تھے' ایران کے 99 فیصد عوام ان کی پیروی کرتے تھے جبکہ شاہ ایران کی خواہش تھی کہ خمینی صاحب ملک سے باہر چلے جائیں' ایک دن شاہ ایران کا ایک جرنیل خمینی صاحب کے پاس حاضر ہوا' خمینی صاحب نے پوچھا ''کیسے آنا ہوا؟'' جرنیل بولا ''حضور ایلچی بن کر آیا ہوں'' خمینی صاحب نے کہا ''جی فرمایئے میں ہمہ تن گوش ہوں'' جرنیل نے سر جھکا کر کہا کہ ''حضور شاہ ایران نے پیش کش کی ہے اگر آپ ملک سے ہجرت کر جائیں تو آپ کے نان نفقہ کے لئے آپ کو دو ملین ڈالرز پیش کئے جا سکتے ہیں'' خمینی صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی' انہوں نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے جرنیل کو دیکھا اور سرگوشی میں بولے ''آپ میری طرف سے شاہ کا شکریہ ادا کر دیجئے گا اور شاہ سے کہئے گا اگر وہ نقل مکانی کر جائیں تو میں بھی انہیں اتنی ہی رقم پیش کرنے کے لئے تیار ہوں'' جرنیل جھکا' آداب عرض کیا اور چلا گیا۔

خواتین وحضرات! دوسرے روز وہی جرنیل واپس آیا اور ہاتھ باندھ کر امام کے سامنے کھڑا ہو گیا' خمینی صاحب نے سر اُٹھا کر دیکھا اور پھر پوچھا ''شاہ نے آج آپ کو کیا حکم دے کر بھیجا ہے'' جرنیل نے کانپتے ہوئے لہجے میں عرض کیا ''حضور شاہ ایران پوچھتے ہیں اگر میں یہ پیش کش قبول کر لوں تو آپ دو ملین ڈالرز کہاں سے لائیں گے؟'' خمینی صاحب نے قہقہہ لگا کر فرمایا ''آپ جا کر شاہ سے کہہ دیجئے کہ میں ایران کی کسی شاہراہ پر کھڑا ہو کر لوگوں کو آواز دوں گا ''اے اہل ایران اگر تم شاہ ایران سے نجات چاہتے ہو تو دو' دو تمن لے کر میرے پاس آ جاؤ' میں تمہیں ہزاروں برس کی غلامی سے آزاد کرا دوں گا'' میرے اس اعلان کے بعد اس ملک کے تمام لوگ اپنی اپنی جمع پونجی لے کر گھروں سے نکلیں گے اور شام تک اربوں ڈالر جمع ہو جائیں گے'' امام خمینی رکے اور اس کے بعد انہوں نے جنرل کو ایک فقرہ کہا۔ خمینی کا یہ فقرہ دل پر لگتا ہے لیکن میں یہ فقرہ آخر میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

خواتین وحضرات! اب آپ اس واقعے کو پاکستان کے حالات میں رکھ کر دیکھئے' کرپشن کو دیکھئے' مہنگائی کو دیکھئے' لوٹ کھسوٹ اور دہشت گردی کو دیکھئے' سمجھوتوں اور معاہدوں کو دیکھئے' حکمرانوں کی ہوس اقتدار کو دیکھئے' عوام کی خواہشات اور امنگوں کی بولیاں لگتے دیکھئے' وعدوں سے انحراف کو دیکھئے' جھوٹ کے کاروبار اور مکر وفریب کے سجتے لگتے بازاروں کو دیکھئے اور مال ومتاع کی خواہش اور نہ ختم ہونے والی ہوس کو دیکھئے اور ایک لمبے اور مکمل اقتدار کی آرزو کو دیکھئے اور اس آرزو کی تکمیل کے لئے خواہ تمام معاہدوں' تمام سمجھوتوں اور تمام وعدوں کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے' یہ حقیقت دیکھئے تو یوں محسوس ہوتا ہے اس ملک میں وہ وقت زیادہ دور نہیں جب عوام اپنے بچوں کے منی بکس تک لے کر گھروں سے نکلیں گے اور سیاست دانوں' حکمرانوں' بیوروکریٹس اور جرنیلوں کے قدموں میں رکھ کر کہیں گے کہ ''حضور آپ ہمارا سب کچھ لے لیجئے' آپ ہنڈرڈ پرسنٹ لے لیجئے بس ہماری جان چھوڑ دیجئے لیکن یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے اگر یہ سب کچھ لے کر بھی ہمارے حکمرانوں نے ہماری جان نہ چھوڑی تو ہمارا کیا بنے گا۔

خواتین وحضرات! بے اُصول سیاست قبر کے اس کیڑے کی طرح ہوتی ہے جو اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹتا جب تک مردے کی آخری ہڈی کا آخری ذرہ تک سلامت رہتا ہے۔

خواتین وحضرات! آج کا دن بڑی اہمیت کا حامل ہے آج پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن کا اتحاد ٹوٹ گیا جس کے ساتھ ہی جمہوریت کا وہ خواب بھی ٹوٹ گیا جو قوم نو ماہ تک دیکھ رہی تھی۔ یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ امام خمینی نے جرنیل سے ایک فقرہ ک
تھا اور میں آپ کو وہ فقرہ سناؤں گا۔ خمینی صاحب نے کہا تھا ''نفرت دُنیا کی سب سے بڑی اپوزیش
ہوتی ہے اور عوام بادشاہ سے نفرت کرتے ہیں'' یہ حقیقت ہے کہ جب عوام کسی حکمران سے نفر
کرتے ہیں تو دُنیا کی کوئی طاقت اس حکمران کو نہیں بچا سکتی اور صدر پرویز مشرف اس حقیقت کی تاز
ترین مثال ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر ہمارے جمہوری حکمرانوں نے بھی یہ غلطی کی تو ان
انجام بھی صدر پرویز مشرف سے مختلف نہیں ہوگا کیونکہ عوام کی نفرت کے سامنے تو فرعون جیسا مضبو
شخص بھی نہیں ٹھہر سکا تھا اور یہ تو ایک چھوٹے سے ملک کا' چھوٹا سا اقتدار اور چھوٹے سے حکمران
ہیں۔

(25 اگست 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

عوامی رائے کا احترام کیوں نہیں

آغاز:

خواتین و حضرات! فرانز کافکا کا شمار دُنیا کے چند بڑے افسانہ نویسوں میں ہوتا تھا' اس نے
قیقتا سٹوری کو ایک نئی شکل دی تھی اور اس شکل کو ادب میں ''کافکا شیپ'' کہتے ہیں۔ میں آج فرانز
افکا کی ایک کہانی کا ایک کردار آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ فرانز کافکا کے ایک کردار پر قتل کا
الزام لگ جاتا ہے' پولیس ملزم کو گرفتار کرنے آتی ہے تو وہ اہلکاروں کو کہتا ہے ''حضور آپ ایک لمحے کے
لئے میری عرض سن لیں' میں۔۔'' کانسٹیبل فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے ''نہیں' تم کچھ نہیں کہہ
سکتے' تم ملزم ہو'' تھانے پہنچ کر ملزم تھانیدار کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے کی کوشش کرتا ہے' تھانیدار
اسے گھور کر کہتا ہے ''تم ملزم ہو' تم کچھ نہیں بول سکتے' اب تم نے جو کچھ کہنا ہے عدالت میں جا کر کہنا''
کیس عدالت میں چلا جاتا ہے' وہاں پیشیاں شروع ہو جاتی ہیں' وکیل بحث کا آغاز کر دیتے ہیں' ہر
ساعت پر ملزم جج سے کہتا ہے ''جناب میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں'' جج اس کی طرف غصے سے دیکھتا ہے
اور اسے کہتا ہے ''تم ملزم ہو' تم نہیں بول سکتے' تم صرف اپنے وکیل کو بولنے دو'' ملزم اپنے وکیل سے عرض
کرنے کے لئے منہ کھولتا ہے لیکن وکیل اسے جھڑک کر کہتا ہے ''تم ملزم ہو تم کچھ نہیں بول سکتے'' آخر
میں وکیلوں کی بحثیں ختم ہو جاتی ہیں اور فیصلے کا دن آ جاتا ہے اور جج ملزم کو موت کی سزا سنا دیتا ہے' ملزم
فیصلہ سنتا ہے اور ایک بار پھر عرض کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جج یہ کہہ کر عدالت برخاست کر دیتا ہے
''عدالت اپنا فیصلہ سنا چکی ہے' اب تم نے جو کچھ کہنا ہے اپیل میں کہو'' ملزم جیل چلا جاتا ہے وہاں وہ جیلر
کے سامنے عرض کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جیلر بھی اس کی فائل بند کر کے کہتا ہے ''اب تم مجرم ہو' تم
کچھ نہیں کہہ سکتے'' مجرم کو کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا ہے وہاں بھی اس سے جو ملنے آتا ہے وہ اسے

روک کر کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ہر ملاقاتی اسے مجرم کہہ کر اس کی بات سننے سے انکار کر دیتا ہے' آخر میں جب ملزم کو پھانسی گھاٹ لے جایا جاتا ہے تو وہ جلاد سے مخاطب ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن جلاد بھی اس کی بات سننے سے انکار کر دیتا ہے' آخر میں جب رسہ کھینچنے کی باری آتی ہے تو مجرم آسمان کی طرف دیکھتا ہے' پھر وہاں موجود عملے پر نظر ڈالتا ہے اور کہتا ہے ''کوئی ہے جس کے کانوں تک میری آواز پہنچ سکے جو میری بات سن سکے'' سب خاموش رہتے ہیں' مجرم ٹھنڈا سانس بھرتا ہے اور پھر پھندے کو مخاطب کر کے کہتا ہے ''یہ کیسے لوگ ہیں جو ملزم کی بات سنے بغیر اس کا فیصلہ کر دیتے ہیں'' ابھی لفظ اس کے منہ ہی میں ہوتے ہیں کہ جیلر رومال لہرا دیتا ہے اور جلاد تختہ کھینچ دیتا ہے۔

خواتین وحضرات! ہم جب پاکستان کی سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ ملک اور اس ملک کے عوام کافکا کے مجرم کی طرح محسوس ہوتے ہیں مثلاً آپ 12 اکتوبر 1999ء کو لیجئے اس دن جنرل پرویز مشرف اچانک اقتدار پر قبضہ کر لیتے ہیں' وہ 18 اگست 2008ء تک اس ملک پر حکومت کرتے ہیں اور اس دوران ایک بار بھی وہ عوام سے یہ نہیں پوچھتے کہ آپ کیا چاہتے ہیں یا آپ کی کیا رائے ہے جبکہ عوام ان نو برسوں میں جنرل صاحب سے بار بار کہتے رہے ہیں جناب آپ ہماری بھی سن لیجئے' آپ ہمیں بھی بات کرنے کا موقع دے دیجئے لیکن جنرل پرویز مشرف عوام کو یہ کہہ کر چپ کرا دیتے تھے کہ تم عوام ہو' تم نہیں بول سکتے' تمہاری جگہ مسلم لیگ ق بول رہی ہے۔ صدر پرویز مشرف کے بعد آپ 18 فروری 2008ء کو لے لیجئے' 18 فروری کے بعد حکمران اتحاد بنا' حکمران اتحاد نے مری ڈکلیریشن کیا' پھر مئی میں دبئی مذاکرات ہوئے' ان مذاکرات کے بعد 5 اگست اور 7 اگست کے معاہدے ہوئے اور پھر یہ معاہدے ٹوٹ گئے اور اب حکومت اپنی مرضی کے ڈیزائن کے مطابق جج کو بحال کر رہی ہے' اپنی مرضی سے فاٹا میں آپریشن کر رہی ہے' اپنی مرضی کی معاشی پالیسیاں بنا رہی ہے' اپنی مرضی سے بجلی' گیس اور پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ کر رہی ہے اور اپنی مرضی سے صدارتی الیکشن لڑ رہی ہے جبکہ عوام اس بار بھی حکومت سے کہہ رہے ہیں جناب آپ ہم سے بھی تو پوچھ لیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے بارے میں ہماری کیا رائے ہے' ہم اس ملک میں کیسا نظام چاہتے ہیں' ہماری امریکن پالیسی کیا ہونی چاہئے' ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اپنی جنگ سمجھتے ہیں یا کسی دوسرے کی لڑائی آپ ہم سے بھی تو پوچھ لیں لیکن اس کے جواب میں عوام کو بتایا جاتا ہے ''نہیں تم نہیں بول سکتے' تم نے 18 فروری کو فیصلہ کر دیا تھا' اب ہم تمہارے وکیل ہیں' اب صرف ہم بولیں گے'' لہٰذا یوں محسوس ہوتا ہے عوام صدر پرویز مشرف کے دور میں بھی کافکا کے ملزم تھے اور موجودہ دور میں بھی ان کی کوئی حیثیت نہیں اور میرا خیال ہے عوام اس وقت تک ملزم رہیں گے جب تک یہ اپنے فیصلے خود نہیں

کریں گے' جب تک یہ اپنی وکالت کا حق سیاست دانوں اور حکمرانوں سے واپس نہیں لیں گے۔

خواتین وحضرات! حکمران اور سیاست دان عوام کی رائے کا احترام کیوں نہیں کرتے' یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! کسی شخص نے کسی اندھے سے پوچھا ''بصارت کے بغیر زندگی کیسی ہوتی ہے'' اندھے نے فوراً جواب دیا ''نارمل'' پوچھنے والے کو اس سے اس جواب کی توقع نہیں تھی لہٰذا اس نے اندھے سے کہا ''تم اپنے جواب کی وضاحت کر سکتے ہو'' اندھے نے کہا ''میرے عزیز زندگی کے لئے بصارت اتنی ضروری نہیں ہوتی جتنی بصیرت اہم ہوتی ہے۔'' اس نے کہا ''انسان کو اس وژن کی بجائے اس وژن کی ضرورت ہوتی ہے۔''

خواتین وحضرات! اندھے کی بات درست لیکن میں اس بات میں ذرا سا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے عام انسانوں کے مقابلے میں سیاست دانوں کو بصیرت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے شائد اسی لئے مصر کے قدیم باشندے اللہ سے دُعا کرتے تھے یا پروردگار تو مجھے بصارت دے یا نہ دے لیکن میرے بادشاہ کو بصیرت ضرور دے کیونکہ اگر میں بصارت سے محروم ہوا تو صرف میں اندھیروں میں بھٹکوں گا لیکن اگر میرے بادشاہ کے پاس بصیرت نہ ہوئی تو میرا پورا ملک اُمید کی روشنی سے محروم ہو جائے گا۔ آیئے ہم بھی دُعا کریں کہ اللہ ہمارے حکمرانوں کو بھی عقل اور بصیرت سے نوازے کیونکہ ملکوں اور معاشروں کو اندھے اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا نقصان عقل کے اندھے پہنچاتے ہیں۔

(29 اگست 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

صدر آصف علی زرداری کا دورۂ چین

آغاز:

خواتین وحضرات! کل ایوان صدر میں آصف علی زرداری نے صدارتی حلف اُٹھایا' حلف کی تقریب کے بعد صدر نے میڈیا کے ساتھ گفتگو کی اور اس دوران فرمایا'' وہ بطور صدر سب سے پہلے چین کا دورہ کریں گے'' مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ چین اس وقت دُنیا میں استاد کی حیثیت رکھتا ہے اور صنعت ہو' معیشت ہو' کھیل ہو' سیاست ہو' ثقافت ہو' تعلیم ہو' جذبہ ہو' فکر ہو یا احساس ہو غرض زندگی کے ہر شعبے میں انسان چین سے بے شمار چیزیں سیکھ سکتا ہے۔ چین نے 2008ء تک پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سچ ثابت کر دی جس میں آپ نے فرمایا تھا'' علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے'' لہٰذا چین جائے بغیر کسی شخص کا علم مکمل نہیں ہوتا۔ یہاں پر خواتین وحضرات! سوال پیدا ہوتا ہے کہ چین نے یہ مقام حاصل کیسے کیا؟ چین کی اس ترقی کے پیچھے ایک چھوٹی سی کہانی ہے اور یہ کہانی ماؤزے تنگ نے 1949ء میں چین کے عوام کو سنائی تھی۔ ماؤزے تنگ کا کہنا تھا'' شمالی چین میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا' یہ گاؤں پہاڑ کے دامن میں واقع تھا' پہاڑ کی وجہ سے اس گاؤں میں دُھوپ نہیں آتی تھی' ایک دن اس گاؤں کا ایک بوڑھا گینتی لے کر گھر سے نکلا' پہاڑ کے پاس پہنچا اور اس نے پہاڑ توڑنا شروع کر دیا' گاؤں کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ بوڑھے کے گرد جمع ہو گئے' کسی شخص نے اس سے پوچھا'' تم کیا کر رہے ہو'' بوڑھا بولا'' میں پہاڑ توڑ رہا ہوں'' پوچھنے والے نے پوچھا'' کیوں'' بوڑھے نے جواب دیا'' بھائیو! جب تک یہ پہاڑ یہاں کھڑا ہے میرے گاؤں میں دُھوپ نہیں آ سکتی'' پوچھنے والے نے پوچھا'' کیا تم اتنے بڑے پہاڑ کو توڑنے میں کامیاب ہو جاؤ گے'' بوڑھے نے ایک لمحے کے لئے پہاڑ کی طرف دیکھا اور بولا'' بھائیو! میں زندگی بھر یہ پہاڑ کاٹتا رہوں گا' میں جب مرنے

لگوں گا تو میں یہ گینتی اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دے جاؤں گا' میری اگلی نسل میرا یہ کام جاری رکھے گی' وہ کامیاب نہ ہوئی تو اس سے اگلی نسل' پھر اس سے اگلی نسل۔ یہاں تک کہ ایک دن یہ پہاڑ اپنی جگہ بدل لے گا' میرے گاؤں میں دُھوپ آ جائے گی'' ماؤزے تنگ رکا' اس نے ایک لمبا سانس لیا اور اس کے بعد دوبارہ بولا'' آؤ۔ ہم لوگ بھی اپنے حصے کا پہاڑ کاٹنا شروع کر دیں' ہم جتنا کاٹ سکتے ہیں کاٹیں اور جاتے ہوئے اپنے بیلچے' اپنی گینتیاں اور اپنے ہتھوڑے اپنی نسل کو سونپ جائیں یہاں تک کہ ہمارے پسماندہ اور تاریک گھروں میں بھی سورج چمکنے لگے گا''

خواتین وحضرات! ماؤزے تنگ نے یہی کیا' وہ اور (اس) کے ساتھی غربت' بیماری' بے روزگاری' جہالت' لاقانونیت' بے یقینی' سستی اور کمزوری کے پہاڑ کو جتنا توڑ سکے انہوں نے توڑا اور جاتے جاتے اپنی گینتیاں' بیلچے اور ہتھوڑے اپنی اگلی نسل کے ہاتھوں میں پکڑا گئے۔ اگلی نسل نے ہمت اور جرأت کی یہ وراثت اپنی اگلی نسل کو سونپ دی یہاں تک کہ موجودہ چین نے جنم لیا اور آج امریکہ سے لے کر صومالیہ تک دُنیا کے 245 ممالک کی معیشت چین کی محتاج ہے۔

خواتین وحضرات! خان لیاقت علی خان سے لے کر یوسف رضا گیلانی تک ہمارا ہر حکمران چین کے دورے پر گیا' وہ چین کی ترقی سے متاثر ہوا' اس نے واہ واہ کی' امداد لی اور واپس آ گیا لیکن پاکستان کے کسی حکمران نے چین سے وہ سوچ' وہ حوصلہ اور وہ ہمت نہ لی جس نے چین کو چین بنایا تھا۔ آصف علی زرداری صاحب سب سے پہلے چین جانا چاہتے ہیں شائد وہ چین سے پہلے امریکہ جائیں گے کیونکہ یہ اس ملک کی روایت ہے کہ ہماری ہوائیں تک واشنگٹن سے ہو کر ہمارے پھیپھڑوں تک پہنچتی ہیں لیکن اگر زرداری صاحب چین گئے تو میری ان سے درخواست ہو گی وہ چین سے واپس آتے ہوئے چینیوں سے وہ سوچ لے آئیں جس نے چین کو چین بنایا' وہ فکر لے آئیں جس نے چینیوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا' وہ چینی عوام سے وہ غیرت لے آئیں جس نے انہیں دُنیا میں سر اُٹھا کر جینے کی ہمت دی' وہ ان سے وہ ہاتھ لے آئیں جو بیلچے اور گینتی پکڑ لیتے ہیں لیکن کسی کے سامنے کشکول نہیں بنتے' وہ ان سے وہ آنکھ لے آئیں جو کسی کے سامنے شرمندہ نہیں ہوتی' وہ ان سے وہ پاؤں لے آئیں جنہوں نے مانگے ہوئے راستوں پر چلنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ چین سے وہ گردن لے آئیں جو کٹ گئی لیکن دُنیا کے بازار میں جھکی نہیں تھی۔

خواتین وحضرات! اس ملک کو چین کی امداد کی نہیں چین کی فکر' چین کی سوچ کی ضرورت ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارا ہر حکمران امریکہ کا سوٹ پہن کر چین گیا اور وہاں سے ریشم لے کر واپس آ گیا۔ ہمارے کسی لیڈر نے چین سے سوچ امپورٹ نہیں کی' کاش زرداری صاحب چین جائیں تو وہ وہاں سے

ماؤزے تنگ کی سوچ‘ ہمت‘ جذبہ اور یقین لے آئیں۔

خواتین وحضرات! حکومت نے صدر آصف علی زرداری کے حلف لیتے ہی بجلی کی قیمت میں 31 فیصد اضافے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔ کیا یہ اضافہ عوام کے ساتھ ظلم نہیں جبکہ صدر زرداری کا کل کا تازہ ترین بیان ہے۔ صدر نے فرمایا ”وہ قوم کو ایک مہینے میں کشمیر پر خوش خبری دیں گے“ تیسرا موضوع وکلاء تحریک ہے۔ کیا نئے صدر کے حلف کے بعد وکلاء تحریک عملاً ختم ہوگئی ہے۔ امریکی صدر رچرڈ نکسن نے ماؤزے تنگ سے پوچھا تھا ”کامیاب لیڈر کی سب سے بڑی خوبی کیا ہوتی ہے“ ماؤزے تنگ نے اس کا کیا جواب دیا‘ یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! رچرڈ نکسن نے ماؤزے تنگ سے پوچھا تھا ”کامیاب لیڈر کی سب سے بڑی خوبی کیا ہوتی ہے“ ماؤزے تنگ نے مسکرا کر جواب دیا ”اس کے قول وفعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا‘ وہ جو کہتا ہے اس پر عمل کرتا ہے۔“ رچرڈ نکسن نے عرض کیا ”آج کے حالات میں ایسا ممکن نہیں کیونکہ آج کے سیاست دانوں اور حکمرانوں پر بے شمار پریشر ہوتے ہیں اور ان پریشرز کی وجہ سے انہیں بعض اوقات اپنی کمٹمنٹس سے پھرنا بھی پڑتا ہے۔“ ماؤزے تنگ نے قہقہہ لگایا اور نکسن سے کہا ”مسٹر پریذیڈنٹ جو شخص پریشر میں آجائے وہ لیڈر نہیں ہوتا۔“

(10 ستمبر 2008ء)

اللہ تعالیٰ کی ناراضی

آغاز:

خواتین وحضرات! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا ”یا پروردگار جب آپ کسی قوم سے ناراض ہوتے ہیں تو آپ کی ناراضی کی کیا نشانیاں ہوتی ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اے موسیٰ میری ناراضی کی تین نشانیاں ہوتی ہیں۔ اول‘ جب اس قوم کے کسان کھیتوں میں بیج ڈال کر بارش کے لئے اوپر دیکھتے ہیں تو میں بارش نہیں برساتا اور جب ان کی فصلیں پک جاتی ہیں تو میں موسلا دھار بارشیں شروع کر دیتا ہوں جس سے ان کی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں اور لوگ دانے دانے کو ترس جاتے ہیں۔ دوم‘ میں اس قوم اس ملک کا اقتدار بے سمجھ‘ بددیانت اور ظالم لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیتا ہوں اور سوم میں اس ملک‘ اس قوم کے کنجوس لوگوں کے ہاتھ میں پیسہ دے دیتا ہوں۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید پوچھا ”اے پروردگار جب آپ کسی قوم سے خوش ہوتے ہیں تو اس کی کیا نشانیاں ہوتی ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے جواب میں کیا فرمایا تھا یہ میں آپ کو آخری حصے میں بتاؤں گا‘ سردست‘ ہم آج کے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

خواتین وحضرات! گزشتہ روز اسلام آباد کے میریٹ ہوٹل پر خودکش حملہ ہوا‘ یہ وفاقی دارالحکومت کی تاریخ کا انتہائی افسوسناک واقعہ تھا۔ اس واقعے میں 53 کے قریب لوگ شہید ہو گئے جبکہ 260 لوگ زخمی ہوئے‘ خودکش حملہ آور ڈمپر ٹرک میں آر ڈی ایکس‘ ٹی این ٹی اور ایلومینیم پاؤڈر ڈال کر ہوٹل کے سامنے پہنچا اور اس نے افطار کے چند لمحے بعد میریٹ ہوٹل کو اڑا دیا۔ آر ڈی ایکس اور ٹی این ٹی بارود کی ایک ایسی فارم ہے جو فوج کے زیر استعمال ہوتی ہے اور کل کے واقعے میں اس کا استعمال ثابت کرتا ہے کہ دہشت گردوں کی انتہائی خوفناک اور مہلک میٹریل تک رسائی ہو چکی ہے چنانچہ وہ اب

مشکل سے مشکل اور بڑے سے بڑے ٹارگٹ کو بھی بآسانی ہٹ کر سکتے ہیں۔ یہ میٹریل کیوں کہ بنکرز یا مورچوں کو بھی اُڑا سکتا ہے لہٰذا سیکورٹی بلٹ پروف اور بم پروف گاڑیاں بھی سیف نہیں سمجھی جائیں گی اور دوسرا اس واقعے سے ثابت ہو گیا دہشت گردی کے ان واقعات میں کوئی ملک ملوث ہے کیونکہ آر ڈی ایکس اور ٹی اینڈ ٹی میٹریل مارکیٹس میں دستیاب نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ کیونکہ ریڈ زون میں پیش آیا اور یہاں سے وفاقی وزراء کی کالونی' چاروں صوبوں کے ہاؤسز' فیڈرل سیکرٹریٹ' ایوان صدر' وزیراعظم ہاؤس' پارلیمنٹ ہاؤس اور سپریم کورٹ کی عمارتیں چند قدموں کے فاصلے پر ہیں لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے دہشت گرداب حکمرانوں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔

خواتین وحضرات! بہر حال یہ واقعہ انتہائی افسوسناک بلکہ دردناک ہے اور ہم اس پر تاسف کا جتنا بھی اظہار کریں وہ کم ہو گا لیکن اس دکھ کے اندر ایک اور بڑا دکھ بھی پوشیدہ ہے جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس واقعے میں بھی واہ فیکٹری کی طرح عام' معصوم اور چھوٹے ملازمین کی جانیں ضائع ہوئیں' اس خودکش حملے میں بھی سیکورٹی گارڈز' ڈرائیور' سویپرز' بل بوائز' ویٹرز اور ری سیپشن کے غریب ملازمین مارے گئے' اس میں بھی چند گھریلو خواتین اور ان کے معصوم بچے جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے جبکہ وہ پچیس سیاست دان صاف بچ گئے جنہوں نے دو برسوں میں ذاتی علاج پر خزانے سے 2 ارب' 32 کروڑ روپے لوٹے تھے' اس خودکش حملے میں وہ تین سیاست دان اور وہ دو کاروباری شخصیات بھی بچ گئیں جنہوں نے سو طالبان پکڑ کر امریکہ کے حوالے کئے تھے اور ان کے عوض اسی کروڑ ڈالر وصول کئے تھے' اس خودکش حملے میں وہ 3 سو 42 پارلیمنٹیرینز بھی بچ گئے جو قبائلی علاقوں میں خون کو پٹرول بنتے اور انسانی جانوں کو خشک جھاڑیاں بنتے دیکھ رہے ہیں مگر ان کے لبوں پر مہریں لگی تھیں' اس حملے میں وہ سارے وزیر' سارے مشیر اور سارے سفیر بھی بچ گئے جن کے لئے روزانہ پروٹوکول کی ایک سو پچیس گاڑیاں گیراجوں سے نکلتی ہیں اور ہر مہینے ان گاڑیوں کی مرمت اور پٹرول پر پانچ کروڑ روپے خرچ ہوتے ہیں' اس حملے میں وہ سوداگر بھی بچ گئے جنہوں نے پچھلے سال ساڑھے بارہ ارب روپے کی گندم عالمی منڈی میں بیچ دی تھی اور آج ان کی مہربانی سے اس ملک کا بچہ بچہ روٹی کو ترس رہا ہے' اس حملے میں وہ تاجر اور وہ بزنس مین بھی بچ گئے جو اس ملک میں ہر سال پچاس ارب روپے کی جعلی دوائیں بیچتے ہیں اور جنہوں نے رمضان میں کھجوریں ذخیرہ کر کے غریب شہریوں کے لئے افطار ناممکن بنا دیا تھا' اس حملے میں وہ تمام بیوروکریٹس بھی بچ گئے جنہوں نے اس ملک کی گردن پر سرخ فیتے کا پھندا کس رکھا ہے' اس حملے میں وہ ٹیکنوکریٹس بھی بچ گئے جن کے مشوروں پر حکومت گیس' پٹرول اور بجلی کی سبسڈی ختم کر رہی ہے اور جن کے حکم پر اس ملک میں علاج اور تعلیم پرائیویٹائز کی جا رہی ہے اور اس حملے میں وہ سرمایہ دار

بھی بچ گئے جو رمضان کے مہینے میں بھی ناچ گانے کی محفلیں سجاتے ہیں۔

خواتین وحضرات! افسوس یہ ہے انسانوں کے بھیس میں چھپے جن بھیڑیوں کو اس حادثے میں مرنا چاہئے تھا وہ تو زندہ سلامت ہیں، وہ تو آج بھی پارٹیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن جن لوگوں کی سانسوں سے بیس بیس لوگوں کی زندگی کی ڈور بندھی تھی' ان کی نعشیں ہسپتالوں میں پڑی ہیں اور ان کے لواحقین کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ ان نعشوں کو قبرستان تک پہنچا سکیں' وہ انہیں کفن پہنا سکیں۔

خواتین وحضرات! اس حملہ آور کا ٹارگٹ کیا تھا اور کیا حکومت دہشت گردی کی تازہ ترین لہر سے نبٹ پائے گی۔ یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا ''اے پروردگار جب تم کسی قوم سے خوش ہوتے ہو تو تمہاری خوشی کی کیا نشانیاں ہوتی ہیں'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''موسیٰ! میں کھیتوں میں اس وقت بارشیں برساتا ہوں جب اس قوم کے لوگ بیج ڈالتے ہیں اور جب فصلیں پک جاتی ہیں تو میں بارش روک لیتا ہوں' میں اس قوم کا اقتدار حلیم' سمجھدار اور دیانت دار لوگوں کے حوالے کرتا ہوں اور میں اس قوم کے سخی لوگوں کو مال اور سرمایہ دیتا ہوں۔''

خواتین وحضرات! آپ اس ملک کو دائیں بائیں اور اُوپر نیچے سے دیکھئے اور بتایئے کیا اللہ ہم پر راضی ہے' کیا قدرت کے سینے میں ہمارے لئے سافٹ کارنر موجود ہے' کیا اس ملک میں دولت ان لوگوں کے پاس ہے جن کے پاس ہونی چاہئے' کیا اس ملک کا اقتدار اور اختیار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں اور کیا بارشیں اور موسم ہمارا ساتھ دے رہے ہیں؟ سوچئے بار بار سوچئے اور توبہ کیجئے کیونکہ اللہ کو خوش کئے بغیر ہم اللہ کی زمین پر خوش نہیں رہ سکتے۔

(21 ستمبر 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

کنفیوژن

آغاز:

خواتین وحضرات! کنفیوژن ہماری زندگی کا ایک نارمل معمول ہوتا ہے' ہم جب بھی کسی مسئلے پر ''ڈبل مائینڈڈ'' ہوتے ہیں تو ہم عموماً یہ کہتے ہیں میں کنفیوژ ہو رہا ہوں یا میں کنفیوژن کا شکار ہوں۔ کنفیوژن کے بارے میں ایک چھوٹا سا لطیفہ بھی مشہور ہے کہ کوئی جج صاحب پہلی بار عدالت میں بیٹھے ان کے سامنے مقدمہ پیش ہوا' ایک وکیل نے اُٹھ کر دلائل دیئے' دلائل سن کر جج صاحب نے فرمایا ''آپ درست کہہ رہے ہیں'' اس کے بعد مخالف وکیل کھڑا ہوا اس نے بھی دلائل دیئے' یہ دلائل سن کر بھی جج صاحب بولے ''آپ بھی درست کہہ رہے ہیں'' جج صاحب کا یہ ورژن سن کر ریڈر کھڑا ہوا اور اس نے کہا ''مائی لارڈ' دونوں وکیل بیک وقت کیسے درست کہہ سکتے ہیں'' جج صاحب نے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے ''آپ بھی درست کہہ رہے ہیں'' ناظرین جج صاحب کی یہ کیفیت کنفیوژن کی ایک مکمل مثال ہے اور یہ مثال ثابت کرتی ہے کنفیوژن صرف ایک معمول یا عادت نہیں ہوتی' یہ ایک نفسیاتی مرض بھی ہے اور جب کسی شخص کو یہ مرض لاحق ہو جاتا ہے تو اس کی فیصلہ کرنے کی صلاحیت جواب دے جاتی ہے اور وہ دائیں کو بھی ٹھیک سمجھتا ہے اور بائیں کو بھی۔ اور وہ یہ فیصلہ تک نہیں کر سکتا کہ اس نے نماز میں فرض پہلے پڑھنے ہیں یا سنتیں اور اس کا نام محمد رشید ہے یا رشید احمد۔

خواتین وحضرات! کنفیوژن کا یہ نفسیاتی مرض صرف لوگوں کو لاحق نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات یہ ملکوں اور قوموں کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے اور جب قومیں کنفیوژن کا شکار ہوتی ہیں تو وہ اپنی سمت' اپنی ڈائریکشن کھو بیٹھتی ہیں اور یہ بے سمتی انہیں تاریخ کے قبرستان تک لے جاتی ہے اور وہ اپنے ہی مزار کی مجاور بن کر رہ جاتی ہیں۔

خواتین وحضرات! ہم بھی آج بدقسمتی سے تاریخ کی ایک ایسی ہی کنفیوژن کا شکار ہیں' ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ جنگ کس کی ہے' یہ امریکہ کی جنگ ہے یا یہ ہماری جنگ ہے۔ اگر یہ امریکہ کی جنگ ہے تو پھر قبائلی علاقوں میں ہمارے ایک لاکھ بیس ہزار جوان اور افسر کیوں لڑ رہے ہیں' ہماری پیراملٹری فورسز' ہماری پولیس اور ہماری انتظامیہ فاٹا میں کیوں برسرپیکار ہے' ہمارے قبائلی علاقوں سے 30 لاکھ لوگ نقل مکانی پر کیوں مجبور ہوئے اور یہ لوگ ننگی زمینوں اور کھلے آسمانوں تلے کیوں پڑے ہیں' اگر یہ امریکہ کی جنگ ہے تو پھر اس میں ہمارے ایک سو پانچ افسر اور جوان شہید اور تین ہزار پانچ سو چالیس جوان زخمی کیوں ہوئے' ہم اور ہمارے جوان اس پرائی آگ کا ایندھن کیوں بن رہے ہیں' اس جنگ سے ہماری معیشت کا پہیہ کیوں رک گیا' ہماری چار ہزار فیکٹریاں' کارخانے اور کمپنیاں کیوں بند ہو گئیں' ہمارے ملک سے سفارت کار' غیر ملکی بزنس مین اور ایکسپرٹس کیوں نقل مکانی کر گئے' ہمارا ملک خودکش حملہ آوروں کا ٹارگٹ کیوں بن گیا اور اگر یہ امریکہ کی جنگ ہے تو پھر ہم اس جنگ کو افغانستان سے گھسیٹ کر پاکستان کیوں لے آئے اور اگر یہ جنگ ہماری ہے تو پھر ہم نے امریکہ سے ساڑھے دس بلین ڈالر کیوں لئے تھے' ہم یہ جنگ لڑنے کے لئے امریکہ سے گولا بارود' میزائل' ٹینکس' توپیں اور گاڑیاں کیوں لے رہے ہیں' امریکی ماہرین پاکستان آ کر ہمارے لوگوں کو ٹریننگ کیوں دے رہے ہیں' امریکہ کے ڈرون پاکستانی علاقوں میں میزائل کیوں داغ رہے ہیں' امریکہ کے جاسوس طیارے ہماری فضائی حدود میں کیوں منڈلا رہے ہیں' امریکہ نے پوری دُنیا سے سی آئی اے کے ماہرین بلا کر پاک افغان سرحد پر کیوں بٹھا دیئے ہیں۔ اگر یہ جنگ ہماری ہے تو پھر ہم گورڈن براؤن اور جارج بش سے ملاقاتیں کیوں کر رہے ہیں' پھر مائیکل مولن اور ڈیوڈ ڈی میکرنین پاکستان کے دورے کیوں کر رہے ہیں' پھر امریکہ ہمیں ڈو مور ڈو مور کا حکم کیوں دے رہا ہے۔ اگر یہ جنگ ہماری ہے تو پھر ہماری حکومت پوری قوم کو اعتماد میں کیوں نہیں لیتی اور ہماری حکومت تمام سیاسی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیوں نہیں کرتی۔ یہ عجیب بات ہے' ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اپنی جنگ قرار دیتے ہیں لیکن جب اسلام آباد میں تاریخ کی سب سے بڑی دہشت گردی ہوتی ہے تو صدر آصف علی زرداری نیویارک کے دورے پر روانہ ہو جاتے ہیں' سپیکر قومی اسمبلی کونڈا لیزا رائس کی دعوت پر واشنگٹن چلی جاتی ہیں' وزیراعظم لاہور کے دورے پر روانہ ہو جاتے ہیں' چیف آف آرمی سٹاف چین چلے جاتے ہیں' میاں نواز شریف فیملی کے ساتھ عمرے پر روانہ ہو جاتے ہیں' پرویز الٰہی پیپلز پارٹی کے ساتھ جوڑ توڑ کی تفصیلات طے کرنے کے لئے لندن میں بیٹھ جاتے ہیں' مولانا فضل الرحمان مدینہ شریف میں تشریف رکھتے ہیں اور تمام وفاقی وزراء اپنے اپنے علاقوں کی طرف نکل جاتے ہیں اور

دہشت گردی کے خلاف جنگ ڈپٹی سیکرٹریوں اور تھانے داروں پر چھوڑ دی جاتی ہے۔ خواتین و حضرات! اگر یہ ہماری جنگ ہے تو پھر ہمارے سیاست دان' ہمارے حکمران کہاں ہیں؟

اصل بات تو یہ ہے ہم ایک کنفیوژڈ قوم ہیں' ہم جنگ لڑ رہے ہیں' ہم اس جنگ میں مر بھی رہے ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں یہ جنگ کس کی جنگ ہے! اور اس ملک کی حکمران کلاس کا کوئی فرد ہمارے ساتھ سچ بولنے کے لئے تیار نہیں۔

خواتین و حضرات! یہ کس کی جنگ ہے اور اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! آج حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت ہے اور میں آج کے دن آپ کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول بیان کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اپنے دشمن کو دوست بننے کے ہزار مواقع دیں لیکن اپنے کسی دوست کو دشمن بننے کا ایک بھی موقع فراہم نہ کریں'' اگر ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کو پاکستان کی موجودہ صورتِ حال میں رکھ کر دیکھیں تو ہمیں دہشت گردی کی اصل بنیاد مل جائے گی۔

خواتین و حضرات! ہم اپنے دشمنوں کو دوست بننے کا کوئی موقع فراہم نہیں کر رہے جبکہ ہم اپنے قبائلی دوستوں کو ہزار' ہزار بہانوں سے اپنا دشمن بنا رہے ہیں اور جب ہم فطرت کے اصولوں کی اتنی بڑی خلاف ورزی کریں گے' جب ہم دشمنوں میں اضافہ اور دوستوں میں کمی کرتے رہیں گے تو ہم سکون سے کیسے رہ سکیں گے۔

(22 ستمبر 2008)

⊘ ⊘ ⊘

دورہ کامیاب رہا

آغاز:

خواتین و حضرات! میر لائق علی تحریک پاکستان کے ایک گم شدہ کردار ہیں' میر صاحب کا تعلق حیدر آباد دکن سے تھا' وہ سرکاری ملازم تھے لیکن وہ ترقی کرتے کرتے نظام حیدر آباد کے وزیراعظم بن گئے تھے قیام پاکستان کے بعد ہماری حکومت شدید مالیاتی بحران کا شکار تھی چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے میر لائق علی سے رابطہ کیا اور میر لائق علی کی درخواست پر نظام عثمان علی خان نے پاکستان کو 20 کروڑ روپے کی امداد دی اور اس امداد سے بعدازاں حکومت پاکستان نے سرکاری ملازمین کو پہلی تنخواہ دی' وزیراعظم لیاقت علی خان' میر لائق علی کو بہت پسند کرتے تھے چنانچہ انہوں نے میر صاحب کو اکتوبر 1947ء میں یہ ٹاسک دے کر امریکہ بھجوایا کہ وہ امریکی حکومت کو پاکستان کی اہمیت سمجھائیں اور امریکہ سے پانچ سال کے لئے دو ارب ڈالر امداد حاصل کریں۔ میر لائق علی واشنگٹن پہنچے اور وہ مسلسل دو ماہ تک امریکی صدر ہیری ایس ٹرومین سے ملاقات کی کوشش کرتے رہے لیکن امریکی صدر سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ یوں میر لائق علی ناکام واپس آ گئے' پاکستان میں جب لیاقت علی خان سے ان کی ملاقات ہوئی اور وزیراعظم نے ان سے دورے کے بارے میں پوچھا تو میر لائق علی نے جواب دیا ''دورہ بہت کامیاب رہا'' وزیراعظم خوش ہو گئے اور انہوں نے پوچھا ''کیا امریکی صدر سے ملاقات ہوئی'' میر صاحب نے انکار میں سر ہلا دیا' وزیراعظم نے پوچھا ''کیا امداد ملی'' میر صاحب نے دوبارہ انکار میں سر ہلا دیا' خان لیاقت علی خان نے حیرت سے پوچھا ''پھر دورہ کیسے کامیاب رہا'' میر صاحب نے فوراً تازہ اخبار ان کے سامنے پھیلایا اور ایک خبر پر انگلی رکھ دی' وزیراعظم نے آگے جھک کر خبر پڑھی' خبر میں لکھا تھا ''میر لائق علی امریکہ کے کامیاب دورے کے بعد کراچی واپس لوٹ آئے'' وزیراعظم سیدھے ہوئے تو میر لائق علی نے کہا ''حضور

اگر اخبار میرے دورے کو کامیاب قرار دے رہا ہے تو آپ کو کیا اعتراض ہے۔"

خواتین و حضرات! اگر ہم پاک امریکہ تعلقات کی تاریخ کا تجزیہ کریں تو آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی آج تک پاکستان کے کسی لیڈر کا امریکہ کا دورہ ناکام نہیں ہوا۔ امریکہ دُنیا کا واحد ملک ہے۔ جس کا دورہ ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔ آپ تاریخ کے بوسیدہ اوراق جھاڑ کر دیکھئے خان لیاقت علی خان امریکہ جانے والے پہلے پاکستانی وزیراعظم تھے' اس وقت کوریا کی جنگ جاری تھی چنانچہ امریکہ نے انہیں پیش کش کی آپ اپنے فوجی کوریا بھجوا دیں اور اس کے بدلے امداد لے لیں۔ خان لیاقت علی خان نے شرط رکھی "اگر امریکہ کشمیر پر پاکستانی موقف کی حمایت کر دے تو ہم کوریا کی جنگ میں امریکہ کی مدد کے لئے تیار ہیں" امریکہ نے یہ پیش کش مسترد کر دی۔ لیاقت علی خان ناکام واپس لوٹ آئے لیکن دورہ کامیاب رہا۔ 1953ء میں جنرل ایوب خان بطور کمانڈر انچیف امریکہ کے دورے پر گئے اور انہوں نے امریکہ کو پیش کش کی "اگر آپ چاہیں تو ہماری فوج آپ کی ہو سکتی ہے" امریکہ نے یہ پیش کش مسترد کر دی لیکن جنرل ایوب کا دورہ کامیاب رہا۔ جولائی 1961ء میں صدر ایوب خان نے صدر کینیڈی سے درخواست کی' امریکہ کشمیر کے تنازعہ پر بھارت پر دباؤ ڈالے' صدر کینیڈی نے انکار کر دیا لیکن دورہ کامیاب رہا۔ پاکستانی نمائندے 1965ء کی جنگ میں مدد کے لئے امریکہ گئے' امریکہ نے اس درخواست کے جواب میں پاکستان کی ہر قسم کی امداد پر پابندی لگا دی' ہماری گندم اور دوائیں تک روک دی گئیں لیکن دورہ کامیاب رہا۔ 1971ء کی جنگ میں پاکستانی وفد صدر نکسن اور ہنری کسنجر سے ملاقات کے لئے گیا' امریکہ نے ہمیں بحری بیڑے کا لالی پاپ دے کر ٹال دیا لیکن دورہ کامیاب رہا اور اسی طرح 1980ء میں افغان وار شروع ہوئی' ہمارا وفد امریکہ سے مدد کے لئے واشنگٹن گیا' صدر جمی کارٹر نے ہمیں 4 سو ملین ڈالر کی پیش کش کی' ہم معذرت کر کے واپس آ گئے لیکن دورہ کامیاب رہا۔

خواتین و حضرات! ہمارے کامیاب دوروں کی فہرست یہیں تک محدود نہیں بلکہ جنرل ضیاء الحق ہوں' محترمہ بے نظیر بھٹو ہوں' میاں نواز شریف' شوکت عزیز اور صدر پرویز مشرف ہوں' ہمارا ہر حکمران امریکہ کے دورے پر گیا' اوول آفس میں فوٹو سیشن ہوئے اور یہ لوگ کبھی پریسلر ترمیم' براؤن ترمیم کا اعزاز لے کر واپس آ گئے' ہم پر کبھی فوجی پابندی لگ گئی' کبھی ہمارے ایف سولہ طیارے روک لئے گئے ہیں' کبھی ہم پر اقتصادی پابندیاں لگ گئیں' کبھی ہمارے سفارتی تعلقات معطل ہو گئے' کبھی ہمیں تجارتی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا اور کبھی ہماری گردن پر دہشت گردی کا طوق ڈال دیا گیا لیکن ہمارے ہر حکمران کا امریکہ کا دورہ کامیاب رہا حتیٰ کہ جولائی 2008ء میں جب وزیراعظم یوسف رضا گیلانی امریکی دورے پر گئے اور دورے کے دوران امریکہ نے جنوبی وزیرستان پر میزائل داغ دیا' وزیراعظم کو ائر پورٹ پر پروٹوکول نہ ملا' پورا امریکی میڈیا وزیراعظم کی انگریزی پر مسکراتا رہا اور صدر

بش' وزیراعظم کی گفتگو کے دوران میڈیا کو آنکھیں مارتے رہے لیکن یہ دورہ بھی کامیاب رہا۔

خواتین و حضرات! ہم مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ حقیقت ہے پاکستان امریکہ کا وہ اتحادی ہے جس پر امریکہ نے آج تک سب سے زیادہ پابندیاں لگائیں' جس نے امریکی دوستی کا دُنیا میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھایا' جس کے تمام سربراہان کو امریکہ نے اپنی آنکھوں کا تارا بنایا اور بعد ازاں انہیں منجدھار کے عین درمیان چھوڑ دیا اور جس نے امریکی دوستی میں سب سے زیادہ دھوکے کھائے لیکن اس کے باوجود ہمارے تمام صدور اور وزرائے اعظم کے امریکی دورے کامیاب رہے۔

خواتین و حضرات! ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے واحد لیڈر تھے جنہوں نے امریکہ کو چھوڑا تھا جبکہ ان سے پہلے اور بعد کے تمام لیڈروں کو امریکہ نے آف لوڈ کیا۔ بھٹو صاحب پہلے لیڈر تھے جنہوں نے امریکہ سے منہ موڑ کر چین کو گلے لگایا تھا۔ آج انہیں بھٹو صاحب کے داماد' پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین اور صدر پاکستان آصف علی زرداری بھی امریکہ کے دورے پر ہیں' دیکھنا یہ ہے ان کا دورہ ناکام ہوتا ہے یا یہ دورہ بھی دوسرے دوروں کی طرح کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ صدر آصف علی زرداری کا امریکی دورہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! آج سے ٹھیک باسٹھ برس قبل ہندوستان میں ایک قوم تھی اس وقت یہ قوم زمین کا ایک ٹکڑا تلاش کر رہی تھی' اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور اس قوم کو زمین کا ٹکڑا مل گیا' قوم نے اس ٹکڑے کو پاکستان کا نام دے دیا لیکن اکسٹھ برس بعد آج زمین کا وہ ٹکڑا قوم کو تلاش کر رہا ہے کیونکہ زمین کا ٹکڑا پانے کے بعد قوم قوم نہیں رہی تھی۔

خواتین و حضرات! قوموں کے لئے صرف زمین کا ٹکڑا کافی نہیں ہوتا' قوموں کو انصاف بھی چاہئے ہوتا ہے' انہیں مساوات' فکری اور مذہبی آزادی' عدل پر مبنی سسٹم' جمہوریت' غیرت' عزت اور انا بھی درکار ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے ہم نے زمین کے ٹکڑے کو سب کچھ سمجھ لیا تھا چنانچہ وہ تمام عناصر جو ملکوں کو ملک اور قوموں کو قومیں بناتے ہیں' وہ ایک ایک کر کے ہمارے ہاتھ سے پھسلتے چلے گئے یہاں تک کہ آج کا دن آ گیا جب ہم پاکستان میں جمہوریت قائم کرنے پر صدر بش کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ ہم گولی بم اور میزائل بھی امریکی کھا رہے ہیں اور گندم بھی امریکی چبا رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا مطالبہ ہے ہماری عزت کی جائے گی۔ ہم کتنے ناسمجھ ہیں کیونکہ عزت کا تعلق ایمان اور غیرت سے ہوتا ہے اور جب کوئی قوم یہ دونوں چیزیں گروی رکھ دیتی ہے تو اس کے پاس صرف ایک آپشن بچتا ہے اور وہ ہوتا ہے غلامی اور دُنیا میں غلاموں کو سب کچھ مل سکتا ہے لیکن عزت نہیں ملتی۔

(24 ستمبر 2008ء)

سارا پیلن اور صدر کا سلامتی کونسل میں خطاب

آغاز:

خواتین وحضرات! سارا پیلن اس وقت امریکہ میں ری پبلکن پارٹی کی طرف سے نائب صدارت کا الیکشن لڑ رہی ہیں۔ سارا چوالیس برس کی سیاست دان ہیں' وہ امریکی سٹیٹ الاسکا کی گورنر ہیں' پانچ بچوں کی ماں ہیں' وہ ٹیلی ویژن پر خبریں پڑھتی رہی تھیں اور جوانی میں انہوں نے مقابلہ حسن جیتا تھا اور اس وقت وہ پوری طرح امریکی میڈیا پر چھائی ہوئی ہیں۔ سارا پیلن نے پچیس ستمبر کو صدر پاکستان آصف علی زرداری سے ملاقات کی' اس ملاقات میں آصف علی زرداری نے بڑی بے باکی سے سارا پیلن کے حسن کی تعریف کی' اس تعریف کے دوران دونوں عالمی راہنماؤں کے درمیان چند دِلچسپ فقروں کا تبادلہ ہوا' یہ فقرے آج کل پاکستانی اور غیر ملکی میڈیا بالخصوص ٹی وی چینلز پر بڑے تواتر سے دکھائے جا رہے ہیں اور ان کے بارے میں دو قسم کی آراء سامنے آ رہی ہیں۔ لبرل طبقوں کا خیال ہے امریکی کلچر میں اس قسم کی گفتگو کو ''گڈ ول جیسچر'' سمجھا جاتا ہے اور اس سے فریقین کے درمیان ایک سفارتی قربت اور بے تکلفی پیدا ہوتی ہے جبکہ مشرقیت کے حامی اور قدامت پسند طبقوں کا کہنا ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کو احتیاط کرنی چاہئے تھی' انہیں کم از کم پاکستان کے امیج کا خیال رکھنا چاہئے تھا کیونکہ وہ امریکہ میں امریکی کلچر کی نمائندگی نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر ہیں چنانچہ انہیں اسلامی اور پاکستانی روایات کا احترام کرنا چاہئے تھا اور صدر کی اس حرکت سے ہمارا سر شرم سے جھک گیا ہے۔

خواتین وحضرات! اگر ہم اس خاص زاویے سے اپنی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں نہایت دکھ سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہماری تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے اٹی پڑی ہے اور اس قسم کے کسی بھی

واقعے پر ہمارا سر شرم سے نہیں جھکا مثلاً آپ ملک غلام محمد کو لیجئے' ملک غلام محمد پاکستان کے تیسرے گورنر جنرل تھے' ان کے دور میں ایک نوجوان سوئس خاتون مس بورل بوتھ گورنر ہاؤس کی گورننس ہوتی تھی' ملک غلام محمد کو فالج ہو چکا تھا' وہ سارا دن ویل چیئر پر پڑے رہتے تھے اور مس بورل اپنے رومال سے ان کی رالیں صاف کرتی رہتی تھی۔ اس کی بے شمار تصاویر اس زمانے کے اخبارات میں شائع ہوئیں لیکن ہمارا سر شرم سے نہیں جھکا۔ سکندر مرزا پاکستان کے چوتھے گورنر جنرل اور پہلے صدر تھے' وہ سرکاری کھانوں کے دوران نشے کے عالم میں خواتین کی ساڑھیوں کا پلو پکڑ کر گانا گانا شروع کر دیتے تھے' یہ منظر بھی سینکڑوں' ہزاروں لوگوں نے دیکھا لیکن ہمارا سر شرم سے نہیں جھکا۔ صدر جنرل یحییٰ خان پاکستانی تاریخ کے انتہائی متنازعہ کردار تھے' حمود الرحمان رپورٹ میں صدر کی ذاتی زندگی کے ایسے ایسے گھناؤنے واقعات درج ہیں کہ انسان کو ان ہاتھوں سے بو آنے لگتی ہے جن سے اس نے یہ رپورٹ تھام رکھی ہوتی ہے۔ جنرل یحییٰ خان ایوان صدر سے برہنہ باہر آ جاتے تھے' وہ نشے کے عالم میں خواتین کے ساتھ کھلی گاڑی میں بیٹھ کر پورے صدارتی پروٹوکول کے ساتھ اسلام آباد کی سڑکوں پر سیر کرتے تھے' انہوں نے ایرانی شہنشاہیت کی ہزار سالہ تقریبات میں دُنیا بھر کے حکمرانوں کے سامنے گملے کو واش روم بنا دیا تھا اور منا کو کی شہزادی گریس کیلی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے سارا پیلن جیسے مکالمے بولے تھے' ان کے مکالموں میں اتنی شدت تھی کہ شہزادی گریس نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ یہ واقعہ مہینوں تک عالمی میڈیا میں رپورٹ ہوتا رہا لیکن ہمارا سر شرم سے نہیں جھکا۔ جنرل ضیاء الحق بھارتی اداکارہ ہیما مالنی کے بہت بڑے فین تھے' وہ 1984ء میں بھارت کے دورے پر گئے تو انہوں نے ہیما مالنی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کر دی تھی لیکن ہمارا سر شرم سے نہیں جھکا۔ جناب الٰہی بخش سومرو نے سپیکر قومی اسمبلی کی حیثیت سے ایک غیر ملکی خاتون کے ساتھ ڈانس کیا اور یہ تصویر عالمی میڈیا میں شائع ہوئی لیکن ہمارا سر شرم سے نہیں جھکا۔ میاں نواز شریف بھارت کے سابق وزیراعظم اندر کمار گجرال کو ٹیلی فون پر گانے سناتے تھے لیکن ہمارا سر شرم سے نہیں جھکا اور رہ گئے صدر پرویز مشرف تو انہوں نے اپنے دور میں قوم کو شرمندگی کے بے شمار موقع فراہم کئے تھے۔ صدر پاکستان اپریل 2005ء کو بھارت کے دورے پر گئے' بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ نے صدر مشرف کے اعزاز میں ڈنر دیا تو ہمارے صدر نے بھارتی وزیراعظم سے درخواست کی کہ آپ بالی ووڈ کی اداکارہ رانی مکھر جی کو بھی دعوت دیں۔ رانی مکھر جی کھانے پر آئی تو نہ صرف ہمارے صدر نے اس سے ہاتھ ملایا بلکہ بڑی دیر تک اس کی تعریف کرتے رہے۔ صدر مشرف ایشوریا رائے کے بھی بہت بڑے فین تھے' صدر محترم کے ڈانس بھی بڑے مشہور تھے' وہ سر پر گلاس رکھ کر رقص کرتے تھے' انہوں نے چودہ اگست کے موقع پر پوری قوم کے سامنے بھی ڈانس کیا تھا جبکہ ان کی محفل میں سی بی آر کے

سابق چیئرمین عبداللہ یوسف اور شوکت عزیز بھی ڈانس کا مظاہرہ کیا کرتے تھے لیکن ہمارے سر شرم سے نہیں جھکے۔

خواتین وحضرات! سچ تو یہ ہے اگر ہمارے سر ملک غلام محمد کے دور میں جھک جاتے تو شائد آج سارا پیلن کا واقعہ پیش نہ آتا۔ اگر ہم نے جنرل یحییٰ خان کی حرکتوں پر احتجاج کیا ہوتا تو آج ہمارے پاس احتجاج کا حق محفوظ ہوتا۔ ماضی میں ہمارا سر کبھی شرم سے نہیں جھکا اور ہم نے اس قسم کی حرکتوں پر کسی لیڈر کا محاسبہ نہیں کیا لہٰذا آج بھی ہمارا سر نہیں جھکنا چاہیے' آج بھی ہمیں سارا پیلن کے واقعے پر شرمندہ نہیں ہونا چاہیے اور ہم لوگ کیونکہ ماضی میں ہر قسم کے گھونٹ کو کڑوا سمجھ کر پی گئے تھے چنانچہ ہمیں آج یہ گھونٹ بھی چپ چاپ پی جانا چاہیے۔

خواتین وحضرات! گزشتہ روز صدر آصف علی زرداری نے سلامتی کونسل میں خطاب کیا' اس خطاب میں انہوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ پر اپنا عزم دہرایا' وہاں انہوں نے اقوام متحدہ سے درخواست کی کہ وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل پر تحقیقات کرائیں اور ان کے بچوں کو انصاف دلائیں۔ صدر زرداری نے کہا ''برما کی لیڈر آنگ سان سوچی کئی برسوں سے نظر بند ہیں اور عالمی دُنیا ان کی رہائی کے لئے کوشش کرے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! مارک ٹوئن امریکہ کا ایک مشہور رائٹر' پروفیسر اور مزاح نگار تھا۔ اس نے ایک بار سفارت کاری کی بڑی خوبصورت تعریف کی تھی۔ اس نے کہا تھا جب آپ ایک چیز دے کر اس کے بدلے میں ایک چیز لیتے ہیں تو یہ تجارت ہوتی ہے لیکن جب آپ ایک چیز دے کر دس چیزیں لیتے ہیں تو یہ سفارت کاری کہلاتی ہے۔

خواتین وحضرات! اگر ہم سفارتکاری کی اس تعریف کو سچ مان لیں اور اپنے آپ کو اس تعریف میں رکھ کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم نے امریکہ کے ساتھ تعلقات میں ہمیشہ دس چیزیں دیں اور ان کے بدلے صرف ایک چیز حاصل کی اور وہ چیز عموماً امریکہ کی طرف سے یہ بیان ہوتا ہے ''ہم پاکستان کی خودمختاری کا احترام کرتے ہیں'' لہٰذا یوں محسوس ہوتا ہے اس بار بھی اس بیان کے علاوہ ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا کیونکہ یہ حقیقت ہے کمزور انسان اور چھوٹی قومیں بڑے بازاروں اور بڑی منڈیوں سے ہمیشہ جیب کٹوا کر واپس آتی ہیں۔

(26 ستمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

غصہ اور انتقام

آغاز:

خواتین وحضرات! صدیوں پہلے کسی بزرگ کی شیطان سے ملاقات ہوگئی' بزرگ نے شیطان سے پوچھا ''تم بظاہر ایک عام سی مخلوق دکھائی دیتے ہو لیکن تم بیٹھے بیٹھے سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو کیسے لڑا دیتے ہو'' شیطان مسکرایا' اس نے بزرگ کو اپنی اُنگلی دکھائی اور آہستہ سے بولا ''لوگوں کو میں نہیں لڑاتا' میری یہ اُنگلی لڑاتی ہے'' بزرگ نے پوچھا ''وہ کیسے'' شیطان نے کہا ''آپ میرے ساتھ ذرا بازار تک چلئے'' بزرگ اس کے ساتھ چل پڑے' شیطان انہیں ایک حلوائی کی دُکان پر لے گیا' اس نے بزرگ کو ایک سائیڈ پر کھڑا کیا' حلوائی کی شیرے والی کڑاہی میں اُنگلی ڈبوئی اور یہ اُنگلی سامنے دیوار پر لگا دی' دیوار پر شیرے کا ایک دھبہ سا بن گیا' بزرگ نے دیکھا چند لمحوں میں شیرے کے دھبے پر مکھیاں جمع ہوگئیں' دیوار کے دوسرے کونے پر ایک چھپکلی بیٹھی تھی' چھپکلی نے مکھیاں دیکھیں تو وہ ان کی طرف لپکی' حلوائی کے سٹول کے نیچے ایک بلی تھی' بلی نے چھپکلی دیکھی تو وہ سٹول کے نیچے سے نکلی اور اس نے چھپکلی پر جمپ لگا دیا۔ اس دوران بازار سے ایک وزیر کا نوکر کتا لے کر گزر رہا تھا' کتے نے بلی دیکھی تو اس نے رسی چھڑا کر بلی پر حملہ کر دیا' بلی دُکان کے اندر بھاگ گئی لیکن کتا مٹھائی پر چڑھ گیا اور اس نے ساری مٹھائی خراب کر دی' حلوائی کو غصہ آ گیا' اس نے جلیبیاں تلنے والا چھاننا کتے کے سر پر دے مارا' کتے نے چیخ ماری اور بازار میں گر کر دم توڑ دیا' وزیر کا نوکر بھاگتا ہوا آیا' اس نے حلوائی کو گریبان سے پکڑا اور اسے بازار میں نکال کر مارنے لگا' حلوائی کے ملازم شور سن کر باہر آئے اور انہوں نے وزیر کے نوکر کو مارنا شروع کر دیا۔ اتنے میں اس لڑائی کی اطلاع وزیر کے دفتر تک پہنچ گئی' وزیر نے اپنے سپاہی

بازار کی طرف دوڑا دیئے' سپاہی حلوائی کی دُکان پر پہنچے اور وہ حلوائی کے نوکروں کو مارنے لگے' یہ زیادتی دیکھ کر دوسرے دُکاندار اپنی دُکانوں سے باہر نکلے اور انہوں نے سپاہیوں کو مارنا شروع کر دیا۔ قصہ مختصر' یہ لڑائی چند لمحوں میں پورے شہر میں پھیل گئی اور سینکڑوں ہزاروں لوگ دیکھتے ہی دیکھتے زخمی ہو گئے۔ بزرگ شیطان کے ساتھ کھڑے ہو کر حیرت سے سارا تماشا دیکھ رہے تھے' شیطان نے آخر میں ان کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا ''کیوں صاحب کیسا لگا'' بزرگ نے پوچھا ''کیا یہ سارا تمہاری اُنگلی کا کھیل تھا'' شیطان نے قہقہہ لگایا اور بولا ''نہیں'' یہ سارا غصے اور انتقام کا کھیل تھا'' بزرگ نے پوچھا ''کیا مطلب؟'' شیطان بولا ''اللہ نے انسان میں غصے اور انتقام کا جذبہ رکھا ہے' جب کسی شخص' کسی طبقے' شہر یا قوم میں انتقام اور غصے کا جذبہ بڑھ جائے تو اس پوری قوم' اس پورے شہر کو تباہ کرنے کے لئے میری اُنگلی کا ایک دھبہ کافی ہوتا ہے۔'' بزرگ خاموشی سے سنتے رہے' شیطان بولا ''دُنیا میں غصہ اور انتقام میرے دو گھر ہیں اور جس شخص کے اندر یہ دونوں گھر موجود ہوں' میں اس کے اندر سے کبھی نہیں نکلتا۔'' بزرگ سنتے رہے' شیطان بولا ''لیکن جو قوم یا جو انسان اپنے غصے اور اپنے انتقام پر قابو پا لے' میں اس شخص اور اس قوم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتا ہوں۔''

خواتین و حضرات! اس وقت پاکستان کے تین بڑے سیاسی مسائل ہیں' سترہویں ترمیم' ججز کی بحالی اور دہشت گردی' یوں محسوس ہوتا ہے ان تینوں مسائل نے آج ہمیں پوری طرح شکنجے میں جکڑ رکھا ہے اور جب تک یہ شکنجہ نہیں کھلے گا اور جب تک ہم یہ مسائل حل نہیں کر پائیں گے' اس وقت تک یہ ملک آگے نہیں بڑھے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک ہم ان مسائل کی روٹ کاز تک نہیں جاتے اس وقت تک ہم یہ مسائل حل نہیں کر پائیں گے اور یہ بھی سچ ہے ان تینوں مسائل کی جڑ پچھلی حکومت کے صحن میں دفن ہے۔ یہ تینوں مسائل پچھلی حکومت کے پیدا کردہ ہیں ہماری گزشتہ حکومت ان مسائل کے معاملے میں کس حد تک مجرم ہے' شیطان کی اُنگلی سے شیرہ کس نے دیوار پر لگایا تھا۔

اختتام:

خواتین و حضرات! جولیس سیزر رومن ایمپائر کا بڑا مشہور اور کامیاب بادشاہ تھا اس نے ایک بار اپنی کامیابی کا ایک فارمولا بیان کیا تھا اور اس کا کہنا تھا اگر کوئی شخص یا کوئی بادشاہ اس فارمولے کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لے تو دُنیا کی کوئی طاقت اسے کامیاب ہونے سے نہیں روک سکتی۔ اس نے کہا ''میں نے آج تک غصے' نشے اور خوشی کے عالم میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

خواتین و حضرات! ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے آج تک جتنے بھی فیصلے کئے ان کا محرک غصہ تھا' نشہ تھا یا پھر خوشی تھی چنانچہ آج پورا ملک حکمرانوں کی خوشی' نشے اور غصے کی فصل کاٹ رہا ہے۔

خواتین و حضرات! جب تک حکومتیں میرٹ کو اپنے فیصلوں کی بنیاد نہیں بناتیں اس وقت تک ملکوں کے مسائل حل نہیں ہوا کرتے اور بدقسمتی یہ ہے آج تک پاکستان کی ہر حکومت نے جو بھی فیصلہ کیا اس کے پیچھے ذاتی غصہ تھا' طاقت کا نشہ تھا اور عارضی کامیابی کی خوشی تھی چنانچہ آج ہم ایک ایسے مقام پر کھڑے ہیں جس کے آگے اندھیرے کے سوا کچھ نہیں۔

(28 ستمبر 2008ء)

رابطے کے پھول

آغاز:

خواتین وحضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار کسی جگہ تشریف فرما تھے' وہاں سے ایک صحابی کا گزر ہوا' آپ ﷺ کے پاس تشریف فرما احباب نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ یہ شخص انتہائی عبادت گزار اور نیک ہے'' آپ ﷺ نے پوچھا ''کیسے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''یہ شخص دن رات عبادت میں مصروف رہتا ہے'' آپ ﷺ نے پوچھا ''اور اس کے کھانے پینے' اس کے اہل وعیال کے نان نفقے اور اس کے جانوروں کا خیال کون رکھتا ہے'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ یہ کام ہم لوگ مل کر کرتے ہیں'' آپ ﷺ نے فوراً فرمایا ''اللہ کے نزدیک تمہارا درجہ اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے'' ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ''مانگنا بدترین ذلت ہے' خواہ اپنے والد ہی سے کیوں نہ مانگا جائے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص مانگنے کی عادت ڈال لے اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

خواتین وحضرات! یہ تینوں احادیث آپ کے سامنے رکھنے کا مقصد آپ کو اپنے عوام' اپنے ملک اور اپنی قوم کی پسماندگی' فاقہ کشی اور نا ختم ہونے والے مسائل کی اصل وجہ بتانا تھا۔ ہمیں ماننا پڑے گا ہم بنیادی طور پر گداگروں' بھکاریوں اور منگتوں کی قوم ہیں' ہم اقوام عالم کے بازار میں ہمیشہ دوسرے ملکوں کی جیبوں پر نظر رکھتے ہیں' ہمارا صدر بیرونی دورے پر جائے' وزیراعظم سرکاری دورہ کرے یا ہمارے فنانس منسٹر کسی دوسرے ملک تشریف لے جائیں تو پوری قوم ندیدوں کی طرح ان کا انتظار کرتی ہے اور جب وہ واپس تشریف لاتے ہیں تو لوگ ان سے پوچھتے ہیں ''آپ ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہیں'' ہمارے حکمران بھی کیونکہ اسی قوم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں چنانچہ یہ بھی اکثر دورے پر روانہ ہونے

سے قبل یہ اعلان فرما دیتے ہیں کہ ''ہم فلاں ملک سے اتنی امداد لینے جا رہے ہیں'' اور یہ بھی دیکھا گیا ہے ہمارے حکمران غیر ممالک سے قوم کو خوشخبری سنا دیتے ہیں ''ہم نے فلاں ادارے یا فلاں ملک کو اتنی امداد دینے پر رضامند کر لیا ہے'' اور حکومت اس کامیابی پر خوشی کے شادیانے بجانا شروع کر دیتی ہے اور وزراء پانچ' پانچ لاکھ روپے کا سوٹ پہن کر ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگتے ہیں۔ آپ صدر آصف علی زرداری کا امریکہ کا حالیہ دورہ ملاحظہ کر لیجئے' حکومت کا خیال تھا صدر زرداری امریکہ کو پانچ بلین ڈالر سے دس بلین ڈالر تک کی امداد کے لئے تیار کر لیں گے۔ امداد کے سلسلے میں 26 ستمبر کو نیویارک میں ''فرینڈز آف پاکستان'' کی تقریب بھی ہوئی اور اس تقریب میں بارہ ممالک نے پاکستان کی امداد کے لئے ایک کنسورشیم تشکیل دے دیا۔ یہ کنسورشیم ایک ماہ میں یہ تعین کرے گا کہ پاکستان کو کتنی امداد دینی چاہئے اور اس امداد کے رولز اینڈ ریگولیشنز کیا ہوں گے' آپ ہماری گداگری کی عادت کا اس بات سے اندازہ لگا لیجئے کہ حکومت اس کنسورشیم کو بھی بہت بڑی کامیابی سمجھ رہی ہے اور ہم امداد کی توقع پر ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کر رہے ہیں۔

خواتین وحضرات! اگر کینیڈا کے 3 کروڑ 33 لاکھ لوگ 4 سو 30 بلین ڈالر کے ریزرو جمع کر سکتے ہیں' فرانس کے ساڑھے چھ کروڑ لوگ خود کو دُنیا کی تیسری بڑی طاقت بنا سکتے ہیں' جرمنی کے 8 کروڑ 22 لاکھ لوگ سپر پاور کا خواب دیکھ سکتے ہیں' امریکہ کے 30 کروڑ 52 لاکھ لوگ دُنیا کی 63.90 فیصد دولت کے مالک بن سکتے ہیں' برطانیہ کے 6 کروڑ لوگ گریٹ برٹن کہلا سکتے ہیں' جاپان کی 1 کروڑ 27 لاکھ آبادی دُنیا کی امیر ترین قوم بن سکتی ہے' اٹلی کے 5 کروڑ 96 لاکھ لوگ دُنیا کی ساتویں بڑی قوم بن سکتے ہیں اور اگر روس کے 14 کروڑ 20 لاکھ لوگ پوری دُنیا کو آنکھیں دکھا سکتے ہیں تو ہم ساڑھے سترہ کروڑ لوگ روٹی' روٹی کو کیوں محتاج ہیں' ہم اپنے بازوؤں کی طاقت سے اپنی معیشت کیوں نہیں چلا سکتے؟ آخر ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟

ناظرین۔۔۔ یہ فرق امداد کی عادت ہے' دُنیا کے آٹھ بڑے ملکوں نے کبھی کسی دوسرے ملک کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا جبکہ ہم اکسٹھ برسوں سے کشکول لے کر کبھی اس ملک کے دروازے پر جاتے ہیں اور کبھی اس قوم کے در پر صدا لگا دیتے ہیں۔

خواتین وحضرات! ہمیں ماننا پڑے گا اگر ساڑھے سترہ کروڑ لوگ اپنی ضرورت کی گندم نہیں اگا سکتے' اپنی ضرورت کے ڈیمز نہیں بنا سکتے' اپنی ضرورت کی نہریں نہیں کھود سکتے' اپنی ضرورت کی سبزیاں' گنا اور کپاس نہیں اگا سکتے' اپنی ضرورت کا کپڑا نہیں بن سکتے' اپنی ضرورت کی بجلی نہیں پیدا کر سکتے' اپنی ضرورت کے مکان نہیں بنا سکتے' اپنی ضرورت کی سڑکیں اور گلیاں تعمیر نہیں کر سکتے' اپنی ضرورت

کی دوائیں نہیں بنا سکتے' اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکتے اور اپنے بچوں کو دہشت گردی سے نہیں بچا سکتے ہیں تو ان ساڑھے سترہ کروڑ لوگوں کو قوم کہلانے کا کوئی حق نہیں اور اس ملک کو ملک نہیں کہنا چاہئے۔

خواتین وحضرات! ہم ساڑھے سترہ کروڑ لوگ قوم کیوں نہیں ہیں؟ بات سیدھی اور سادی ہے۔۔ منگتے' بھکاری اور گداگر کبھی قوم نہیں بن سکتے' وہ کبھی خوشحال نہیں ہو سکتے' جب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمادیا کہ ''جو شخص مانگنے کی عادت ڈال لے اللہ اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے'' تو اس کے بعد کیا بات پیچھے رہ جاتی ہے۔ ہم محتاج ہیں ہماری محتاجی کی وجہ ہمارا کشکول ہے اور جب تک ہم یہ کشکول نہیں توڑیں گے ہم اسی طرح اپنی بنیادی ضروریات کے لئے ''فرینڈز آف پاکستان'' کے دروازے پر پڑے رہیں گے۔ ہم اسی طرح دوسروں کے ٹکڑوں پر پلتے رہیں گے۔

خواتین وحضرات! صدر آصف علی زرداری کا امریکہ کا دورہ ختم ہو چکا ہے' یہ دورہ سابق ہیڈز آف سٹیٹس کے دوروں سے کتنا مختلف تھا' یہ ہمارا موضوع ہے جبکہ میں آخر میں آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا قول سناؤں گا جس پر عمل کر کے حکومت قبائلی علاقوں کا مسئلہ حل کر سکتی ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ''دوستی اور دشمنی کا فیصلہ رابطہ کرتا ہے'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر آپس میں رابطہ نہ ہو تو آپ کا دوست بھی دشمن بن جاتا ہے اور اگر آپس میں رابطہ قائم رہے تو بڑے سے بڑا دشمن بھی آپ کا دوست بن سکتا ہے۔''

خواتین وحضرات! میں نے جب یہ قول پڑھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات قبائلی علاقوں کا مسئلہ حل کرنے کے لئے فرمائی تھی' ماضی میں کیونکہ ہمارا قبائلی علاقوں سے رابطہ کم تھا چنانچہ ہمارے دوست ہمارے دشمن بن گئے اور اگر آج ہم قبائلی علاقوں میں لڑنے والوں سے رابطہ کر لیں تو مجھے یقین ہے ہمارے آج کے دشمن ہمارے کل کے دوست بن سکتے ہیں۔

خواتین وحضرات! جنگیں ہمیشہ رائفلوں سے شروع ہوتی ہیں اور یہ اس وقت تک جاری رہتی ہیں جب تک لوگ رائفلیں نیچے رکھ کر ہاتھوں میں پھول نہیں اٹھاتے اور ہماری یہ جنگ بھی اس وقت تک خون چوستی رہے گی جب تک ہمارے ہاتھوں میں رابطے کے پھول نہیں آتے۔

(28 ستمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘
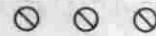
حقیقی عید

آغاز:

خواتین وحضرات! دنیا میں ایک دو درجن سے زائد لوگ ایسے ہوں گے جن کا نام کرۂ ارض کے ساڑھے چھ ارب لوگ جانتے ہوں گے' یہ ایک یا دو درجن خوش قسمت لوگ کون ہیں' اس کا فیصلہ اپنی جگہ بہت مشکل ہے لیکن ان میں مدر ٹریسا ایک ایسی شخصیت تھیں جن کا نام ہم آنکھیں بند کر کے اس فہرست میں شامل کر سکتے ہیں۔ مدر ٹریسا کا تعلق سکندر اعظم کے صوبے مقدونیہ سے تھا' انہوں نے آئرلینڈ سے تعلیم حاصل کی تھی اور وہ 1930ء میں ٹیچر بن کر ہندوستان آئی تھیں' انہوں نے ہندوستان کے لوگوں کی غربت' بے بسی' بے کسی اور بیماریاں دیکھیں تو انہوں نے کولکتہ کے غریبوں کے لئے کام کرنے کا فیصلہ کیا' کولکتہ کی میونسپل کارپوریشن نے انہیں کالی مندر کے پاس ایک ہاسٹل دے دیا' مدر ٹریسا نے 1948ء میں وہاں ایک ادارے کی بنیاد رکھی اور یہ ادارہ آنے والے دنوں میں پوری دنیا کے مخیر حضرات کے لئے ماڈل بن گیا۔

خواتین وحضرات! مدر ٹریسا اور ان کے ساتھی آٹھ سیکٹر میں کام کرتے تھے' وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے' زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے تھے' بیماروں کے لئے دوا' ڈاکٹر اور ہسپتال کا بندوبست کرتے تھے' لاوارث بچوں کو تعلیم دیتے تھے' مفلسوں' ناداروں اور نابیناؤں کی نگہداشت کرتے تھے اور وہ بے آسراؤں کو چھت فراہم کرتے تھے۔ 1965ء میں مدر ٹریسا نے آسان سول کے مقام پر بے کس اور بے بس لوگوں کی دنیا کی پہلی بستی بنائی' اس بستی کا نام شانتی نگر تھا' 1970ء میں مدر ٹریسا بھارت سے باہر نکلیں اور انہوں نے دنیا کے چالیس ممالک میں دو سو کے قریب مراکز قائم کئے' مدر ٹریسا کو امن کے نوبل پرائز کے علاوہ دنیا جہاں کے اعزازات ملے لیکن ان کا کہنا تھا دنیا میں غریبوں کی آنکھوں

میں خوشی کے آنسو سے بڑا اعزاز اور بڑا انعام کوئی نہیں۔

خواتین وحضرات! مدر ٹریسا نے دُنیا میں خوشی کا ایک نیا تصور بھی دیا تھا' ان کا کہنا تھا خوشی ایک ایسا جذبہ ہے جو کسی دوسرے کی خدمت کر کے حاصل ہوتا ہے' انسان کو بلکتے ہوئے بچے کے سر پر ہاتھ پھیر کر جو خوشی ملتی ہے دُنیا میں اس خوشی کا کوئی بدل نہیں' کسی بھوکے کو کھانا کھلا کر' کسی بے آسرا عورت کے سر پر چادر دے کر' کسی معذور کی بیساکھی بن کر' کسی اندھے کی لاٹھی بن کر' کسی لولے کا بازو بن کر' کسی کوڑی کا ساتھی بن کر' کسی یتیم کا کھلونا بن کر' کسی غریب بچے کا استاد بن کر' کسی زخمی کے زخم پر دوا لگا کر اور کسی بے سہارا بوڑھے کا سہارا بن کر انسان جس خوشی کا ذائقہ چکھتا ہے وہ ذائقہ دُنیا کی کسی دوسری نعمت میں موجود نہیں۔ مدر ٹریسا کہا کرتی تھی دُنیا کے ہر شعبے' ہر فیلڈ کے لوگ اپنا پیشہ اپنی فیلڈ چھوڑ کر دوسرے شعبے میں جاتے ہیں لیکن خدمت دُنیا کا واحد شعبہ ہے جسے آج تک کوئی شخص چھوڑ کر نہیں گیا۔

خواتین وحضرات! خوشی دُنیا کی ایک ایسی دِلچسپ چیز ہے جو ہمیشہ مل کر حاصل ہوتی ہے' دُنیا کا ہر شخص اکیلا غم تو منا سکتا ہے لیکن خوشی منانے کے لئے اسے کسی دوسرے شخص کی ضرورت پڑتی ہے اور عید کا ایک مفہوم ملنا' ملاقات کرنا اور مل کر خوشی منانا بھی ہوتا ہے اور ہم بخوبی جانتے ہیں کہ عید کا سب سے بڑا رکن یا مناسک' ایک دوسرے سے گلے ملنا اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینا ہوتا ہے۔ عید اسلامی دُنیا کا ایک ایسا تہوار ہوتا ہے' جس میں خاندان کے مہینوں سے بچھڑے افراد عید سے پہلے یا عید کے دن ایک دوسرے سے آن ملتے ہیں اور یوں خوشی کا عمل مکمل ہو جاتا ہے لیکن ذرا تصور کیجئے وہ لوگ جو عید کے دن بھی اپنوں سے نہیں مل پاتے یا جن کے اپنے انہیں بوجھ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں ان لوگوں کی خوشی کی نوعیت کیا ہو گی' ان کے ذہن میں خوشی کا کیا تصور ہو گا۔ ذرا سوچئے جو لوگ عید کے دن بے آسرا لوگوں کے سنٹر میں پڑے ہیں اور عید کے دن بھی ان کے بچوں نے انہیں یاد نہیں کیا یا وہ بچے جنہوں نے یتیمی میں آنکھ کھولی جنہوں نے ماں باپ کا لمس تک نہیں چکھا' وہ لوگ جنہیں بیماری اور معذوری کی وجہ سے اپنوں نے چھوڑ دیا یا پھر وہ لوگ جنہیں بے کار سمجھ کر خاندان نے راستے میں پھینک دیا ان لوگوں کی نظر میں عید یا خوشی کی کیا صورت ہوتی ہو گی۔ ذرا تصور کیجئے ہم عید کی خوشیاں منا رہے ہیں لیکن ہم سے چند قدم کے فاصلے پر ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں عید اور خوشی کا مفہوم تک معلوم نہیں یا جو زندگی کو کسی ایسے زاویے' کسی ایسے اینگل سے دیکھ رہے ہیں جس پر خوشی کا کوئی رنگ نہیں چڑھتا۔ ذرا تصور کیجئے ہو سکتا ہے آپ نے زندگی میں کبھی ایسے لوگ نہ دیکھے ہوں اور آپ زندگی کی اس بھیانک سائیڈ سے واقف نہ ہوں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں مدر ٹریسا کا ذکر کیا تھا' مدر ٹریسا کے ایک فقرے نے انٹرنیشنل فریز کی شکل اختیار کی تھی' انہوں نے کہا تھا ''دُنیا بھر کے غریبوں کو معلوم ہونا چاہئے ہم ان سے محبت کرتے ہیں'' ناظرین ساڑھے سترہ کروڑ لوگوں کے اس ملک میں رقیہ جیسے' پروین اختر' جیسے اور نزاکت بی بی جیسے کتنے لوگ ہوں گے۔ دس لاکھ' بیس لاکھ' حد پچاس لاکھ؟ سوال یہ ہے کہ کیا ہم ساڑھے سترہ کروڑ لوگ انعم کو' فاطمہ کو' نادیہ کو اور شاہ زیب جیسے بچوں کو یہ یقین نہیں دلا سکتے کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔

خواتین وحضرات! انعم وہ بچی ہے جسے اس کے والدین نے پیدائش کے چند لمحوں بعد قبرستان میں پھینک دیا تھا اور کسی جنگلی جانور نے اس بچی کی ناک' منہ اور گال چبا ڈالا تھا۔ ہو سکتا ہے سماج اس بچی کو ناجائز سمجھتا ہو لیکن قدرت اس بچی کو پوری طرح جائز سمجھتی ہے کیونکہ قدرت کے نظام میں تمام بچے جائز ہوتے ہیں لیکن ان میں سے چند بچوں کے والدین ناجائز ہوتے ہیں یا وہ معاشرے ناجائز ہوتے ہیں جو بچوں بالخصوص بچیوں کو قبرستان میں پھینک جاتے ہیں۔ اگر اس ناجائز معاشرے کا کوئی ڈاکٹر' کوئی شخص اس بچی کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کرا دے تو میں سمجھتا ہوں ہمیں معاشرے کا چہرہ واپس مل جائے گا۔ اسی طرح ایدھی ہوم میں چار ایسے بچے ہیں جن کی والدہ اور والد جیل میں بند ہیں' ان بچوں کو نہ جانے کب تک اپنے والدین کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اگر حکومت کا کوئی کارندہ یا انسانی حقوق کی کسی تنظیم کا کوئی کارکن ان بچوں کے والدین کی رہائی کا بندوبست کر دے تو ان بچوں کی زندگی میں بھی رنگ آ سکتے ہیں۔

خواتین وحضرات! ہم بھی عجیب لوگ ہیں' ہمارے والدین چھ' چھ' سات' سات بچوں کو پوری زندگی پالتے رہتے ہیں' والدین بچوں کو عمر بھر خوشیوں کا دودھ پلاتے رہتے ہیں لیکن جب والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں تو چھ سات بچے مل کر ایک باپ' ایک ماں یا باپ اور ماں دونوں کو نہیں پال سکتے۔ ہماری مائیں' ہمارے والد ہمیں بچپن میں کبھی گرم ہوا نہیں لگنے دیتے' وہ اپنے حصے کی رضائی بھی ہم پر ڈال دیتے ہیں لیکن جب وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ہم انہیں بڑھاپے کی ٹھنڈی راتوں اور ابلتی گرم دوپہروں میں سڑک پر پھینک کر چلے جاتے ہیں' ہم کیسے لوگ ہیں۔۔!!

(29 ستمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

نیلسن منڈیلا اور آصف علی زرداری کا خوف

آغاز:

خواتین وحضرات! ہم اس پروگرام میں کئی بار نیلسن منڈیلا کا ذکر کر چکے ہیں' اس ذکر کی وجہ نیلسن منڈیلا کا پروفائل ہے۔ نیلسن منڈیلا بنیادی طور پر بیسویں اور اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے آخری بڑے لیڈر ہیں' نسل پرستی کے خلاف جدو جہد ہو' قوم کے لئے قربانیاں ہوں' دُنیا کو خوبصورت بنانے کا فلسفہ ہو یا پھر اگلی صدی کا وژن ہو نیلسن منڈیلا نے پوری دُنیا کی سیاست' ثقافت' ادب اور معیشت پر گہرے نقش چھوڑے ہیں اور ان کی وجہ سے سیاست اب دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ نیلسن منڈیلا سے پہلے کی سیاست اور نیلسن منڈیلا کے بعد کی سیاست اور ہم اور ہمارے سیاست دان خوش قسمت لوگ ہیں کہ ہم نیلسن منڈیلا کے دور میں زندہ ہیں۔ ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں' ان کی تقریریں سن سکتے ہیں اور ان کی تحریریں پڑھ سکتے ہیں اور اگر ہمارے سیاست دان چاہیں تو وہ ان سے سبق بھی سیکھ سکتے ہیں۔

خواتین وحضرات! نیلسن منڈیلا نے چند ماہ قبل دُنیا بھر کے لیڈرز کے لئے لیڈر شپ کے آٹھ اُصول مرتب کئے تھے اور ان کا خیال ہے ہر وہ شخص جو اپنے معاشرے کو بدلنا چاہتا ہے وہ اگر ان اُصولوں پر کاربند ہو جائے تو وہ حقیقتاً اپنے ملک' اپنی قوم اور اپنے معاشرے کی شکل تبدیل کر سکتا ہے۔ ساؤتھ افریقہ کی حکومت نیلسن منڈیلا کے ان آٹھ اُصولوں کو سلیبس کا حصہ بنا رہی ہے اور حکومت کا خیال ہے اگر وہ شروع دن سے اپنے بچوں کی تربیت ان آٹھ اُصولوں پر کرے تو ملک میں سینکڑوں نئے لیڈرز پیدا ہو سکتے ہیں اور یہ لیڈرز آنے والے دنوں میں ساؤتھ افریقہ کے بڑے بڑے ادارے اور شعبے سنبھال سکتے ہیں۔ میں یہ پورے اُصول تو آپ کو کسی اگلے پروگرام میں بتاؤں گا۔ سردست میں آپ کے سامنے نیلسن منڈیلا کا ایک اُصول رکھوں گا اور یہ نیلسن منڈیلا کی فہرست کے آٹھ اُصولوں میں پہلا اُصول ہے۔ نیلسن منڈیلا کا کہنا ہے لیڈر کی سب سے پہلی اور بڑی خوبی بہادری ہوتی ہے' ان کا کہنا ہے خوف زندگی کا حصہ ہے اور دُنیا میں آج تک کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جسے خوف نہ آتا ہو لیکن عام آدمی اور لیڈر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عام آدمی کا خوف اس کے چہرے پر آ جاتا ہے جبکہ لیڈر اپنے خوف کو چھپا لیتا ہے۔ نیلسن منڈیلا کا کہنا ہے جو شخص اپنے خوف کو چھپا نہیں سکتا وہ لیڈر نہیں بن سکتا چنانچہ ہمیں اپنے بچوں کو خوف پر قابو پانے کی ٹریننگ دینی چاہئے۔

قارئین۔۔۔ رچرڈ شیف گل نیلسن منڈیلا کا عزیز ترین دوست ہے' یہ امریکی صحافی ہے اور اس نے نیلسن منڈیلا کی آٹو بائیوگرافی لکھی تھی' منڈیلا نے جب لیڈر شپ کا یہ اُصول دیا تو رچرڈ نے اس کی تشریح میں ایک بڑا خوبصورت واقعہ لکھا' اس نے بتایا ''1994ء میں ہم لوگ ایک چھوٹے ہوائی جہاز پر نٹال جا رہے تھے' یہ صدارتی الیکشن کا زمانہ تھا اور منڈیلا زولو قبائل سے ووٹ مانگنے جا رہے تھے' راستے میں جہاز کا ایک انجن فیل ہو گیا اور قریب ترین ائر پورٹ بیس منٹ کے فاصلے پر تھا' پائلٹ نے جب اس سانحے کی اطلاع دی تو جہاز کے اندر خوف پھیل گیا اور میرے سمیت تمام لوگ گھبرا گئے لیکن نیلسن منڈیلا اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اطمینان سے اخبار پڑھتے رہے۔'' ہم لوگوں نے جب انہیں بے خوف اور مطمئن دیکھا تو ہم بھی آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگے۔ بیس منٹ بعد جہاز بحفاظت اُتر گیا' جب ہم لوگ گاڑی میں بیٹھے تو میں نے منڈیلا سے پوچھا'' آپ کو ڈر نہیں لگا تھا''۔ نیلسن منڈیلا نے جواب دیا'' میں بری طرح ڈر گیا تھا اور خوف سے میرے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہو گئی تھیں'' اس کے بعد رچرڈ نے پوچھا'' لیکن آپ کے چہرے سے تو خوف کا اندازہ نہیں ہوتا تھا'' منڈیلا نے قہقہہ لگایا اور بولے'' اگر میرے چہرے پر خوف آ جاتا تو ڈر سے آپ لوگ کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا' یہ میری اداکاری تھی جس نے آپ کو حوصلہ دیا تھا'' رچرڈ نے پوچھا'' آپ نے یہ فن کہاں سے سیکھا'' خواتین وحضرات اس سوال کے جواب میں منڈیلا نے کیا کہا تھا۔ یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔ سردست ہم صدر آصف علی زرداری کی تشویش کی طرف آتے ہیں۔ صدر نے گزشتہ روز ایک امریکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا'' جن لوگوں نے محترمہ بے نظیر بھٹو کو شہید کیا تھا وہ انہیں بھی جان سے مار دینا چاہتے ہیں'' صدر صاحب کے اس انکشاف کے بعد پوری قوم خوف کا شکار ہو چکی ہے کہ صدر آصف علی زرداری کی جان کو کن لوگوں سے خطرہ ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! نیلسن منڈیلا نے رچرڈ شیف گل سے کہا تھا'' رچرڈ یہ غیر فطری ہو گا

کہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں کہ میں کسی سے نہیں ڈرتا‘ خوف ایک فطری عمل ہے اور دُنیا کا ہر شخص اس عمل سے گزرتا ہے لیکن جب آپ کسی قوم کے لیڈر بن جاتے ہیں تو پھر آپ کو لیڈرشپ یا خوف میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ نیلسن منڈیلا نے کہا جب بھی خوف میری طرف بڑھتا ہے تو میں فوراً اپنے آپ سے کہتا ہوں نیلسن تم صرف نیلسن نہیں ہو تم جنوبی افریقہ کے فادر آف نیشن نیلسن منڈیلا ہو اور اگر آج تم ڈر گئے تو تمہاری قوم بزدلوں کی قوم بن جائے گی‘ تمہارے لوگ حوصلہ ہار جائیں گے‘ نیلسن منڈیلا نے کہا اور یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب میں خوف کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔

خواتین وحضرات! کاش ہمارے پاس بھی کوئی نیلسن منڈیلا ہوتا‘ ایک ایسا نیلسن منڈیلا جو ہمیں زندگی کے خوف سے نجات دلا سکتا‘ جو ہم کو قوم ہونے کا شعور دے سکتا لیکن ہم ایک ایسی بدقسمت قوم ہیں جو نیلسن منڈیلا جیسے لیڈروں کے لئے دُعا کر سکتی ہے‘ جو صرف ایسے لیڈروں کا راستہ دیکھ سکتی ہے۔

(29 ستمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘
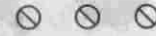
یہ کس کی جنگ ہے؟

آغاز:

خواتین وحضرات! دوسری جنگ عظیم کے بعد دُنیا میں دو سپر پاورز تھیں‘ امریکہ اور روس۔ دوسری جنگ عظیم میں ایٹم بم کی ایجاد کی وجہ سے دونوں طاقتوں نے براہ راست جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ دُنیا میں پراکسی وارز اور سرد جنگوں کا دور شروع ہوا۔ اس دور کی پہلی بڑی جنگ مارچ 1965ء میں ویتنام میں لڑی گئی‘ ویتنام جنوب مشرقی ایشیا کا ایک چھوٹا سا ملک ہے‘ یہ ملک دوسری جنگ عظیم تک فرانس کی کالونی تھا‘ 1950ء میں اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا‘ شمالی ویتنام پر کمیونسٹ لیڈر ہوچی منہ نے حکومت قائم کر لی جبکہ جنوبی ویتنام پر بادشاہ باؤ ڈائی کی سلطنت قائم ہوگئی۔ سوویت یونین نے شمالی ویتنام کو سپورٹ کرنا شروع کر دیا اور جنوبی ویتنام کو امریکہ مدد دینے لگا۔ امریکہ اور روس کی اس امداد کا نتیجہ جنگ کی صورت میں نکلا اور امریکہ نے 6 مارچ 1965ء کو اپنی فوجیں ویتنام میں اتار دیں‘ یہ جنگ کتنی بڑی تھی‘ آپ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگا لیجئے کہ 1969ء تک امریکہ کے 5 لاکھ 42 ہزار 5 فوجی ویتنام پہنچ چکے تھے۔ دوسری طرف روس نے شمالی ویت نام کو بے انتہا اسلحہ اور فوجی امداد دی۔ امریکہ 1973ء تک ویتنام میں لڑتا رہا لیکن وہ ویت نام پر قبضہ نہ جما سکا یہاں تک کہ 15 جنوری 1973ء کو صدر رچرڈ نکسن نے ہار مان لی اور یوں امریکہ نے ویتنام سے اپنی فوجیں واپس بلوا لیں۔ اس جنگ میں امریکہ کے 60 ہزار فوجی ہلاک‘ 3 لاکھ زخمی اور ایک لاکھ لاپتہ ہوئے۔ امریکہ نے اس جنگ میں عبرت ناک شکست کھائی جبکہ روس یہ جنگ جیت گیا۔

خواتین وحضرات! 1973ء میں بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا یہ جنگ ختم ہوگئی لیکن ذوالفقار علی بھٹو کا خیال تھا امریکہ نے ابھی اپنی شکست تسلیم نہیں کی اور یہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب

تک یہ روس سے ویتنام کی شکست کا بدلہ نہ لے لے۔ بھٹو صاحب کا خیال تھا یہ جنگ اب افغانستان یا ایران میں لڑی جائے گی اور پاکستان کو اس کا شدید نقصان ہو گا چنانچہ بھٹو صاحب نے حالات کی نزاکت کو سمجھا' وہ امریکہ سے دور ہٹے اور انہوں نے روس اور چین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا لیکن بھٹو صاحب کا تختہ الٹ دیا گیا' فوج نے اقتدار پر قبضہ کیا' اسی دوران روسی فوجیں بگرام کے ہوائی اڈے پر اُترنا شروع ہوئیں اور 21 اپریل 1980ء کو روس نے افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ امریکہ اس وقت کا انتظار کر رہا تھا امریکہ نے اس وقت پاکستان سے وہ کام لینے کا فیصلہ کیا جو ویتنام کی جنگ کے دوران روس نے شمالی ویتنام سے لیا تھا' امریکہ نے پاکستان کو ڈالر اور اسلحہ دیا اور پاکستان افغانستان میں امریکی مفاد کی کاشت کاری میں مصروف ہو گیا' یہ ویتنام جنگ کا دوسرا دور تھا' اس دور میں 15 ہزار روسی فوجی مارے گئے اور روس کے 70 بلین ڈالرز خرچ ہوئے یہاں تک کہ روس نے 15 فروری 1989ء کو اپنی شکست تسلیم کر لی اور اس کی فوج نے افغانستان خالی کر دیا۔ اس جنگ نے روس کے اعصاب توڑ دیئے اور 1991ء میں سوویت یونین ٹوٹ گیا جس کے بعد بظاہر یوں محسوس ہوا مار اماری کا یہ سلسلہ اب ختم ہو جائے گا لیکن بدقسمتی سے نائن الیون کا واقعہ پیش آیا اور اس خطے میں ویتنام جنگ کا تیسرا دور شروع ہو گیا۔ امریکہ ایک بار پھر افغانستان میں آیا اور روس نے اس خطے کو اس کے لئے ویت نام بنانا شروع کر دیا۔ امریکہ کو اس خطے میں آج آٹھ برس ہو چکے ہیں اور اس کی جنگ کا میدان کابل سے لے کر اٹک تک پھیل چکا ہے۔

خواتین وحضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ قبائلی علاقوں میں لڑی جانے والی جنگ کو اسلحہ اور ٹیکنالوجی روس فراہم کر رہا ہے' روس بھاری پیمانے پر گولا بارود ایرانی شہر مزار شریف پہنچاتا ہے اور وہاں سے یہ بارود پاکستان کے قبائلی علاقوں تک پہنچایا جاتا ہے' پاکستان کے علاقوں سے ایسے کمانڈوز بھی پکڑے گئے ہیں جو مسلمان نہیں ہیں' جو بلیوں اور کتوں کا گوشت کھاتے ہیں اور شراب پیتے ہیں' پاکستانی علاقوں میں برسرپیکار عسکریت پسندوں کو دو دو سو ڈالرز ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے' یہ ڈالرز کہاں سے آ رہے ہیں' اس کا جواب اسی سوال میں موجود ہے۔ یہاں پر آپ کو یہ دلچسپ بات بھی بتا تا چلوں کہ اس بار اس جنگ میں بھارت اور ایران بھی شامل ہو چکے ہیں' بھارت کی شمولیت کی وجہ پاکستان دُشمنی ہے' بھارت کو 61 برس بعد پہلی مرتبہ ایسا سنہری موقع ملا جب وہ پاکستان سے تاریخ کا بدلہ لے سکتا ہے۔ بھارت نے افغانستان میں سفارتخانے کے علاوہ چار قونصل خانے کھول رکھے ہیں' وہ افغان فوج کو ٹریننگ بھی دے رہا ہے' وہ افغانستان میں ڈیمز اور سڑکیں بھی بنا رہا ہے اور اس نے افغانستان کو ایک بلین اور اڑھائی سو ملین ڈالر کی امداد بھی دی جبکہ وہ افغانستان کو اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج بھی دینے کے لئے تیار ہے۔ ایران'

امریکہ کی دُشمنی میں روس کی مدد کر رہا ہے جبکہ روس اس جنگ کو پنجاب کے میدانوں تک پھیلا کر 1980ء کی دہائی کی افغان روس جنگ کا بدلہ لینا چاہتا ہے لہٰذا یوں افغانستان اور پاکستان کے قبائلی علاقے ایک انٹرنیشنل پراکسی وار کا میدان جنگ بن چکے ہیں۔

خواتین وحضرات! یہ جنگ امریکہ جیتے' روس جیتے' بھارت یا ایران جیتے لیکن یہ طے ہے اس جنگ کا نقصان صرف اور صرف پاکستان اُٹھائے گا اور یہ جنگ قبائلی علاقوں تک محدود نہیں رہے گی۔ یہ پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور ہماری کئی نسلیں اس جنگ کے کانٹے چنتے چنتے فنا ہو جائیں گی۔ یہاں پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کیا پاکستان کے سیاست دانوں کو حالات کی سنگینی کا اندازہ ہے؟ کیا وہ اس جنگ کو اس نکتہ نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! لیفٹیننٹ جنرل بورس وگوموتھا وہ آخری روسی جرنیل تھا جس نے 15 فروری 1989ء میں دریائے آمو عبور کیا تھا اور وہ شکست کا طوق گلے میں ڈال کر واپس روس گیا تھا۔ جنرل بورس جب روس کی حدود میں پہنچا تو اس نے افغانستان کی طرف مڑ کر دیکھا اور اس کے دل سے ایک آہ سی نکلی' کسی نے اس لمحے اس سے پوچھا ''تم اپنی اس شکست کا ذمہ دار کسے سمجھتے ہو؟'' اس نے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا ''اسے'' پوچھنے والے نے پوچھا ''وہ کیسے'' جنرل بورس نے کہا ''جنگ لڑنے کے لئے دل چاہئے ہوتا ہے لیکن جنگ جیتنے کے لئے دماغ درکار ہوتا ہے'' وہ رکا اور دوبارہ بولا ''ہمارے پاس دل تھا چنانچہ ہم دس سال تک جنگ لڑتے رہے لیکن ہمارے پاس دماغ نہیں تھا لہٰذا ہم یہ جنگ ہار گئے۔''

خواتین وحضرات! اگر ہم جنرل بورس گوموتھا کی اس تھیوری کو حقیقت مان لیں تو یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہمارے پاس دل ہے؟ کیا ہمارے پاس دماغ ہے؟ نہیں' ہمارے پاس یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں کیونکہ اگر ہمارے پاس دل ہوتا تو ہمارے وزیراعظم کبھی یہ نہ کہتے ہم امریکہ سے جنگ نہیں لڑ سکتے اور اگر ہمارے پاس دماغ ہوتا تو ہم بڑی طاقتوں کی انا کی اس جنگ کو کبھی اپنی جنگ نہ کہتے اور ہم یہ جان لیتے دو ہاتھیوں کی لڑائی میں نقصان ہمیشہ گھاس اُٹھاتی ہے۔

(05 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

اپروچ درست نہیں

آغاز:

خواتین وحضرات! گولڈا مائر اسرائیل کی پہلی خاتون وزیراعظم تھی' اس کی قیادت میں 1973ء میں اسرائیل نے بائیس اسلامی ملکوں کی مشترکہ فوج کو شکست دی تھی۔ یہ جنگ ''یوم کپور وار'' کہلاتی ہے اور اس جنگ کے بعد گولڈا مائر کو آئرن لیڈی کا خطاب دیا گیا تھا' گولڈا مائر 7 مارچ 1973ء میں وزیراعظم بنیں' وہ یروشلم کے قدیم علاقے میں دو کمروں کے ایک چھوٹے سے مکان میں رہتی تھی' وہ وزیراعظم بنی تو سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ نے اسے ذاتی مکان سے شفٹ ہونے کا مشورہ دیا۔ گولڈا مائر نے وجہ پوچھی تو سیکورٹی چیف نے جواب دیا یروشلم میں بے شمار فلسطینی شوٹرز موجود ہیں' آپ کی رہائش گاہ پبلک مقام پر ہے لہٰذا ہم سمجھتے ہیں آپ وزیراعظم ہاؤس میں محفوظ رہیں گی۔ گولڈا مائر یہ سن کر مسکرائی اور اس کے بعد بولی ''میں جس محلے میں رہتی ہوں وہاں دس ہزار لوگ ہیں' اگر میں وہاں محفوظ نہیں ہوں تو اس کا مطلب ہے دوسرے دس ہزار لوگ بھی وہاں سکیور نہیں ہیں' آپ مہربانی کر کے انہیں بھی میرے ساتھ وزیراعظم ہاؤس شفٹ کر دیں'' سیکورٹی چیف نے فوراً عرض کیا ''میڈم ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں'' گولڈا مائر مسکرائی اور اس نے کہا ''لیکن میں یہ کر سکتی ہوں' میں پورے اسرائیل کو اتنا محفوظ ملک بناؤں گی کہ اس میں وزیراعظم سے لے کر عام شہری تک تمام لوگ خود کو سکیور محسوس کریں گے'' اس مکالمے کے بعد گولڈا مائر جب تک وزیراعظم رہی وہ اسی دو کمرے کے گھر میں رہی اور اس کے دروازے پر کوئی گارڈ ہوتا تھا اور نہ ہی گھر میں کوئی ملازم۔ وہ کچن سے لے کر پودوں کو پانی دینے تک سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔

خواتین وحضرات! آپ اس واقعے کو ذہن میں رکھئے اور اس کے بعد پاکستان کے حالات کا

جائزہ لیجئے' یہ جمعرات کا دن' اکتوبر کی دوسری تاریخ اور سہ پہر کے چار بجے تھے' چارسدہ میں اے این پی کے سربراہ اسفندیار ولی اپنے حجرہ میں پارٹی ورکرز اور عام لوگوں سے عید مل رہے تھے اس دوران ایک شخص حجرہ میں داخل ہوا اور اس نے خود کو دھماکے سے اڑا دیا' اس واقعے میں پانچ افراد جاں بحق اور اٹھارہ زخمی ہوئے۔ اس افسوسناک واقعے کے بعد اسفندیار ولی ہیلی کاپٹر میں بیٹھے' سیدھے اسلام آباد پہنچے اور انہوں نے ایوان صدر میں پناہ لے لی' وہ آج تک اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ ایوان صدر میں موجود ہیں' اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ آج شام بھکر میں قومی اسمبلی کے رکن رشید اکبر خان نوانی کے ڈیرے پر پیش آیا۔ اس واقعے میں 35 افراد جاں بحق اور 70 کے قریب زخمی ہوئے ہیں۔ اس واقعے کے بعد یقیناً پاکستان مسلم لیگ ن کے ارکان رائے ونڈ میں پناہ لینے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسفندیار ولی ہوں' وزیراعلیٰ سرحد امیر حیدر خان ہوتی ہوں' گورنر سرحد اویس احمد غنی ہوں' صدر آصف علی زرداری ہوں' وزیراعظم یوسف رضا گیلانی ہوں' چاروں وزرائے اعلیٰ ہوں' چاروں گورنرز ہوں' صوبائی اور وفاقی کابینہ کے ارکان ہوں' چیف سیکرٹریز ہوں' سیکرٹریز ہوں' فوج کے اعلیٰ عہدیدار ہوں' کارخانے دار ہوں' سرمایہ کار' سرمایہ دار' بزنس مین اور سفیر ہوں یہ سب لوگ اس وقت دہشت گردوں کا نشانہ ہیں۔ یہ سب لوگ دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ میں شامل ہیں لیکن سوال یہ ہے ایوان صدر ان میں سے کس کس کو پناہ دے گا' کتنے ایم اے' کتنے ایم پی اے' کتنے جرنیل' کتنے بیوروکریٹس' کتنے تاجر اور کتنے بزنس مین ایوان صدر میں پناہ لے لیں گے۔ سوال یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ صدر محترم ایوان صدر میں بیٹھ جائیں گے' وزیراعظم پرائم منسٹر ہاؤس سے باہر نہیں نکلیں گے' گورنرز گورنر ہاؤسز میں پناہ گزین ہو جائیں گے' چیف منسٹر چیف منسٹرز ہاؤس تک محدود ہو جائیں گے' وزراء اپنے دفتروں' اپنی رہائش گاہوں سے باہر نہیں آئیں گے لیکن کتنے دن اور کون کون؟ ایوان صدر کتنے لوگوں کو پناہ دے گا؟ یہ لوگ کب تک چھپ کر زندگی گزار لیں گے' ان لوگوں کو کبھی نہ کبھی تو گلی یا سڑک پر قدم رکھنا پڑے گا اور جب یہ باہر آئیں گے تو اس وقت کیا ہوگا۔ دُنیا میں تو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور یہ تو بیس' بائیس بیڈ رومز کے چند ایوان' چند ہاؤسز ہیں' یہ آخر کتنے لوگوں کو سنبھال لیں گے' کبھی نہ کبھی یہ گھر چھوٹے پڑ جائیں گے لہٰذا اس کے بعد یہ لوگ کیا کریں گے۔۔!

بات تو صرف اتنی ہے کہ ایوانوں اور ہاؤسز کی دیواریں اونچی کرنے سے مسئلے حل نہیں ہوا کرتے' قلعوں کی دیواریں اونچی کرنے سے حکمران محفوظ نہیں ہوا کرتے' حکمران گلیاں اور سڑکیں محفوظ بنانے سے محفوظ ہوا کرتے ہیں اور جب تک دیہات' قصبوں اور شہروں کو دہشت گردی سے محفوظ نہیں بنایا جاتا اس وقت تک ایوانوں کو استحکام نصیب نہیں ہوگا۔ حکومت دُنیا کی واحد مشین ہے جسے آپ

ریموٹ کنٹرول سے نہیں چلا سکتے اس کے لئے آپ کو عوام میں آنا پڑتا ہے‘ گھروں سے باہر نکلنا پڑتا ہے اور باہر کی دُنیا حکمرانوں کے لئے محفوظ نہیں رہی۔ دُنیا میں عوام کی محبت سے بڑا قلعہ‘ عوام کی عقیدت سے بڑی دیوار اور عوام کی دُعاؤں سے مضبوط کوئی مورچہ نہیں ہوتا اور اگر اسفند یار ولی صوبہ سرحد میں اے این پی کی حکومت ہونے کے باوجود چارسدہ میں محفوظ نہیں ہیں اور رشید اکبر خان نوانی پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت کے باوجود محفوظ نہیں تو اس کا مطلب ہے ہماری حکمران کلاس کی اپروچ درست نہیں‘ عوام اور حکمران ایک ڈائریکشن میں سفر نہیں کر رہے۔

خواتین وحضرات! کیا عوام اور حکمرانوں کی اپروچ میں کوئی فرق ہے‘ یہ ہمارا آج کا پہلا موضوع ہے جبکہ ہمارا دوسرا موضوع صدر آصف علی زرداری کا ایک بیان ہے۔ صدر محترم نے امریکی اخبار وال سٹریٹ جرنل کے ایک کالم نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا ’’مقبوضہ کشمیر میں سرگرم مسلح افراد دہشت گرد ہیں‘‘ صدر نے لاس اینجلس ٹائمز کو دیئے ایک دوسرے انٹرویو میں اعتراف کیا ’’امریکہ کے جاسوس طیارے حکومت کی اجازت سے پاکستانی علاقوں میں حملے کر رہے ہیں۔‘‘

اختتام:

خواتین وحضرات! ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم حالت جنگ میں ہیں‘ حساس اداروں کی رپورٹ کے مطابق اس وقت بیس کے قریب خودکش حملہ آور شہروں میں پھر رہے ہیں اور ان کا ٹارگٹ اب بڑے شہروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے بھی شہر ہیں اور یہ لوگ تمام سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کو اپنا دُشمن سمجھ رہے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے سیاست دان جھوٹ اور غلط بیانی کے مورچوں میں چھپتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں ریت میں سر چھپانے سے طوفان نہیں رکا کرتے‘ موم کے لباس پہن لینے سے بارشیں نہیں تھمتیں‘ آنکھیں بند کرنے سے سورج نہیں ڈوبا کرتے اور مسئلے اس وقت تک حل نہیں ہوا کرتے جب تک آپ انہیں مسئلہ تسلیم نہیں کرتے۔ خدا کے لئے گھروں اور ایوانوں سے باہر آئیں‘ عوام کو سچ بتائیں اور قوم کو اپنے ساتھ شامل کر لیں کیونکہ دُنیا میں آج تک کوئی حکمران جھوٹ بول کر عوام کو اندھیرے میں رکھ کر کوئی جنگ نہیں جیت سکا۔

(06 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

افواہیں

[آغ]از:

خواتین وحضرات! دُنیا میں اس وقت صرف دس ایسے راز ہیں‘ انسان جن کی وجوہات یا پس [منظ]ر تک نہیں پہنچ سکا۔ ان رازوں میں سے ایک راز خدا ہے۔ انسان خدا تک نہیں پہنچ سکا۔ دوسرا راز [کائ]نات کتنی بڑی ہے‘ انسان اس کا تعین نہیں کر سکا۔ تیسرا راز موت ہے‘ چوتھا راز موت کے بعد کی زندگی [ہے]۔ پانچواں راز وہ اُصول ہیں جس کی بنیاد پر ایک انسان ذہین اور دوسرا کند ذہن بنتا ہے۔ چھٹا راز [...]ت ہے۔ ساتواں راز خواب ہیں۔ آٹھواں راز حسد ہے‘ انسان آج تک حسد کی وجہ دریافت نہیں کر [سکا]۔ نواں راز نزلہ یا (زکام) ہے‘ پوری میڈیکل سائنس آج تک زکام کی وجہ تلاش نہیں کر سکی اور دسواں [اور آ]خری راز افواہ ہے۔ انسان آج تک یہ نہیں جان سکا کہ افواہ کہاں سے جنم لیتی ہے‘ یہ کس کس راستے‘ [...]ں کس ذریعے اور کس کس طریقے سے ٹریول کرتی ہے اور لوگ اس پر یقین کیوں کر لیتے ہیں۔ دُنیا میں [آ]ج تک افواہوں کی روک تھام کے لئے بھی کوئی ٹیکنیک ایجاد نہیں ہو سکی۔ ماہرین دس ہزار سال میں [...] یہ طے کر سکے ہیں کہ دُنیا کی ہر افواہ کی بنیاد ہمیشہ سچی ہوتی ہے اور یہ وہ بنیادی فرق ہے جو افواہ اور [جھو]ٹ میں ڈیفرنس پیدا کرتا ہے۔ دُنیا کی تاریخ ایسی بے شمار افواہوں سے بھری پڑی ہے جو بعد ازاں [...] ثابت ہوئی تھیں مثلاً اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ایک بار آگرہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ بادشاہ [سلا]مت دکن پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ وہ منصوبہ تھا جو اس وقت تک صرف بادشاہ کے دماغ تک محدود [تھا ا]ور اس نے ابھی تک دُنیا کے کسی شخص کے ساتھ اسے ڈسکس نہیں کیا تھا۔ بادشاہ نے افواہ کی تحقیق کا [حک]م دے دیا‘ تحقیق ہوئی تو پتہ چلا یہ خبر سب سے پہلے محل کے اس خادم کے منہ سے نکلی تھی جو روزانہ [بادش]اہ کو وضو کروا تا تھا۔ بادشاہ نے خادم کو بلا کر پوچھا تو خادم نے عرض کیا ’’حضور ایک دن آپ نے فجر

کے وضو کے بعد دکن کی طرف دیکھا تھا اور اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا تھا' میں نے فوراً اندازہ لگا لیا' ہو نہ ہو آپ دکن پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح قارئین انیس سو بہتر میں ویتنام میں امریکی کیمپوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ صدر نکسن فوجوں کو واپس بلانے والے ہیں۔ اس افواہ کے نتیجے میں امریکی فوجیوں نے لڑائی بند کر دی۔ اس وقت تک یہ منصوبہ صرف صدر نکسن کے دماغ میں تھا اور انہوں نے یہ کسی کے ساتھ ڈسکس نہیں کیا تھا۔ تحقیق ہوئی تو پتہ چلا یہ خبر نکسن کے ڈرائیور نے لیک کی تھی۔ ڈرائیور سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا' میں نے صدر سے ایک دن کے لئے چھٹی مانگی' صدر نے وجہ پوچھی تو میں نے بتایا میرا بھائی فوج میں ہے اور وہ آج کل ویتنام میں لڑ رہا ہے' اس نے کچھ رقم مجھے بھجوائی ہے اور کہا ہے میں اس رقم سے اس کے لئے قسطوں پر ایک مکان خرید لوں۔ صدر نے پوچھا' تمہارا بھائی قسطیں کہاں سے دے گا۔ میں نے عرض کیا حکومت اسے جنگی الاؤنس دیتی ہے' یہ الاؤنس قسط کے برابر ہے' بھائی نے پانچ سال ویتنام میں رہنا ہے' وہ مجھے پیسے بھجواتا رہے گا اور میں مکان کی قسطیں دیتا رہوں گا۔ صدر نے میری بات سن کر کہا ''میرا مشورہ ہے تم مکان نہ خریدو کیونکہ اگر تمہارے بھائی کا جنگی الاؤنس بند ہو گیا تو تم لوگ قسطیں ادا نہیں کر سکو گے'' ڈرائیور نے کہا ''میں نے صدر کے اس مشورے سے اندازہ لگایا کہ وہ ویتنام سے فوجوں کی واپسی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔'' قارئین آپ نے ان دونوں واقعات میں ملاحظہ کیا یہ دونوں خبریں افواہیں تھیں لیکن ان کی بیس (بنیاد) سچی تھی اور بعد ازاں یہ افواہیں سچ ثابت ہوئیں۔

خواتین وحضرات! آج کل ہمارا ملک بھی افواہوں کی شدید لپیٹ میں ہے۔ ایک افواہ یہ ہے کہ ملک دیوالیہ پن کے دہانے پر پہنچ گیا ہے' ہمارے پاس نومبر کے لئے پٹرول خریدنے کے پیسے موجود نہیں ہیں' ہم صرف دو ہفتوں کے بل ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے مشیر خزانہ شوکت ترین امداد کے لئے امریکہ چلے گئے ہیں اور اگر انہیں وہاں سے فوری طور پر دو بلین ڈالر نہیں ملتے تو ہم ڈیفالٹ کر جائیں گے۔ ایک افواہ یہ ہے کہ پاکستان کے تین بڑے بینک اور دو مالیاتی ادارے ڈیفالٹ کر رہے ہیں اور اس ڈیفالٹ کے بعد عوام کے کھربوں روپے ڈوب جائیں گے۔ ایک افواہ یہ ہے کہ حکومت لاکرز اور غیر ملکی کرنسی اکاؤنٹس سیز کرنے والی ہے۔ ایک افواہ یہ ہے کہ پاکستان کے دس بڑے سرمایہ دار سرمائے سمیت ملک سے فرار ہو گئے ہیں۔ ایک افواہ یہ ہے کابینہ اور اسمبلیوں کے ارکان نے بینکوں سے اپنا سرمایہ نکال لیا ہے۔ ایک افواہ یہ ہے کہ حکومت امریکی فوج کو پاکستانی علاقوں پر حملے کی اجازت دے چکی ہے اور اس اجازت پر پاک فوج حکومت سے ناراض ہے۔ ایک افواہ یہ ہے کہ فرینڈز آف پاکستان بالخصوص امریکہ صرف ایک شرط پر ہمیں امداد دے گا اور وہ شرط ہے ہمارا ایٹمی پروگرام اور ایک افواہ یہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ اسلام آباد تک پھیل چکی ہے چنانچہ اسی فیصد غیر ملکی سفارتکار

اپنے ملکوں میں واپس جا چکے ہیں۔

خواتین وحضرات! اس قسم کی افواہیں کیوں پھیل رہی ہیں؟ یہ افواہیں کون پھیلا رہا ہے اور کیا ان افواہوں میں کوئی حقیقت بھی ہے؟

اختتام:

خواتین وحضرات! دنیا میں آج تک افواہوں کے مقابلے کے لئے صرف ایک ٹیکنیک ایجاد ہوئی ہے اور اس ٹیکنیک کا نام ہے اعتماد۔ جب تک عوام کا سیاست دانوں پر اعتماد بحال نہیں ہوتا اس وقت تک افواہوں کا سلسلہ نہیں رکے گا۔ اگر ہم اس ملک کو افواہوں سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں اعتماد کا سہارا لینا پڑے گا۔ آپ خود سوچئے جب حکمران کلاس کی پراپرٹی ملک سے باہر ہو گی' جب ان کے اکاؤنٹس ملک سے باہر ہوں گے' جب ان کے عزیز رشتے دار ملک سے باہر جا رہے ہوں گے' جب ہمارے سیاست دان اپنی پراپرٹی بیچ کر سرمایہ باہر بھجوا رہے ہوں گے' جب ہمارے ارکان پارلیمنٹ بینکوں سے اپنا سرمایہ نکال رہے ہوں گے تو ملک افواہوں کا بازار نہیں بنے گا تو کیا ہو گا؟ چنانچہ میری حکومت سے درخواست ہے وہ تمام سیاست دانوں اور ارکان اسمبلی کو حکم دیں کہ وہ بیرون ملک موجود اپنی پراپرٹی بیچ کر سرمایہ پاکستان منتقل کریں' سیاست دان غیر ممالک میں موجود اپنے اکاؤنٹس پاکستان منتقل کر لیں اور حکم دیں کوئی رکن اسمبلی اور کوئی سیاست دان پانچ سال تک بینکوں سے اپنا سرمایہ نہیں نکال سکتا اور جو سیاست دان اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا وہ عمر بھر کے لئے سیاست سے ڈس کوالی فائی ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے اس سے عوام کا سیاست دانوں پر اعتماد قائم ہو گا اور یہ اعتماد تمام افواہوں کا گلا گھونٹ دے گا' ملک افواہوں سے پاک ہو جائے گا۔

(10 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

کیسے مشیر۔۔!!

آغاز:

خواتین وحضرات! برطانیہ دُنیا کی سابق سپر پاور ہے جبکہ امریکہ آج کی واحد سپر پاور ہے اگر ہم اگر برطانیہ اور امریکہ کے کامیاب ترین حکمرانوں کی فہرست دیکھیں تو برطانیہ میں مارگریٹ تھیچر سامنے آتی ہیں اور امریکہ میں رونالڈ ریگن کا نام آتا ہے اور ان دونوں کی کامیابی کے پیچھے صرف ایک اُصول تھا۔ وہ اُصول تو میں آپ کو آگے چل کر بتاؤں گا لیکن ہم سب سے پہلے۔ تھیچر اور ریگن کی کامیابیوں پر ایک نظر ڈالیں گے۔ مارگریٹ تھیچر ایک پنساری کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے وکیل کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا تھا اور وہ 1950ء میں کنزرویٹو پارٹی میں شامل ہوئی تھیں۔ 1975ء میں انہوں نے پارٹی کی قیادت سنبھالی اور 1979ء میں وہ برطانیہ کی وزیراعظم بنیں، وہ مسلسل بارہ برس تک وزیراعظم رہیں اور انہوں نے اس دوران پانچ بڑے اعزاز حاصل کئے' وہ یورپ کی پہلی خاتون وزیراعظم تھیں، انہیں برطانیہ کی تاریخ میں سب سے زیادہ عرصے تک حکومت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا، وہ برطانیہ کی کامیاب ترین وزیراعظم کہلائیں۔ انہیں برطانیہ کی پہلی آئرن لیڈی کا خطاب ملا اور وہ برطانیہ کی پہلی خاتون اپوزیشن لیڈر بنیں۔ مارگریٹ تھیچر ایک ناتجربہ کار سیاست دان تھیں اور ان کے بارے میں برطانوی تجزیہ نگاروں کا خیال تھا وہ سیاست میں کامیاب نہیں ہو سکیں گی کیونکہ انہیں معیشت' دفاع اور سفارت کاری کا کوئی تجربہ نہیں لیکن تھیچر نے 1982ء میں فاک لینڈ کے ایشو پر ارجنٹینا سے جنگ لڑی اور یہ جنگ جیت کر پوری دُنیا کو حیران کر دیا۔ آپ نے پلاسٹک منی کی اصطلاح سنی ہو گی، یہ خرید وفروخت کا ایک ایسا سسٹم ہے، جس میں کریڈٹ کارڈز استعمال ہوتے ہیں، اس سسٹم کو مارگریٹ تھیچر نے برطانیہ میں پروان چڑھایا تھا' انہوں نے ہاؤس لون کا نظام بھی شروع کیا' کارفنانسنگ کا آغاز بھی

تھیچر نے کیا تھا اور اعلیٰ تعلیم کے لئے تعلیمی قرضے بھی تھیچر نے شروع کئے تھے' ان کے دور میں برطانیہ میں ہوم لیس اور بے روزگار لوگ ختم ہو گئے تھے' تھیچر نے دُنیا کو معیشت کا ایک ایسا کامیاب سسٹم دیا جسے بعد ازاں ''تھیچراکانومی'' کا نام دیا گیا۔ اسی طرح رونالڈ ریگن کے والد جوتوں کے سیلز مین تھے، ریگن نے ریڈیو پر اناؤنسر کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا' وہ شوبز میں گئے' انہوں نے سٹوڈیو میں دو سو ڈالر کی نوکری کی اور وہ 1937ء میں فلمی اداکار بن گئے۔ انہوں نے ہالی وڈ کی چون فلموں میں ہیرو کی حیثیت سے کام کیا' وہ 1966ء میں کیلی فورنیا کے گورنر بنے اور یوں ان کے سیاسی کیرئر کا آغاز ہوا' انہوں نے ری پبلکن پارٹی کے ٹکٹ پر 1981ء میں صدارتی الیکشن لڑا اور وہ ستر سال کی عمر میں امریکہ کے صدر منتخب ہوئے' وہ امریکہ کے طویل عمر اور امریکی تاریخ کے زیادہ عرصے تک زندہ رہنے والے صدر تھے۔ مارگریٹ تھیچر کی طرح صدر ریگن کو بھی سیاست اور حکومت کا سرے سے کوئی تجربہ نہیں تھا' وہ سفارت کاری اور معاشی امور میں بالکل کورے تھے اور ان کا محبوب ترین مشغلہ وائٹ ہاؤس کی بطخوں کو دانا ڈالنا تھا' وہ تین' تین گھنٹے بطخوں کے درمیان بیٹھے رہتے تھے لیکن وہ صدر روز ویلٹ کے بعد امریکہ کے کامیاب ترین صدر کہلائے۔ انہوں نے افغانستان میں روس کا مقابلہ کیا' پاکستان کو روس سے لڑایا' گورباچوف کے ساتھ تعلقات قائم کئے اور روس کو نیوکلیئر ہتھیار کم کرنے پر رضامند کیا۔ انہوں نے بھی مارگریٹ تھیچر کی طرح دُنیا کو ایک نئی معیشت دی اور یہ معیشت ریگنامکس کہلاتی ہے' وہ نیو ورلڈ آرڈر کے بھی خالق تھے اور ان کے دور میں پوری دُنیا کی معیشت میں اضافہ ہوا تھا۔

خواتین وحضرات! اب میں اس اُصول کی طرف آتا ہوں جس کی وجہ سے مارگریٹ تھیچر اور صدر رونالڈ ریگن تاریخ کے کامیاب ترین حکمران کہلائے۔ وہ اُصول مشیر یا ایڈوائزر تھے' مارگریٹ تھیچر اور صدر ریگن دونوں نے اپنی کمزوری کو طاقت میں بدل دیا تھا' انہیں جس جس شعبے اور محکمے کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا انہوں نے اس کے لئے دُنیا کے بہترین مشیروں کا انتخاب کیا۔ تھیچر کہا کرتی تھی ''میں نے صرف ایک ہی بڑا اور اچھا سیاسی فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ اچھے مشیروں کا انتخاب ہے'' جبکہ ریگن کہتے تھے ''میں بطخوں کے پاس اس لئے اطمینان سے بیٹھا ہوں کہ میں جانتا ہوں میرے پاس امریکہ کے ''بیسٹ برینز'' موجود ہیں۔'' ریگن کا کہنا تھا ''اگر کوئی حکمران تاریخ میں اپنا نقش چھوڑنا چاہتا ہے تو اسے بہترین اور فعال لوگوں کو اپنا مشیر بنانا چاہیے۔''

خواتین وحضرات! جب بل کلنٹن صدر بنے تو وہ ریگن سے ملنے کے لئے گئے اور انہوں نے ریگن سے درخواست کی ''آپ مجھے صرف ایک مشورہ دیں جس کی مدد سے میں کامیاب صدر بن سکوں۔'' صدر ریگن نے مسکرا کر کلنٹن کی طرف دیکھا اور کہا ''اپنے دوستوں کو کبھی اپنا مشیر نہ بنانا'' کلنٹن

نے وجہ پوچھی، ریگن نے اس کے جواب میں بڑی خوبصورت دلیل دی لیکن یہ دلیل میں آپ کو آخر م
بتاؤں گا۔ سردست ہم موضوع کی طرف آتے ہیں۔

خواتین وحضرات! سوال یہ ہے ہماری موجودہ حکومت کے مشیر کیسے ہیں؟ کیا ان میں گم
مسائل سے نمٹنے کی صلاحیت موجود ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! صدر ریگن نے صدر بل کلنٹن سے کہا تھا ''انسان ہمیشہ وفادار لوگوں کو
دوست بناتا ہے جبکہ آپ کو حکومت چلانے کے لئے وفاداری سے زیادہ صلاحیت کی ضرورت ہوتی
اور یہ ضروری نہیں کہ آپ کا وفادار دوست باصلاحیت بھی ہو۔'' انہوں نے کہا ''میرا مشورہ ہے تم دوستو
کو صرف دوستی تک محدود رکھو جبکہ حکومت کے لئے معاشرے کے انتہائی باصلاحیت لوگ منتخب کرو، تم
کا ہر مسئلہ حل کرلو گے۔'' بل کلنٹن نے پوچھا ''ایک اچھے مشیر میں کیا خوبیاں ہوتی ہیں۔'' ریگن نے کہا
ٹھنڈے مزاج کا ہوتا ہے، اس میں حالات کو بھانپنے کی صلاحیت ہوتی ہے، وہ صلح کروانے اور اختلافات
ختم کروانے کا ماہر ہوتا ہے، وہ نیک نامی کو دولت پر فوقیت دیتا ہے اور وہ جرأت مند ہوتا ہے۔ ریگن
کہا ''بل تم جب تک وائٹ ہاؤس میں رہو، تم کبھی گرم مزاج شخص کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دینا کیونکہ
میں حکومتیں اس وقت ختم ہوتی ہیں جب غصے اور انتقام لینے والے لوگ حکمران کے مشیر بن جاتے
ہیں، جب حکمران غصے، لالچ اور خوف میں آکر فیصلے کرتے ہیں۔''

(12 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

اتمام حجت

آغاز:

خواتین وحضرات! اردو کا ایک لفظ ہے اتمام حجت۔ یہ لفظ، لفظ کم اور اصطلاح زیادہ ہے اور اس کو سمجھانے کے لئے میں آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ کوئی صاحب سیلاب میں پھنس گئے، ایک شخص کشتی لے کر ان کی مدد کے لئے پہنچا لیکن ان صاحب نے کہا ''اللہ میرا وارث ہے وہ میری مدد فرمائے گا، تم واپس چلے جاؤ'' کشتی والے نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانے، دوسرے دن پانی ان کے سینے تک پہنچ گیا، ریسکیو کی ایک اور کشتی ان کی مدد کے لئے پہنچی لیکن انہوں نے اسے بھی واپس بھجوا دیا۔ تیسرے دن وہ گردن تک پانی میں ڈوب گئے، ایک ہیلی کاپٹر ان کی مدد کے لئے پہنچا، پائلٹ نے رسہ نیچے پھینکا اور ان سے کہا آپ رسہ پکڑ لیں، ہم آپ کو اُوپر کھینچ لیتے ہیں لیکن ان صاحب نے جواب دیا ''اللہ میرا وارث ہے، وہ مجھے بچا لے گا، آپ اپنا پٹرول ضائع نہ کریں'' پائلٹ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ صاحب نہ مانے، ہیلی کاپٹر واپس چلا گیا۔ سیلاب کا ایک ریلا آیا اور وہ صاحب پانی میں ڈوب گئے، مرنے کے بعد وہ اللہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا ''یا پروردگار میں تم پر ایمان رکھتا تھا، مجھے یقین تھا تم مجھے بچا لو گے لیکن تم نے مجھے سیلاب کے حوالے کر دیا، تم نے میری مدد نہیں کی'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے نادان شخص میں نے تمہارے پاس دو مرتبہ کشتی اور ایک بار ہیلی کاپٹر بھجوایا تھا لیکن تم نے ضد ترک نہ کی۔ اے نادان انسان تم سیلاب سے نہیں بے وقوفی، ضد اور ہٹ دھرمی کے ہاتھوں مرے ہو۔''

خواتین وحضرات! اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے دو مرتبہ کشتی اور ایک بار جو ہیلی کاپٹر بھجوایا تھا، اسے اتمام حجت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دُنیا کے تمام انسانوں کو ان کے جرائم اور ان کے گناہوں کی

سزا دینے سے قبل انہیں سنبھلنے‘ معافی مانگنے‘ توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو ترقی کرنے کے موقع بھی دیتا ہے تا کہ وہ کل کو یہ نہ کہہ سکیں کہ یا پروردگار تم نے ہمیں خوشحال ہونے‘ ترقی کرنے اور امیر بننے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اللہ دُنیا کے ہر انسان کو صحت‘ رزق‘ سکون‘ اطمینان‘ انصاف‘ علم‘ ٹیکنالوجی اور کام کرنے کا بھی پورا پورا موقع دیتا ہے تا کہ انسان اللہ سے شکوہ نہ کر سکے کہ تم نے مجھے دُنیا میں محروم رکھا تھا‘ میں تیرے احکامات پر کیسے عمل کرتا۔ اللہ تعالیٰ پوری زندگی انسان کو راہ راست پر آنے‘ اللہ پر ایمان لانے اور نیکی کرنے کے چانس دیتا ہے‘ جب انسان یہ سارے موقع ضائع کر دیتا ہے تو قدرت کی اتمام حجت پوری ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اللہ انسانوں کا محاسبہ شروع کر دیتا ہے‘ پھر اللہ کی پکڑ شروع ہو جاتی ہے‘ یہ اُصول قوموں پر بھی اپلائی ہوتا ہے۔ دُنیا میں کوئی ایسا خطہ نہیں‘ کوئی ایسا علاقہ‘ ملک اور معاشرہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی اور اپنا پیغام نہ بھیجا ہو تا کہ یہ اتمام حجت بھی پوری ہو جائے اور قیامت کے دن یہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں ہم تم پر کیسے ایمان لاتے‘ ہم تک تمہارا پیغام ہی نہیں پہنچا۔ اسی طرح آپ پوری دُنیا کا نقشہ پھیلا کر دیکھ لیں آپ کو پورے کرۂ ارض پر کوئی اسلامی ملک غلام نہیں ملے گا۔ دُنیا میں آج ڈیڑھ ارب مسلمان ہیں اور ان کے پاس دُنیا کے دو تہائی وسائل ہیں۔ یہ بھی قدرت کا اتمام حجت ہے تا کہ مسلمان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تو غلام تھے‘ ہم تعداد میں کم تھے اور ہمارے پاس وسائل نہیں تھے چنانچہ ہم تمہارے احکامات پر عمل کیسے کرتے۔

خواتین و حضرات! آپ اتمام حجت کی اس تھیوری کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان کو دیکھئے‘ اللہ نے ہمیں ایک ایسا ملک دیا تھا‘ دُنیا میں جس جیسے صرف دس ملک ہیں۔ اللہ نے ہمیں دُنیا کی ساتویں بڑی آبادی دی‘ اللہ نے ہمیں سونے‘ چاندی‘ تیل‘ کوئلے اور تانبے کے ذخائر دیئے‘ اللہ نے ہمیں دُنیا کی بہترین فوج دی‘ ٹیلنٹ سے بھرپور لوگ دیئے‘ اللہ نے ہمیں پانی‘ زمین اور چاروں موسم دیئے‘ اللہ نے ہمیں سمندر‘ دریا‘ صحرا‘ میدان‘ پہاڑ اور گلیشیرز دیئے اور سب سے بڑھ کر قدرت نے ہمیں نیوکلیئر پاور بنایا۔۔ کیوں؟ تا کہ ہم کل اللہ تعالیٰ کو یہ نہ کہہ سکیں کہ یا پروردگار تم نے ہمیں کمزور‘ بے وسیلہ اور غریب بنایا تھا لہٰذا ہم اپنے معاملات کیسے درست کرتے۔

خواتین و حضرات! قدرت نے اس بار سیاست کی اتمام حجت بھی پوری کر دی۔ اللہ نے فوج کو سیاست سے الگ کر دیا‘ سیاست دانوں کو مل بیٹھنے کا پورا پورا موقع دیا‘ سیاست دانوں کو ایک دوسرے کی سپورٹ کرنے کا چانس دیا‘ سیاست دانوں کو ملک کو بچانے کے لئے اکٹھا ہونے کا موقع دیا اور اللہ تعالیٰ نے عدلیہ کی آزادی کی اتمام حجت بھی پوری کر دی۔ گویا قدرت نے ہمیں سارے مواقع دے دیئے اور اب اس ملک کے عوام‘ سیاست دانوں اور حکمرانوں کے پاس کوئی جواز نہیں بچا۔ اگر اب بھی ہم

یہ ملک نہیں چلا پاتے تو ہمیں قدرت سے شکوہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

خواتین و حضرات! کیا سیاست دان ملک کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے اکٹھے ہو جائیں گے؟ کیا سیاست دان قدرت کے اتمام حجت کے سگنلز کو محسوس کر رہے ہیں۔ یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! انسان اور قوموں کا سب سے بڑا دُشمن وہ خود ہوتے ہیں۔ ایک انسان جتنا نقصان اپنے آپ کو خود پہنچا سکتا ہے اتنا نقصان اسے دُنیا کا کوئی دوسرا انسان نہیں دے سکتا اور قومیں جتنا اپنے آپ کو خود برباد کر سکتی ہیں اتنا نہیں کوئی دوسرا ملک‘ کوئی دوسری قوم نہیں کر سکتی اور آج ہم مسائل کے جن ڈھیروں پر بیٹھے ہیں یہ سارے کے سارے ڈھیر ہم نے خود اکٹھے کئے تھے‘ ہم ان ڈھیروں پر بیٹھے ہیں اور ہمارے سیاست دان ان ڈھیروں کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! جس طرح مچھلی ہمیشہ اپنے سر سے گلنا شروع ہوتی ہے بالکل اسی طرح معاشرے اپنے حکمرانوں‘ اپنے لیڈروں اور اپنے سیاست دانوں کے ہاتھوں تباہ ہوتے ہیں اور قارئین ملک بنانے کے لئے بے شمار لیڈروں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسے بچانے کے لئے ایک لیڈر چاہئے ہوتا ہے اور ہم ایک ایسی بدقسمت قوم ہیں جس کے پاس حکمران تو بے شمار ہیں لیکن لیڈر کوئی نہیں۔

قارئین قدرت کی ساری حجتیں پوری ہو چکی ہیں لیکن ہمارے حکمرانوں کی حجتیں مکمل نہیں ہو رہیں۔

(13 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

بیک وقت دوخرگوش نہ پکڑیں

آغاز:

خواتین وحضرات!1971ء میں امریکی صدر رچرڈ نکسن نے چین کا پہلا دورہ کیا تھا' رچرڈ نکسن چین جانے والے پہلے امریکی صدر تھے' ان دنوں اخبارات میں اس دورے کے بارے میں بے شمار دلچسپ واقعات شائع ہوئے' گوان واقعات کی تصدیق تونہیں ہوسکی لیکن یہ بڑے عرصے تک لکھے اور سنائے جاتے رہے مثلاً ایک واقعہ صدر رچرڈ نکسن اور صدر چواین لائی کی پہلی ملاقات کے متعلق ہے۔ صدر نکسن جب چواین لائی سے ملے تو انہوں نے چینی صدر کو ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر پیش کی' اس تصویر میں چواین لائی اپنے گھر کے لان میں بیٹھ کر اخبار پڑھ رہے تھے' تصویر اتنی واضح تھی کہ اس میں اخبار کی سرخیاں تک دکھائی دے رہی تھیں' چواین لائی نے پوچھا'' آپ نے یہ تصویر کیسے کھینچی'' صدر نکسن نے فخر سے جواب دیا'' یہ تصویر ہم نے سیٹلائٹ کے ذریعے لی تھی'' اس وقت تک سیٹلائٹ کی ٹیکنالوجی ابھی ابتدائی مراحل میں تھی لہٰذا چینی رہنما اس سے واقف نہیں تھے' چواین لائی نے پوچھا'' یہ سیٹلائٹ کیا چیز ہوتی ہے'' صدر نکسن نے فخر سے جواب دیا'' یہ ہینڈرڈ ملین ڈالرز کی ٹیکنالوجی ہے جو اس وقت صرف ہمارے پاس ہے'' چواین لائی مسکرائے' اُٹھے' اپنی میز پر گئے وہاں سے ایک تصویر اُٹھائی اور صدر نکسن کو پیش کر دی۔ اس تصویر میں صدر نکسن اپنے بیڈ روم میں بیٹھ کر سی آئی اے کی انتہائی کانفیڈینشنل فائل پڑھ رہے تھے' یہ تصویر دیکھ کر نکسن کا رنگ فق ہوگیا اور انہوں نے پوچھا'' آپ نے یہ تصویر کس ٹیکنالوجی کے ذریعے کھینچی'' چواین لائی نے مسکرا کر جواب دیا'' ہم نے وائٹ ہاؤس کے ملازم کو سو ڈالر دیئے اور اس نے یہ تصویر کھینچ کر ہمارے حوالے کر دی۔'' صدر نکسن شرمندہ ہوگئے' چواین لائی نے کہا'' یہ صرف ہینڈرڈ ڈالرز کی ٹیکنالوجی ہے اور یہ اس وقت صرف ہمارے پاس ہے' آپ کا ہینڈرڈ بلین

ڈالرز کا سیٹلائٹ سسٹم آپ کو کسی بھی وقت دھوکہ دے سکتا ہے لیکن ہماری ہینڈرڈ ڈالرز کی ٹیکنالوجی ہمیں کبھی چیٹ نہیں کرے گی۔''

خواتین وحضرات! کل ہمارے صدر آصف علی زرداری چار روزہ سرکاری دورے پر چین تشریف لے گئے' چین میں آج ان کا دوسرا دن تھا' یہ دورہ پاکستان کے مستقبل کے لئے انتہائی اہم ہے کیونکہ اس دورے کے بعد ہم نے طے کرنا ہے ہم نے امریکہ کی ایک باجگزار سلطنت بن کر زندگی گزارنی ہے یا پھر ہم نے امریکہ کو بائے بائے کہنا ہے۔ اس دورے میں چین اور پاکستان کے درمیان ایک سول جوہری معاہدہ بھی ہوگا' یہ اسی نوعیت کا معاہدہ ہے جیسا اس ماہ بھارت اور امریکہ کے درمیان ہوا تھا' چین شائد ہمیں پانچ سو ملین ڈالرز سے لے کر ڈیڑھ بلین ڈالر تک امداد بھی دے اور پاکستان اور چین کے درمیان تجارت میں اضافے کا امکان بھی موجود ہے۔

صدر آصف علی زرداری نے چین روانہ ہوتے ہوئے فرمایا تھا'' چین دُنیا کا مستقبل ہے'' صدر محترم کی اس بات سے اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ حقیقتاً چین دُنیا کی اگلی سپر پاور ہے۔ امریکہ کے اپنے تجزیہ نگاروں کا خیال ہے چین ایسی یاجوج ماجوج قوم ہے جو 2049ء تک پوری دُنیا کی معیشت کو نگل جائے گی لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں چین واقعی دُنیا کا مستقبل ہے لیکن سوال یہ ہے چین دُنیا کا مستقبل بنا کیسے؟ وہ قوم جسے دُنیا نے 1949ء میں افیونی قوم کہا تھا' جسے یورپ کباڑیے کی دکان کہتا تھا اور جسے امریکہ نے معذوروں کے ہسپتال کا نام دیا تھا' وہ چین صرف 59 برسوں میں دُنیا کا مستقبل کیسے بن گیا۔۔! یہ اس وقت سو بلین ڈالر کا سوال ہے۔

خواتین وحضرات! پرانے زمانے میں جب کوئی شخص سفر پر جاتا تھا تو اس کے گھر والے اسے ایک شاپنگ لسٹ تھما دیتے تھے جس کا آغاز عموماً اس طرح ہوتا تھا بھائی کے لئے یہ لے آنا' اماں کے لئے یہ لے آنا اور ابا کو یہ لا دینا وغیرہ' وغیرہ۔ ہمارے صدر محترم چین گئے ہیں تو میری خواہش ہے قوم آج انہیں ایک شاپنگ لسٹ بھجوا دے' قوم ان سے درخواست کرے چین نے آبادی کا تصور بدل دیا' چین نے ثابت کر دیا زیادہ آبادی نقصان دہ نہیں ہوتی' بے ہنر آبادی نقصان دہ ہوتی ہے' چینی دُنیا کی پہلی قوم ہیں جنہوں نے اپنے 2 ارب 42 کروڑ ہاتھوں کو کارآمد بنا دیا۔ جناب صدر آپ چین سے بے ہنر لوگوں کو ہنر مند بنانے کا فارمولا لے آیئے گا۔ چین آزاد ہوا تو اس کے پاس صرف 1 سو ملین ڈالر تھے' آج چین کے پاس 1 ہزار 4 سو 93 بلین ڈالرز کے مالیاتی ذخائر ہیں' چین کا جی ڈی پی 6 ہزار 9 سو بلین ڈالرز ہے اور یہ دُنیا کا دوسرا بڑا جی ڈی پی ہے۔ چین ہر سال 1 ہزار 2 سو 22 بلین ڈالرز کی مصنوعات ایکسپورٹ کرتا ہے جبکہ چین میں دُنیا کا سب سے زیادہ گروتھ ریٹ ہے۔ جناب صدر آپ چین سے اس گروتھ ریٹ' ان

ایکسپورٹس‘ اس جی ڈی پی اور دُنیا کے تیسرے بڑے مالیاتی ذخائر کا فارمولا لے آئے گا۔ چین دُنیا میں امن وامان میں پہلے نمبر پر ہے‘ یہ دُنیا کا واحد ملک ہے جس میں چوری کی سزا موت ہے اور جس میں 2007ء میں صرف نو افراد قتل ہوئے تھے۔ جناب صدر آپ چین سے امن وامان کا یہ فارمولا لے آئیے گا۔ چین کے سیاست دان ایمانداری‘ حب الوطنی اور وژن میں دُنیا میں پہلے نمبر پر ہیں‘ جناب صدر آپ چین سے یہ وژن‘ یہ حب الوطنی اور یہ ایمانداری لے آئیے گا۔ چینی لوگوں نے چالیس برس تک کام سے چھٹی نہیں کی تھی‘ پوری قوم چالیس برس تک گینتیوں‘ بیلچوں اور ہتھوڑیوں سے کام کرتی رہی۔ جناب صدر آپ چین سے یہ سپرٹ لے آئیے گا۔ چین دُنیا کا واحد ملک ہے جو آج فیصلہ کرتا ہے کہ دس سال بعد ان کا صدر‘ وزیراعظم اور وزراء کون ہوں گے اور یہ ان لوگوں کو دس سال تک حکومت کرنے کی ٹریننگ دیتے ہیں۔ جناب صدر آپ ان سے فیصلے کی یہ قوت لے آئیے گا اور چین میں جس شخص کے ہاتھ پر محنت کے چھالے نہ ہوں اور پاؤں میں آبلے نہ ہوں اس شخص کو چینی نہیں سمجھا جاتا۔ جناب صدر آپ چین سے پاؤں کے یہ آبلے اور ہاتھوں کے یہ چھالے بھی لے آئیے گا۔

خواتین وحضرات! چین کی ایک کہاوت ہے آپ بھوکے کو مچھلی نہ دیں‘ اسے مچھلی پکڑنے کا کانٹا دیں‘ چین ہمیں ساٹھ برسوں سے کانٹا دینے کی کوشش کر رہا ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارا ہر حکمران چین سے مچھلی لے کر واپس آ جاتا ہے‘ ہم نے آج تک چین سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

خواتین وحضرات! کیا چین کے اس دورے سے ہماری موجودہ پالیسیوں میں کوئی تبدیلی آئے گی؟ کیا پارلیمنٹ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے ایشو پر کسی متفقہ فیصلے تک پہنچ پائے گی۔

اختتام:

خواتین وحضرات! چین کے محاورے پوری دُنیا میں مشہور ہیں اور یہ ”چائنیز وزڈم“ کہلاتے ہیں۔ مجھے آج چین کا ایک محاورہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ چین کے قدیم کسان کہا کرتے تھے جب کوئی شخص بیک وقت دو خرگوش پکڑنے کی کوشش کرتا ہے تو دونوں اس کی گرفت سے نکل جاتے ہیں جبکہ ہم بدقسمتی سے موجودہ حالات میں بیک وقت دو خرگوش پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں‘ ہم اس جنگ سے نکلنا بھی چاہتے ہیں اور امریکہ کو بھی خوش رکھنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے یہ ممکن نہیں چنانچہ مجھے خطرہ ہے یہ جنگ بھی ہمارے کنٹرول سے باہر ہو جائے گی اور ہم امریکہ کو بھی خوش نہیں رکھ سکیں گے لہٰذا جتنی جلدی ممکن ہو ہمیں دونوں خرگوشوں میں سے کسی ایک کا تعین کر لینا چاہیے تاکہ ہماری تاریخ میں کوئی ایک فیصلہ تو ایسا ہو جسے ہم اپنا فیصلہ کہہ سکیں‘ جس پر ہم فخر کر سکیں۔

(14 اکتوبر 2008ء)

اُصولوں کا قحط

آغاز:

خواتین وحضرات! 1971ء میں جب مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہوا تو ذوالفقار علی بھٹو موجودہ پاکستان کے پہلے سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر بنے تھے‘ اس وقت بھی پاکستان شدید معاشی بحران کا شکار تھا۔ عالمی اداروں نے ہمیں امداد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ بھٹو صاحب کے کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظریات کے باعث امریکہ اور یورپ نے ہماری امداد بھی روک دی تھی۔ اس کڑے وقت میں بھٹو صاحب نے چین سے امداد لینے کا فیصلہ کیا۔ بھٹو صاحب 1971ء کے وسط میں چین کے دورے پر گئے اور انہوں نے چینی وزیراعظم چواین لائی سے پانچ ملین ڈالرز کی فوری امداد کی درخواست کی۔ چواین لائی نے فوراً معذرت کر لی۔ بھٹو صاحب کو چین سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ چواین لائی بھٹو صاحب کی کیفیت کو بھانپ گئے لہٰذا انہوں نے پیار سے فرمایا ”پاکستان ہمارا دوست ہے اور ہم امداد دے کر دوستوں کی عزت نفس مجروح نہیں کیا کرتے‘ آپ کوئی ترقیاتی منصوبہ بنائیں‘ ہمیں بھجوائیں‘ ہم منصوبے کو سو فیصد فنانس کریں گے لیکن ہماری فنانسنگ قرض ہو گی امداد نہیں“ بھٹو صاحب نے چواین لائی کا شکریہ ادا کیا اور واپس آ گئے۔

خواتین وحضرات! چین ہمارا سب سے بڑا اور اہم دوست ہے اور دوستوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے آپ کو اس کی نفسیات کا علم ہو۔ چین کا سارا سٹرکچر دس اُصولوں پر استوار ہے۔ میں آپ کو یہ دس اُصول بتانا چاہتا ہوں۔ چین کا پہلا اُصول امداد کے متعلق ہے۔ چین نے آج سے چالیس برس قبل فیصلہ کیا تھا وہ کسی ملک کو امداد نہیں دے گا چنانچہ چینی اپنے دوست ملکوں میں پراجیکٹ شروع کرتے ہیں اور ان پراجیکٹس کا دونوں ملکوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ چین کا دوسرا اُصول دفاع

ہے۔ چین نے 221 قبل مسیح میں حملہ آوروں سے بچنے کے لئے 6700 کلو میٹر لمبی دیوار بنائی تھی' یہ دیوار دیوارِ چین کہلاتی ہے اور یہ چینیوں کی فوجی حکمت عملی کو ظاہر کرتی ہے' چینی حملے کے نہیں دفاع کے قائل ہیں' یہ دوسرے ملکوں پر حملے نہیں کرتے لیکن اگر کوئی ان پر حملہ کر دے تو پوری قوم دیوار بن کر اپنا دفاع کرتی ہے۔ چین کا تیسرا اُصول محنت ہے۔ ماؤزے تنگ نے 59 برس پہلے قوم کے ہاتھ میں کھرپے' گینتی اور جھاڑو پکڑایا تھا اور چالیس برس تک چین کی ستر فیصد آبادی جھاڑو' گینتی اور کھرپہ لے کر گھروں سے نکلتی تھی اور قریب ترین گلی' سڑک یا کھیت میں کام شروع کر دیتی تھی۔ ان چالیس برسوں میں انہوں نے کوئی چھٹی نہیں کی' یہ محنت آج چین کی خارجہ پالیسی ہے۔ چینی دُنیا کی ہر اس قوم کی عزت کرتے ہیں جو محنت کرتی ہے اور یہ سست اور کام چور لوگوں اور ریاستوں سے نفرت کرتے ہیں۔ چوتھا اُصول ڈسپلن ہے۔ 1949ء میں چین کے لوگوں نے فیصلہ کیا تھا وہ صبح سات بجے کام کے لئے گھر سے نکلیں گے ٹھیک بارہ بجے دوپہر کا کھانا کھائیں گے' ایک بجے دوبارہ کام شروع کریں گے' شام چھ بجے واپس گھر آئیں گے' سات بجے ڈنر کریں گے اور آٹھ اور نو بجے کے درمیان سو جائیں گے۔ چینی آج 59 برسوں سے اس ڈسپلن پر کاربند ہیں اور چینی ڈسپلنڈ قوموں سے محبت کرتے ہیں اور فیصلے بدلنے والی قوموں سے نفرت کرتے ہیں۔ پانچواں اُصول سرمایہ ہے' چینی فطرتاً سرمایہ کار لوگ ہیں۔ چینیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے' یہ گھر سے پتھر لے کر نکلیں تو یہ شام کو سونے کی ڈلی لے کر واپس آتے ہیں' آپ چین کی سرمایہ کارانہ سوچ کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ شنگھائی شہر میں 30 ہزار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں' اس شہر میں 40 ہزار 9 سو ایڈورٹائزنگ ایجنسیاں ہیں اور چین میں 472 ایئر پورٹس ہیں۔ چینی اپنے جیسی بزنس فرینڈلی قوموں کو پسند کرتے ہیں۔ چھٹا اُصول۔ چین دُنیا میں سب سے زیادہ بچت کرنے والی قوم ہے۔ چین کے لوگوں کی 1 ہزار 70 بلین ڈالرز بچت ہے لہٰذا چینی فضول خرچ قوموں کو پسند نہیں کرتے۔ ساتواں اُصول۔ خود انحصاری ہے۔ یہ لوگ اپنے وسائل پر انحصار کرتے ہیں' چین میں دُنیا کا سب سے بڑا زرعی ریسرچ سنٹر ہے' یہ سنٹر نہ صرف چین کے 1 ارب 22 کروڑ لوگوں کے لئے خوراک پیدا کرتا ہے بلکہ یہ دُنیا کو بھی خوراک ایکسپورٹ کرتا ہے۔ آٹھواں اُصول منصوبہ بندی ہے۔ چینی کام سے پہلے اس کی پلاننگ کرتے ہیں' چین نے 1990ء میں فیصلہ کیا تھا وہ 2030ء میں دُنیا کی سب سے بڑی معاشی طاقت ہوں گے۔ نواں اُصول دُنیا میں سب سے زیادہ وقت کی پابندی چین میں کی جاتی ہے اور دسواں اور آخری اُصول چین کی مستقل مزاجی ہے۔ چینی دوستیوں اور دُشمنیوں میں بڑے مستقل مزاج ہوتے ہیں۔

خواتین وحضرات! میں صدر آصف علی زرداری سے درخواست کروں گا وہ جب واپس آئیں

تو وہ ہمارے لئے چین سے مستقل مزاجی' وقت کی پابندی' خود انحصاری' بچت کرنے کی عادت' بزنس فرینڈلس' محنت کرنے کا جذبہ' حب الوطنی' ڈیفنس پالیسی' کام کرنے کی دھن' پلاننگ اور ڈسپلن بھی لے آئیں کیونکہ قوموں کو ڈالرز قومیں نہیں بنایا کرتے' اُصول قومیں بنایا کرتے ہیں اور ہمارے ملک میں بدقسمتی سے اُصولوں کا بہت قحط ہے۔

خواتین وحضرات! آج حکومت نے اچانک اعلان کر دیا جن ججز نے اب تک حلف نہیں اٹھایا وہ ریٹائر ہو چکے ہیں' حکومت کے اس فیصلے کے بعد ملک کی دو جماعتوں پاکستان مسلم لیگ ن اور پاکستان تحریک انصاف کا کیا لائحہ عمل ہوگا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ایک چینی کہاوت ہے اگر آپ ایک سال کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہیں تو آپ مکئی بوئیں' اگر آپ دس سال کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہیں تو آپ درخت لگائیں اور اگر آپ صدیوں کی پلاننگ کرنا چاہتے ہیں تو آپ لوگوں کو تربیت دیں۔

خواتین وحضرات! چین نے 1949ء میں فیصلہ کیا تھا کہ اس نے سو سال بعد یعنی 2049ء میں سپر پاور بننا ہے چنانچہ چین نے 1949ء میں اپنے عوام کو سپر پاور بننے کی ٹریننگ دینا شروع کر دی لہٰذا آج 2008ء میں چین ہر شعبے میں دُنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے اور وہ وقت دور نہیں جب شمال سے لے کر جنوب اور مشرق سے لے کر مغرب تک چین ہی چین ہوگا۔

خواتین وحضرات! ہم اگر اپنا تقابل چین کے ساتھ کریں تو بدقسمتی سے ہمیں ماننا پڑے گا ہم اکسٹھ برسوں میں اپنے نوٹ کے سائز اور رنگ کا فیصلہ نہیں کر سکے' ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکے ہم نے ہفتے میں ایک چھٹی کرنی ہے یا دو۔ اور ہمارے ملک میں صدر مضبوط ہوگا یا وزیراعظم اور دہشت گردی کے خلاف جنگ ہماری جنگ ہے یا امریکہ کی جنگ۔ اور افتخار محمد چودھری اور ان کے ساتھی معزول ہیں یا ریٹائر۔ ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ ہم درخت لگائیں یا مکئی بوئیں اور یہ حقیقت ہے قومیں اس وقت تک قومیں نہیں بنتیں جب تک وہ کنفیوژن سے نہیں نکلتیں' جب تک وہ خود کو واضح نہیں کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی نعمتوں سے نوازا ہے' ہم میں بس ایک خرابی ہے اور وہ ہے کنفیوژن۔ ہم جس دن کنفیوژن سے نکل گئے اس دن ہم میں اور چین میں کوئی فرق نہیں رہے گا' مجھے اس بات کا یقین ہے۔

(17 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

مسلم لیگ کی ٹوٹ پھوٹ

آغاز:

خواتین وحضرات! فضل الرحمٰن آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک پرانے کارکن اور لیڈر تھے 1947ء میں قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان کی کابینہ کے ممبر بنے' قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں وزارت تجارت کا قلم دان سونپا' اس طرح وہ تجارت کے اولین وفاقی وزیر بنے' فضل الرحمٰن ایک کٹر مسلمان اور پکے مسلم لیگی تھے لہٰذا وہ غیر مسلموں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد تجارت کے لئے وفاقی حکومت کا اجازت نامہ ضروری ہوتا تھا چنانچہ تمام تاجروں نے اجازت ناموں کے لئے درخواستیں وزارت تجارت میں جمع کرا دیں' ان تاجروں میں کراچی کا ایک پارسی بزنس مین بھی شامل تھا۔ پارسی بزنس مین نے جس کیٹگری کے لئے درخواست دی تھی اس کے لئے وفاقی حکومت نے صرف ایک لائسنس جاری کرنا تھا' یہ پارسی بزنس مین میرٹ پر پورا اترتا تھا جبکہ باقی اُمیدوار بنیادی شرائط پر پورے نہیں اترتے تھے۔ یہ تمام درخواستیں جب وزیر تجارت فضل الرحمٰن کے پاس پہنچیں تو انہوں نے پارسی بزنس مین کی درخواست مسترد کر دی اور لائسنس کراچی کے ایک مسلمان تاجر کو جاری کر دیا' یہ فیصلہ سن کر پارسی بزنس مین کو بہت افسوس ہوا' اس نے گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح سے وقت لیا اور ان کے پاس حاضر ہو گیا۔ قائداعظم نے اس کی بات بڑی تفصیل سے سنی' وزارت تجارت سے کاغذات منگوا کر ان کا مطالعہ کیا اور آخر میں فرمایا ''میں سمجھتا ہوں آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے' وفاقی وزیر نے جس شخص کو لائسنس دیا' وہ تجربے اور اہلیت میں آپ سے کم ہے' آپ اس مسلمان تاجر کے مقابلے میں لائسنس کے زیادہ حق دار تھے'' قائداعظم یہ فرما کر خاموش ہو گئے' پارسی بزنس مین نے عرض کیا ''پھر آپ وزیر تجارت کو بلا کر مجھے لائسنس جاری کروا دیجئے'' قائداعظم نے یہ سنا' مسکرائے انکار میں سر ہلایا اور

فرمایا ''میں کسی وزیر کے معاملے میں مداخلت نہیں کرتا' آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی آپ وزیر تجارت کو اپیل کریں' اگر وہ آپ کی بات نہیں سنتا تو آپ کورٹ میں چلے جائیں' میں اس ملک کا گورنر جنرل ہوں اور کسی گورنر جنرل کو کسی کام کے سلسلے میں کسی وزیر کو ہدایت جاری نہیں کرنی چاہئے' یہ قانون جمہوریت اور ضابطے کے خلاف ہے'' پارسی بزنس مین نے قائداعظم کی طرف دیکھا' عزت کے ساتھ انہیں سلام کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا' وہ جب دروازے کے پاس پہنچا تو قائداعظم نے اسے روک کر کہا ''آپ لوگ آج جن وزراء جن سیاست دانوں کو برا سمجھ رہے ہیں میری بات لکھ لو آپ کو کل تک یہ لوگ اچھے لگیں گے کیونکہ ان کے بعد اس ملک میں ان سے کہیں برتر اور برے لوگ سیاست میں آئیں گے'' پارسی بزنس مین جھکا' اس نے دوبارہ سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

خواتین وحضرات! 2001ء میں قائداعظم کے نام سے پاکستان میں ایک نئی مسلم لیگ نے جنم لیا تھا' یہ مسلم لیگ پاکستان مسلم لیگ ق کہلاتی ہے' اس مسلم لیگ نے جنرل پرویز مشرف کی گود میں آنکھ کھولی تھی اور جنرل صاحب اسے اپنی پارٹی کہتے تھے' اس پارٹی نے 2002 کے الیکشنز کے بعد وفاق اور تین صوبوں پنجاب' سندھ اور بلوچستان میں حکومتیں بنائیں' یہ پارٹی پاکستان کی تاریخ میں اس لحاظ سے بڑی تاریخی ہے کہ اس کی حکومتوں نے پاکستان میں پہلی بار پانچ سال مکمل کئے تھے اور اس اڈومنٹ کی بنیاد پر پارٹی کی قیادت کا خیال تھا کہ یہ آنے والے دنوں میں پاکستان کی سب سے بڑی اور مضبوط جماعت ثابت ہو گی لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا' نومبر 2007ء میں پرویز مشرف نے وردی اتاری اور اس کے ساتھ پارٹی کی آن' بان اور شان ختم ہونے لگی' 18 فروری 2008 کے الیکشن ہوئے تو پاکستان مسلم لیگ ق پہلے سے تیسرے نمبر پر آ گئی جس کے بعد پارٹی قیادت نے اس جماعت کو بچانے' آگے بڑھانے اور پارٹی کی حیثیت سے اسے چلانے کی کوشش کی لیکن آج یہ کوششیں ناکام ہوتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں' یوں محسوس ہوتا ہے پاکستان مسلم لیگ ق ایک ایسے سیاسی دوراہے پر پہنچ چکی ہے جہاں اس کا وجود خطرات کا شکار ہو گیا ہے' پاکستان مسلم لیگ ق واضح طور پر دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی ہے' ایک دھڑا پاکستان پیپلز پارٹی میں جذب ہونے کے لئے تیار بیٹھا ہے جبکہ دوسرا دھڑا پاکستان مسلم لیگ ن کا حصہ بننے والا ہے جبکہ صدر پرویز مشرف بھی ق لیگ کی سربراہی کے لئے پر تول رہے ہیں۔ یہ سوال بڑا اہم ہے کہ آنے والے دنوں میں پاکستان مسلم لیگ ق کا کیا بنتا ہے لیکن ایک چیز طے ہے' یہ پارٹی آنے والے دنوں میں ایک بہت بڑے سیاسی بحران کا باعث بنے گی اور اگر مستقبل قریب میں پاکستانی سیاست میں کوئی تبدیلی آئی تو یہ تبدیلی پاکستان مسلم لیگ ق کے دفتر سے نکلے گی۔

خواتین وحضرات! پاکستان مسلم لیگ ق کیوں تقسیم ہو رہی ہے' اس کا فارورڈ بلاک آنے

والے دنوں میں کیا شکل اختیار کرے گا‘ کیا مسلم لیگ ق کی تقسیم کسی بڑے سیاسی طوفان کا پیش خیمہ ہے اور کہیں یہ جوڑ توڑ کسی عالمی سازش کا حصہ تو نہیں‘ یہ ہمارا موضوع ہے۔ میں آخر میں آپ کو اس ملک کے عوام کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح کی ایک پیشن گوئی بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! قائداعظم محمد علی جناح سے کسی نے پوچھا تھا ’’آپ پاکستان کس کے لئے بنا رہے ہیں‘‘ قائداعظم نے جواب دیا ’’مسلمانوں کے لئے‘‘ پوچھنے والے نے پوچھا ’’کیا ہندوستان کے مسلمان واقعی مسلمان ہیں‘‘ قائداعظم نے انکار میں سر ہلایا اور جواب دیا ’’نہیں‘‘ پوچھنے والے نے پوچھا ’’ان لوگوں کو مسلمان بننے میں کتنا وقت لگے گا‘‘ قائداعظم نے فرمایا ’’سو سال‘‘۔

خواتین وحضرات! قائداعظم کی یہ بات سو فیصد درست تھی کیونکہ قوموں میں نیشنل کریکٹر کم از کم سو سالوں میں پیدا ہوتا ہے اور ہم ان سو سالوں میں سے 61 برس خرچ کر چکے ہیں اور اب ہمارے پاس صرف 39 برس بچے ہیں یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم ان 39 برسوں میں ایسے مسلمان اور پاکستانی بن پائیں گے جس کی توقع پر قائداعظم نے 1947ء میں پاکستان بنایا تھا‘ یہ سوال ایک امانت ہے اور یہ امانت میں آج آپ کو سونپ رہا ہوں۔

(17 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

جمہوریت کے گناہگار

آغاز:

خواتین وحضرات! اگست‘ ستمبر میں امریکہ کے بے شمار بینکس‘ مالیاتی ادارے اور فنانشل مارکیٹس دیوالیہ ہو گئیں جس کے نتیجے میں امریکہ میں بے روزگاری‘ مہنگائی اور افراط زر کا طوفان آ گیا جس کے بعد صدر جارج بش نے ملکی معیشت کو بچانے کے لئے کانگریس میں ایک بل پیش کیا‘ جس میں صدر بش نے کانگریس سے درخواست کی تھی کہ حکومت کو معیشت بچانے کے لئے 700 بلین ڈالرز مارکیٹ میں پمپ کرنا پڑیں گے۔ امریکی میڈیا نے اس بل کو ’’بیل آؤٹ پلان‘‘ قرار دیا۔ خواتین و حضرات! آپ جانتے ہیں صدر جارج بش کا تعلق ری پبلکن پارٹی کے ساتھ ہے‘ جب اس بیل آؤٹ پلان پر ووٹنگ ہوئی تو صدر بش کی اپنی جماعت ری پبلکن پارٹی کے 133 ارکان نے اپنے صدر اور اپنی پارٹی کے بل کے خلاف ووٹ ڈالے تھے جبکہ صدر بش کی مخالف سیاسی جماعت ڈیموکریٹک پارٹی کے 140 ارکان نے صدر کے بل کی حمایت کی۔ اس قسم کا ایک واقعہ برطانیہ میں 2003ء میں پیش آیا تھا۔ امریکہ نے 2003ء میں عراق پر حملے کا اعلان کیا تو برطانیہ نے امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا‘ وزیراعظم ٹونی بلیئر اس مسئلے کو ہاؤس آف کامنز میں لے گئے۔ آپ جانتے ہیں ٹونی بلیئر کی جماعت کا نام لیبر پارٹی ہے اور کنزرویٹو پارٹی اس وقت وہاں اپوزیشن میں ہے۔ جب معاملے پر ووٹنگ ہوئی تو حکومتی جماعت لیبر پارٹی کے 122 ارکان نے اپنے وزیراعظم کے بل کے خلاف ووٹ دیا تھا جبکہ کنزرویٹو پارٹی اور ٹوری پارٹی کے ارکان نے لیبر پارٹی کے وزیراعظم کی حمایت کی۔

خواتین وحضرات! یہ دونوں واقعات سچی‘ اصلی اور کھری جمہوریت کا اظہار ہیں۔ جمہوریت کا مطلب رائے کی آزادی ہوتا ہے اور سچی جمہوریت میں جب کوئی رکن اسمبلی عوام کے ووٹ لے کر

پارلیمنٹ میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے بعد وہ اپنی اور اپنے عوام کی رائے کے اظہار میں آزاد ہوتا ہے' وہاں ضمیر اس کی پارٹی اور سچائی اس کا منشور ہوتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہوتا' ہمارے ملک میں ارکان اسمبلی کے ضمیر' سچائی اور رائے کا فیصلہ ان کا پارٹی ہیڈ کرتا ہے۔ ملک کے بڑے بڑے ایشوز پر ارکان اسمبلی کا مؤقف کیا ہونا چاہئے' ارکان نے کس بل کے حق میں فیصلہ دینا ہے اور کس قرارداد کی مخالفت کرنی ہے' اس کا فیصلہ آصف علی زرداری' میاں نواز شریف' چودھری شجاعت حسین' اسفند یار ولی' الطاف حسین' مولانا فضل الرحمان اور قاضی حسین احمد کرتے ہیں اور کسی جماعت کے کسی رکن کو پارلیمنٹ میں اپنے قائد کے فیصلے کے خلاف ایک لفظ بولنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ پاکستان میں بڑی سے بڑی جمہوری پارٹی کے اندر بھی جمہوریت نہیں اور بدقسمتی سے پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں ''ون مین شو'' ہیں۔ اس وقت پارلیمنٹ کے جوائنٹ سیشن میں دہشت گردی کے خلاف جنگ پر ان کیمرہ سیشن ہو رہا ہے؟ پوری قوم جانتی ہے اس ان کیمرہ کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ اس کا وہ نتیجہ نکلے گا جس کا فیصلہ آصف علی زرداری' میاں نواز شریف' چودھری شجاعت' الطاف حسین' اسفند یار ولی اور مولانا فضل الرحمان کریں گے۔ ہمارے ملک میں جمہوریت کا یہ عالم ہے ان کیمرہ بریفنگ کے پہلے سیشن میں پاکستان مسلم لیگ ن نے فیصلہ کیا وہ ڈی جی ملٹری آپریشنز سے کوئی سوال نہیں پوچھیں گے' اس فیصلے کے بعد مسلم لیگ ن کے تمام ارکان پارلیمنٹ میں خاموش رہے۔ اگلے دن پارٹی کی قیادت نے حکم دیا ''آج سوال کرو'' اس حکم کے بعد تمام ارکان نے بولنا شروع کر دیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اگر قومی ایشوز پر چھ سیاسی جماعتوں کے چھ قائدین ہی نے فیصلے کرنا ہیں تو اتنی بڑی پارلیمنٹ کی کیا ضرورت ہے۔ ساڑھے چار سو ارکان پر 55 ارب روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جناب آصف علی زرداری' میاں نواز شریف' چودھری شجاعت حسین' الطاف حسین' اسفند یار ولی' مولانا فضل الرحمان' قاضی حسین احمد' عمران خان' پیر پگاڑا اور فاروق احمد لغاری جیسے دس بڑے لیڈروں کی ایک چھوٹی سی پارلیمنٹ بنا لی جائے' یہ دس لوگ ووٹنگ کریں اور اکثریت رائے سے فیصلے کر لیں۔ اس سے وقت بھی بچے گا اور پارلیمنٹ کے اجلاسوں پر خرچ ہونے والی رقم بھی۔

خواتین و حضرات! پارلیمنٹ کے ایک منٹ پر 55 ہزار روپے خرچ آتا ہے اگر فیصلے صرف چھ یا دس لوگوں نے کرنے ہیں تو پھر پارلیمنٹ کے اتنے لمبے چوڑے اجلاس بلانے اور اربوں روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر قوم اپنے نمائندے منتخب کر کے پارلیمنٹ میں بھجوا رہی ہے پارلیمنٹ کے اجلاس ہو رہے ہیں' ان اجلاسوں میں تقریریں بھی ہو رہی ہیں تو پھر سیاست دانوں کو چاہیے وہ امریکی اور برطانوی پارلیمنٹس کی طرح اپنے ارکان کو آزاد چھوڑ دیں۔ یہ ارکان حکومت بنائے

وقت تو پارٹی ڈسپلن کے پابند ہوں لیکن اس کے بعد قومی نوعیت کے ہر فیصلے پر رائے اور ووٹ دینے میں آزاد ہوں۔ پیپلز پارٹی کے ارکان مسلم لیگ (ن' ق) ایم کیو ایم اور اے این پی کے اچھے بلوں کی حمایت کر سکیں اور یہ تمام سیاسی جماعتیں حکومتی جماعت کے اچھے فیصلوں کی تائید کر سکیں۔ آج پاکستان میں سیاست دان ہر قسم کے خوف سے آزاد ہیں۔ اگر آج بھی یہ لوگ اس ملک میں اصلی' سچی اور کھری جمہوریت نافذ نہیں کرتے' اگر آج بھی یہ لوگ پارٹیوں کے اندر موجود آمریت ختم نہیں کرتے' اگر آج بھی یہ لوگ جمہوریت کے منہ پر بندھی پٹی نہیں کھولتے تو یہ لوگ کل کے سورج کے مجرم ہوں گے' یہ جمہوریت کے گناہ گار ہوں گے۔

خواتین و حضرات! گزشتہ چند روز میں دو بڑے سیاسی واقعات پیش آئے۔ پہلا واقعہ فیڈرل سیکرٹری قانون نے دوبارہ حلف اُٹھانے والے معزول ججوں کو ریٹائر قرار دے دیا۔ دوسرا پاکستان پیپلز پارٹی نے سبزہ زار بم دھماکے کی ایف آئی آر میں چودھری پرویز الٰہی اور جنرل حمید گل کے نام درج کرا دیئے ہیں۔ یہ دونوں واقعات ہمارے آج کے موضوع ہیں۔

اختتام:

خواتین و حضرات! جس طرح ایک پنجرے سے نکل کر دوسرے پنجرے میں داخل ہو جانے کو آزادی نہیں کہا جا سکتا بالکل اسی طرح یونیفارم کی آمریت سے آزاد ہو کر سوٹ کی آمریت میں آ جانے کو بھی جمہوریت کا نام نہیں دیا جا سکتا لہٰذا جب تک ہماری سیاسی جماعتوں کے اندر جمہوریت نہیں آتی' جب تک پارٹیوں کے اندر ون مین شو' فرد واحد اور آمریت ختم نہیں ہوتی' جب تک ارکان اسمبلی پارلیمنٹ کے فلور پر کھڑے ہو کر اپنے ضمیر کے مطابق آواز بلند نہیں کرتے' جب تک ارکان میں پارٹی قائد کی رائے سے اختلاف کی جرأت پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک ملک میں اصلی' سچی اور کھری جمہوریت نہیں آ سکتی۔

(19 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

حکومتی وعدے

آغاز:

خواتین و حضرات! شہداد کوٹ سندھ کا ایک پسماندہ سا قصبہ ہے' یہ قصبہ پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کے حلقے لاڑکانہ کا ہمسایہ ہے اور اس کا شمار پاکستان کے گرم ترین علاقوں میں ہوتا ہے' 1974ء میں ذوالفقار علی بھٹو ایک جلسے سے خطاب کے لئے شہداد کوٹ گئے' انہوں نے وہاں دیکھا علاقے کے لوگ انتہائی غریب ہیں' پورے علاقے میں کوئی فیکٹری اور کوئی مل نہیں' سرکاری دفاتر بھی نہ ہونے کے برابر ہیں' کاشتکاری کا سلسلہ بھی زیادہ وسیع نہیں اور قصبے میں کوئی بڑی منڈی' تجارتی مرکز اور بزنس سنٹر بھی نہیں چنانچہ لوگ بے روزگاری' غربت اور مہنگائی کے ہاتھوں بری طرح پس رہے ہیں' بھٹو صاحب لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر خاصے پریشان ہوئے چنانچہ انہوں نے جلسے میں شہداد کوٹ میں سرکاری سرمائے سے ایک بڑی مل لگانے کا اعلان کر دیا۔ بھٹو صاحب کا کہنا تھا اس مل سے علاقے کے نوجوانوں کو روزگار بھی ملے گا اور شہداد کوٹ میں تجارتی سرگرمیاں بھی شروع ہوں گی جس سے علاقے کے لوگوں کی حالت تبدیل ہو جائے گی۔ بھٹو صاحب یہ اعلان کر کے واپس اسلام آباد آ گئے اور انہوں نے اپنے سٹاف کو شہداد کوٹ میں مل کی فیزیبلٹی رپورٹ بنانے کا حکم دے دیا' بیورو کریسی نے جب فیزیبلٹی رپورٹ پر کام شروع کیا تو انہیں بھٹو صاحب کا یہ منصوبہ غیر مناسب معلوم ہوا۔ افسروں کا خیال تھا شہداد کوٹ مل کے لئے کوئی مناسب علاقہ نہیں' وہاں گرمی زیادہ ہے' سڑکیں کم ہیں' ہنر مند موجود نہیں' بڑی منڈیاں قصبے سے بہت دور ہیں اور وہاں کے لوگ بھی بزنس اور انڈسٹری فرینڈلی نہیں ہیں لہٰذا وہاں مل نہیں لگ سکتی' ڈپٹی سیکرٹریز' جوائنٹ سیکرٹریز' ایڈیشنل سیکرٹریز اور آخر میں سیکرٹری نے اپنی رائے لکھ کر بھٹو صاحب کو بھجوا دی' بھٹو صاحب نے ساری فائل کا مطالعہ کیا' تمام بیورو کریٹس کے تاثرات

پڑھے اور آخر میں ان کے اوپر کراس کا نشان لگایا' نیچے ولیم شیکسپیئر کا ایک فقرہ لکھا اور حکم دیا'' شہداد کوٹ میں ہر صورت مل لگنی چاہیے'' بھٹو صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری نے عاجزی کے ساتھ عرض کیا'' جناب شاید آپ گراؤنڈ ریالٹیز پر توجہ نہیں دے رہے'' بھٹو صاحب فوراً مسکرائے اور کہا'' سیاست کی سب سے بڑی گراؤنڈ ریالٹی عوام ہوتے ہیں' یہ مل شہداد کوٹ کے عوام کی ڈیمانڈ ہے اور اگر میں ایک عوامی حکمران ہوں تو مجھے اس ڈیمانڈ کو تسلیم کرنا چاہیے اور آخری بات'' بھٹو صاحب رکے' مسکرائے اور بولے'' میں نے شہداد کوٹ کے عوام سے اس مل کا وعدہ کیا تھا' میں اگر عوامی لیڈر ہوں تو پھر مجھے اس وعدے سے بھاگنا نہیں چاہیے'' قارئین بھٹو صاحب کی یہ فائل اور اس فائل پر لکھا شیکسپیئر کا فقرہ آج بھی نیشنل آرکائیو میں محفوظ ہے' یہ فائل اور یہ فقرہ بھٹو صاحب کا سیاسی وژن تھا لیکن وہ فقرہ کیا تھا یہ میں آپ کو پروگرام کے آخر میں سناؤں گا۔

خواتین و حضرات! ہماری حکومت نے مارچ 2008ء میں چیف جسٹس افتخار محمد چودھری سمیت پوری معزول عدلیہ کی بحالی کا وعدہ کیا تھا' یہ وعدہ آنے والے دنوں میں متنازعہ ہو گیا جس کے نتیجے میں حکومتی اتحاد ٹوٹ گیا' پاکستان مسلم لیگ ن حکومت سے الگ ہو گئی اور اس دوران وزیر قانون فاروق ایچ نائیک نے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے زیادہ تر معزول ججز کو دوبارہ حلف اُٹھانے اور نئی عدلیہ میں شامل ہونے پر تیار کر لیا جس کے بعد افتخار محمد چودھری اور ان کے چند ساتھی معزول رہ گئے' آج سے چند روز قبل صدر آصف علی زرداری نے ایک انٹرویو میں دعویٰ کیا ملک میں کوئی عدالتی بحران موجود نہیں اور افتخار محمد چودھری سیاست دان بن چکے ہیں لہٰذا میرا انہیں مشورہ ہے وہ سینٹ کا الیکشن لڑیں۔ صدر زرداری کے اس انٹرویو کے دو دن بعد سپریم کورٹ کا الیکشن ہوا اور اس الیکشن میں افتخار محمد چودھری کے حمایت یافتہ اُمیدوار علی احمد کرد 1 ہزار 8 ووٹوں سے کامیاب قرار پائے' علی احمد کرد کے مقابلے میں حکومت کے حمایت یافتہ اُمیدوار ایم ظفر نے 402 ووٹ حاصل کئے' علی احمد کرد کی کامیابی ثابت کرتی ہے وکلاء کی اکثریت آج بھی چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے ساتھ ہے' عوام ابھی تک انہیں چیف جسٹس دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ عوام کی گراؤنڈ ریالٹی ہے۔

خواتین و حضرات! کیا چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کا ایشو ابھی تک زندہ ہے یا یہ چیپٹر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کلوز ہو چکا ہے' یہ ہمارا آج کا مرکزی موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں شیکسپیئر کے ایک فقرے کا ذکر کیا تھا' یہ فقرہ ذوالفقار علی بھٹو نے سرکاری فائل پر لکھا تھا' وہ فقرہ کچھ یوں تھا'

"My pledge is my pride, Sir...... My name is my fortune."

اس فقرے کا مطلب کچھ یوں ہے۔۔ میرا اصلی فخر میرا وعدہ ہے' میرے وعدوں نے مجھے ایک ساکھ دی ہے اور یہ ساکھ میرا خزانہ ہے۔

خواتین وحضرات! جب کوئی انسان وعدہ نبھاتا ہے یا کوئی شخص وعدہ توڑتا ہے تو اس کی ایک منفی یا مثبت ساکھ بنتی ہے اور یہ ساکھ بنیادی طور پر اس شخص کا اصل اثاثہ' اصل خزانہ اور اصل وراثت ہوتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے وعدے ہمیشہ سوچ سمجھ کر کریں کیونکہ بعض وعدے ہزاروں برس تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

(19 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

نادر شاہی حکم

آغاز:

خواتین وحضرات! دہلی بھارت کا دارالحکومت ہے' یہ شہر پہلے دلی کہلاتا تھا اور اردو تہذیب اور ثقافت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ کہتے ہیں دلی تاریخ میں سات بار اجڑی' اس سات مرتبہ کے اجاڑ میں ایک تباہی نادر شاہ درانی کے ہاتھوں بھی ہوئی تھی' نادر شاہ درانی کا تعلق ایران سے تھا' وہ بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور اس کا اصل نام نادر قلی بیگ تھا' وہ جوانی میں غلام بھی رہا' وہ ڈاکو بھی بنا اور آخر میں وہ فوج میں بھرتی ہوگیا اور لڑتا بھڑتا ہوا' ترقی کرتا ہوا ایران کے ایک صوبے کا گورنر بن گیا' اس نے فوج کی تعداد بڑھائی اور آہستہ آہستہ پورے ایران' ازبکستان اور افغانستان پر قبضہ کرلیا۔ اس نے 1739ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور مغل سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ نادر شاہ درانی ایک مکمل ان پڑھ' ضدی اور ہٹ دھرم شخص تھا' وہ اپنی ذات میں ایک مضبوط ڈکٹیٹر تھا چنانچہ اس کا دور لطیفوں سے بھرپور تھا مثلاً آپ اس کے ہندوستان پر حملے کا واقعہ دیکھئے' نادر شاہ درانی ایک دن دربار میں کھڑا ہوا اور اس نے اپنے وزراء کو حکم دیا ''ہم نے ہندوستان پر حملے کا فیصلہ کرلیا ہے' ہمارے اس حملے کی وجوہات تیار کی جائیں'' نادر شاہ کے اس حکم سے ایک ٹرم ایجاد ہوئی' اس ٹرم کو نادر شاہی حکم کہا جاتا ہے اور دنیا میں جب بھی کوئی شخص اس قسم کے احکامات جاری کرتا ہے تو لوگ فوراً اس آرڈر کو ''نادر شاہی حکم'' قرار دیتے ہیں۔

خواتین وحضرات! ہم اگر پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا پاکستان کو 61 برسوں میں جتنے بھی حکمران ملے' وہ تمام نادر شاہ درانی تھے اور ان کے فیصلے نادر شاہی حکم۔ ہمارے تمام حکمران اپنے ساتھیوں' اپنے رفقائے کار کے ساتھ مشاورت بھی کرتے تھے اور پارلیمنٹ کو اعتماد میں بھی لیتے تھے لیکن وہ نادر شاہ درانی کی طرح فیصلہ مشاورت سے پہلے کرتے تھے' آپ

1950ء میں امریکہ کے پہلے دورے سے لے کر پہلے مارشل لاء تک دیکھئے‘ سندھ طاس معاہدے سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی تک دیکھئے‘ افغان وار سے لے کر جنیوا ایکارڈ تک اور جنرل مشرف کے مارشل لاء سے دہشت گردی کے خلاف جنگ تک آپ پاکستان کے تمام فیصلوں کی بیک گراؤنڈ دیکھ لیجئے‘ آپ کو ہر فیصلہ فردِ واحد کا فیصلہ ملے گا اور آپ دیکھیں گے فیصلہ پہلے ہوا تھا اور اس پر مشاورت اور بریفنگ بعد میں کی گئی تھی۔

خواتین وحضرات! ہماری پوری تاریخ نادر شاہی فیصلوں سے آلودہ ہے لیکن اس شرمناک تاریخ میں آج کا دن بہت اہم ہے‘ آج پارلیمنٹ کا بند کمرے میں مشترکہ اجلاس ہوا اور اس اجلاس میں حساس اداروں کے سربراہوں نے ہمارے ارکان پارلیمنٹ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بارے میں خفیہ معلومات دیں‘ حساس اداروں کے سربراہوں نے ملک کی دفاعی معاشی اور سفارتی صورتِ حال کے بارے میں بھی حساس انفارمیشن دی‘ یہ پاکستان کی تاریخ کا تیسرا ''اِن کیمرہ'' سیشن تھا۔ سب سے پہلے 1974ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے اِن کیمرہ سیشن بلایا تھا‘ اس سیشن میں پاکستان کے حساس اداروں میں قادیانیوں کے عمل دخل کے بارے میں خفیہ معلومات ڈسکس کی گئی تھیں اور اس مشاورت کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ کا دوسرا اِن کیمرہ سیشن محمد خان جونیجو کے دور میں جنیوا معاہدے کے وقت ہوا تھا‘ اس سیشن میں جنرل حمید گل اور وزیر مملکت برائے خارجہ امور زین نورانی نے بریفنگ دی تھی اور ارکان کی اکثریت کا خیال تھا ہمیں جنیوا معاہدے میں حصہ دار نہیں بننا چاہئے لیکن کیونکہ وزیراعظم بریفنگ سے قبل فیصلہ کر چکے تھے چنانچہ انہوں نے اِن کیمرہ سیشن کے باوجود جنیوا میں معاہدے پر دستخط کر دیئے اور تیسرا اِن کیمرہ سیشن آج ہوا۔

سوال یہ ہے آج کا سیشن پچھلے سیشنز سے مختلف تھا یا یہ بھی کسی نادر شاہی فیصلے کی جسٹی فیکیشن کی کوشش تھی۔ یہ فیصلہ ہمارے دس سوال کریں گے۔ اگر اس سیشن میں یہ بتایا گیا کہ امریکی جہازوں کو پاکستانی علاقوں پر حملے کی اجازت کس نے دی‘ کیوں دی اور موجودہ حکومت یہ اجازت کب منسوخ کر رہی ہے؟ اگر یہ بتایا گیا یہ امریکہ کی جنگ ہے یہ ہماری جنگ نہیں‘ اگر یہ بتایا گیا اس جنگ کا مقصد پاکستان کو دیوالیہ کرنا اور اس کا نیوکلیئر پلانٹ چھیننا ہے۔ اگر یہ بتایا گیا اس جنگ میں روس‘ بھارت اور اسرائیل سمیت پاکستان کے تمام دُشمن شامل ہیں۔ اگر یہ بتایا گیا ہماری فوج کو بدنام کرنے کے لئے جان بوجھ کر اس جنگ میں گھسیٹا گیا تھا اور اگر یہ بتایا گیا ہم اس جنگ سے نکلنا چاہتے ہیں‘ ہم امریکہ کو انکار کرنا چاہتے ہیں‘ ہم پیٹ پر پتھر باندھنا چاہتے ہیں اور ہم بھیک کا کشکول توڑنا چاہتے ہیں تو پھر یقیناً یہ اِن کیمرہ سیشن پاکستانی تاریخ کا یادگار ترین موڑ ثابت ہو گا لیکن اگر اس سیشن میں صرف اپنی مجبوریوں

کا ڈھنڈورا پیٹا گیا‘ اگر یہ بتایا گیا ہم امریکہ کی سپورٹ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اگر پارلیمنٹ کو یہ بتایا گیا کہ ہم نے امریکہ کی اندھی سپورٹ کا فیصلہ کر لیا ہے‘ آیئے آپ سب ارکان مل کر ہماری حمایت کیجئے‘ آیئے ہم سب مل کر اس فیصلے کی وجوہات تلاش کریں تو بدقسمتی سے آج کا سیشن بھی ایک نادر شاہی حکم ہو گا‘ ایک نادر شاہی روایت ثابت ہو گا‘ یہ سیشن ہمیں مزید پیچھے لے جائے گا۔

خواتین وحضرات! آج کا اِن کیمرہ سیشن پاکستان کی تاریخ پر کیا اثرات مرتب کرے گا۔ یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا ہماری سیاست ایک خوفناک کنفیوژن کا شکار ہے‘ ہم خشکی پر کشتی چلانے کی کوشش کر رہے ہیں اور پانی پر فٹ بال کھیلنے کی پلاننگ کر رہے ہیں‘ ہم نے اندھوں کے شہر میں آئینوں کی دُکان کھول رکھی ہے اور ہم لنگڑوں کے لئے بوٹ بنا رہے ہیں‘ ہم گنجوں کو کنگھیوں کے تحفے دے رہے ہیں اور ہم چیونٹیوں پر سواری کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہے ہم شمر کی طرح اقتدار کے مزے بھی لوٹیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جیسی عزت بھی پائیں‘ ہم کھانا ظالم کے دسترخوان پر کھائیں اور دُعائیں مظلوم سے لیں۔ ہم فرعون کے سپہ سالار بنیں اور خدا کا قرب بھی حاصل کریں اور ہم بھیک بھی مانگیں اور حاتم طائی بھی کہلائیں لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔!! انسان یا تو خرگوش کے ساتھ ہوتا ہے یا پھر شکاری کے ساتھ۔ ہم لوگوں نے رائفل تو شکاری کی اُٹھا رکھی ہے مگر زندگی کی دُعائیں ہم خرگوش کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے جب تک ہم سیاہ کو سیاہ اور سفید کو سفید نہیں کہتے‘ ہم جب تک اپنے آپ سے سچ نہیں بولتے‘ ہم جب تک خرگوش یا شکاری میں سے کسی ایک کا تعین نہیں کرتے ہم اس وقت تک یہ جنگ نہیں جیت سکتے۔ ہم جانتے ہیں لیکن ماننے کے لئے تیار نہیں۔

(19 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

ہماری تباہی کی وجوہات

آغاز:

خواتین وحضرات! جس طرح ہماری ہر حکومت غیر ملکی سرمایہ کاروں کو ملک میں سرمایہ کاری کی دعوت دیتی ہے بالکل اسی طرح 2000ء میں جنرل پرویز مشرف نے جاپان کے سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کی ''اپارچونٹیز'' کا جائزہ لینے کی دعوت دی۔ اس دعوت پر تیس' چالیس جاپانی سرمایہ کار کراچی آئے اور ہمارے وزیر خزانہ نے انہیں پاکستان میں سرمایہ کاری کے فوائد پر بریفنگ دی۔ ہمارے وزیر خزانہ نے انہیں بتایا ہم ساڑھے سولہ کروڑ لوگ ہیں' ہمارے ہاں لیبر پوری دُنیا سے سستی ہے' ہماری ون تھرڈ زمین خالی پڑی ہے' ہمارے ہاں چودہ گھنٹے سورج نکلتا ہے' ہمارے پاس سمندر ہے' دریا ہیں' زرخیز میدان ہیں' پہاڑ اور گلیشئر ہیں اور ہم یورپ' مشرق وسطیٰ' سینٹرل ایشیا' برصغیر اور چین کا دروازہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جاپانی سرمایہ کار ہمارے وزیر خزانہ کی گفتگو اطمینان سے سنتے رہے' جب وہ خاموش ہوئے تو جاپان کے ایک سرمایہ کار نے ہاتھ کھڑا کیا اور ہمارے وزیر خزانہ سے پوچھا ''جناب مجھے یہ بتایئے غیر ممالک میں موجود پاکستانیوں نے اب تک پاکستان میں کتنی سرمایہ کاری کی'' وزیر خزانہ کے لئے یہ سوال غیر متوقع تھا' انہوں نے تھوڑی دیر سوچا اور جواب دیا ''نہ ہونے کے برابر'' جاپانی سرمایہ کار مسکرایا اور اس کے بعد بولا ''جس ملک کے اپنے تارکین وطن اس ملک میں سرمایہ نہ لا رہے ہوں وہاں ہم لوگ اپنا پیسہ کیوں لگائیں گے'' ہال میں سناٹا طاری ہو گیا' وہ جاپانی چند لمحے خاموش رہا اور اس کے بعد دوبارہ بولا '' آپ مجھے ایک اور سوال کا جواب دیجئے'' ہمارے وزیر خزانہ نے کہا ''جی فرمایئے'' جاپانی سرمایہ کار نے پوچھا ''کیا آپ کے ملک کے سرمایہ کار دُنیا کے دوسرے ممالک میں سرمایہ کاری نہیں کر رہے؟'' ہمارے وزیر خزانہ نے جواب دیا ''جی کر رہے ہیں'' جاپانی سرمایہ کار بولا ''دوسرا نکتہ

جس ملک کے اپنے لوگ اپنا سرمایہ دوسرے ملکوں میں شفٹ کر رہے ہوں اس ملک میں ہم سرمایہ کاری کیوں کریں گے'' جاپانی سرمایہ کے اس جواب کے بعد یہ محفل برخاست ہو گئی۔

خواتین وحضرات! دُنیا میں جب بھی کسی انسان' خاندان یا قوم پر برا وقت آتا ہے تو سب سے پہلے وہ قوم' وہ خاندان اور وہ شخص اپنے وسائل اور اپنی جمع پونجی باہر نکالتا ہے اور اس کے بعد اس کے دوست احباب اس کی مدد کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ دُنیا میں آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسان' خاندان یا قوم نے برے وقت میں اپنا سرمایہ تو چھپا لیا ہو اور غیر اس کی مدد کے لئے میدان میں آ گئے ہوں۔ قربانی مدد اور تعاون ایک ایسا فعل ہوتا ہے جس کا آغاز ہمیشہ انسان اپنے آپ سے کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے ہمارا ملک اس وقت شدید مالی بحران کا شکار ہے' ہم دیوالیہ پن کے دہانے پر کھڑے ہیں' ہمارے پاس نومبر کے لئے پٹرول خریدنے کے پیسے بھی موجود نہیں ہیں' ہماری ایکسپورٹس کم ہو چکی ہیں' امپورٹس میں اضافہ ہو چکا ہے اور ہمارے پاس ان امپورٹس کا بل ادا کرنے کے لئے رقم موجود نہیں' ہماری انڈسٹری آخری سانس لے رہی ہے' ہمارے بینکس بند ہونے کے قریب پہنچ چکے ہیں' ہماری بے روزگاری' مہنگائی اور افراط زر نئے ریکارڈ قائم کر چکی ہے' ہماری سٹاک ایکس چینج آخری ہچکی لے رہی ہے اور ہمارے مالیاتی ذخائر تہہ تک پہنچ چکے ہیں اور اس کڑے وقت سے نکلنے کے لئے ہمیں فوری طور پر پانچ سے دس بلین ڈالرز درکار ہیں اور ہم اس رقم کے لئے کبھی امریکہ جاتے ہیں' کبھی فرینڈز آف پاکستان کے مہربان ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور کبھی چین کی منت کرتے ہیں۔ آج کی تازہ ترین خبر ہے ہمارے مشیر خزانہ شوکت ترین کل دوبئی میں امداد کے لئے آئی ایم ایف کے وفد کے ساتھ ملاقات کریں گے۔

خواتین وحضرات! ہم پوری دُنیا سے اس وقت مدد مانگ رہے ہیں لیکن ہم اپنی ''پوٹلی'' نہیں کھول رہے۔ آپ ہمارا کمال دیکھئے، ہمارے تمام حکمران' ہمارے تمام سیاست دان اور ہمارے تمام سفیر اپنا سرمایہ غیر ملکی بینکوں میں جمع کروا کر در در مانگ رہے ہیں' ہمارے بزنس مین اور صنعت کار اپنی رقم دھڑا دھڑ ڈالرز میں ''کنورٹ'' کروا رہے ہیں' ہمارے بیوروکریٹس اثاثے بیچ بیچ کر اپنا سرمایہ تکیوں میں چھپا رہے ہیں اور ہمارے دو کروڑ تارکین پاکستانیوں نے اپنی رقوم ملک سے باہر روک لی ہیں لہٰذا سوچنے کی بات ہے جس ملک پر اس کے اپنے حکمرانوں' سیاست دانوں' بیوروکریٹس اور شہریوں کو اعتماد نہ ہو اس ملک کی آئی ایم ایف' ورلڈ بینک' چین' یورپ اور امریکہ کیوں مدد کرے گا' دُنیا ہمیں اپنا سرمایہ کیوں دے گی؟

خواتین وحضرات! اگر ہمارے حکمرانوں کو اس ملک پر اعتماد ہے تو سب سے پہلے انہیں اپنے

غیر ملکی اکاؤنٹس میں پڑی رقم ملک میں واپس لانی چاہئے' یہ لوگ بیرون ملک موجود اپنی جائیدادیں بیچ کر سرمایہ پاکستان میں منتقل کریں' پاکستان کے سیاست دان اپنے اثاثے باہر شفٹ کرنا بند کریں' پاکستان کے سرمایہ کار' صنعت کار' بزنس مین اور عام شہری ڈالرز خریدنا بند کریں' آصف علی زرداری' میاں نواز شریف' چودھری شجاعت حسین' الطاف حسین' اسفند یار ولی اور مولانا فضل الرحمان اپنے غیر ملکی کاروبار ملک میں شفٹ کریں' ہمارے ریٹائر جرنیل' بیوروکریٹس اور سابق وزیر اپنی رقم واپس لائیں اور اس کے بعد بیرون ملک موجود پاکستانیوں سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمیں صرف دو' دو ہزار ڈالرز بھجوا دیں۔ یقین کیجئے ہم بھیک مانگنے کی ذلت سے بھی بچ جائیں گے اور دُنیا بھی ہم پر اعتبار کرے گی اور اس کے بعد حکومت ان تمام لوگوں کی شہریت منسوخ کر دے جو اپنا سرمایہ واپس نہیں لاتے کیونکہ جو لوگ مشکل کی اس گھڑی میں ہمارا ساتھ نہیں دے رہے ان کے پاس پاکستان کی نیشنلٹی نہیں ہونی چاہئے۔

خواتین وحضرات! آج امریکہ کے نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر نے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور میاں نواز شریف سے ملاقات کی' یہ ملاقات ہمارا پہلا موضوع ہے جبکہ کل آئی ایم ایف اور ہمارے مشیر خزانہ کے درمیان دوبئی میں امداد کے لئے ملاقات ہو گی' یہ ملاقات ہمارا دوسرا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! دُنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا زوال رومن ایمپائر پر آیا تھا۔ یہ دُنیا کی پہلی اور شائد آخری ایمپائر تھی جس کا اقتدار چھ براعظموں تک پھیلا تھا اور اس سلطنت میں حقیقتاً سورج غروب نہیں ہوتا تھا لیکن پھر یہ سلطنت تاریخ کے اوراق میں جذب ہو گئی۔ مؤرخین اس کی تباہی کی تین وجوہات بیان کرتے ہیں۔ اول رومن ایمپائر کے سینیٹرز یعنی سیاست دان کرپٹ ہو گئے تھے۔ دوم' رومی فوج نے اپنے ہی قبائل کے ساتھ جنگ شروع کر دی تھی اور اس کے نتیجے میں تمام وحشی قبائلی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے روم پر حملہ کر دیا اور تیسری اور آخری وجہ سرمایہ تھی۔ روم کے لوگوں نے سونے' چاندی کے سکے پگھلا کر ان کے برتن بنائے اور یہ برتن زمین میں چھپا دیئے چنانچہ روم میں سکے ختم ہو گئے۔ روم کی تباہی کے بعد مؤرخین نے آنے والی قوموں کو مشورہ دیا اگر تم زندہ اور خوشحال رہنا چاہتے ہو تو کبھی کرپٹ لوگوں کو سیاست میں نہ آنے دینا' کبھی اپنے لوگوں کے ساتھ جنگ نہ چھیڑنا اور کبھی ملک میں اتنی بے یقینی نہ پھیلنے دینا کہ شہری مقامی کرنسی کو غیر ملکی کرنسی میں کنورٹ کرانے لگیں اور سب سے آخر میں حکومتیں صرف اس وقت تک قائم رہتی ہیں جب تک انہیں عوام کا اعتماد حاصل رہتا ہے۔

(20 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

ایک ناقابل معافی جرم

آغاز:

خواتین وحضرات! 6 اکتوبر 1973ء دُنیا کی تاریخ کا ایک ایسا دن ہے جس نے پوری دُنیا کا مزاج بدل دیا تھا' اس دن کو اسرائیل اور عربوں کے درمیان جنگ شروع ہوئی تھی' یہ جنگ یوم کپور جنگ یا رمضان وار کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس جنگ کے دوران امریکہ' یورپ اور جاپان نے اسرائیل کی مدد کی جس کے جواب میں عربوں نے جاپان' یورپ اور امریکہ کو تیل بیچنا بند کر دیا جس کی وجہ سے یورپ' جاپان اور امریکہ کی معیشت تباہ ہو گئی' سٹاک ایکس چینجز کریش کر گئیں' فیکٹریاں بند ہو گئیں' بجلی کا نظام معطل ہو گیا اور ٹرینیں' بسیں اور گاڑیاں رک گئیں لہٰذا پورے یورپ' امریکہ اور جاپان کا پہیہ جام ہو گیا۔ یہ بحران 1976ء تک یعنی تین سال جاری رہا اور اس نے دُنیا کو بے شمار نئے رجحان دیئے مثلاً اس جنگ سے پہلے دُنیا میں صرف ایک دن چھٹی ہوتی تھی' اس بحران کے بعد یورپ' امریکہ اور جاپان نے پہلی بار ہفتہ اور اتوار دو دن چھٹی شروع کر دی' اس بحران کے دوران یورپ اور امریکہ نے پہلی بار گھڑیاں ایک گھنٹہ آگے اور ایک گھنٹہ پیچھے کرنا شروع کیں' اس سے پہلے دُنیا میں بڑی بڑی لگژری گاڑیاں ہوتی تھیں' اس بحران کے دوران یورپ اور جاپان نے چھوٹی گاڑیاں بنانا شروع کیں' اس بحران سے قبل صرف ذاتی سواری کا تصور تھا لیکن اس بحران کے بعد پبلک ٹرانسپورٹ کے رجحان میں اضافہ ہوا اور آخری بڑی تبدیلی یوم کپور جنگ سے پہلے مالیاتی ذخائر سونے میں ماپے جاتے تھے لیکن امریکہ نے اس بحران کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے مالیاتی ذخائر کو ڈالرز میں تبدیل کرا لیا بہرحال یہ وہ چند مادی تبدیلیاں ہیں جو اس جنگ کی وجہ سے دُنیا میں آئیں لیکن ان کے علاوہ امریکہ' یورپ کے سولہ ممالک اور جاپان میں بعض ایسی دِلچسپ سماجی تبدیلیاں بھی آئیں جنہوں نے آنے والے دنوں میں دُنیا

کے مزاج پر شاندار اثرات چھوڑے۔ اس بحران کے شروع میں ان تمام ممالک کے صدور، وزرائے اعظم، وزراء، ارکان اسمبلی، بیوروکریٹس، سفیروں اور سیاست دانوں نے سرکاری گاڑیوں کا استعمال بند کر دیا، تمام بزنس مینوں اور صنعت کاروں نے بھی اپنی اپنی گاڑیاں گیراجز میں بند کیں اور سائیکلوں پر آ گئے اور اس کے بعد انہوں نے عوام سے پٹرول کی بچت کی اپیل کی، عام شہریوں نے اس اپیل کا والہانہ جواب دیا، انہوں نے بھی اپنی گاڑیاں بند کر دیں۔ ان دنوں امریکہ میں ٹرانسپورٹ شیئرنگ کے ایک نئے تصور نے بھی جنم لیا، ان دنوں اگر کوئی شخص ذاتی کار پر گھر سے نکلتا تھا تو وہ راستے سے لوگوں کو اپنی گاڑی میں بٹھاتا چلا جاتا تھا چنانچہ اس بحران کے دوران امریکیوں اور یورپی باشندوں کے اتحاد اور رواداری کا یہ عالم تھا کہ ان کے فیول ٹینکس خالی ہوتے تھے لیکن وہ پٹرول پمپ کا رخ نہیں کرتے تھے۔ یورپ میں ان دنوں لوگ یہ نعرہ لگاتے تھے "ہم پٹرول کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں"۔ پٹرول بچاؤ کی تحریک اس قدر کامیاب ہوئی کہ 1976ء میں عرب پٹرول کھولنے پر مجبور ہو گئے۔

خواتین و حضرات! اگر ہم پاکستان کے معاشی بحران کا جائزہ لیں تو آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی اس بحران کی اسی فیصد وجہ پٹرول ہے، ہم دُنیا کے دو سو پینتالیس ممالک میں پٹرول کے استعمال میں 37 ویں نمبر پر آتے ہیں۔ ہم روزانہ 4 کروڑ 22 لاکھ لیٹر پٹرول خرچ کرتے ہیں، اس پر ہمیں سالانہ 11 بلین ڈالرز ادا کرنا پڑتے ہیں اور یہ رقم ہمارے مالیاتی ذخائر سے بھی زیادہ ہے۔ آپ دوسری دِلچسپ حقیقت بھی ملاحظہ کیجئے پاکستان میں قریباً 8 لاکھ سرکاری گاڑیاں ہیں، ان میں اڑھائی لاکھ گاڑیاں روزانہ سڑکوں پر نکلتی ہیں، یہ گاڑیاں روزانہ 12 لاکھ لیٹر پٹرول خرچ کرتی ہیں اور اس پٹرول کا بل عام آدمی کی جیب سے ادا ہوتا ہے۔ آپ تیسری حقیقت بھی ملاحظہ کیجئے ہم پٹرول استعمال کرنے میں دُنیا میں 37 ویں نمبر پر ہیں لیکن اس پٹرول سے پیداوار حاصل کرنے والے ممالک میں ہمارا شمار 151 ویں نمبر پر آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ پٹرول گاڑیوں اور بجلی کی پیداوار پر ضائع کر دیتے ہیں چنانچہ ہم شدید معاشی بحران کا شکار ہیں۔

خواتین و حضرات! یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے ہم اس بحران سے نکل کیسے سکتے ہیں؟ اس کے لئے ہمیں پانچ پالیسیاں بنانا پڑیں گی۔ ایک، سب سے پہلے حکومت قربانی دے، حکومت یورپ اور امریکہ کی طرح تمام حکومتی اور سرکاری اہلکاروں سے گاڑیاں واپس لے لے، حکومتی عہدیداروں کا مفت پٹرول بند کر دیا جائے، وزیراعظم اور سیکرٹری سے لے کر نائب قاصد تک وزارتوں اور سرکاری محکموں کے تمام ملازم بسوں پر دفتر آئیں۔ دو، ملک میں بڑی گاڑیوں کی امپورٹ اور استعمال پر پابندی لگا دی جائے۔ تین، بیس سال تک کے نوجوانوں کو سائیکل اور موٹر سائیکل استعمال کرنے کی ترغیب دی جائے۔

چار، پبلک ٹرانسپورٹ کے سسٹم کو جنگی بنیادوں پر درست کیا جائے اور پانچ ٹرانسپورٹ پول سسٹم کو رواج دیا جائے۔ یقین کیجئے اگر ہم نے اس طرح کر لیا تو جس طرح امریکہ، یورپ اور جاپان تاریخ کے بدترین بحران سے نکل آئے تھے بالکل اسی طرح چند برسوں میں اس ملک کی صورتِ حال بھی بدل جائے گی لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے حکومت، حکمران اور سیاست دان قربانی دیں۔

خواتین و حضرات! ہم آج کے موضوعات کی طرف آتے ہیں۔ حکومت نے گزشتہ روز دہشت گردی کے خلاف مشترکہ قرارداد کی تیاری کے لئے سولہ رکنی کمیٹی بنائی تھی، اس کمیٹی کی پہلی میٹنگ میں اختلافات پیدا ہو گئے، وزیراعظم نے آج اعلان کیا ہم عسکریت پسندوں کے ساتھ مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف رچرڈ باؤچر نے کہہ دیا امریکہ مذاکرات کے حق میں نہیں اور تیسرا موضوع اسلام آباد اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان تجارتی راستے کھل گئے۔ میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں آخری حصے میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ قدرت انسان کی ساری کوتاہیاں معاف کر دیتی ہے لیکن اس کی سلطنت میں ایک کوتاہی، ایک جرم ناقابل معافی ہے۔ وہ کوتاہی کیا ہے؟

اختتام:

خواتین و حضرات! اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور اور زبان کا تحفہ دیا تھا۔ یہ وہ دو تحفے ہیں جن سے دُنیا کی تمام دوسری مخلوقات محروم ہیں چنانچہ جو شخص، طبقہ، قبیلہ، معاشرہ اور قوم اپنا شعور اور اپنی زبان استعمال نہیں کرتی، جو اچھائی اور برائی کے درمیان فرق نہیں کرتی اور جس کے لوگ جائز اور حق بات پر خاموش رہتے ہیں، جو ظلم اور زیادتی پر زبان سے احتجاج نہیں کرتے قدرت ان لوگوں کو معاف نہیں کرتی۔

خواتین و حضرات! دُنیا میں آج تک جتنی قومیں برباد ہوئی ہیں ان کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ ان قوموں کے باشعور طبقوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں، بادشاہوں کے مشیروں نے اپنی زبان خوشامد پر لگا دی تھی اور عوام نے احتجاج بند کر دیا تھا۔ یقین کیجئے قدرت خاموش رہنے والے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتی۔

(22 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

ارادے کی طاقت

آغاز:

خواتین وحضرات! 2006ء میں نیویارک کے ائرپورٹ پر ایران کے ایک باشندے کے ساتھ امیگریشن کے حکام نے بدتمیزی کی تھی' یہ مسئلہ اکتوبر 2006ء کو ایران کی پارلیمنٹ میں پیش ہوا' پارلیمنٹ میں بحث ہوئی' 19 نومبر 2006ء کو ووٹنگ ہوئی اور 26 کے مقابلے میں 137 ووٹوں سے ایران کی پارلیمنٹ نے یہ بل پاس کیا کہ 2007ء سے ایران کی حدود میں داخل ہونے والے ہر امریکی کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو امریکہ نے ایرانی شہری کے ساتھ نیویارک کے ائرپورٹ پر کیا تھا۔ 20 نومبر کو جب یہ خبر امریکی اخبارات میں شائع ہوئی تو امریکہ کے دفتر خارجہ نے نہ صرف اس بل کی مذمت کی بلکہ اسے امتیازی قانون بھی قرار دے دیا لیکن وہ دن ہے اور آج کا دن ہے ایران کے ائرپورٹس پر امریکیوں کی بڑی خوفناک تلاشی ہو رہی ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم پاکستان کو دیکھتے ہیں۔ مئی 2005ء میں واشنگٹن ٹائمز نے ایک کارٹون شائع کیا تھا جس میں ایک امریکی فوجی نے ایک کتا پکڑ رکھا تھا اور اس پر پاکستان لکھا تھا۔ پاکستان کی قومی اسمبلی نے 9 مئی 2005ء کو اس جسارت کے خلاف ایک متفقہ قرارداد پاس کی۔ سپیکر نے حکومت کو حکم دیا کہ وزارت خارجہ امریکی سفیر کو طلب کر کے اس واقعہ پر احتجاج کرے' قرارداد پاس ہو گئی لیکن یہ قرارداد آنے والے دنوں میں کاغذ کا ایک فضول سا ٹکڑا ثابت ہوئی کیونکہ وزارت خارجہ نے امریکی سفیر کو بلایا اور نہ ہی احتجاج کیا۔ ستمبر 2006ء میں پوپ نے اسلام کے بارے میں چند نازیبا کلمات کہے' ہماری پارلیمنٹ نے 14 ستمبر 2006ء کو پوپ کی اس جسارت پر متفقہ قرارداد منظور کی لیکن اس قرارداد کے جواب میں بھی عیسائی دُنیا کے کسی سفارتخانے نے پاکستان سے کوئی معذرت نہیں کی۔ 2006ء میں ڈنمارک اور ناروے نے نبی

اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں توہین آمیز خاکے شائع کئے' اس جسارت کے خلاف بھی ہماری پارلیمنٹ نے ایک متفقہ قرارداد پاس کی' 15 اپریل 2008ء کو اسی نوعیت کی ایک متفقہ قرارداد بھی منظور کی گئی لیکن یہ دونوں قراردادیں بھی منظور ہونے کے چند گھنٹے بعد فوت ہو گئیں اور حکومت کے کسی عہدیدار نے ڈنمارک کے سفارتخانے تک کو یہ قرارداد نہیں بھجوائی تھی۔

خواتین وحضرات! یہ ہماری پارلیمنٹ کی متفقہ قراردادوں کی چند مثالیں ہیں' آپ ان چند مثالوں کو سامنے رکھیں تو آپ 22 اکتوبر 2008ء کو پاس ہونے والی تازہ ترین متفقہ قرارداد کے مستقبل کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہماری پارلیمنٹ نے اس دن دہشت گردی کے خلاف چودہ نکاتی مشترکہ قرارداد پاس کی۔ سوال یہ ہے کیا پارلیمنٹ کی اس قرارداد پر عملدرآمد ہو گا؟ عوام اس کے بارے میں بدقسمتی سے زیادہ پر اُمید نہیں ہیں۔ دوسرا سوال یہ ہے عوام اتنے نااُمید کیوں ہیں؟ اس کی وجہ بہت سادہ اور سیدھی ہے۔

خواتین وحضرات! اگر حکمران' سیاست دان اور بیوروکریٹس آئین کو مقدس نہ سمجھیں تو آئین محض بیس روپے پچیس پیسے کی ایک کتاب ہوتا ہے۔ اگر قانون میں رٹ نہ ہو تو قانون ساڑھے چار سو تعزیرات کی ایک کاپی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر معاشرے ججز کی عزت نہ کریں تو عدالتوں کے فیصلے کاغذات کے چند ٹکڑوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر معاہدوں میں انسان کا اخلاص اور نیت شامل نہ ہو تو دُنیا کا بڑے سے بڑا معاہدہ دستخطوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر انسان کے عہد اور وعدوں کے پیچھے ارادہ نہ ہو تو دُنیا کا بڑے سے بڑا وعدہ اور مضبوط سے مضبوط عہد دو لفظوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر انسان کی قسم کے پیچھے ایمان نہ ہو تو دُنیا کی بڑی سے بڑی قسم ایک فقرے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور اگر قراردادوں کے پیچھے سیاست دانوں' پارلیمنٹیرینز اور حکمرانوں کا جذبہ' اخلاص اور دِل نہ ہو تو دُنیا کی بڑی سے بڑی قرارداد بڑے سے بڑا بل چند لفظوں' چند فقروں' چند حرفوں اور کاغذ کے چند صفحوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ ہمارا دِل' یہ ہمارا اخلاص' یہ ہمارا جذبہ' یہ ہمارا ایمان' یہ ہمارا ارادہ' یہ ہماری نیت' یہ ہماری عزت' یہ ہمارا رٹ اور یہ ہمارا تقدس ہوتا ہے جو دستوروں کو دستور' قوانین کو قانون' فیصلوں کو فیصلہ' معاہدوں کو معاہدہ' وعدوں کو وعدہ' قسموں کو قسم اور قراردادوں کو قرارداد بناتا ہے اور بدقسمتی سے ہم اس مقام پر مار کھا جاتے ہیں۔ ہمارے فیصلوں اور ہمارے اعلانوں میں دِل اور اخلاص نہیں ہوتا چنانچہ ہمارے فیصلوں اور ہماری قراردادوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

خواتین وحضرات! ہماری پارلیمنٹ نے 22 اکتوبر کو جس قومی پالیسی کا اعلان کیا' وہ پوری قوم کی خواہش تھی' عوام ساٹھ برسوں سے قومی مسائل پر سیاست دانوں کے اسی کردار کے منتظر تھے لہٰذا

اگر حکومت آنے والے چند دنوں میں اس قرارداد پر پوری طرح عملدرآمد شروع کر دیتی ہے تو یہ قرارداد پاکستان کا مستقبل بدل دے گی لیکن اگر ماضی کی طرح اس قرارداد پر بھی عملدرآمد نہیں ہوتا یا سیاسی جماعتیں اس قرارداد کی تشریح میں الجھ جاتی ہیں اور ایک بار پھر کمیٹیاں بنانے‘ مذاکرات کرنے‘ روٹھنے اور منانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو یقین کیجئے قوم کا سیاست دانوں پر اعتبار ختم ہو جائے گا اور لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے ہمارے پارلیمنٹرینز اسلام آباد آئے‘ انہوں نے گپ شپ کی‘ دو کاغذوں کا ایک لولی پاپ تیار کیا‘ قوم کے ہاتھ میں دیا اور واپس چلے گئے۔ یقین کیجئے اگر اس قرارداد پر عملدرآمد نہ ہوا تو دُنیا ہمارے بڑے سے بڑے اعلان کو دھمکی سے زیادہ اہمیت نہیں دے گی۔

خواتین و حضرات! آج تک کی سیاست میں تین چار بڑے واقعات پیش آئے ہیں۔ پارلیمنٹ کی مشترکہ قرارداد پاس ہونے کے باوجود نیٹو فورسز کی طرف سے پاکستانی حدود میں حملے جاری ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ ق کی قیادت تبدیل کرنے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں‘ ان کوششوں کا محرک مسلم لیگ ن ہے یا پاکستان پیپلز پارٹی۔ یہ آج کا بہت بڑا سوال ہے اور اگر پاکستان کو تیس دنوں میں پانچ بلین ڈالرز نہیں ملتے تو پاکستان کے پاس آئی ایم ایف کے سوا کوئی راستہ نہیں بچے گا اور لوڈ شیڈنگ‘ بے روزگاری اور مہنگائی عوام کو سڑکوں پر لے آئی ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! انسان عجیب چیز ہے اگر یہ ارادہ کر لے تو یہ مریخ تک پہنچ سکتا ہے‘ یہ سیلز کے اندر جھانک سکتا ہے اور یہ سمندروں کی ریت کے سارے ذرے گن سکتا ہے لیکن اگر یہ ارادہ نہ کرے‘ تو یہ سامنے میز سے پانی کا گلاس نہیں اُٹھا سکتا‘ یہ اپنے کان پر خارش نہیں کر سکتا۔ دُنیا کا ہر وعدہ اس وقت تک محض الفاظ کا گورکھ دھندا اور ہر قرارداد اس وقت تک محض کاغذ کا ایک ٹکڑا رہتی ہے جب تک قرارداد اور وعدے کو انسانوں کے ارادے کی طاقت نہیں ملتی۔ ہماری پارلیمنٹ نے قوم کو ایک متفقہ قرارداد تو دے دی لیکن دیکھنا یہ ہے یہ پارلیمنٹ کاغذ کے اس ٹکڑے کو اپنے ارادے کی طاقت کب دیتی ہے کیونکہ ارادہ وہ واحد ایلیمنٹ ہے جو انسانوں اور قوموں کی کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ کرتا ہے۔

(24 اکتوبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

اچھا لیڈر

ار:

خواتین و حضرات! راولپنڈی شہر کے کینٹ ایریا میں ایک وسیع و عریض عمارت ہے‘ یہ عمارت
ل ہاؤس کہلاتی ہے‘ یہ آرمی ہاؤس ایک پارسی خاندان بھنڈارہ فیملی کی ملکیت تھا‘ اس فیملی کے ایک
ب ایم پی بھنڈارہ سیاست میں بہت مقبول تھے اور چند ماہ قبل ان کا انتقال ہوا‘ بھنڈارہ صاحب کی
ہن بپسی سدھوا برصغیر کی مشہور ادیبہ ہیں اور وہ اپنے ناولز اور شارٹ سٹوریز کی وجہ سے بین الاقوامی
ر جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔ یہ آرمی ہاؤس بپسی سدھوا اور ایم پی بھنڈارہ کی والدہ کی ملکیت تھا‘
ارہ فیملی کے صدر ایوب خان کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے چنانچہ ایم پی بھنڈارہ کی والدہ نے اپنا
صدر ایوب خان کو تحفے میں دے دیا‘ صدر ایوب خان نے اس گھر کو آرمی ہاؤس بنا دیا‘ وہ خود بھی اس
میں مقیم رہے تھے ان کے بعد ذوالفقار علی بھٹو بطور صدر اور وزیراعظم کی حیثیت سے اس گھر میں
‘ان کے بعد یہ گھر جنرل ضیاء الحق کے استعمال میں رہا اور آخر میں صدر پرویز مشرف نے اس گھر کو
ارتی کیمپ آفس بنا لیا۔ جنرل مشرف اس گھر میں رہتے بھی تھے اور اسے صدارتی دفتر کے طور پر بھی
مال کرتے تھے‘ وہ صدارت سے استعفیٰ دینے کے بعد ابھی تک اس آرمی ہاؤس میں مقیم ہیں‘ اس گھر
لام گردشوں‘ کوریڈورز‘ ڈرائنگ رومز‘ لانز اور بیڈ رومز میں بے شمار کہانیوں نے جنم لیا‘ میں یہ کہانیاں
کو پھر کبھی سناؤں گا‘ سر دست میں ایک چینی کہاوت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ صدر پرویز مشرف جب
ار کی انتہا کو چھو رہے تھے تو انہوں نے آرمی ہاؤس کے اندر ایک تختی لگوائی تھی‘ اس تختی پر ایک چینی
ت درج تھی‘ یہ کہاوت کچھ یوں تھی ’’اچھا لیڈر وہ ہوتا ہے جس سے عوام پیار کریں‘ اس کے بعد ایسے
کی باری آتی ہے جس سے عوام ڈریں اور بدترین لیڈر وہ ہوتا ہے جس سے عوام نفرت کریں‘ صدر

پرویز مشرف نے آرمی ہاؤس میں یہ قول اس لئے لگوایا تھا کہ وہ پاکستان کے لئے ایسا لیڈر بننا چاہتے تھے جس سے لوگ محبت کریں' جنرل صاحب کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا اور بدقسمتی سے وہ ایک ایسے لیڈر بن کر رخصت ہوئے جس سے لوگوں نے نفرت شروع کر دی تھی ہر حال صدر مشرف بڑی حد تک ماضی کا قصہ بن چکے ہیں لیکن ان کے ہاتھ سے لگوایا ہوا وہ قول ابھی تک وہاں موجود ہے۔

خواتین و حضرات! یہ چین کے مشہور فلاسفر کنفیوشیس کا قول تھا' کنفیوشیس آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے چین میں پیدا ہوا تھا اور وہ بادشاہوں کا استاد کہلاتا تھا۔ اس کے دور میں چین کے تمام چھوٹے بڑے بادشاہ' ولی عہد' شہزادے' وزراء' جاگیردار اور سرمایہ کار علم' ادب اور دانش سیکھنے کے لئے کنفیوشیس کے پاس جایا کرتے تھے' انہی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کنفیوشیس کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کنفیوشیس سے پوچھا ''جناب لیڈروں کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں'' کنفیوشیس نے فوراً جواب دیا ''تین'' بادشاہ نے پوچھا ''کون کون سی'' کنفیوشیس نے جواب دیا ''اچھا لیڈر' کامیاب لیڈر اور بدترین لیڈر'' بادشاہ نے کنفیوشیس سے وضاحت کی درخواست کی' کنفیوشیس بولا ''اچھا لیڈر وہ ہوتا ہے جس سے لوگ محبت کریں' کامیاب لیڈر وہ ہوتا ہے جس سے عوام ڈریں اور بدترین لیڈر وہ ہوتا ہے جس سے عوام نفرت کریں'' بادشاہ نے چند لمحے سوچا اور اس کے بعد پوچھا ''لیڈر کس چیز سے پہچانا جاتا ہے'' کنفیوشیس نے فوراً جواب دیا ''فیصلوں سے'' بادشاہ غور سے سنتا رہا' کنفیوشیس بولا ''اچھا لیڈر ہمیشہ ایسے فیصلے کرتا ہے جس سے عوام کے دل میں اس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے' کامیاب بادشاہ ہمیشہ ایسے فیصلہ کرتا ہے جس سے عوام خوفزدہ ہوں اور بدترین بادشاہ ہمیشہ اپنے ذاتی مفاد کو سامنے رکھ کر فیصلے کرتا ہے۔''

خواتین و حضرات! اس مکالمے کے تیسرے حصے میں بادشاہ نے کنفیوشیس سے پوچھا تھا ''بادشاہ کی وہ کون سی عادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے عوام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بادشاہ کے وفادار ہو جاتے ہیں'' بادشاہ کے اس سوال کا کنفیوشیس نے کیا جواب دیا تھا' یہ تو میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا لیکن اس وقت اتنا بتا دوں' کنفیوشیس کے اس جواب کو پاکستان کے ہر حکمران کو اپنی میز پر لگوا لینا چاہیے کیونکہ پاکستان کے تمام مسائل کا حل اس جواب میں پوشیدہ ہے۔

خواتین و حضرات! صدر پرویز مشرف نے اپنے دور میں بے شمار ایسے فیصلے کئے تھے جن کا محرک ان کی اپنی ذات تھی یا ان فیصلوں کا مقصد عوام کے دلوں میں اپنی دھاک یا اپنا خوف بٹھانا تھا' ان فیصلوں میں ایک فیصلہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں فوج بھجوانا بھی تھا' 22 اکتوبر کو پارلیمنٹ نے ایک 14 نکاتی متفقہ قرارداد پاس کی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ قبائلی علاقوں کا مسئلہ مذاکرات کے ذریعے حل

کیا جائے گا اور وہاں سے فوج کو مرحلہ وار واپس بلایا جائے گا۔ گزشتہ روز پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے پاسنگ آؤٹ پریڈ سے خطاب کیا اور اس خطاب میں انہوں نے فرمایا ''فوج پارلیمنٹ کی قرارداد پر عملدرآمد کرے گی اور دہشت گردی کے مقابلے کے لئے عوام کی مدد کی ضرورت ہے'' ہم آج یہ جائزہ لیں گے کہ کیا قبائلی علاقوں میں فوج بھجوانے کا صدر پرویز مشرف کا فیصلہ درست تھا؟ کیا پارلیمنٹ کی قرارداد پر عملدرآمد ہو سکے گا اور اگر اس پر عملدرآمد ہوتا ہے تو اس پر امریکہ کا کیا ردعمل ہوگا؟ کیا امریکہ اس فیصلے کو آسانی سے تسلیم کرلے گا؟''

اختتام:

خواتین و حضرات! بادشاہ نے کنفیوشیس سے پوچھا تھا کہ ''بادشاہ کی وہ کون سی عادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے عوام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے وفادار ہو جاتے ہیں'' کنفیوشیس نے جواب دیا ''اخلاص'' اس نے کہا ''جب تک حکمران صدق دل سے اپنے عوام کا بھلا نہیں چاہتا' وہ پورے اخلاص کے ساتھ عوام کے مسائل حل نہیں کرتا اس وقت تک عوام کے دل میں اس حکمران کے لئے احترام اور وفاداری کے جذبات پیدا نہیں ہوتے'' کنفیوشیس نے کہا ''اخلاص تجارت ہے اور وفاداری اس تجارت کا منافع۔''

(26 اکتوبر 2008ء)

بحران ہی بحران اور اقتصادی ابتری

آغاز:

خواتین وحضرات! جنوبی کوریا اس وقت دُنیا کے تیزی سے ترقی کرنے والے ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ کوریا کی ترقی کا عمل 70ء کی دہائی میں شروع ہوا تھا اور 1997ء تک کوریا دُنیا کے خوشحال ممالک کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا لیکن پھر 26 فروری 1997ء کو وزیراعظم لی نے استعفیٰ دیا جس کے بعد جنوبی کوریا معاشی بحران کا شکار ہو گیا' غیر ملکی سرمایہ کاری رک گئی' ملٹی نیشنل کمپنیوں نے کوریا سے اپنا سرمایہ نکال لیا' فنانشل سیکٹر بیٹھ گیا' سٹاک ایکس چینج کریش کر گئی' آئی ایم ایف کے قرضوں کی واپسی کا وقت آ گیا' کوریا میں کام کرنے والی غیر ملکی فرموں نے بینکوں سے اپنا روپیہ نکلوا لیا' کوریا کی ایکسپورٹس بند ہو گئیں' بندرگاہوں' ائیرپورٹس اور گوداموں میں مصنوعات کے انبار لگ گئے' مارکیٹس میں خریدار ختم ہو گئے' فیکٹریوں میں پیداوار رک گئی اور آخر میں ملوں' فیکٹریوں اور کمپنیوں میں ڈاؤن سائزنگ شروع ہو گئی۔ ملک میں بے روزگاری آئی اور ہر دوسرا شخص بے روزگار ہو گیا' ملک سے ڈالر ختم ہوا' فارن ایکس چینج ریزرو میں کمی آئی' کوریا کی کرنسی ڈاؤن ہونا شروع ہوئی اور کرنسی کے ڈاؤن ہونے سے ملک میں مہنگائی کی شدید لہر آ گئی لہٰذا کوریا ہر لحاظ سے مسائل کا شکار ہو گیا۔ مسائل کے اس اونٹ پر آخری تنکا بینکوں کے دیوالیہ پن کی شکل میں ظاہر ہوا۔ 1997ء کے آخر میں کوریا کے چھ بڑے بینک دیوالیہ پن کی دہلیز پر پہنچ گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب عالمی تجزیہ نگاروں نے کوریا کو قبرستان لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت کوریا کے لوگوں نے اپنے ملک کو بچانے کا فیصلہ کیا' کوریا کی خواتین نے اپنے زیورات اتارے' بچوں نے اپنے منی باکس توڑے' مردوں' جوانوں اور بوڑھوں نے اپنے لاکرز کھولے' اپنے گھروں میں چھپائی دولت نکالی

کوریا کے دوسرے ملکوں میں موجود باشندوں نے اپنے غیر ملکی اکاؤنٹس بند کرائے' کوریا کی بیوروکریسی نے کرپشن اور لوٹ کھسوٹ سے کمائی دولت جمع کی اور کوریا کے سیاست دانوں نے اپنے سارے اثاثے بیچے اور چند دنوں میں یہ ساری دولت ان چھ بینکوں میں جمع کرا دی۔ اس وقت حالت یہ تھی کوریا کے چھ بینکوں کی برانچز کے سامنے صبح سویرے قطاریں لگ جاتی تھیں اور لوگ قطاروں میں لگ کر پیسے بینکوں میں جمع کراتے تھے۔ کوریا کے عوام کے اس جذبے کا یہ نتیجہ نکلا کہ 2000ء تک کوریا دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

خواتین وحضرات! آج پاکستان بھی جنوبی کوریا جیسے حالات سے گزر رہا ہے۔ ہمارے فارن ایکس چینج ریزرو سولہ بلین ڈالر سے کم ہو کر 7 بلین 32 ملین ڈالرز ہو چکے ہیں' افراط زر کی شرح 30 تک پہنچ چکی ہے' مہنگائی 30 فیصد سے اُوپر ہو گئی ہے' کھانے پینے کی اشیاء بالخصوص آٹا نایاب ہو چکا ہے' ہماری برآمدات رک چکی ہیں اور درآمدات کے لئے ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ ہمارے مشیر خزانہ شوکت ترین کے مطابق اگر ہمیں بیس دنوں میں پانچ بلین ڈالرز نہیں ملتے تو ہمارے لئے سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔ ہماری حکومت مستقبل کے ان حالات سے بچنے کے لئے کشکول لے کر در در پھر رہی ہے جبکہ آئی ایم ایف نے قرضے کے لئے دفاعی بجٹ میں 30 فیصد تک کمی کا مطالبہ کر دیا ہے جبکہ یہ قرضہ ہمارے 15 لاکھ لوگوں کو بے روزگار کر دے گا۔ ان مشکل حالات میں عوام کی خواہش ہے آصف علی زرداری' میاں نواز شریف اور چودھری شجاعت حسین سے لے کر تمام سیاست دان' ارکان اسمبلی اور بیوروکریٹس غیر ممالک میں پڑا ہوا اپنا سرمایہ پاکستان لائیں لیکن سیاست دان اس کڑے وقت میں قربانی دینے کے لئے تیار دکھائی نہیں دے رہے۔ حالت یہ ہے سارا ملک لوڈشیڈنگ میں ڈوبا ہے لیکن تمام سرکاری دفتروں' ہاؤسز اور ایوانوں میں کروڑوں اور اربوں کی بجلی ضائع ہو رہی ہے' لوگ روٹی روٹی کو ترس رہے ہیں لیکن حکومت کی شاہ خرچیاں جاری ہیں۔

خواتین وحضرات! ان حالات میں پچھلے دنوں ایک اچھی خبر آئی' اسلام آباد میں 27 ہزار کنال پر نیا جی ایچ کیو بن رہا تھا' یہ جی ایچ کیو صدر پرویز مشرف نے شروع کرایا تھا' اس سلسلے میں اسلام آباد کے دو سیکٹر ای ٹین اور ڈی الیون فوج کے حوالے کر دیئے گئے تھے۔ اس منصوبے پر اسی ارب روپے خرچ آنے تھے لیکن ملک کی اقتصادی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے نئے جی ایچ کیو کی تعمیر رکوا دی۔ یہ ایک اچھا فیصلہ ہے لیکن قوم پاکستان کے دوسرے اداروں سے بھی اسی قسم کے اقدامات کی توقع رکھتی ہے۔

خواتین وحضرات! ملک کی اس اقتصادی صورتِ حال کا حل کیا ہے؟ کیا ہم جنوبی کوریا کے عوام کی طرح بی ہیو کر سکتے ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ہم ہمیشہ اپنے حکمرانوں‘ اپنے سیاست دانوں کو برا کہتے ہیں۔ یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے کیونکہ ہمیں حقیقتاً آج تک کوئی مخلص قیادت نہیں ملی لیکن سوال یہ ہے ہمارے سیاست دان‘ ہمارے حکمران آتے کہاں سے ہیں؟ یہ لوگ بدقسمتی سے اسی معاشرے‘ اس ملک کی پیداوار ہیں‘ یہ ہمارے ہی بھائی‘ بچے اور بزرگ ہیں۔ یہ ہماری ہی برادری‘ ہمارے ہی قبیلے اور ہماری ہی قوم کے سپوت ہیں چنانچہ سوچئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سب بے ایمان ہوں‘ ہم بہت ہی برے ہوں‘ ہم سب ہی لالچی‘ حریص اور کرپٹ نہ ہوں‘ ہم سب ہی وعدہ خلاف جھوٹے اور منافق ہوں چنانچہ ہم میں سے جو زیادہ برا ہوتا ہو وہ ہمارا باس بن جاتا ہو۔ ذرا سوچئے اگر دودھ میں خرابی ہو تو بالائی اچھی کیسے آ سکتی ہے‘ کھیت خراب ہو تو فصل صحت مند کیسے ہو سکتی ہے‘ اگر پانی کڑوا ہو تو شربت میٹھا کیسے ہو سکتا ہے اور عوام غیر مخلص ہوں تو انہیں سیاست دان مخلص کیسے مل سکتے ہیں۔

(29 اکتوبر 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

کابینہ میں توسیع سے مسائل حل ہو جائیں گے

آغاز:

خواتین وحضرات! پاکستان کی پہلی کابینہ تھی اور اس کابینہ کی چوتھی میٹنگ تھی‘ میٹنگ سے پہلے گورنر جنرل کے اے ڈی سی کیپٹن گل حسن نے قائداعظم سے پوچھا ”سر میٹنگ میں چائے سرو کی جائے یا کافی“ قائداعظم محمد علی جناح نے پوچھا ”کیا وزراء گھر سے چائے یا کافی پی کر نہیں آئیں گے“ گل حسن پریشان ہو گئے اور انہوں نے عرض کیا ”سر میٹنگ لمبی ہو گی اور میٹنگ میں عموماً چائے یا کافی سرو کی جاتی ہے“ قائداعظم کا رنگ سرخ ہو گیا‘ انہوں نے فرمایا ”سرکاری خزانہ پاکستان کے عوام کی امانت ہے اور میں کسی وزیر‘ مشیر اور سفیر کو اس امانت میں خیانت نہیں کرنے دوں گا“ قائداعظم رکے اور اس کے بعد فرمایا ”گل حسن آج یہ آفس آرڈر جاری کر دو‘ کابینہ کے اجلاس میں صرف پینے کا پانی رکھا جائے گا اور کسی وزیر کو میٹنگ کے دوران چائے یا کافی سرو نہیں کی جائے گی‘ جس کو طلب ہو وہ گھر سے پی کر آئے اور گھر جا کر پیئے“۔

آپ پاکستان کی پہلی کابینہ بھی دیکھئے‘ پاکستان کی پہلی کابینہ میں کل آٹھ وفاقی وزراء تھے‘ خان لیاقت علی خان اس کابینہ کے وزیراعظم تھے‘ قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل تھے اور ان کے نیچے صرف 8 وفاقی سیکرٹری تھے گویا پاکستان کے ابتدائی دنوں میں صرف 18 لوگ پورے ملک کا نظام چلا رہے تھے اور اس وقت ملک بھی کیسا تھا‘ پاکستان مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم تھا‘ دونوں حصوں کے درمیان گیارہ سو کلومیٹر کا فاصلہ تھا‘ ملک میں ایک کروڑ مہاجرین تھے‘ خزانہ خالی تھا‘ فوج تقسیم کے عمل سے گزر رہی تھی‘ ملک میں آٹے‘ گھی اور چینی کی شدید قلت تھی‘ سرکاری اہلکاروں اور افسروں کے لئے دفتر تک موجود نہیں تھے اور سرکاری ملازمین کو پہلی تنخواہ نظام حیدر آباد سے امداد لے کر دی گئی تھی اور اس پہلے

اور پریشان حال پاکستان کی ذمہ داری 8 فیڈرل سیکرٹریز‘ 8 وفاقی وزراء‘ ایک وزیراعظم اور ایک گو
جنرل کے کندھوں پر تھی اور آپ ملاحظہ کیجئے ان 18 لوگوں نے یہ ذمہ داری نبھائی کیسے! قائداعظم محم
جناح نے ایک ڈاکٹر کا بندوبست کیا‘ یہ ڈاکٹر ڈاکٹر شاہ کہلاتے تھے‘ قائداعظم نے انہیں فرمایا ”یہ ملک
اٹھارہ لوگوں نے ٹھیک کرنا ہے‘ ہم میں سے ہر شخص روزانہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرے گا اور میں ا
اٹھارہ لوگوں کی صحت کی ذمہ داری آپ کو سونپ رہا ہوں‘ اگر ہم میں سے کوئی شخص بیمار ہوا تو میں آپ
الٹا لٹکا دوں گا“ ڈاکٹر شاہ نے مسکرا کر عرض کیا ”سر آپ فکر نہ کریں‘ یہ اٹھارہ لوگ انشاءاللہ صحت مند ر
گے“ اس کے بعد ڈاکٹر شاہ نے تمام وزراء اور سیکرٹریوں کا شیڈول بنایا‘ وہ انہیں روزانہ دو وقت چا
دیتے تھے اور جو سیکرٹری اور وزیر سگریٹ پیتا تھا وہ اپنی موجودگی میں اسے پانچ چھ گھنٹے بعد صرف ا
سگریٹ پینے دیتے تھے‘ یہ آٹھ سیکرٹری اور آٹھ وزراء اپنے بچوں کی رف کاپیز کے ورق پھاڑ کر
لاتے تھے‘ ان پر آرڈر اور سمریاں لکھتے تھے اور کیکر کے کانٹے کامن پنز کے طور پر استعمال کرتے تھے ا
آنے والے دنوں میں ان 8 وفاقی وزراء نے کیکر کے ان کانٹوں اور رف کاپیوں کے ان ورقوں
ذریعے پاکستان کو اسلامی دُنیا کا لیڈر بنا دیا‘ پاکستان کو پاک سرزمین شاد باد بنا دیا۔

خواتین وحضرات! آج اسی پاکستان میں 22 نئے وفاقی وزراء اور 18 وزرائے مملکت
حلف اُٹھایا جس کے بعد پاکستان کی وفاقی کابینہ کا سائز 55 ہو گیا‘ وفاقی کابینہ کے ان ارکان کو آج
مراعات اور سیکورٹی بھی فراہم کی جائے گی اور ان کی وزارت میں فیڈرل سیکرٹریز‘ ایڈیشنل سیکر
جوائنٹ سیکرٹریز اور ڈپٹی سیکرٹریز بھی ہوں گے‘ ان کے علاوہ وزراء کا ذاتی سٹاف بھی ہو گا اور اس سٹا
کے اخراجات بھی ہوں گے۔ سوال یہ ہے کیا اس ملک جس کے عوام روٹی کے لئے ترس رہے ہیں‘ جس
میں افراط زر انتہائی بلندیوں کو چھو رہی ہے‘ جس میں مہنگائی نے 11 کروڑ لوگوں کو اپنے محاصرے میں
لے رکھا ہے اور جس کی اکانومی ادھار امداد اور بھیک پر چل رہی ہے کیا وہ ملک اتنی بڑی کابینہ کا بو
برداشت کر سکتا ہے لہٰذا خواتین وحضرات! ہم نے آج ایک فیصلہ کرنا ہے‘ ہم ایک غریب ملک ہیں
ایک امیر یا رئیس ملک‘ اگر ہم غریب ہیں تو سوال یہ ہے کیا کوئی غریب ملک اتنی بڑی کابینہ افورڈ کر سک
ہے اور اگر ہم ایک امیر ملک ہیں تو پھر ہمیں آج سے بھیک کا کشکول توڑ دینا چاہیے‘ ہمیں آج سے اعلان
کرنا چاہیے ہم کسی ملک سے امداد یا قرض نہیں لیں گے۔

خواتین وحضرات! آپ ایک اور ستم ظریفی بھی ملاحظہ کیجئے حکومت نے پاکستان کی تاریخ کی
اتنی بڑی کابینہ کے لئے تین نومبر کے دن کا انتخاب کیا‘ آج سے ٹھیک ایک برس قبل اس دن صدر پر
مشرف نے ملک میں ایمرجنسی لگا کر پوری عدلیہ معزول کر دی تھی اور اس دن کو محترمہ بے نظیر بھٹو نے

پاکستانی تاریخ کا سیاہ ترین دن قرار دیا تھا لہٰذا اس سیاہ ترین دن کے موقع پر اتنی بڑی کابینہ کیا یہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان نہیں۔

خواتین وحضرات! میں آخر میں آپ کو خان لیاقت علی خان کا ایک واقعہ سناؤں گا‘ 1948 میں کسی بیوروکریٹ نے وزیراعظم سے عرض کیا تھا ”میرے پاس کام زیادہ اور افسر کم ہیں‘ آپ مہربانی فرما کر افسروں کی تعداد بڑھا دیں“ اس پر ملک کے پہلے وزیراعظم نے کیا جواب دیا تھا‘ یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! 1948ء میں ملک کے ایک نامور بیوروکریٹ نے وزیراعظم خان لیاقت علی خان سے عرض کیا ”جناب میرے پاس کام زیادہ ہے اور افسر کم‘ اگر آپ مہربانی فرمائیں تو میں کچھ عرصے کے لئے دوسری وزارتوں سے چند لوگ بلوا لوں“ وزیراعظم نے سنا‘ مسکرائے اور بولے ”کارِسرکار میں لوگوں کی تعداد مَیٹر نہیں کرتی‘ صلاحیت اور اخلاص مَیٹر کرتا ہے‘ اگر آپ باصلاحیت ہیں اور مخلص ہیں تو آپ تھکے ہوئے سو لوگوں کا کام کر سکتے ہیں اور اگر آپ کے اندر اخلاص نہیں تو آپ کو سو افسر بھی دے دیئے جائیں تو آپ کا کام ختم نہیں ہو گا“ وزیراعظم نے کہا ہمیشہ باصلاحیت اور مخلص لوگوں کی ڈیمانڈ کرو‘ زیادہ لوگوں کا مطالبہ نہ کرو کیونکہ ایک شیر‘ بھیڑوں کے ریوڑ کو شیروں کا لشکر بنا سکتا ہے اور سو بھیڑیں مل کر بھی ایک شیر کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتیں۔

(03 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

باراک حسین اوباما کے پاکستانی سیاست پر اثرات

آغاز:

خواتین وحضرات! آج سے 30 ہزار سال پہلے امریکہ اور ایشیا کے درمیان زمین کی ایک پٹی ہوتی تھی' اس پٹی پر سفر کرتے ہوئے ایشیا اور افریقہ کے باشندے امریکہ پہنچے بعدازاں سمندر بلند ہوئے اور زمین کی یہ پٹی پانی میں ڈوب گئی جس کے نتیجے میں امریکہ باقی دُنیا سے کٹ گیا اور 1492ء تک دُنیا امریکہ کے وجود سے ناواقف رہی۔ 1492ء میں کولمبس جنوبی امریکہ کے ساحلوں پر اترا تو وہ لاکھوں مربع میل تک پھیلے جنگلات اور لاکھوں لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا' کولمبس کے بعد سپین' برطانیہ' فرانس' پرتگال' ہالینڈ' بیلجیئم اور اٹلی کے مہم جو امریکہ پہنچے اور انہوں نے وہاں اپنی کالونیاں بنانا شروع کر دیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی گنا' مکئی اور تمباکو اس وقت تک صرف امریکہ میں پیدا ہوتا تھا اور کولمبس 1500ء میں پہلی بار یہ تینوں چیزیں امریکہ سے یورپ لایا تھا۔ اسی طرح یورپ کے باشندے گھوڑے اور کافی امریکہ لے کر گئے۔ یورپ کے آقاؤں کو امریکہ میں کپاس اور تمباکو کے کھیتوں میں کام کرنے' کانوں سے سونا' چاندی اور ہیرے نکالنے' درخت کاٹنے' جانوروں کو مارنے' ان کی کھالیں اتارنے اور گھروں میں خدمت کے لئے افرادی قوت کی ضرورت پڑی اور یہ ضرورت انہیں افریقہ لے گئی' یہ لوگ افریقہ کی کسی بندرگاہ پر اترتے' وہاں سے سیاہ فام باشندوں کو اغواء کرتے' انہیں بحری جہازوں میں بند کرتے اور امریکہ لے آتے' ان غلاموں کے لئے خصوصی بحری جہاز بنائے گئے تھے' غلاموں کو لکڑی کے تختے کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا اور یہ غلام چار ماہ تک اسی جگہ پیشاب کرتے تھے اور انہیں اسی جگہ جانوروں کی طرح کھانا دیا جاتا تھا' امریکہ پہنچ کر ان کی منڈیاں لگائی جاتی تھیں اور یہ جانوروں کی طرح بیچے اور خریدے جاتے تھے۔ ان لوگوں میں سے اکثر مسلمان تھے لیکن

صدیوں کی (غلامی) کے دوران یہ لوگ کلمہ تک بھول گئے۔ غلامی کا یہ سلسلہ 1860ء تک جاری رہا' 1860ء کو ابراہم لنکن نے غلامی کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ ابراہم لنکن کا تعلق ری پبلکن پارٹی کے ساتھ تھا لہٰذا امریکی کالے سو سال تک ری پبلکن پارٹی کو ووٹ دیتے رہے۔ امریکہ کے کالے آزاد تو ہو گئے لیکن انہیں امریکی معاشرے میں برابری کا حق نہ ملا' سیاہ فام بچوں کو گوروں کے سکولوں میں داخلہ نہیں ملتا تھا' یہ لوگ گوروں کی بسوں اور ٹرینوں میں سفر نہیں کر سکتے تھے اور کالوں کے ریستوران اور چرچ تک الگ ہوتے تھے۔ حالت یہ تھی 1868ء میں پہلا سیاہ فام جان ولیمز مینارڈ سینیٹر منتخب ہوا لیکن گورے سینیٹرز نے اسے سینٹ میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی۔ 1960ء میں جان ایف کینیڈی اور لائیڈن بی جانسن نے کالوں کو برابری کے حقوق دے دیئے' کینیڈی کا تعلق کیونکہ ڈیموکریٹک پارٹی سے تھا چنانچہ کالوں نے کینیڈی کی مہربانی کا یہ بدلہ دیا کہ یہ لوگ ہمیشہ ڈیموکریٹک پارٹی کو ووٹ دیتے ہیں۔

خواتین وحضرات! 1960ء میں امریکہ کے کالوں کو برابری کے حقوق تو مل گئے لیکن 48 برسوں میں کوئی کالا وائٹ ہاؤس میں قدم نہیں رکھ سکا۔ امریکہ میں ایک غیر تحریری قانون تھا کہ کوئی خاتون اور کوئی کالا امریکہ کا صدر نہیں بن سکتا لیکن پھر آج سے 21 ماہ قبل باراک حسین اوباما کی شکل میں ایک سیاہ فام شخص امریکی سیاست کے افق پر ابھرا' باراک حسین اوبامہ میں تین بڑی خامیاں تھیں' وہ سیاہ فام تھا' اس کا اصلی اور سوتیلا والد دونوں مسلمان تھے اور اس کا تعلق لوئر مڈل کلاس سے تھا اور یہ تینوں خامیاں کہتی تھیں اوباما امریکہ کا صدر نہیں بن سکتا لیکن آج باراک حسین اوباما امریکہ کا صدر منتخب ہو چکا ہے اور اس کے انتخاب کو 21ویں صدی کی سب سے بڑی تبدیلی قرار دیا جا رہا ہے۔

باراک اوباما کا والد کینیا کا مسلمان تھا' اس کے سوتیلے والد کا تعلق انڈونیشیا سے تھا' اوبامہ کے دوستوں میں چار پاکستانی بھی شامل ہیں اور اوباما 1981ء میں پاکستان بھی آ چکا ہے' وہ اپنے دوست محمد حسین چانڈیو کے ساتھ کراچی آیا تھا اور وہ سینیٹ کے چیئرمین میاں محمد سومرو کے والد احمد میاں سومرو کے گھر رہا تھا۔

خواتین وحضرات! باراک حسین اوباما نے اپنی پہلی تقریر میں اپنی کامیابی کو تبدیلی کا آغاز قرار دیا' سوال یہ ہے کیا یہ تبدیلی پاکستان کے لئے بھی تبدیلی ثابت ہوگی کیونکہ جنوری اور فروری 2009ء میں پاکستان امریکی سیاست کے لئے بہت بڑا چیلنج ہوگا۔ سوال یہ ہے امریکی سیاست کی تبدیلی پاکستان کے مستقبل پر کیا اثرات چھوڑے گی؟

اختتام:

خواتین وحضرات! مارٹن لوتھر کنگ امریکہ کے سیاہ فاموں کے لئے نجات دہندہ کی حیثیت

رکھتا ہے۔ مارٹن لوتھر نے 28 اگست 1963ء میں ایک شہرہ آفاق تقریر کی تھی' اس تقریر کا شمار دُنیا کی بہترین تقریروں میں ہوتا ہے اور اس تقریر کا نام I have a dream تھا' میں آپ کو اس تقریر کا ایک پیراگراف پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں۔ مارٹن لوتھر نے کہا ''میرا ایک خواب ہے۔۔ ایک دن یہ قوم اُٹھے گی اور اپنی اصل زندگی جیئے گی۔

میرا ایک خواب ہے۔۔۔ ایک دن جارجیا کے سرخ پہاڑوں میں (غلاموں) کے بیٹے اپنے (مالکوں) کے بیٹوں کے ساتھ ایک میز پر بیٹھیں گے۔

میرا ایک خواب ہے۔۔ ایک دن ناانصافی اور ظلم کے شہر میسی سپی میں آزادی اور انصاف کا سورج طلوع ہوگا' میرا ایک خواب ہے ایک دن میرے چاروں بچے اپنے سیاہ رنگ کے بجائے اپنے کردار سے پہچانے جائیں گے' میرا ایک خواب ہے ایک دن الباما کے کالے بچے گورے بچوں کے ساتھ ہاتھ ملائیں گے۔ میرا ایک خواب ہے ایک دن ہر وادی اونچی ہو جائے گی اور ہر پہاڑ نیچا ہو جائے گا' تمام ناہموار جگہیں ہموار ہو جائیں گی اور تمام ٹیڑھی منزلیں سیدھی ہو جائیں گی اور مایوسیوں کے پہاڑ سے اُمید کی کرنیں طلوع ہوں گی۔

میرا ایک خواب ہے ایک دن ہم سب اکٹھے کام کر سکیں گے' ہم سب اکٹھے عبادت کر سکیں گے' ہم سب اکٹھے کوشش کر سکیں گے' ہم سب اکٹھے جیل جا سکیں گے اور ہم سب اکٹھے آزاد ہو سکیں۔ میرا ایک خواب ہے امریکہ ایک دن واقعی عظیم امریکہ بن جائے گا' ایک دن میرا خواب ضرور پورا ہوگا۔

خواتین وحضرات! آج مارٹن لوتھر کنگ کا خواب پورا ہو گیا' آج اس کی نسل' رنگ اور طبقے کا ایک شخص دُنیا کی واحد سپر پاور کا صدر بن گیا' دُنیا کا مضبوط ترین حکمران بن گیا۔ ایک خواب اس ملک کی بانی نسل نے بھی دیکھا تھا پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کا خواب۔ پاکستان میں انصاف اور قانون کا خواب۔ پاکستان میں برابری' مساوات اور میرٹ کا خواب۔ پاکستان کی عزت' وقار اور غیرت کا خواب۔ پاکستان میں اصلی جمہوریت اور اصلی آزادی کا خواب۔ سوال یہ ہے یہ خواب کب پورا ہوگا' اس خواب کی تعبیر کب طلوع ہوگی' ہمارا باراک اوباما کب آئے گا۔

(05 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

عدالتوں کو تالے اور ہائی کورٹ کا سوموٹو ایکشن

آغاز:

خواتین وحضرات! علی کردان 4 نومبر 2008ء تک ایران کے وزیر داخلہ تھے' ان کا تعلق حکمران جماعت سے تھا لیکن 4 نومبر کو ایران کی پارلیمنٹ نے اپنے وزیر داخلہ کا مواخذہ کیا' پارلیمنٹ کے 247 ارکان میں سے 188 نے علی کردان کے خلاف ووٹ دیا جس کے بعد نا صرف علی کردان سے وزارت داخلہ کا پورٹ فولیو واپس لے لیا گیا بلکہ انہیں پارلیمنٹ کی رکنیت سے بھی ڈس کوالی فائی کر دیا گیا۔ علی کردان پارلیمنٹ کے اس فیصلے کے بعد سیاست سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فارغ ہو گئے ہیں۔ قارئین آپ سوچ رہے ہوں گے علی کردان سے لازماً کوئی ناقابل معافی جرم سرزد ہو گیا ہوگا۔ نہیں' آپ کا خیال غلط ہے۔ علی کردان کا جرم بہت ہی معمولی تھا۔ علی کردان کی تعلیمی ڈگریوں میں آکسفورڈ یونیورسٹی کی ایک اعزازی ڈگری بھی شامل تھی' اس اعزازی ڈگری کے بارے میں شکایت ہوئی اور آکسفورڈ یونیورسٹی نے اسے جعلی قرار دے دیا' معاملہ ایران کی پارلیمنٹ میں پیش ہوا' پارلیمنٹ میں وزیر داخلہ کے خلاف مؤاخذے کی قرارداد پیش ہوئی اور ارکان کی اکثریت نے علی کردان کے خلاف ووٹ دے دیا جس کے نتیجے میں ایران کے صدر محمد احمدی نژاد نے علی کردان کو وزارت سے بے دخل کر دیا۔

خواتین وحضرات! میں نے جب علی کردان کا واقعہ پڑھا تو میرا سر شرم سے جھک گیا کیونکہ ہم ایک ایسے ماحول میں رہ رہے ہیں جس میں اکثر ارکان اسمبلی' منسٹر فار سٹیٹ اور وفاقی وزراء کی ڈگریاں جعلی ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود نا صرف یہ لوگ پانچ' پانچ سال تک اقتدار میں رہتے ہیں بلکہ انہیں پارلیمنٹ پورا قانونی تحفظ بھی دیتی ہے۔ ہم ایک ایسے سسٹم' ایک ایسے نظام میں سانس لے رہے

ہیں جس میں ایک صاحب کی بی اے کی ڈگری جعلی تھی لیکن وہ اس جعلی ڈگری کے ساتھ پانچ سال تک اس ملک کا وزیرِ صحت رہا‘ جس کے 412 ارکان اسمبلی‘ سیاست دانوں‘ پارلیمنٹیرینز اور سیاسی ورکروں کے خلاف کرپشن کے مقدمے بنے‘ ان کے خلاف فیصلے بھی ہوئے لیکن پھر انہیں نہلا دھلا کر دوبارہ اقتدار کی کرسیوں پر بٹھا دیا گیا۔ ہم ایک ایسے سسٹم کا حصہ ہیں جس میں جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف نے اپنی صدارت بچانے کے لئے این آر او جاری کئے اور ہزاروں لوگوں کی اربوں روپے کی کرپشن اور قتل وغارت گری کے سینکڑوں مقدمے واپس ہو گئے۔ جس میں اقتدار اور جیل اور جیل اور اقتدار میں چند کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ جس میں کل کے قیدی آج کے حکمران ہوتے ہیں اور آج کے حکمران کل کے قیدی۔ جس میں ڈبل شاہ جیسے مجرموں کو چیف منسٹر ہاؤس سے سپورٹ ملتی ہے‘ منشیات کے سمگلر انسداد منشیات کے وزیر اور نارکوٹکس کی سٹینڈنگ کمیٹیوں کے چیئرمین بنتے ہیں۔ جس میں 25 ارکان اسمبلی دو سال میں ڈھائی ارب روپے کی دوائیاں کھا جاتے ہیں‘ جس میں لوگ سائیکل پر قومی اسمبلی میں داخل ہوتے ہیں اور لینڈ کروزر پر باہر نکلتے ہیں۔ جس میں وزراء‘ ارکان اسمبلی اور شوکت عزیز جیسے وزیراعظم سٹاک ایکسچینج سے اربوں روپے چوری کر لیتے ہیں اور کوئی ان کی طرف اُنگلی نہیں اُٹھاتا۔ جس میں حکومت ایک حکم سے 54 ارب روپے کے قرضے معاف کر دیتی ہے‘ جس کے سیاست دان‘ جس کے حکمران اپنا سرمایہ غیر ملکی بینکوں میں رکھ کر 61 وزیروں کے اخراجات کے لئے در‘ در بھیک مانگتے ہیں۔ جس کے ایک سابق چیف منسٹر کا غیر ملکی اکاؤنٹ پکڑا جاتا ہے تو وہ مسکرا کر جواب دیتا ہے ”میں نے یہ پیسے برے وقت کے لئے بچا کر رکھے تھے“ اور اس جرم کے بدلے میں اسے وزیر داخلہ بنا دیا جاتا ہے۔ جس کے ایک وزیر داخلہ پر برطانوی حکومت ہیومین ٹریفکنگ کا الزام لگاتی ہے تو پوری سٹیٹ اس وزیر کا دفاع کرتی ہے۔ جس میں سیاست دان جوں جوں لوٹے ہوتے جاتے ہیں توں توں ان کے سماجی اور سیاسی رتبے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جس میں کسی ایک شخص کو کرسی پر بٹھانے اور کسی ایک شخص کو کرسی سے اُٹھانے کے لئے پورا قانون‘ پورا آئین بدل دیا جاتا ہے اور جس میں جج قید اور مجرم آزاد پھرتے ہیں۔

خواتین وحضرات! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے اگر علی کردان کا تعلق پاکستان کے ساتھ ہوتا تو کیا اس کے خلاف پارلیمنٹ میں قرارداد پیش ہوتی؟ کیا پارلیمنٹ اس کا مؤاخذہ کرتی اور کیا ہمارا صدر اپنے وزیر داخلہ کو بے دخل کرتا؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا کتنے افسوس کی بات ہے‘ ہم سیاست اور حکمرانی میں ایران کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔

خواتین وحضرات! سوال پیدا ہوتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ ہمارا قانون ہے‘ ہمارا

قانون ملک توڑنے‘ ملک لوٹنے اور ملک کو برباد کرنے والوں کو ہمیشہ گارڈ آف آنر پیش کرتا ہے جبکہ تندور سے روٹی اُٹھانے یا آٹے کا تھیلا چوری کرنے والے پر پوری تعزیرات پاکستان نافذ کر دی جاتی ہے۔ ہمارے ملک کا قانون بڑے مجرم کو تحفظ اور چھوٹے مجرم کو ہمیشہ سزا دیتا ہے۔ اس ملک میں سزا کا تعین جرم دیکھ کر نہیں کیا جاتا‘ مجرم کے طبقے‘ سٹیٹس اور اثر ورسوخ کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

قارئین۔۔ 4 نومبر کو پاکستان کے مختلف شہروں میں وکلاء نے عدالتوں کو تالے لگا دیئے تھے‘ اس واقعے کو لاہور ہائی کورٹ نے کھلی دہشت گردی قرار دیا اور اس پر سوموٹو ایکشن لے لیا۔ سوال یہ ہے قانون میں اس اقدام کی کیا حیثیت ہے؟ جبکہ معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کل پنجاب کے تین شہروں میں وکلاء سے خطاب کریں گے۔ کیا معزول چیف جسٹس کے یہ خطاب ملک میں رول آف لاء کا خواب پورے کر سکیں گے؟

اختتام:

خواتین وحضرات! ہم کیوں مار کھا رہے ہیں‘ ہم دُنیا سے کیوں پیچھے ہیں‘ ہم ترقی کیوں نہیں کر رہے اور ہم آگے کیوں نہیں بڑھ رہے؟ یہ وہ سوال ہیں جو آج کے ہر ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے اور وہ جواب ہے۔۔۔ انصاف۔

خواتین وحضرات! دُنیا میں آج تک کوئی ایسی قوم نہیں گزری جس نے انصاف کے بغیر ترقی کی ہو۔ قوموں کو ترقی کے لئے سکون‘ اطمینان‘ یکساں مواقع‘ انڈسٹری‘ تجارتی منڈیاں اور تعلیم چاہئے ہوتی ہے اور یہ ساری چیزیں انصاف کی محتاج ہوتی ہیں۔ ترقی‘ خوشحالی اور عظمت کا پرندہ ہمیشہ انصاف کے درخت پر گھونسلہ بناتا ہے۔ کہا جاتا ہے آپ کسی غریب سے غریب ملک میں صرف انصاف قائم کر دیں اللہ کی ساری نعمتیں‘ ساری برکتیں اس ملک کا رخ کر لیں گی اور آپ کسی امیر سے امیر ملک میں بے انصافی شروع کر دیں وہ ملک سوویت یونین کے انجام تک پہنچ جائے گا۔ قارئین جس طرح چپوؤں کے بغیر کشتی نہیں چلائی جا سکتی بالکل اسی طرح انصاف کے بغیر معاشرے اور ملک نہیں چلا کرتے اور بدقسمتی سے ہمارے پاس خواتین وحضرات! کشتی بھی ہے‘ اس کشتی کے ملاح بھی ہیں لیکن ان ملاحوں کے ہاتھ میں انصاف کا چپو نہیں لہٰذا ہم نے مسائل کے سمندر میں ایک ہی جگہ پر کھڑے ہو کر 61 برس گزار دیئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ”دُنیا میں کفر کی حکومت قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی نہیں“ اور ہم ایسے بدقسمت لوگ ہیں جو کفر بھی کر رہے ہیں اور ظلم بھی اور ساتھ یہ شکوہ بھی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری دُعائیں قبول نہیں کرتا‘ ہم کتنے ناسمجھ لوگ ہیں۔

(07 نومبر 2008ء)

علامہ اقبال کے افکار اور ہم

آغاز:

خواتین وحضرات! 9 ستمبر 1960ء کو صدر ایوب خان اور بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان کراچی میں سندھ طاس معاہدہ ہوا‘ معاہدے کی تقریب کے بعد صدر ایوب خان اور وزیراعظم نہرو کے درمیان ایک غیر رسمی ملاقات ہوئی‘ ملاقات میں صدر ایوب خان نے نہرو سے عرض کیا ’’جناب آپ مجھ سے بہت سینئر ہیں‘ میں ایک جونیئر سیاست دان کی حیثیت سے آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں‘‘ نہرو صاحب نے فرمایا ’’جی پوچھئے‘‘ صدر ایوب خان نے پوچھا ’’ایک کامیاب مسلمان حکمران میں کیا خوبی ہونی چاہئے‘‘ نہرو صاحب نے چند لمحے سوچا اور پھر مسکرا کر جواب دیا ’’ایک پاکستانی مسلمان حکمران اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک وہ علامہ اقبال کا حافظ نہ ہو‘‘ صدر ایوب نہرو سے یہ جواب ’’اسپکٹ‘‘ نہیں کر رہے تھے لہٰذا وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے‘ نہرو نے کہا ’’صدر محترم آپ کے اللہ نے آپ کو علامہ اقبال کی شکل میں بہت بڑی نعمت سے نوازا ہے‘ آپ لوگ بڑے بے وقوف ہوں گے اگر آپ اقبال سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے۔‘‘

خواتین وحضرات! آج مصور پاکستان شاعر مشرق اور حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال کا یومِ ولادت ہے۔ علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور دیا تھا جس کی بنیاد پر وہ مصور پاکستان کہلائے لیکن بدقسمتی سے آج کے پاکستان میں ان کی کسی سوچ‘ کسی فکر‘ کسی خیال‘ کسی فلسفے اور کسی احساس کا کوئی رنگ نظر نہیں آتا۔ خودی اور خودداری علامہ اقبال کا فلسفہ تھا۔ آج آپ کراچی سے خیبر تک دیکھ لیجئے آپ کو کسی جگہ خودداری نظر آئے گی اور نہ ہی خودی۔ یقین محکم‘ عمل پیہم اور محبت فاتح عالم علامہ اقبال کی فکر تھی‘ آج آپ کو اس قوم میں محبت ملے گی‘ نہ عمل اور نہ ہی یقین۔ علامہ اقبال ہمیں ایسی قوم بنانا چاہتے تھے جو

شاہین کی طرح پہاڑوں کی چٹانوں پر بسیرا کرے لیکن ہم اقبال کے شاہین کو بٹیر بنا کر کھا گئے۔ اقبال مردِ کوہستانی اور بندۂ صحرائی سے فطرت کی نگہبانی کا کام لینا چاہتے تھے لیکن ہم نے مردِ کوہستانی پر فوج چڑھا دی اور بندۂ صحرائی کو روٹی روٹی کا محتاج بنا دیا۔ علامہ اقبال ہماری خودی کو اتنا بلند دیکھنا چاہتے تھے کہ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے لیکن ہم نے اس خودی کا کشکول بنا کر اسے آئی ایم ایف کے دروازے پر رکھ دیا۔ اقبال نیل کے ساحلوں سے کاشغر کی خاک تک سب مسلمانوں کو ایک قوم سمجھتے تھے لیکن ہم نے اس ایک قوم کو ’’سب سے پہلے پاکستان‘‘ بنا دیا۔ اقبال ملت اسلامیہ کو ایک ایسا جسم بنانا چاہتے تھے جس میں کابل میں کانٹا چبھے تو ایران کے منہ سے چیخ نکل آئے لیکن ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے کابل میں کانٹا چبونا شروع کر دیا اور اقبال خودی کو بیچ کر غریبی میں نام پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے خودی کو بیچ بیچ کر گندم خریدنا شروع کر دی۔

افسوس ہم نے اقبال کے زمان ومکان کو روز وشب میں الجھا کر مار دیا‘ ہم نے اس معجزۂ فن کو امریکہ کی گلیوں میں فروخت کر دیا جس سے خون جگر کی نمود ہونا تھی‘ ہم نے اس ذوق یقین کو خیرات بنا دیا جس نے ہماری غلامی کی زنجیریں کاٹنا تھیں‘ ہم نے اس فاتح عالم‘ اس محبت‘ اس عمل پیہم اور اس یقین محکم کو رچرڈ باؤچر کے حوالے کر دیا جس نے جہاد زندگانی میں ہماری شمشیر بننا تھا‘ ہم نے قوم رسول ہاشمی کی اس خاص ترکیب کو ’’فرینڈز آف پاکستان‘‘ کے ہاتھ بیچ دیا جس نے ہمیں اقوام مغرب کے قیاس سے باہر نکالنا تھا اور ہم نے خوشہ گندم کے ساتھ ساتھ اس دہقان کو بھی جلا کر راکھ کر دیا جس سے اس ملک کے عوام کو روزی ملنا تھی۔

خواتین وحضرات! آج علامہ اقبال کے یوم ولادت کے موقع پر مجھے محسوس ہوتا ہے ہم اس ملک میں روزانہ علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے خیالات اور نظریہ پاکستان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ آج کے پاکستان اور علامہ اقبال اور قائداعظم کے پاکستان میں زمین آسمان کا فرق ہے لہٰذا ہمیں چاہئے ہم عدلیہ کی طرح نظریہ پاکستان کا چیپٹر بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کلوز کر دیں۔ ہم قائداعظم اور علامہ اقبال کی تصویروں کی جگہ خالی فریم لگا دیں تاکہ ہم نظریہ ضرورت کے مطابق جب چاہیں اس جگہ اتاترک‘ جارج بش اور باراک اوباما کی تصویریں لٹکا سکیں۔ مجھے آج محسوس ہوتا ہے اس قوم کو علامہ اقبال کی کوئی ضرورت نہیں تھی‘ ہمیں علامہ صاحب کی جگہ کوئی ایسا ٹام‘ ڈک اور ہنری چاہئے تھا جو ہمیں بھیک مانگنے‘ سمجھوتہ کرنے‘ جھوٹ بولنے‘ رشوت کھانے‘ فراڈ کرنے‘ منی لانڈرنگ‘ سوئس بینکوں میں پیسے چھپانے اور ایماندار ججوں کو بدنام کرنے کا جدید طریقہ سکھا سکتا۔ جو ہمیں این آر او بنانے‘ ایل ایف او تیار کرنے اور جعلی ریفرنڈم کرانے کا آرٹ سکھا سکتا اور اس ملک کو بش کے نظریے کے مطابق روشن خیال

اور اعتدال پسند بنا سکتا۔ مجھے آج محسوس ہوتا ہے اس ملک‘ اس قوم کو کسی قائد اعظم‘ کسی علامہ اقبال کی ضرورت نہیں تھی۔

خواتین وحضرات! ایک طرف ہم معاشی بدحالی کا شکار ہیں‘ حکومت سرمائے کی پرواز رو کے لئے منی چینجرز کو پکڑ رہی ہے‘ ملکی قرضے 7 ہزار ارب روپے تک پہنچ چکے ہیں اور میاں نواز شریف ا صدر آصف علی زرداری کے درمیان ملاقاتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا اور دوسری طرف نیٹو فو کے جہازوں نے آج پھر خیبر ایجنسی پر بمباری کر دی۔ یوں محسوس ہوتا ہے یہ سارے واقعات ثاب کرتے ہیں ہم بحیثیت قوم بے وقار ہوتے جا رہے ہیں۔ قارئین ان حالات میں کیا ہم اپنا وقار‘ اپنی عزت اور اپنی خودی بچا سکیں گے؟

اختتام:

خواتین وحضرات! کسی نے علامہ اقبال سے پوچھا تھا ”قوم کا سب سے بڑا خزانہ کیا ہو ہے“ علامہ صاحب نے فرمایا ”خودداری“ علامہ صاحب کا کہنا تھا ”اگر کسی قوم کے پاس سونے کے پہا بھی ہوں لیکن اس میں خودداری کا مادہ نہ ہو تو اس قوم کو بھکاری بنتے دیر نہیں لگتی اور اگر کسی غریب‘ مسکین اور مفلوک الحال قوم کے پاس صرف خودداری ہو تو وہ قوم بہت جلد امیر اور طاقتور بن جاتی ہے۔“ علامہ صاحب کا فرمانا تھا ”اللہ تعالیٰ صرف خوددار لوگوں اور خوددار قوموں پر کرم کرتا ہے لہٰذا اگر دُنیا میں خوشحال طاقتور اور کامیاب بننا چاہتے ہو تو کبھی خودداری ترک نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہاری مدد کو ضرور پہ گی۔

خواتین وحضرات! میں جب آج پاکستان کو دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے ہمارے پاس خودداری کے سوا سب کچھ ہے چنانچہ ہم دُنیا بھر کے وسائل کے باوجود بھیک مانگ رہے ہیں اور بھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خودداری‘ عزت اور انا سے محروم قوموں کے لئے کم ترین سزا ہوتی ہے۔

(09 نومبر 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

سراج الدولہ کی دو خامیاں

آغاز:

خواتین وحضرات! نواب سراج الدولہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک شاندار کردار تھا‘ وہ بنگال کے حکمران تھے اور انہوں نے پلاسی کے میدان میں انگریز فوج کے ساتھ ایک بہت بڑی جنگ لڑی تھی۔ سراج الدولہ کا اصل نام مرزا محمد تھا اور وہ نواب علی وردی خان کے بعد بنگال‘ بہار اور اڑیسہ کے حکمران بنے۔ نواب صاحب انتہائی سمجھدار‘ ذہین اور درد دل رکھنے والے حکمران تھے‘ ان دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کے بہانے آہستہ آہستہ پورے ہندوستان پر پھیل رہی تھی‘ سراج الدولہ انگریزوں کے عزائم کو بھانپ گئے چنانچہ انہوں نے انگریزوں کے قبضے میں موجود شہر قاسم بازار اور کلکتہ پر قبضہ کر لیا‘ یہ قبضہ چھڑانے کے لئے انگریزوں نے اپنا مشہور جرنیل لارڈ رابرٹ کلائیو مدراس سے کلکتہ بھجوایا‘ لارڈ کلائیو اور سراج الدولہ کے درمیان 1756ء میں بڑی خوفناک جنگ ہوئی‘ اس جنگ میں انگریزوں کو ہندوستان میں پہلی بار بڑا ٹف ٹائم ملا اور لارڈ کلائیو پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ انگریزوں نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے نواب صاحب کے وزیر اعظم میر جعفر کو خرید لیا‘ آپ کے لئے شائد یہ بات نئی ہو کہ پاکستان کے گورنر جنرل اور ملک کے پہلے صدر سکندر مرزا میر جعفر کی اولاد میں سے تھے۔ میر جعفر کو خریدنے کے بعد لارڈ کلائیو نے 13 جون 1757ء کو بنگال پر حملہ کر دیا‘ نواب سراج الدولہ 50 ہزار پیدل‘ 18 ہزار سواروں اور 50 توپوں کے ساتھ پلاسی کے میدان میں پہنچے‘ جنگ شروع ہوئی لیکن عین وقت پر میر جعفر نے غداری کی‘ وہ فوج کا بڑا حصہ لے کر انگریز کے ساتھ مل گیا جس کے نتیجے میں سراج الدولہ کو شکست ہوئی‘ وہ میدان سے مرشد آباد کی طرف بھاگے لیکن راستے میں میر جعفر کے بیٹے کے ہاتھوں مارے گئے۔

خواتین وحضرات! فاتح بنگال لارڈ رابرٹ کلائیو دُشمن ہونے کے باوجود سراج الدولہ کا بہت بڑا فین تھا‘ اس نے جب بنگال فتح کیا تو اس نے سراج الدولہ کی ناکامی کے بارے میں ریسرچ کرائی‘ اس ریسرچ کے دوران سراج الدولہ کی دو انتہائی دلچسپ خامیاں سامنے آئیں‘ لارڈ کلائیو نے ان خامیوں کو ”سراج الدولہ فالٹس“ کا نام دیا اور اپنی یادداشتوں میں لکھا ”دُنیا کے جس حکمران‘ جس بادشاہ اور جس سپہ سالار میں یہ دو خامیاں موجود ہوں‘ اسے جان لینا چاہئے اس کا انجام سراج الدولہ سے مختلف نہیں ہوگا۔“ سراج الدولہ کی پہلی خامی میں آپ کو آخری حصے میں بتاؤں گا لیکن دوسری خامی پر ابھی بات کریں گے۔

خواتین وحضرات! سراج الدولہ کو دولت جمع کرنے کا شوق تھا‘ انہوں نے اپنا ذاتی خزانہ بنا رکھا تھا اور وہ اس میں اضافہ کرتے رہتے تھے‘ لارڈ کلائیو نے جب ان کے خزانے کا دروازہ توڑا تو وہ سونے‘ چاندی اور ہیرے جواہرات کا انبار دیکھ کر حیران رہ گیا‘ خزانہ چھت تک دولت سے بھرا تھا اور یہ ساری نواب کی ذاتی دولت تھی۔ کلائیو نے خزانے کے رکھوالے سے پوچھا ”جب نواب کے پاس اتنی دولت تھی تو اس نے یہ دولت عوام کی فلاح وبہبود‘ تعلیم اور صحت پر کیوں خرچ نہیں کی‘ اس نے یہ دولت فوج میں اضافہ اور گولہ بارود پر کیوں نہیں لگائی“ خزانے کے محافظ نے جواب دیا ”یہ نواب کی خاندانی دولت تھی‘ وہ اسے ذاتی ملکیت سمجھتے تھے چنانچہ وہ اسے عوام پر خرچ نہیں کرتے تھے“ لارڈ کلائیو نے یہ سن کر قہقہہ لگایا اور کہا ”اگر نواب نے اس دولت کو ذاتی نہ سمجھا ہوتا تو آج میں یہاں کھڑا نہ ہوتا۔“ کلائیو نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ”حکمرانوں کی ذاتی دولت بھی ذاتی نہیں ہوتی‘ وہ بھی عوام کی امانت ہوتی ہے اور جو حکمران دولت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں‘ ایک حصہ ان کا ذاتی اور دوسرا عوام کا حصہ تو وہ حکمران اپنی ذاتی دولت کو عوام سے بچا کر رکھتے ہیں‘ سراج الدولہ جیسی غلطی کرتے ہیں اور آخر میں سراج الدولہ جیسے انجام کا شکار ہوتے ہیں‘ ان کی دولت ملکہ برطانیہ کے کام آتی ہے یا پھر کوئی لارڈ کلائیو اس کا مالک بن جاتا ہے۔“

خواتین وحضرات! یہ فقط تاریخ کا ایک چھوٹا سا واقعہ تھا اور اس کا ہمارے موجودہ حالات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور میں اس واقعے کے ذریعے ہرگز ہرگز پاکستان کے سیاست دانوں سے یہ نہیں کہنا چاہتا کہ وہ سراج الدولہ جیسی غلطی نہ کریں یا وہ ملک کے عوام کو اپنے خزانوں میں شامل کر لیں کیونکہ ہو سکتا ہے لارڈ کلائیو کی آبزرویشن غلط ہو‘ ہو سکتا ہے اس بار ذاتی خزانوں کے مالک سراج الدولہ جیسے انجام کا شکار نہ ہوں اور ہو سکتا ہے اس بار مسلمان حکمرانوں کے خزانے کسی لارڈ کلائیو اور کسی ملکہ برطانیہ کے کام نہ آئیں۔

خواتین وحضرات! آئی ایم ایف کے ساتھ مشیر خزانہ شوکت ترین کے مذاکرات کامیاب ہو چکے ہیں‘ حکومت قرض لینے کے لئے آئی ایم ایف کے نو مطالبات تسلیم کر چکی ہے لیکن سمجھوتے پر دستخط سے قبل وزیراعظم کابینہ کو اعتماد میں لیں گے۔ حکومت نے تین دن قبل منی چینجنگ کی سب سے بڑی فرم کالیا اور خانانی کے مالکان کو گرفتار کر لیا‘ ان لوگوں پر دس سے چالیس ارب ڈالر ملک سے باہر بھجوانے کا الزام ہے۔ رقم کن کن لوگوں نے بھجوائی، اس فہرست میں کون کون سے سیاست دان، جرنیل اور بزنس مین شامل ہیں اور کیا یہ فہرست باہر آسکے گی۔

اختتام:

خواتین وحضرات! اب آتے ہیں سراج الدولہ کی پہلی خامی کی طرف۔۔ سراج الدولہ نرم طبیعت کے انسان تھے‘ وہ اپنے بڑے سے بڑے دُشمن کو معاف کر دیا کرتے تھے مثلاً میر جعفر نے انہیں پانچ مرتبہ دھوکہ دیا‘ پانچ مرتبہ انہیں میر جعفر کی سازشوں‘ غداریوں اور زیادتیوں کا علم ہوا لیکن میر جعفر نے ہر بار معافی مانگی اور سراج الدولہ نے اسے معاف کر دیا۔ ان معافیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ میر جعفر نے سراج الدولہ اور ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کو پلاسی کے میدان میں زندہ دفن کر دیا۔ لارڈ کلائیو نے سراج الدولہ کے اس فالٹ سے یہ نتیجہ نکالا کہ حکمرانوں کو قانون اور احتساب کے معاملے میں کبھی نرم دل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جب کوئی حکمران اپنی کلاس کے لوگوں کا احتساب نہیں کرتا تو پھر قدرت اس ملک کے سارے حکمرانوں کا احتساب کرتی ہے۔

(10 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

اُمید

آغاز:

خواتین وحضرات! آپ نے پینڈورا باکس کی اصطلاح سنی ہوگی' اردو میں یہ پینڈورا باکس لکھا اور بولا جاتا ہے جبکہ انگریزی میں یہ پنڈوراز باکس یعنی پنڈورا کا صندوق ہے۔ اس اصطلاح کا تعلق گریگ میتھالوجی یا یونانی دیومالا سے تھا اور یہ 675 قبل مسیح میں سب سے پہلے بیان کی گئی تھی۔ یہ اصطلاح اصل میں پینڈوراز جار یا پینڈورا کا مٹکا تھی' 16 ویں صدی میں جب پینڈورا کی کہانی کا پہلی بار انگریزی میں ترجمہ ہوا تو غلطی سے ٹرانسلیٹر نے جار کو باکس لکھ دیا اور یوں پینڈوراز جار کی اصطلاح پینڈوراز باکس بن گئی۔ یہ جار اس وقت لندن کے برٹش میوزیم میں پڑا ہے اور یونانی لوگ اس مٹکے کو دُنیا میں مصیبتوں' بیماریوں' تکلیفوں' ٹینشنز اور ڈپریشن کا آغاز سمجھتے ہیں۔

خواتین وحضرات! پینڈورا اور اس کے جار یا باکس کی کہانی کچھ یوں تھی' قدیم زمانے میں انسان کو کسی قسم کا دکھ' تکلیف' آزمائش اور کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن پھر ایک انسان نے آگ جلانے کا راز معلوم کر لیا۔ دیوتا اس گستاخی پر ناراض ہو گئے اور انہوں نے انسان کو سزا دینے کا فیصلہ کیا' دیوتاؤں کے دیوتا زیوس نے پینڈورا نام کی ایک خاتون پیدا کی اور اسے ایک مٹکا یا جار دیا' یہ مٹکا انسان کے قد کے برابر تھا اور اس کا منہ بند تھا' زیوس نے پینڈورا کو ہدایت کی ''تم کبھی اس مٹکے کا منہ نہیں کھولنا کیونکہ اگر تم نے اس کا ڈھکن کھول دیا تو تم انسانوں کی سب سے بڑی دُشمن کہلاؤ گی' پینڈورا نے زیوس سے وعدہ کر لیا' وہ جھکی' اس نے دیوتا کو سلام کیا اور مٹکا لے کر باہر آ گئی' وہ جب محل کے دروازے پر پہنچی تو دیوتا نے پینڈورا کے اندر تجس کا مادہ پیدا کر دیا۔ قدیم یونانیوں کا کہنا

ڈورا دُنیا کی پہلی خاتون تھی جس میں تجس کا مادہ پیدا ہوا تھا اس سے پہلے انسان تجس سے پاک ا بہر حال قصہ مختصر پینڈورا یہ مٹکا گھر لے آئی' وہ جب بھی مٹکے کو دیکھتی تھی تو اس میں مٹکے اندر ہا نکنے کا تجس پیدا ہو جاتا تھا لیکن وہ اپنے تجس کو دیوتا کے ساتھ کئے گئے وعدے سے بہلا دیتی تھی ن پھر ایک دن وہ تجس کے بہکاوے میں آ گئی' اس نے دائیں بائیں دیکھا اور مٹکے کا ڈھکن اُٹھا ' بس یہ ڈھکن اُٹھنے کی دیر تھی کہ مٹکے کی بلائیں باہر آ گئیں' ان بلاؤں میں برائیاں' مصیبتیں' ریاں' مشکلیں' تکلیفیں' ڈپریشنز' ٹینشنز' حسد' غصہ' تشدد اور جرم شامل تھے۔ پینڈورا نے جب یہ یں دیکھیں تو اس نے گھبرا کر مٹکے کا ڈھکن بند کر دیا' اس وقت اسے مٹکے کے اندر سے ایک تتلی کے نے کی آواز آئی' پینڈورا نے پوچھا ''تم کون ہو'' تتلی نے جواب دیا ''میں اُمید ہوں'' پینڈورا نے چھا ''اگر میں نے تمہیں باہر نہ نکالا تو کیا ہوگا'' اُمید نے فوراً جواب دیا ''اگر میں باہر نہ آئی تو مٹکے کی ِبتیں دُنیا کے تمام انسانوں کو کھا جائیں گی' یہ صرف میں ہوں جو ان مصیبتوں کا مقابلہ کر سکتی ں۔''

خواتین وحضرات! یہاں پہنچ کر کہانی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کچھ مؤرخین کا کہنا ے پینڈورا نے اُمید کی بات نہیں مانی تھی چنانچہ آج دُنیا میں مصیبتیں تو بے شمار ہیں لیکن ان کا مقابلہ رنے والی اُمید نہیں اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے پینڈورا نے اُمید کو بھی باہر نکال دیا تھا لیکن دُنیا ں کیونکہ مصیبتیں زیادہ ہیں اور اُمید صرف ایک چنانچہ اُمید اور مصیبتوں کی جنگ میں مصیبتیں جیتی ں جا رہی ہیں لیکن کہانی کا پہلا حصہ درست ہو یا دوسرا خیال مگر یہ حقیقت ہے انسان ہوں یا اشرے ملک ہوں یا قومیں ان کی بقاء' ان کی سروائیول صرف اور صرف اُمید پر ہوتی ہے اور جب ی قوم کی اُمید دم توڑ دیتی ہے تو پھر اس کی بقاء داؤ پر لگ جاتی ہے۔

خواتین وحضرات! آج کا پاکستان معاشی مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے' مہنگائی میں اضافہ 3 فیصد تک پہنچ گیا' ہمارے درآمدی بل میں 35 فیصد اضافہ ہو چکا ہے' ہمارے مالیاتی ذخائر 1 ارب ڈالرز سے 6 ارب 90 کروڑ ڈالرز پر آ گئے ہیں' افراط زر 25 فیصد ہو چکی ہے' حکومت کا نا ہے ان حالات میں ہمیں آئی ایم ایف کی کڑوی گولی کھانا پڑے گی' آج گورنر سٹیٹ بینک نے ح سود میں دو فیصد اضافہ کر دیا اور یہ اضافہ بھی صورتِ حال کو مزید گھمبیر بنا دے گا۔ مصیبتوں سے ے ان حالات میں کیا ہمارے پاس اُمید موجود ہے' کیا ہمارے پاس کوئی لائف لائن باقی ہے یہ ا آج کا موضوع ہے۔ جبکہ میں آخر میں آپ کو یہ بتاؤں گا انسانی زندگی کے لئے اُمید کتنی قیمتی ی ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! اُمید کیا چیز ہے؟ یہ انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سوال ہے۔ اُمید وہ طاقت ہوتی ہے جو بیمار کو شفا دیتی ہے' جو ناکام انسان کو محنت کرنے' پھر محنت کرنے کا حوصلہ دیتی ہے' جو کسان کو بیج بونے' درخت لگانے اور کھیتوں کو پانی دینے پر تیار کرتی ہے' جو بھوکے کی بھوک کو بہلاتی رہتی ہے' جو پیاسے کی پیاس کو بھٹکاتی رہتی ہے' جو قحط' خشک سالی' زلزلے' وبا اور سیلاب میں بھی زندگی کو مرنے نہیں دیتی' جو برے سے برے حالات میں بھی انسان کو اللہ سے دور نہیں ہونے دیتی ہے' جو گنہگار سے گنہگار اور مجرم سے مجرم ترین شخص میں بھی معافی کی آس کو ٹوٹنے نہیں دیتی اور جو رات کے اندھیرے کو کھینچ کھانچ کر' گھسیٹ گھساٹ کر سورج کے دروازے تک لے آتی ہے اور جو مرنے کے بعد بھی انسانی جسم میں جینز' سیلز اور ایٹم کی شکل میں موجود رہتی ہے شاید یہی وجہ ہے ناظرین اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا ''اللہ انسان کے سارے جرم' سارے گناہ معاف کر دیتا ہے لیکن وہ اپنی ذات میں شرک اور نا اُمیدی کا گناہ معاف نہیں کرتا۔''

خواتین وحضرات! اُمید وہ جذبہ ہے جسے اگر انسان اور قومیں اپنے اندر قائم رکھیں تو انہیں دُنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی اور اگر انسان کی اُمید مر جائے تو وہ زندہ قبر بن جاتا ہے۔

(12 نومبر 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

ہم غلام ہیں۔۔۔!!

آغاز:

خواتین وحضرات! ابوالفراج القاعدہ کے ایک سرگرم رکن تھے' وہ امریکہ کی موسٹ وانٹڈ پرسنز کی فہرست میں شامل تھے' پاکستان نے انہیں دو مئی 2005ء کو مردان سے گرفتار کیا اور انہیں امریکہ کے حوالے کر دیا جس کے بعد 6 مئی 2005ء کو امریکہ کے ایک اخبار میں ایک کارٹون شائع ہوا' کارٹون میں ایک امریکی فوجی دکھایا گیا' فوجی کے ہاتھ میں ایک بل ڈاگ تھا' بل ڈاگ کے اُوپر پاکستان لکھا تھا۔ اس کے منہ میں ابوالفراج تھا اور امریکی فوجی اس پر ہاتھ پھیر کر کہہ رہا تھا ''شاباش تم نے بہت اچھا کیا' چلو اب دونوں مل کر اسامہ بن لادن کو تلاش کرتے ہیں'' یہ کارٹون 8 اور 9 مئی کو پاکستانی اخبارات میں بھی شائع ہوا جس کے بعد معاملہ قومی اسمبلی میں پہنچا اور قومی اسمبلی نے حکومت کو حکم دیا وہ امریکی اخبار کو معذرت کرنے پر مجبور کرے' حکومت نے امریکہ میں پاکستانی سفارتخانے کو لکھا اور پاکستانی سفارتخانے نے امریکی اخبار کو خط لکھ دیا لیکن امریکی اخبار نے معذرت کرنے سے صاف انکار کر دیا یہاں پہنچ کر یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔

خواتین وحضرات! آج سے دو دن قبل وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے قومی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ''ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں لہٰذا ہم کسی کو اپنی فضائی یا زمینی حدود کی خلاف ورزی نہیں کرنے دیں گے'' میں نے وزیراعظم صاحب کے یہ الفاظ سنے تو مجھے بے اختیار بل ڈاگ کا وہ کارٹون یاد آ گیا اور میں نے سوچا ہم واقعی غلام تھے اور نہ اب غلام ہیں۔ آپ رچرڈ آرمیٹج کی مثال بھی لیجئے نائن الیون کے بعد رچرڈ آرمیٹج نے صدر پرویز مشرف کو دھمکی دی ''تم لوگ ہمارا ساتھ دو ورنہ ہم بمباری کر کے تمہیں پتھر کے زمانے میں دھکیل دیں گے'' صدر مشرف نے فوراً رچرڈ آرمیٹج کے

سامنے ہتھیار ڈال دیئے لیکن ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔ نیٹو فورسز نے 29 جنوری 2008ء سے لے کر 14 نومبر 2008ء تک پاکستان کے قبائلی علاقوں پر میزائلوں کے 24 حملے کیے' ان حملوں میں قریباً 345 معصوم لوگ شہید ہوئے' ہم نے ہر حملے کی مذمت کی مگر امریکہ نے ہماری ہر مذمت کا جواب حملے کی شکل میں دیا لیکن ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔ 17 ستمبر کو ایڈمرل مائیک مولن نے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور آرمی چیف کو یقین دلایا "امریکہ پاکستان کی خودمختاری کا احترام کرے گا" مگر اسی شام امریکہ کے جاسوس طیاروں نے جنوبی وزیرستان میں میزائل داغ دیا لیکن ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔ امریکی صدر جارج بش نے 29 جولائی کو وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور 24 ستمبر کو صدر آصف علی زرداری کو یقین دلایا "امریکہ پاکستان کی حدود کا احترام کرے گا" مگر آج 14 نومبر تک کسی جگہ یہ احترام دکھائی نہیں دیا لیکن ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔ 22 اکتوبر کو ہماری پارلیمنٹ نے امریکی حملوں کے خلاف مشترکہ قرارداد پاس کی قرارداد کے تین گھنٹے بعد امریکہ نے شمالی وزیرستان میں میزائل داغ دیا لیکن ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔ 29 اکتوبر کو ہم نے امریکی سفیر کو دفتر خارجہ میں طلب کر کے حملوں کے خلاف احتجاج کیا' امریکہ نے اس احتجاج کے دو گھنٹے بعد اپنے جاسوس طیارے پاکستانی کی فضائی حدود میں بھجوا دیئے لیکن ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔ 4 نومبر کو وزیراعظم نے اعلان کیا "امریکہ نے حملے روکنے کی ضمانت دے دی ہے" مگر 5 نومبر کو واشنگٹن پوسٹ نے انکشاف کر دیا "صدر زرداری اور امریکہ میں انڈرسٹینڈنگ ہے' پاکستان احتجاج کرتا رہے گا اور امریکہ حملے کرتا رہے گا" لیکن ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔ 11 نومبر کو وزیراعظم نے بیان دیا ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں مگر 12 نومبر کو لاہور میں امریکی قونصل جنرل نے انکشاف کر دیا "امریکی حملے پاکستانی معلومات کے تحت ہو رہے ہیں" لیکن ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔

خواتین و حضرات! ہم اب تک اس جنگ میں 21 کھرب روپے کا نقصان کر چکے ہیں' ہمارے ایک ہزار پانچ سو باسٹھ فوجی شہید اور ساڑھے تین ہزار زخمی ہو چکے ہیں' ہمارے ایک لاکھ 20 ہزار جوان قبائلی علاقوں میں لڑ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔ ہم پچھلے چار ماہ سے امریکی حملوں کی مذمت کر رہے ہیں لیکن آج ایک بار پھر امریکی طیاروں نے میران شاہ پر حملے کئے اور ان حملوں میں مزید 11 افراد جاں بحق ہو گئے لیکن ظاہر ہے اس حملے کے باوجود بھی ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔

اختتام:

خواتین و حضرات! پروگرام کے پہلے حصے میں وزیراعظم صاحب کے اس بیان کا ذکر ہو رہا

تھا جس میں انہوں نے فرمایا تھا "ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں" سوال یہ ہے قارئین! جو قوم امریکہ کی جنگ کو اپنی جنگ قرار دے رہی ہو' جو امریکہ سے جنگ کا بل وصول کر رہی ہو' جو امداد لینے کے لئے امریکہ کے دروازے پر بیٹھی ہو' جس پر امریکہ روزانہ حملے کر رہا ہو' وہ قوم ان حملوں پر احتجاج کر رہی ہو اور اس احتجاج کا نتیجہ مزید حملوں کی صورت میں نکل رہا ہو' جس میں امریکی ایمبیسی پارلیمنٹیرنز کو بریفنگ کے لئے دعوت نامے جاری کرے اور پاکستان کی وزارت خارجہ کو اطلاع تک نہ دے' جو قوم آئی ایم ایف سے قرضہ لینے کے لئے امریکہ کی سفارش کرائے اور جس میں امریکی سفارتکاروں کو وائسرائے کا سٹیٹس حاصل ہو اور وہ قوم اس کے باوجود امریکہ کی غلام نہ ہو' دنیا میں اس سے بڑی جرأت اور بہادری کیا ہو گی۔

خواتین و حضرات! غلامی اور آزادی کا تعلق انسان کے ذہن' ضمیر اور دل سے ہوتا ہے۔ اگر آپ کی سوچ' آپ کا ضمیر اور آپ کے دل کی دھڑکن آزاد ہے تو آپ نہ صرف آزاد ہیں بلکہ دنیا کی کوئی طاقت آپ کو غلام نہیں رکھ سکتی لیکن اگر آپ کی سوچ' آپ کا دل غلام ہے تو پھر آزادی محض رسی کا ایک ٹکڑا رہ جاتی ہے۔ آپ کی رسی جتنی لمبی ہو گی آپ بس اتنے ہی آزاد ہوں گے اور یہ حقیقت ہے ناظرین ہم نے دو وقت کی روٹی اور چار دن کے اقتدار کے لئے اپنی سوچیں غلام کر دی ہیں چنانچہ امریکہ سے لے کر بھارت تک دنیا کا ہر ملک اب ہمارا آقا ہے۔ لوگ اب ہمیں ہمارے حصے کا پانی تک دینے کے لئے تیار نہیں ہیں اور دنیا میں بے بسی اور بے چارگی سے بڑی کوئی غلامی نہیں ہوتی اور ہم بے بس بھی ہو چکے ہیں اور بے چارے بھی۔

(14 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

برداشت

آغاز:

خواتین وحضرات! آج پوری دُنیا میں برداشت کا عالمی دن منایا جارہا ہے' ماہرین کا خیال ہے دُنیا میں برداشت کم ہورہی ہے' لوگ دوسرے لوگوں کی بات سننے' ان کے زاویہ نظر کو تسلیم کرنے اور اختلاف رائے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ برداشت کی یہ کمی دُنیا کے امن اور سکون کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ یہ تاثر کس حد تک درست ہے اس پر تو میں آگے چل کر بات کروں گا سردست مجھے دُنیا کے چند نامور لوگوں کی قوت برداشت کے چند واقعات یاد آرہے ہیں۔

صدر ایوب خان پاکستان کے پہلے ملٹری ڈکٹیٹر تھے' وہ روزانہ سگریٹ کے دو بڑے پیکٹ پیتے تھے' ہر صبح ان کا بٹلر سگریٹ کے دو پیکٹ ٹرے میں رکھ کر ان کے بیڈروم میں آجاتا تھا اور صدر ایوب سگریٹ سلگا کر اپنی صبح کا آغاز کرتے تھے' وہ ایک دن مشرقی پاکستان کے دورے پر تھے' وہاں ان کا بنگالی بٹلر انہیں سگریٹ دینا بھول گیا' جنرل ایوب خان کو شدید غصہ آیا اور انہوں نے بٹلر کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ جب ایوب خان خاموش ہوئے تو بٹلر نے انہیں مخاطب کر کے کہا ''جس کمانڈر میں اتنی برداشت نہ ہو وہ فوج کو کیا چلائے گا' مجھے پاکستانی فوج اور اس ملک کا مستقبل خراب دکھائی دے رہا ہے۔'' بٹلر کی بات ایوب خان کے دل پر لگی' انہوں نے اسی وقت سگریٹ ترک کر دیا اور پھر باقی زندگی سگریٹ کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

خواتین وحضرات! آپ نے رستم زمان گاما پہلوان کا نام سنا ہوگا۔ ہندوستان نے آج تک اس جیسا دوسرا پہلوان پیدا نہیں کیا' ایک بار ایک کمزور سے دکاندار نے گاما پہلوان کے سر میں وزن کرنے والا باٹ مار دیا' گامے کے سر سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے' گامے نے سر پر مفلر لپیٹا اور

چپ چاپ گھر لوٹ گیا۔ لوگوں نے کہا ''پہلوان صاحب آپ سے اتنی کمزوری کی توقع نہیں تھی' آپ دکاندار کو ایک تھپڑ مار دیتے تو اس کی جان نکل جاتی'' گامے نے جواب دیا ''مجھے میری طاقت نے پہلوان نہیں بنایا' میری برداشت نے پہلوان بنایا ہے اور میں اس وقت تک رستم زمان رہوں گا جب تک میری قوت برداشت میرا ساتھ دے گی۔''

قوتِ برداشت میں چین کے بانی۔ چیئرمین ماؤزے تنگ اپنے دور کے لیڈرز سے آگے تھے' وہ 75 سال کی عمر میں سردیوں کی رات میں دریائے شنگھائی میں سوئمنگ کرتے تھے اور اس وقت پانی کا درجہ حرارت منفی دس ہوتا تھا۔ ماؤ انگریزی زبان کے ماہر تھے لیکن انہوں نے پوری زندگی انگریزی کا ایک لفظ نہیں بولا' آپ ان کی قوت برداشت کا اندازہ لگایئے کہ انہیں انگریزی میں لطیفہ سنایا جاتا تھا' وہ لطیفہ سمجھ جاتے تھے لیکن خاموش رہتے تھے اور بعدازاں جب مترجم اس لطیفے کا ترجمہ کرتا تھا تو وہ دل کھول کر ہنستے تھے۔

قوتِ برداشت کا ایک واقعہ ہندوستان کے پہلے مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر بھی سنایا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے انہوں نے زندگی میں صرف اڑھائی کامیابیاں حاصل کی ہیں' ان کی پہلی کامیابی ایک اژدھے کے ساتھ لڑائی تھی' ایک جنگل میں بیس فٹ کے ایک پینتھر نے ایک بار انہیں جکڑ لیا اور بابر کو اپنی جان بچانے کے لئے اس کے ساتھ بارہ گھنٹے اکیلے لڑنا پڑا۔ ان کی دوسری کامیابی خارش تھی' انہیں ایک بار خارش کا مرض لاحق ہوگیا خارش اس قدر شدید تھی کہ وہ جسم پر کوئی کپڑا نہیں پہن سکتے تھے' اس مرض کے دوران ان کا دُشمن شبانی خان ان سے ملاقات کے لئے آیا۔ بابر نے اپنے آپ کو صحت مند ثابت کرنے کے لئے پورا شاہی لباس پہنا' آدھا دن شبانی خان کے سامنے بیٹھے رہے' اس دوران جسم پر شدید خارش ہوئی لیکن بابر نے خارش نہیں کی۔ بابر ان دونوں واقعات کو اپنی دو بڑی کامیابی قرار دیتا تھا اور آدھی دُنیا کی فتح کو اپنی آدھی کامیابی کہتا تھا۔

خواتین وحضرات! دُنیا میں لیڈرز ہوں' سیاست دان ہوں' حکمران ہوں' چیف ایگزیکٹو ہوں یا عام انسان ہو ان کا اصل حسن ان کی قوت برداشت ہوتی ہے' دُنیا میں کوئی شارٹ ٹمپرڈ' کوئی غصیلہ اور کوئی جلد باز شخص ترقی نہیں کر سکتا۔ دُنیا میں معاشرے' قومیں اور ملک بھی صرف وہی آگے بڑھتے ہیں جن میں قوت برداشت ہوتی ہے' جن میں دوسرے انسان کی رائے' خیال اور اختلاف کو برداشت کیا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک' ہمارے معاشرے میں قوت برداشت میں کمی آتی جارہی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص ہر وقت کسی نہ کسی شخص سے لڑنے کے لئے تیار بیٹھا ہے' شائد قوت برداشت کی یہ کمی ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں دُنیا میں سب سے زیادہ قتل اور سب سے زیادہ حادثے ہوتے ہیں۔

خواتین وحضرات! قوت برداشت کی اس کمی میں میڈیا کا کتنا ہاتھ ہے اور کیا میڈیا معاشرے میں قوت برداشت پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ایک بار ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ''حضور آپ مجھے زندگی کو پرسکون اور خوبصورت بنانے کا ایک فارمولہ بتا دیجئے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''غصہ نہ کیا کرو'' آپ ﷺ نے فرمایا ''دُنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اول' وہ لوگ جو جلدی غصے میں آجاتے ہیں اور جلد اصل حالت میں واپس آجاتے ہیں۔ دوم' وہ لوگ جو دیر سے غصے میں آتے ہیں اور جلد اصل حالت میں واپس آجاتے ہیں اور سوم وہ لوگ جو دیر سے غصے میں آتے ہیں اور دیر سے اصل حالت میں لوٹتے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ان میں سے بہترین دوسری قسم کے لوگ ہیں جبکہ بدترین تیسری قسم کے انسان۔''

خواتین وحضرات! غصہ دُنیا کے 90 فیصد مسائل کی ماں ہے اور اگر انسان صرف غصے پر قابو پالے تو اس کی زندگی کے 90 فیصد مسائل ختم ہو سکتے ہیں۔ برداشت دُنیا کی سب سے بڑی اینٹی بائیوٹک' دُنیا کا سب سے بڑا ملٹی وٹامن ہے۔ آپ اپنے اندر صرف برداشت کی قوت پیدا کرلیں تو آپ کو ایمان کے سوا کسی دوسری طاقت کی ضرورت نہیں رہتی۔ بعض اوقات انسان ایک گالی برداشت کر کے سینکڑوں ہزاروں گالیوں سے بچ جاتا ہے اور ایک بری نظر کو اگنور کر کے دُنیا بھر کی غلیظ نظروں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

خواتین وحضرات! آج کے بعد آپ کو جب بھی غصہ آئے تو آپ فوراً اپنے ذہن میں اللہ کے رسول ﷺ کے یہ الفاظ لے آئیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا ''غصہ نہ کیا کرو'' مجھے یقین ہے اللہ کے رسول ﷺ کے یہ الفاظ آپ کی قوت برداشت میں اضافہ فرمادیں گے۔

(16 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

آئی ایم ایف سے قرضے کا حصول اور عوام کا اعتماد

آغاز:

خواتین وحضرات! پاکستان نے قرضہ حاصل کرنے کے لئے آئی ایم ایف کو باقاعدہ درخواست دے دی ہے' آئی ایم ایف ہمیں اسی ماہ قرضے کی پہلی قسط جاری کردے گا۔ آج ابوظہبی میں فرینڈز آف پاکستان کا اجلاس بھی ہوا' جس میں دوست ممالک نے پاکستان کی مدد کی تجاویز پر غور کیا۔ پاکستان نے اس اجلاس میں ایسے 45 منصوبے پیش کئے جن میں سرمایہ کاری کر کے پاکستان کے دوست ممالک ہماری مالی مدد کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں اچھے سائنز ہیں اور ان سے پاکستان کے معاشی حالات میں بہتری کے چانسز نظر آرہے ہیں' یوں محسوس ہوتا ہے عنقریب پاکستان کو مالی مدد مل جائے گی جس کے بعد حکومت ایوان صدر' وزیراعظم ہاؤس' گورنر ہاؤسز اور اور چیف منسٹر ہاؤسز کے اخراجات میں اضافے کے قابل ہوجائے گی۔ حکومت صدر محترم اور وزیراعظم کے لئے نئے طیارے خرید سکے گی' گورنرز اور چیف منسٹر کو نئی بلٹ پروف گاڑیاں فراہم کی جاسکیں گی' کابینہ میں نو وزراء کا اضافہ ہوسکے گا' وزیروں' مشیروں اور سفیروں کی تنخواہیں' مراعات اور سیکورٹی بڑھائی جاسکے گی' تمام وزیروں کو بھی بلٹ پروف گاڑیوں کے سرکل میں لایا جاسکے گا' وزراء بھی دس دس' بیس بیس دوستوں کے ساتھ امریکہ' یورپ اور جاپان کے دورے کرسکیں گے' حکومت اڑھائی' اڑھائی سو دوستوں' عزیزوں اور رشتے داروں کو سرکاری خرچ پر عمرے اور حج کرا سکے گی' وزیراعظم اور صدر کے ساتھ اب پچاس' پچاس لوگ غیر ملکی دورے کرسکیں گے' پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں صدر' وزیراعظم' سپیکر قومی اسمبلی' چیئرمین سینٹ' وزیرداخلہ' وزیر خارجہ' گورنر صاحب اور چیف منسٹر صاحب کے کیمپ آفس بن سکیں گے' اب ایوان صدر اور وزیراعظم ہاؤس میں گالف کورس' پولو گراؤنڈز اور نئے فائرنگ رینجز بھی بن سکیں گے' ستر وزراء کے

لئے نئی رہائش گاہیں تعمیر ہو سکیں گی' تمام فیڈرل سیکرٹریز اور ایڈیشنل سیکرٹریز کو تین' تین پلاٹس دیئے جا سکیں گے' تمام ایم این ایز اور ایم پی اے حضرات کو گاڑیاں فراہم کی جا سکیں گے' قوم کے نمائندوں کو ترقیاتی فنڈز کے نام پر پانچ' پانچ کروڑ روپے دیئے جا سکیں گے' دفاعی سودوں میں اب دوبارہ کمیشن کھائی جا سکے گی' لوڈشیڈنگ کا جواز بنا کر اب ملک میں نئے تھرمل پاور پلانٹس لگائے جا سکیں گے' لینڈ مافیا اب ایک بار پھر لوگوں کے قدموں سے زمین کھینچ سکے گا' ہمارے سیاست دان گندم افغانستان سمگل کر سکیں گے اور بعد ازاں آئی ایم ایف کی رقم سے مہنگی گندم امپورٹ کی جا سکے گی اور ہماری حکمران کلاس لندن' ترکی' مراکش' دوبئی' نیویارک اور میڈرڈ میں نئے فلیٹس' نئے ولاز اور نئے فارم ہاؤسز خرید سکے گی اور یوں ملک کا مقدر بدل جائے گا۔

خواتین وحضرات! ہمیں آئی ایم ایف چند دن میں قرضے کی پہلی قسط ادا کر دے گا' فرینڈز آف پاکستان بھی تربیلا ڈیم کی چوتھی سرنگ' بھاشا ڈیم' منڈا ڈیم' چار مقامات پر انڈی پینڈنٹ پاور پلانٹس' گوادر طورخم روڈ' حویلیاں سے خنجراب تک ریلوے لائن اور نئے لوکوموٹوز کے لئے پاکستان میں سرمایہ کاری کر دیں گے لیکن سوال یہ ہے اس سرمایہ کاری' اس امداد کا فیصل آباد کے اس والد کو کیا فائدہ ہو گا جس نے جون 2008ء میں اپنا تین ماہ کا بچہ پانچ ہزار روپے میں بیچ دیا تھا' ملتان کی اس زرینہ کو کیا فائدہ ہو گا جو اپنے پانچ بچوں کو بیچنے کے لئے بازار میں لے آئی تھی' اس امداد اس سرمایہ کاری کا ان 7 کروڑ 70 لاکھ پاکستانیوں کو کیا فائدہ ہو گا جو شدید غذائی قلت کا شکار ہیں' ان 65 لاکھ بچوں کو کیا فائدہ ہو گا جو اس ملک میں تعلیم سے محروم ہیں' ان ایک کروڑ شہریوں کو کیا فائدہ ہو گا جو انتہائی مہلک امراض میں مبتلا ہیں اور ان کی جیب میں پین کلر خریدنے کے پیسے نہیں ہیں' اس امداد اور اس سرمایہ کاری کا ان اڑھائی کروڑ بے روزگاروں کو کیا فائدہ ہو گا جو اپنی ڈگریاں جلانے پر مجبور ہیں اور ان چار کروڑ 20 لاکھ شہریوں کو کیا فائدہ ہو گا جو اگلے دن کے لئے آٹا نہیں خرید سکتے۔ مجھے خطرہ یہ ہے یہ سات بلین ڈالرز کا قرضہ بھی' فرینڈز آف پاکستان کی یہ سرمایہ کاری بھی کہیں وہ لوگ ہڑپ نہ کر جائیں جو وزارت دفاع کے 25 ارب روپے کھا گئے تھے' کہیں یہ رقم بھی ان پارلیمنٹیرینز کے کام نہ آ جائے جنہوں نے اڑھائی ارب روپے کا علاج کروا لیا تھا اور کہیں یہ رقم بھی ان سیاست دانوں' ان بیوروکریٹس کے ہتھے نہ چڑھ جائے جنہوں نے زلزلہ زدگان کے لئے ملنے والی امداد اپنے ایک ہزار 2 سو 25 عزیزوں میں تقسیم کر دی تھی کیونکہ اس ملک میں افغان وار کے دس بلین ڈالرز ہوں' قرض اتارو ملک سنوارو کے 3 ارب ڈالرز ہوں' وار آن ٹیررز کے ساڑھے 10 ارب ڈالرز ہوں یا مالیاتی ذخائر میں پڑے ہوئے 16 بلین ڈالرز ہوں' آج تک عوام کو اس رقم سے ایک دھیلا نہیں ملا' اس ملک میں خزانے ہمیشہ حکمرانوں نے خالی

کئے اور عوام کو صرف قرضے کی قسطیں اور مہنگائی ملی اس ملک میں پھل ہمیشہ حکمران کلاس کھا گئی اور گٹھلیوں کے دام ہر بار عوام کو ادا کرنا پڑے۔

خواتین وحضرات! آج قومی سلامتی کی پارلیمانی کمیٹی کا پہلا باقاعدہ اجلاس ہوا' کیا یہ کمیٹی پاکستان پر ہونے والے امریکی حملے رکوا سکے گی۔ یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ایک سیاست دان' ایک لیڈر یا ایک حکمران کے لئے سب سے اہم چیز کیا ہوتی ہے؟ دُنیا کے دانشور پانچ ہزار سال سے اس سوال کا جواب تلاش کر رہے ہیں لیکن آج تک کسی فارمولے پر متفق نہیں ہو سکے تاہم 90 فیصد دانشوروں کا خیال ہے کسی حکمران میں کوئی خوبی ہو یا نہ ہو لیکن عوام کو اس پر اعتماد ضرور ہونا چاہئے۔

خواتین وحضرات! اعتماد بچے کے اس قہقہے کی طرح ہوتا ہے جسے جب ہوا میں اچھالا جاتا ہے تو وہ ہنستا ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے' جس نے اسے اچھالا ہے وہ اسے گرنے نہیں دے گا۔ عوام کو بھی حکمرانوں پر ایسا ہی اعتماد ہونا چاہئے انہیں یقین ہونا چاہئے ان کے حکمرانوں کے ہاتھ اور بازو اتنے مضبوط ہیں کہ وہ انہیں گرنے نہیں دیں گے لیکن بدقسمتی سے عوام کا اس ملک کے حکمرانوں سے اعتماد اُٹھ گیا ہے اور اعتماد کی یہ کمی اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ یقین کیجئے جب تک اس ملک کی حکمران کلاس عوام کے دلوں میں اپنا اعتماد بحال نہیں کرتی اس وقت تک ہم خوشحال نہیں ہوں گے کیونکہ ملکوں میں اس وقت تک خوشحالی نہیں آیا کرتی جب تک عوام حکمرانوں پر اعتماد نہیں کرتے۔

(17 نومبر 2008ء)

پاکستان دہشت گرد ریاست کیوں؟

آغاز:

خواتین وحضرات! سابق صدر جنرل ریٹائر پرویز مشرف نے اپنی صدارت کے آخری دنوں میں مختلف صحافیوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ آف دی ریکارڈ میٹنگز تھیں اور صدر صاحب کا سٹاف انہیں ''بیک گراؤنڈ انفارمیشن'' کہتا تھا۔ ملاقاتوں کے اس سلسلے کے دوران مجھے بھی جنرل پرویز مشرف کے ساتھ ملنے کا موقع ملا۔ اس ملاقات میں صدر صاحب نے جہاں بے شمار انکشاف کیے وہاں انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ امریکیوں کا خیال ہے پاکستان میں نائن الیون قسم کی ایک نئی دہشت گردی کی پلاننگ ہو رہی ہے اور اگر امریکہ میں نائن الیون قسم کا کوئی نیا واقعہ پیش آیا تو اس کا ذمہ دار صرف اور صرف پاکستان ہوگا اور امریکہ کو اس کے جواب میں پاکستان پر حملہ بھی کرنا پڑا تو وہ دریغ نہیں کرے گا۔ صدر مشرف کے اس انکشاف نے مجھے پریشان کر دیا تھا' صدر صاحب کا کہنا تھا ہمیں دُعا کرنی چاہئے امریکہ میں کسی قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ آئے کیونکہ اگر خدانخواستہ امریکہ میں دہشت گردی کا کوئی واقعہ ہو گیا تو شائد پاکستان اور افغانستان میں کوئی فرق نہ رہے۔

صدر مشرف کے ساتھ اس ملاقات کے چند دن بعد میری ملاقات چند سابق وزراء اور سیاست دانوں سے ہوئی اور ان سیاست دانوں نے بھی اسی قسم کے خدشات کا اظہار کیا تھا' ان کا کہنا تھا امریکہ کو ایسی رپورٹیں مل رہی ہیں کہ القاعدہ پاکستان میں بیٹھ کر ایک نئے نائن الیون کی منصوبہ بندی کر رہی ہے اور یہ رپورٹس پاکستان کی سلامتی کے لئے انتہائی خطرناک ہیں۔

خواتین وحضرات! اگر ہم پاک امریکہ تعلقات اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا ان تعلقات اور اس جنگ میں پاکستان ہمیشہ لوزر رہا ہے جبکہ امریکہ نے ہمیشہ

ہماری دوستی' ہماری وفاداری کا فائدہ اُٹھایا۔ نائن الیون کے بعد پاکستان نے کھل کر امریکہ کا ساتھ دیا' ہم نے اپنے سارے ہوائی اڈے امریکی جہازوں کے لئے کھول دیئے' ہم نے امریکہ کے ساتھ انٹیلی جنس شیئرنگ بھی کی' ہم نے امریکہ کو افغانستان تک راستہ بھی دیا اور ہم نے امریکہ کو اپنے تمام وسائل کے استعمال کا موقع بھی دیا۔ 2002ء میں جب امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کر لیا تو ہم نے افغانستان میں موجود نیٹو فورسز کو لاجسٹکس سپورٹ دینا شروع کر دی جس کے بعد آج تک نیٹو فورسز کے جہازوں' ہیلی کاپٹرز' ٹینکس اور گاڑیوں کے لئے پٹرول پاکستان سے جا رہا ہے اور نیٹو فورسز کے لئے خوراک' ادویات اور بھاری مشینری بھی پاکستان کے ذریعے افغانستان پہنچ رہی ہے۔ ہماری خدمات صرف یہاں تک محدود نہیں بلکہ 2004ء میں پہنچ کر جب امریکہ افغانستان میں دہشت گردی روکنے میں ناکام ہو گیا تو امریکہ نے صدر پرویز مشرف کی خدمات حاصل کیں اور صدر کے حکم پر پاکستانی افواج قبائلی علاقوں میں داخل ہو گئیں جس کے بعد دہشت گردی کی جنگ پاکستان کے قبائلی علاقوں تک پھیل گئی اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

خواتین وحضرات! اس جنگ میں پاکستان کا بے تحاشا نقصان ہوا۔ ہمارے ایک لاکھ 20 ہزار فوجی قبائلی علاقوں میں برسرپیکار ہیں' ایک برس میں ہمارے ایک ہزار سات سو جوان شہید ہو چکے ہیں' ہمارے ساڑھے تین ہزار جوان زخمی ہوئے' ہمارے ہزاروں سویلین شہری جاں بحق ہوئے' ہمارے قبائلی علاقوں کا سارا انفراسٹرکچر تباہ ہو گیا' صوبہ سرحد کی 70 فیصد سڑکیں کھنڈر ہیں۔ پورے صوبہ سرحد میں انڈسٹری' بازار اور منڈیاں بند ہو گئیں' کاروبار ختم ہو گئے اور لوگ گھروں تک محدود ہو کر رہ گئے۔ سرکاری اندازے کے مطابق اس جنگ میں ہمارا 34 کھرب کا نقصان ہوا جبکہ پورا ملک خودکش حملوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ ہمارے ملک میں غیر ملکی سرمایہ کاری رک گئی' باہر سے ڈالرز کی سپلائی بند ہو گئی اور پاکستان دُنیا کے غیر محفوظ ترین ممالک کی فہرست میں آ گیا لیکن ان تمام قربانیوں کے باوجود امریکہ اور اس کے اتحادی ہماری خدمات سے مطمئن نہیں ہوئے اور وہ ابھی تک ہم سے ''ڈومور'' کی توقع کرتے ہیں۔ یہ ایک صورتِ حال ہے جبکہ دوسری صورتِ حال اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

خواتین وحضرات! ہماری ان تمام قربانیوں کے باوجود یورپ اور امریکہ کا میڈیا ہمیں ایک دہشت گرد ریاست کے طور پر پینٹ کر رہا ہے۔ حالت یہ ہے بم دھماکے بھارت میں ہوں' سری لنکا میں' انڈونیشیا' ملائیشیا یا یورپ میں ہوں یا پھر امریکہ کے اندر کوئی جنونی شخص کسی کو گولی مار دے تو پوری دُنیا کی نظریں ہماری طرف اُٹھ جاتی ہیں' ساری دُنیا ہمیں قصوروار سمجھنے لگتی ہے۔ سوال یہ ہے بیرونی طاقتیں ہمیں دہشت گرد سٹیٹ کیوں ثابت کر رہی ہیں' یورپ اور امریکہ اس تاثر سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا

ہے اور کیا یورپ کے اس تاثر میں ہمارا بھی کوئی قصور ہے؟

اختتام:

خواتین وحضرات! ہمارے خلاف سازش کون کر رہا ہے' اس سازش کا نتیجہ کیا نکلے گا اور کیا ہمارے دُشمن اپنے عزائم میں کامیاب ہو جائیں گے؟ ہم ان تمام سوالوں کو چند لمحوں کے لئے روکتے ہیں اور اپنے آپ سے ایک نیا سوال پوچھتے ہیں۔ سوال یہ ہے اگر کوئی قوم اندر سے مضبوط ہو تو کیا اس کے خلاف کوئی سازش کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب نہیں ہے۔ دُنیا میں کوئی انسان ہو یا قوم اس کے خلاف سازشیں صرف اس وقت کامیاب ہوتی ہیں جب وہ اندر سے کمزور ہو جاتی ہے اور اگر ہم اندر سے مضبوط ہیں' ہم سچے اور کھرے ہیں اور اگر ہمارے اندر کوئی خوف نہیں تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت ہمارے خلاف کوئی سازش کر سکتی ہے اور نہ ہی دُنیا کا کوئی شخص ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ قدرت ہمیشہ اندر سے مضبوط قوموں کا ساتھ دیتی ہے۔

(18 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

دو لاکھ روپے کا کفن

آغاز:

خواتین وحضرات! کراچی شہر میں ایک چھوٹی سی بستی ہے' خدا کی بستی۔ اس بستی میں لوئر مڈل کلاس' غریب اور انتہائی غریب لوگ رہتے ہیں۔ خدا کی بستی میں رضوان نام کے ایک صاحب اور ان کا خاندان بھی رہتا ہے' ان کی ایک چھوٹی سی بیٹی ہے انعم۔ انعم کی عمر پانچ سال ہے اور یہ سوکھے پن کی بیماری کا شکار ہے' بچی کے والدین نے اس کا علاج کرانے کی کوشش کی لیکن علاج مہنگا تھا اور ان لوگوں کی اوقات سستی لہٰذا علاج ان کی قوت برداشت سے باہر نکل گیا' ان لوگوں نے بچی اور اس کے علاج کا ایک دلچسپ طریقہ دریافت کیا' یہ لوگ کل رات کے وقت اس بچی کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک گئے' بچی رات بھر کوڑے کے اس ڈھیر پر روتی رہی' صبح جب لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا' بچی کے پورے جسم پر چیونٹیاں چپکی ہوئی تھیں' یہ چیونٹیاں بچی کو نوچ رہی تھیں اور بچی ان سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اسی روز کراچی میں تین ماؤں نے اپنے آٹھ بچے ایدھی ہوم کے حوالے کر دیئے' یہ مائیں پنجاب اور سرحد سے تعلق رکھتی ہیں اور کراچی کی گلزار کالونی میں رہائش پذیر ہیں۔ یہ مائیں شدید غربت اور مہنگائی کا شکار ہیں اور ان کے لئے ان بچوں کے روزانہ کے اخراجات پورے کرنا مشکل ہو گیا تھا چنانچہ انہوں نے اس مسئلے کا حل ایدھی ہوم میں تلاش کیا' یہ مائیں بچوں کے ساتھ ایدھی ہوم آئیں' بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا' انہیں پیار کیا اور بچے ایدھی ہوم کی انتظامیہ کے حوالے کر دیئے۔ یہ بچے سارا دن ٹیلی ویژن سکرین پر روتے رہے۔ اسی روز سانگلہ ہل میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ سانگلہ ہل کے ستر برس کے ایک نانا نے اپنا دو ماہ کا نواسا کسی بے اولاد جوڑے کو فروخت کر دیا اور وہ فیملی اس بچے کو

بیرون ملک لے گئی۔ یہ تینوں تازہ ترین واقعات ہیں جبکہ جون 2008ء میں فیصل آباد کے ایک شخص نے اپنا تین ماہ کا بچہ پانچ ہزار روپے میں بیچ دیا تھا اور اگست 2008ء میں ملتان کی ایک خاتون اپنے پانچ بچوں کو بیچنے کے لئے بازار میں لے آئی تھی۔

خواتین وحضرات! کہا جاتا ہے انسان دُنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنی اولاد سے کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے ماں سانس لینا' پانی پینا اور خوراک کا لقمہ لینا چھوڑ سکتی ہے لیکن وہ اپنی اولاد کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اولاد سے محبت کتنی بڑی چیز ہے اس کا اندازہ آپ اللہ تعالیٰ کے فرمودات سے لگایئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب بھی محبت کا ذکر کیا تو انسان کو اولاد کی مثال دی' تم اس وقت تک اللہ کے قریب نہیں ہو سکتے جب تک تم اللہ سے مال اور اولاد سے زیادہ محبت نہ کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری باتیں' یہ سارے حقائق ثابت کرتے ہیں انسان موت سے پہلے اپنی اولاد سے محبت ترک نہیں کر سکتا لیکن آپ ان حالات' ان مسائل کا اندازہ لگایئے جن کے باعث لوگ آج اپنے بچوں کو کوڑے کے ڈھیروں پر پھینکنے پر مجبور ہیں' مائیں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ایدھی ہوم کے حوالے کر رہی ہیں اور والدین چند ہزار روپے کے بدلے اپنے بچے بیچ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے ہمارے ملک میں کوئی ایسی آفت آ چکی ہے جو انسان کے سب سے بڑے جذبے یعنی اولاد سے محبت کو بھی چاٹ گئی ہے۔

خواتین وحضرات! ایک طرف یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف حکومتی اخراجات اور فضول خرچیاں جاری ہیں۔ گزشتہ روز پلاننگ کمیشن کے ماہرین نے وزیراعظم کو اقتصادی ترجیحات کی نو نکاتی پالیسی پیش کی' اس پالیسی میں تجویز پیش کی گئی حکومت زراعت پر انکم ٹیکس لگا دے' غیر ضروری اشیاء کی درآمد پر ریگولیٹری اور ایکسائز ڈیوٹی لگا دی جائے' سروسز ٹیکس اور جائیداد پر کیپٹل گینز ٹیکس لگائے جائیں' سبسڈیز ختم کر دی جائیں اور دفاعی بجٹ کم کر دیا جائے' وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس پالیسی میں کسی بھی جگہ حکومت کو یہ تجویز نہیں دی گئی کہ وہ کابینہ کا سائز چھوٹا کر دے' حکومت مشیروں اور خصوصی معاونین کی تعداد کم کر دے' حکومت ایوان صدر' وزیراعظم ہاؤس' چاروں گورنر ہاؤسز' چیف منسٹر ہاؤسز اور بڑی بڑی سرکاری عمارتیں بیچ دے اور عوام کے رہنما چھوٹے گھروں اور فلیٹس میں شفٹ ہو جائیں اور جب تک پاکستان کے معاشی مسائل حل نہیں ہوتے اس وقت تک وزراء تنخواہیں اور دیگر مراعات نہ لیں' ارکان اسمبلی اپنی تنخواہیں قوم کو معاف کر دیں' پارلیمنٹ ہاؤس' صوبائی اسمبلیوں اور پورے پاکستان کے سرکاری دفاتر کے بجٹ آدھے کر دیئے جائیں' سرکاری تقریبات' لنچز اور ڈنرز پر پابندی لگا دی جائے' غیر ملکی دورے بند کر دیئے جائیں اور نو بجے کے بعد سرکاری عمارتوں کی ساری بتیاں بجھا دی جائیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے اس ملک میں لوگ اپنے بچوں کو کوڑے کے ڈھیروں پر پھینک رہے ہیں' مائیں اپنے

جگر گوشے یتیم خانوں میں چھوڑ کر جا رہی ہیں' لوگ اپنے بچے بیچ رہے ہیں اور لوگ غربت کے ہاتھوں خودکشیاں کر رہے ہیں لیکن عوامی حکومت کے عوامی نمائندے بلٹ پروف گاڑیوں اور خصوصی طیاروں میں سفر کر رہے ہیں' انہوں نے دس دس جگہوں پر کیمپ آفسز بنا رکھے ہیں اور یہ جنازوں پر بھی پانچ' پانچ لاکھ روپے کا سوٹ پہن کر جاتے ہیں' پتہ نہیں ہم اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔

خواتین وحضرات! حکومت کی اقتصادی ترجیحات کی نو نکاتی پالیسی کیا ہے؟ کیا یہ پالیسی ان والدین' ان ماؤں کو ریلیف دے سکے گی جو اپنے بچے ایدھی ہومز میں چھوڑ کر جا رہی ہیں یا کوڑے کے ڈھیروں پر پھینک رہی ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! پاکستان میں جب بھی کسی جگہ بم دھماکہ ہوتا ہے' کسی جگہ کوئی حادثہ ہو جاتا ہے' کوئی ماں' کوئی باپ غربت سے مجبور ہو کر ٹرین کے سامنے کود جاتا ہے' کوئی ماں اپنے بچوں کو لے کر بازار میں آ جاتی ہے اور کوئی ضرورت مند خاندان ٹیلی ویژن سکرین تک آ جاتا ہے تو حکومت فوراً لواحقین کی مدد کے لئے پہنچ جاتی ہے' مرنے والوں کے خاندانوں کو ایک' ایک لاکھ روپے' زخمیوں کو پچاس' پچاس ہزار روپے اور خودکشی کرنے والے یا کرنے والی کے خاوند یا بیوی کو ایک' دو لاکھ روپے دے دیئے جاتے ہیں۔ میں جب بھی حکومت کی طرف سے اس قسم کا اعلان سنتا ہوں تو میں بے اختیار یہ سوال کرتا ہوں' کیا ہمارے پاس زندہ لوگوں کے لئے فنڈ نہیں' کیا حکومت کے پاس زندہ لوگوں کے لئے کوئی وقت نہیں اور ہم لوگ کسی کی مدد کرنے کے لئے اس کے مرنے کا انتظار کیوں کرتے ہیں' اس کی خودکشی' اس کی طرف سے بچی کو کوڑے پر پھینکنے یا بچوں کے بیچنے کے اعلان کا انتظار کیوں کرتے ہیں۔ یہ سوال جب بھی میرے سامنے آتا ہے تو میرا ایک ہی جواب ہوتا ہے' ہم ایسے بدقسمت لوگ ہیں جن کے پاس زندہ لوگوں کے لئے دس منٹ نہیں ہیں لیکن ہم مردوں کے لئے دس دن تک رو سکتے ہیں' ہماری حکومت عوام سے محبت کا اظہار کرنے کے لئے اس کے مرنے کا انتظار کرتی ہے' ہم زندہ انسان کو دو روپے کی روٹی نہیں دے سکتے لیکن اسے دو' دو لاکھ روپے کا کفن دے دیتے ہیں۔

(19 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

مصلحت اور بے غیرتی

آغاز:

خواتین وحضرات! اسفند یارولی پاکستان کے مشہور سیاست دان ہیں' خان صاحب صو
سرحد کی سب سے بڑی سیاسی جماعت عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ ہیں' ان کا تعلق برصغیر کے ان چ
سیاسی خاندانوں سے ہے جن کی چوتھی نسل سیاست میں داخل ہو چکی ہے۔ 18 فروری کے الیکشنز کے
بعد جب مخلوط حکومت بنی اور خان صاحب کی پارٹی حکومت کا حصہ بنی تو خان صاحب نے ایک بہت
دِلچسپ اور شاندار فقرہ بولا تھا' یہ فقرہ آج کل سیاسی محاورے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اسفند یارولی نے
فرمایا "مصلحت اور بے غیرتی میں فرق ہوتا ہے" خان صاحب کے اس فرمان کے بعد قوم نے محسوس کیا
کہ ہمارے سیاست دان ایک نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ سیاست میں آئے ہیں چنانچہ اس بار
مصلحت اور بے غیرتی کے فرق کا خیال رکھا جائے گا اور اب ہمارے تمام سیاسی اور قومی فیصلے آزاد ہوں
گے اور ہم عنقریب دُنیا کو ایک آزاد' خود مختار' باعزت اور غیرت مند قوم کا تاثر دے سکیں لیکن بد قسمتی سے
ناظرین وہ وقت آج تک نہیں آیا۔ ہم آج تک قومی سطح پر مصلحت اور بے غیرتی کو الگ الگ نہیں کر سکے
اور ہماری حالت اس نوجوان جیسی ہو چکی ہے جو گلی میں دوڑتا چلا جا رہا تھا اور کسی نے اسے روک کر پوچھا
"بھائی جان آپ کیوں بھاگ رہے ہیں" اس نے لمبا سا سانس لیا اور بولا "پچھلے چوک میں ابا جان کو
جوتے پڑ رہے ہیں اور میں عزت بچا کر بھاگ رہا ہوں" اور ظاہر ہے یہ نوجوان بھی مصلحت اور بے
غیرتی میں فرق نہیں کر سکا تھا چنانچہ مصلحتاً والد صاحب کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

خواتین وحضرات! مصلحت اور بے غیرتی میں کیا فرق ہوتا ہے' اس سلسلے میں چند دن قبل مجھے
ایک دوست نے اپنے گاؤں کا ایک واقعہ سنایا تھا۔ میرے دوست کے گاؤں کے ایک انتہائی غریب نا

نے پیسے جمع کر کے ایک پستول خرید لیا' وہ اس پستول کو گلے میں لٹکا کر اکڑ اکڑ کر پھرتا تھا' ایک رات وہ شہر
سے گاؤں واپس آ رہا تھا تو راستے میں اسے ڈاکوؤں نے روک لیا' ڈاکوؤں نے اس کے کپڑے اتروا کر
اسے جوتے مارے اور اسے نیکر میں گاؤں بھجوا دیا' وہ گاؤں کے قریب پہنچا تو لوگوں نے دیکھا وہ نیکر میں
ٹھٹھرتا ہوا گاؤں میں داخل ہو رہا ہے اور اس کے گلے میں پستول لٹک رہا ہے' گاؤں والوں نے وجہ پوچھی
تو اس نے سارا واقعہ سنا دیا۔ لوگوں نے پوچھا "جب ڈاکو آئے تھے تو تمہارا پستول کہاں تھا" اس نے بڑے
فخر سے جواب دیا' میں نے ڈاکوؤں کو دیکھ کر اپنا پستول جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا' لوگوں نے حیرت سے
پوچھا "تم نے پستول سے ڈاکوؤں کا مقابلہ کیوں نہیں کیا" اس نے مسکرا کر جواب دیا "میں اگر پستول نہ
چھپاتا تو ڈاکو مجھ سے یہ پستول چھین کر لے جاتے اور اس کے بعد گاؤں میں میری کیا عزت رہ جاتی" یہ
شخص بھی مصلحت اور بے غیرتی میں فرق نہیں کر سکا تھا لہٰذا اس نے بھی مصلحتاً پستول چھپا دیا تھا۔

خواتین وحضرات! ہم من حیث القوم مصلحت اور بے غیرتی میں فرق نہیں کر پا رہے' نیٹو
فورسز 42 مرتبہ ہماری فضائی اور زمینی حدود کی خلاف ورزی کر چکی ہیں' امریکی جاسوس طیارے
افغانستان سے اڑتے ہیں' پاکستان کے قبائلی علاقوں میں داخل ہوتے ہیں' میزائل داغتے ہیں' ان
میزائلوں کے نتیجے میں ہمارے دس' بیس لوگ جاں بحق ہو جاتے ہیں' طیارے واپس افغانستان چلے
جاتے ہیں اور ہم ایک ہلکی پھلکی سی مذمت جاری کر کے اپنی عزت بچا لیتے ہیں اور عزت بچانے کے اس
فعل کو ہم مصلحت قرار دے دیتے ہیں۔ حد یہ ہے امریکہ نے جب بھی پاکستان کی حدود میں حملہ کیا تو اس
نے اس حملے کو دہشت گردوں کے ٹھکانوں پر اٹیک قرار دیا۔ ان اٹیکس میں اب تک ساڑھے تین سو لوگ
شہید ہو چکے ہیں لیکن آج تک حکومت پاکستان اور امریکہ نے کسی دہشت گرد' القاعدہ کے کسی وانٹڈ پرسن
یا کسی غیر ملکی کی لاش میڈیا کے سامنے پیش نہیں کی۔ 19 نومبر کو امریکہ نے پہلی بار بنوں کے سیٹل ایریا
میں میزائل پھینکا جس کے ردعمل میں آرمی چیف نے برسلز میں اور حکومت نے امریکی سفیر کو دفتر خارجہ
میں طلب کر کے بھرپور احتجاج کیا۔ اس احتجاج کے ایک دن بعد خبر آئی' حکومت نے امریکی جاسوس
طیاروں کو "ہٹ" کرنے کی اجازت دے دی ہے جس کے بعد پاکستانی عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور
ہمیں محسوس ہوا ہم مصلحت اور بے غیرتی کا فرق سمجھ گئے ہیں لیکن گزشتہ روز امریکہ نے شمالی وزیرستان
کے علاقے علی خیل میں ایک اور میزائل داغ دیا جس میں پانچ لوگ جاں بحق ہو گئے۔ غیر ملکی خبر رساں
اداروں نے دعویٰ کیا ہے کہ اس حملے میں برطانیہ کو مطلوب راشد راؤف اور القاعدہ کے رہنما ابو زبیر
المصری بھی جاں بحق ہو گئے لیکن ابھی تک راشد راؤف اور ابو زبیر کی لاش ملی اور نہ ہی کسی ذریعے سے
ان کی ہلاکت کی تصدیق ہوئی۔ اس واقعے پر وزیراعظم نے بہت دِلچسپ بیان دیا' وزیراعظم یوسف رضا

گیلانی نے فرمایا ''ہم امریکی حملوں سے مشتعل نہیں ہوں گے اور ہم پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات کے مطابق لائحہ عمل تیار کریں گے'' جبکہ وفاقی وزیر اطلاعات شیری رحمان نے بیان دیا ''امریکہ کو اس قسم کے حملوں سے پہلے ہمیں اطلاع دینی چاہیے'' اس سے۔ ملتا جلتا بیان صدر آصف علی زرداری نے امریکہ کے دورے کے دوران بھی دیا تھا۔

خواتین وحضرات! یہ حملہ اور حکومت کے بیانات ثابت کرتے ہیں ہم سترہ کروڑ لوگوں کا ملک ہونے کے باوجود' ہم آبادی کے لحاظ سے دُنیا کی ساتویں بڑی قوم ہونے کے باوجود' ہم دُنیا کی پانچویں بہترین فوج ہونے کے باوجود اور ہم دُنیا کی پہلی اسلامی نیوکلیئر پاور ہونے کے باوجود شدید مصلحت کا شکار ہیں اور ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم اپنی سرحدوں کی حفاظت ہی کر سکیں۔

خواتین وحضرات! آج صدر آصف علی زرداری اور وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے درمیان ملاقات ہوئی' اس ملاقات میں دونوں رہنماؤں نے فیصلہ کیا وہ پاک سرزمین پر امریکی حملوں کا معاملہ عالمی سطح پر اُٹھائیں گے۔ کیا یہ بیانات بھی مصلحت پسندی ہے' کیا ہماری یہ مصلحت ابھی مصلحت ہے اور ہم مصلحت کی اس پالیسی کو کب تک جاری رکھیں گے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ہماری مصلحت واقعی مصلحت ہے اور ہماری خاموشی محض خاموشی' صبر یا برداشت ہے اور ہماری مصلحت اور ہماری برداشت ابھی بے غیرتی نہیں بنی۔ یہ ایک لمبی بحث ہے اور ہم آج کے زمانے میں بیٹھ کر اس کا فیصلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ بے عزتی' بے غیرتی' شکست اور کمزوری کو تسلیم کرنے کے لئے ایک ظرف کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم میں ابھی تک وہ ظرف پیدا نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود ہم نے آج کے دن ایک فیصلہ ضرور کرنا ہے' ہم نے فیصلہ کرنا ہے کیا ہم واقعی ایک خود مختار' آزاد اور ساورن ملک ہیں' اگر ہیں تو پھر ہماری ساورنٹی' ہماری آزادی اور ہماری خود مختاری کہاں ہے؟ ہم دُنیا میں شرمندہ شرمندہ کیوں پھر رہے ہیں اور ہم اپنی اور اپنے ملک کی حفاظت کیوں نہیں کر پاتے۔

خواتین وحضرات! یہ وہ سوال ہے' جس کا جواب اگر ہم نے آج تلاش نہ کیا تو پھر اس سوال کا جواب ہمیں تاریخ دے گی اور تاریخ کے پاس ایسے سوالوں کا ایک ہی جواب ہے' دُنیا میں صرف اور صرف غیرت مند قومیں زندہ رہتی ہیں کیونکہ غیرت انسانوں اور قوموں کا سب سے بڑا دفاع اور ہتھیار ہوتا ہے اگر انسان غیرت مند ہے تو وہ پتھروں سے دُنیا کی سب سے بڑی جنگ لڑ سکتا ہے اور اگر اس کے اندر غیرت کا مادہ نہیں تو دس ہزار ایٹم بم بھی اسے تباہ ہونے سے نہیں بچا سکتے۔

(23 نومبر 2008ء)

پختونخواہ

آغاز:

خواتین وحضرات! کل پاکستان مسلم لیگ ق کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کی میٹنگ تھی' اس میٹنگ کے دوران پارٹی کے بعض عہدیداروں نے صوبہ سرحد کا نام پختونخواہ رکھنے پر اعتراض کیا۔ ان ارکان کا کہنا تھا صوبہ سرحد کا نام تبدیل کرنے کے لئے آئین میں ترمیم کی ضرورت ہے لیکن وفاقی حکومت اور صوبائی حکومت نے ترمیم کے بغیر ہی صوبہ سرحد کو پختونخواہ کہنا شروع کر دیا ہے۔ ان کا کہنا تھا صوبہ سرحد کو پختونخواہ کا نام دینے سے پہلے قومی سطح پر ایک ریفرنڈم کرایا جائے۔

خواتین وحضرات! کیا صوبہ سرحد کا نام پختونخواہ ہونا چاہیے یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو قسم کی رائے پائی جاتی ہیں۔ پہلے مکتبہ فکر کا کہنا ہے یہ صوبہ 1901ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے بنایا تھا' اس نے فاٹا اور صوبہ سرحد کے چند علاقوں کو الگ کیا اور ان علاقوں کو نارتھ ویسٹ فرنٹیئر پراونس کا نام دیا جس کے بعد آج 2008ء تک یہ صوبہ این ڈبلیو ایف پی کہلاتا ہے۔ اس مکتبہ فکر کا کہنا ہے این ڈبلیو ایف پی یا نارتھ ویسٹ فرنٹیئر پراونس یا صوبہ سرحد کوئی نام نہیں ہے لہٰذا اس کی جگہ کوئی باقاعدہ نام ہونا چاہیے۔ یہ لوگ اس سلسلے میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب فرانس گال سے فرانک اور فرانک سے فرانس ہو سکتا ہے' جب جرمنی پرشیا سے جرمنی ہو سکتا ہے' ایران فارس سے ایران' سعودی عرب حجاز سے سعودی عرب' تھائی لینڈ سیام سے تھائی لینڈ' افغانستان سیتان سے افغانستان' روس مسکووی سے روس' ایتھوپیا حبشہ سے ایتھوپیا' لیبیا طرابلس سے لیبیا' امریکہ نیو انگلینڈ سے امریکہ' سری لنکا سیلون سے سری لنکا' بلوچستان قلات سے بلوچستان' سندھ ٹھٹھہ سے سندھ' فیصل آباد لائل پور سے فیصل آباد اور ژوب سنڈیمن سے ژوب ہو سکتا ہے تو پھر این ڈبلیو ایف پی پختونخواہ کیوں نہیں ہو سکتا؟

جبکہ ان کے مقابلے میں دوسرے مکتبہ فکر کا کہنا ہے صوبے کا نام پختونخواہ ہی کیوں رکھا جائے۔ صوبہ سرحد میں ہزارہ کے اضلاع بھی ہیں اور ان اضلاع میں ہندکو بولی جاتی ہے اور صوبہ سرحد میں ایسے علاقے بھی ہیں جن میں سرائیکی زبان بولی جاتی ہے چنانچہ اگر صوبے کا نام زبان کی بنیاد پر ہی رکھا جاتا ہے تو پھر سرائیکی اور ہندکو بولنے والوں کو کیا جواب دیا جائے گا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے صوبہ سرحد کا نام پختونخواہ رکھنا اے این پی کا منشور ہے اور وفاقی حکومت یہ مطالبہ تسلیم کر کے صوبہ سرحد کے عوام کو نہیں بلکہ اے این پی کو خوش کر رہی ہے۔ صوبہ سرحد کا نام افغانیہ کیوں نہیں رکھ دیا جاتا یا اسے خیبر اباسین کا نام کیوں نہیں دے دیا جاتا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے جس صوبے کا نام قائداعظم محمد علی جناح نے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جس نام کو ذوالفقار علی بھٹو، میاں نواز شریف اور محترمہ بے نظیر بھٹو نے تسلیم نہیں کیا تھا اسے جلد بازی میں نافذ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ بہر حال پہلے مکتبہ فکر کی رائے درست ہو یا دوسرے مکتبہ فکر کی دلیل لیکن ایک بات طے ہے کہ یہ مسئلہ بہت پرانا ہے اور ہر دور میں اس مسئلے نے سر اٹھایا حتیٰ کہ صدر پرویز مشرف کے دور میں بھی اس پر کمیٹیاں بنیں لیکن پاکستان پیپلز پارٹی نے اقتدار میں آ کر اے این پی کے دونوں بڑے مطالبات یعنی کالا باغ ڈیم کی منسوخی اور صوبہ سرحد کو پختونخواہ کا نام دینے کی ڈیمانڈ تسلیم کر لی یوں یہ مسئلہ دوسرے فیز میں داخل ہو گیا۔

خواتین و حضرات! صوبہ سرحد کا نام تبدیل کرنے کے خواہشمند حضرات کا کہنا ہے یہ سرحد کے عوام کا سو سال پرانا مطالبہ ہے لیکن سوال یہ ہے سرحد کے عوام تو سو سال سے صوبے میں امن و امان کے بھی خواہش مند ہیں، کیا صوبہ سرحد کا نام تبدیل ہونے سے سرحد کے دو کروڑ لوگوں کو امن و امان مل جائے گا۔ کیا صوبے کا نام بدلنے سے امریکی ڈرونز کے حملے رک جائیں گے اور کیا قبائلی علاقوں میں جاری فوجی آپریشن بند ہو جائے گا۔ کیا صوبہ سرحد کا نام تبدیل ہونے سے 2 کروڑ لوگوں کو روزگار مل جائے گا۔ صوبہ سرحد کا نام تبدیل ہونے سے عوام کو پہلے سے بہتر تعلیم ملے گی، انہیں دوا اور ڈاکٹر مل جائے گا، ان کی ٹوٹی ہوئی سڑکیں تعمیر ہو جائیں گی، انہیں پینے کا صاف پانی مل جائے گا، انہیں انصاف اور برابری مل جائے گی، ان کے علاقے سے منشیات اور اسلحہ ختم ہو جائے گا، یہاں بم دھماکے رک جائیں گے، یہاں سے چوری چکاری، ڈاکہ زنی اور اغواء برائے تاوان کی وارداتیں ختم ہو جائیں گی اور کیا سرحد کے عوام کو سستا آٹا مل جائے گا؟؟ میرا خیال ہے آج اور اسی وقت صوبہ سرحد کا نام پختونخواہ ہو جانا چاہئے لیکن اگر صوبے کا نام تبدیل ہونے کے بعد بھی عوام کے مسائل اسی جگہ کھڑے رہیں گے تو پھر حکومت نان ایشوز کو ایشوز بنا کر عوام کو لڑانے اور صوبوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہے؟ حالت تو یہ ہے آج بھی پشاور کی ایک امام بارگاہ میں بم دھماکہ ہوا اور حکومت بے بسی سے ایک دوسرے کی

طرف دیکھ رہی ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! جس طرح شیکسپیئر نے کہا تھا ”گلاب کو کسی بھی نام سے پکارو وہ گلاب ہی رہے گا بالکل اسی طرح آپ پسماندگی، جہالت، غربت اور بے روزگاری کو کوئی بھی نام دے دیں۔۔۔ بے روزگاری بے روزگاری، غربت غربت، جہالت جہالت اور پسماندگی پسماندگی ہی رہے گی۔ آپ بیماریوں کا نام بدلنے سے کسی بیمار کو شفاء نہیں دے سکتے، آپ بھوک کو کوئی خوبصورت سا نام دے کر کسی کا پیٹ نہیں بھر سکتے، آپ کسی بے روزگار کو خوبصورت خوابوں، خوبصورت منشوروں اور خوبصورت نعروں سے نہیں بہلا سکتے اور آپ ظلمت کو بینا اور آمریت کو جمہوریت کا نام دے کر بھی ملک کا کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتے۔

خواتین و حضرات! اگر نام ہی سب کچھ ہوتے تو آج ہم پاکستان کا نام امریکہ، چین یا برطانیہ رکھ کر ایک ہی رات میں سپر پاور بن جاتے اور اگر نام کسی ملک کو بچا سکتا تو سوویت یونین ناظرین کبھی نہ ٹوٹتا۔ اصل بات اصل چیز کام یا کارکردگی ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے ہماری حکومت کام اور کارکردگی کے بجائے نام اور کارروائی میں مصروف ہے۔ ہم لوگ برف کو آگ کہہ کر پہاڑوں میں گرمی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ہم ہاتھی کو مرغی کا نام دے کر اسے حلال بنانا چاہتے ہیں۔

(24 نومبر 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

غربت اور امارت

آغاز:

خواتین وحضرات! آج سے دو دن پہلے حیدر آباد شہر میں ایک چھوٹا اور معمولی سا واقعہ پیش آیا' حیدر آباد کے ایک رکشہ ڈرائیور غازی خان کی دو سال کی بچی عنبرین کو سانس کی تکلیف ہوئی' بچی کے ماں باپ اسے ہسپتال لے کر گئے' ڈاکٹر نے بچی کے لئے دوائیاں لکھ کر دیں لیکن بچی کے والد کے پاس دوائیوں کے لئے پیسے نہیں تھے چنانچہ وہ دوائیاں نہیں خرید سکا' بچی چار دن بیمار رہی اور بیماری کے عالم میں دو دن پہلے انتقال کر گئی لیکن عنبرین کے انتقال کے بعد بھی اس کے والدین کی آزمائش ختم نہیں ہوئی کیونکہ دُنیا سے رخصت ہونے والے تمام انسانوں کو کفن اور دفن کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے لئے بھی رقم درکار ہوتی ہے اور اگر بچی کے والدین کے پاس رقم ہوتی تو وہ اسے دوائیں ہی خرید دیتے' بچی کے انتقال کے بعد والدین کے پاس اس کے کفن دفن کے لئے پیسے نہیں تھے چنانچہ انہوں نے بچی کی لاش اُٹھائی اور اسے ایدھی سینٹر لے آئے' ایدھی سینٹر نے بچی کے کفن دفن کا بندوبست کر دیا' میرے پاس ایک تصویر ہے' یہ تصویر دو تصویروں کا مجموعہ ہے' اس تصویر میں ایک چھوٹی سی بچی سوئی ہوئی دکھائی دے رہی ہے' یہ عنبرین ہے اور اس کے چہرے پر نیند نہیں موت ہے' میں جب غور سے دیکھتا ہوں تو مجھے اس مردہ بچی کے چہرے پر اپنی زندہ بچیوں کا عکس نظر آتا ہے' ہم سب کی بچیاں جب سوتی ہیں تو وہ عنبرین کی طرح معصوم دکھائی دیتی ہیں لیکن ہماری بچیوں اور اس بچی میں ایک فرق ہے' ہماری بچیاں نیند کے بعد ہمیشہ جاگ جاتی ہیں جبکہ عنبرین کی آنکھیں اب صرف حشر کے دن ہی کھلیں گی جبکہ دوسری تصویر میں اس بچی کی لاش ایدھی سینٹر کی میز پر پڑی ہے جبکہ اس کی ماں اس کے معصوم پاؤں تھام کر چیخ رہی ہے اور اس کا والد آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر چیخ رہا ہے۔

خواتین وحضرات! یہ لاش اور یہ دو چیخیں محض دو چیخیں اور ایک لاش نہیں' یہ اس ملک میں قانون اور انصاف کا جنازہ ہے' یہ لاش اور یہ چیخیں ثابت کرتی ہیں اس ملک میں سب کچھ ہے' اس ملک میں حکومت بھی ہے' حکومت کے پاس 92 وزراء' 1 ہزار 3 سو 92 محکمے' 1 کروڑ 9 لاکھ 4 ہزار 10 سرکاری ملازمین' 5 لاکھ 20 ہزار 40 دفاتر اور 11 لاکھ سرکاری گاڑیاں بھی ہیں' اس ملک کا ایک آئین' تعزیرات سے بھرپور قانون اور ساڑھے چار سو اراکین کی پارلیمنٹ بھی ہے' اس ملک میں 10 ہزار ارب پتی بھی ہیں' اس ملک میں فیکٹریاں' ملیں اور کارخانے بھی ہیں' اس ملک میں شاپنگ سنٹرز اور بازار بھی ہیں اور اس ملک میں عدالتیں اور جج بھی ہیں' اس ملک کا ایک خدا' ایک رسول ﷺ اور ایک مذہب بھی ہے' اس ملک میں عوام بھی ہیں اور اس ملک میں خزانے بھی ہیں لیکن اگر اس ملک میں کسی چیز کی کمی ہے تو وہ کمی انصاف ہے' اس ملک میں انصاف نہیں' اس ملک میں خوف خدا اور اس خوف خدا کی توہین کی تفتیش کا کوئی ادارہ نہیں' اس ملک میں کوئی ایسا عہدیدار' کوئی ایسا ادارہ کوئی ایسا ڈیپارٹمنٹ اور کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اس ملک کے حکمرانوں سے یہ پوچھ سکے کہ جس ملک کے سیاست دان دو سال میں سرکاری خزانے سے اڑھائی ارب روپے کی دوائیں کھا جاتے ہیں' اس ملک کے پاس عنبرین جیسی بچیوں کے علاج کے لئے دو ہزار روپے اور اس کے کفن کے لئے ایک ہزار روپے کیوں نہیں ہیں' جو یہ پوچھ سکے کہ جس ملک میں ایک وزیر قوم کو چھ کروڑ روپے میں پڑتا ہے اس ملک میں عنبرین جیسی بچی کو تین گز لٹھا اور درد کی دو گولیاں کیوں نہیں ملتیں' جو یہ سوال کر سکے کہ جس ملک میں پارلیمنٹ پر ایک منٹ میں 55 ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں اس ملک میں لوگ عنبرین جیسی بچیوں کی تدفین کے لئے ایدھی سینٹر کا رخ کیوں کرتے ہیں' جو یہ پوچھ سکے کہ جس ملک میں دو' دو سو' اڑھائی اڑھائی سو لوگوں کو مفت عمرے کروائے جاتے ہیں' جس میں آٹھ' آٹھ ارب روپے سے ریڈ زون کے گرد دیواریں بنانے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں' جس میں ایوان صدر کو زلزلے سے محفوظ بنانے' نوڈیرو میں صدارتی کیمپ آفس کی سیکورٹی وال بنانے کے لئے کروڑوں روپے منظور کر لئے جاتے ہیں اور جس ملک میں ایک وزیر کی چائے کا بل 26 ہزار روپے آتا ہے اس ملک میں عنبرین جیسی بچیاں دوا اور کفن کو ترستی ہوئی دُنیا سے کیوں رخصت ہو جاتی ہیں۔ اس کی صرف اور صرف ایک ہی وجہ ہے' اس ملک میں انصاف اور احتساب نہیں' اس ملک میں کوئی ایسا ادارہ نہیں جو عنبرین جیسی بچیوں کے قتل پر حکمرانوں کا گریبان پکڑ سکے' جو عنبرین جیسی لاشوں کو انصاف دے سکے۔

خواتین وحضرات! اس ملک میں انصاف اور احتساب کیوں نہیں؟ اور کیا کبھی اس ملک میں انصاف کا کوئی انڈی پینڈنٹ سسٹم بن پائے گا اور وہ بھی ایسے حالات میں کہ جب تعلیمی بورڈز

قوانین اور قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چیف جسٹس آف پاکستان کی بیٹی کو 21 نمبر ایکسٹرا دے دیں اور ملک کے تمام قانون دان اور قانون ساز ادارے خاموش رہیں؟ کیا اس ملک میں عنبرین جیسی بچیوں کو کبھی انصاف مل سکے گا؟

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں آپ کو عنبرین کی دکھوں کی کہانی سنائی تھی' دو سال کی عنبرین کے والدین کے پاس دوا کے لئے پیسے نہیں تھے چنانچہ یہ بچی علاج کو ترستی ہوئی انتقال کر گئی' بچی کے انتقال کے بعد والدین کے پاس اس کے کفن دفن کے لئے رقم نہیں تھی لہٰذا بچی کے کفن دفن کا بندوبست ایدھی سینٹر نے کیا۔

خواتین و حضرات! ذرا سوچئے' جب یہ بچی اس عالم میں اللہ کے دربار میں حاضر ہوئی ہو گی تو وہاں کیا صورتِ حال ہو گی! مجھے یوں محسوس ہوتا ہے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا ہو گا یا باری تعالیٰ اگر آپ اجازت دیں تو ہم پورے حیدر آباد شہر کو برباد کر دیں' ہم اربوں روپے سے بنی پارلیمنٹ اجاڑ دیں' ہم وزراء کے دفتر الٹ دیں' ہم اس ملک کے لوگوں سے ان کا سکون' اطمینان اور خوشحالی چھین لیں' ہم اس ملک کو تباہ کر دیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے فرشتوں کی اس درخواست پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو گا نہیں شہروں کو برباد کرنا' ملکوں کو تباہ کرنا انسانوں کا کام ہے' فرشتوں کا نہیں۔

(26 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

نورے

آغاز:

خواتین و حضرات! سب کانٹی نینٹ کے بعض علاقوں میں صدیوں سے ایک انٹرسٹنگ روایت چلی آ رہی ہے۔ ان علاقوں میں جب کسی اچھے' خوشحال اور بڑے خاندان میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ لوگ کمی' کمین' ہاریوں یا غلام خاندانوں میں سے کوئی بچہ منتخب کرتے ہیں اور اس بچے کو وڈیرے کے بچے کے ساتھ منسلک کر دیتے ہیں۔ یہ غلام بچہ نورا جبکہ بچی نوری کہلاتی ہے۔ یہ نورا اور نوری پوری زندگی اس چھوٹے صاحب یا بی بی جی کی خدمت کرتی ہے۔ نورا یا نوری کی ذمہ داریوں میں بے شمار چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ چھوٹے صاحب اور بی بی جی کے ساتھ کھیلتی ہیں' سکول جاتے ہوئے بی بی جی اور صاحب کا بستہ اُٹھاتے ہیں' کھیل کے میدان میں جاتے ہوئے صاحب کا بیٹ' فٹ بال اور ہاکی اٹھاتے ہیں۔ ان کے کپڑوں' ان کے کھانے پینے اور آرام کا خیال بھی رکھتے ہیں اور ان کے حصے کی مار بھی کھاتے ہیں۔

یہ مار کھانے والا سلسلہ کچھ یوں ہے ناظرین کہ جب بھی بی بی جی یا چھوٹے صاحب ہوم ورک نہیں کرتے یا ان سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو سکول ٹیچر یا ان کے بڑے' بہن بھائی یا والدین انہیں سزا دینے کی بجائے ان کے نورے یا نوری کو مارنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ مار کھانا نوری یا نورے کا آئینی اور قانونی فرض ہوتا ہے اور یہ فرض یہ لوگ موت تک نبھاتے ہیں۔ صاحب لوگوں یا بی بی جی کے ظلم سہتے سہتے نوروں یا نوریوں کی نفسیات میں ایک بڑی دلچسپ تبدیلی آ جاتی ہے' یہ لوگ خود کو مجرم سمجھنے لگتے ہیں اور ان پر کوئی بھی الزام لگا دیا جائے یہ لوگ چپ چاپ اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ پاکستان کے ایک بڑے سیاست دان کا بھی ایک نورا تھا' جب نائن الیون کا واقعہ پیش آیا اور نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ

سنٹر گرے تو ان کا نورا اُٹھا اور کمرے کے ایک کونے میں مرغا بن گیا' شاہ جی نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کانپتے ہوئے عرض کیا'' سائیں یہ عمارتیں جس نے بھی گرائی ہیں لیکن سزا تو میں نے ہی بھگتنی ہے لہٰذا میں نے چپ چاپ کان پکڑ لئے ہیں۔'' قارئین آپ کو نورے کا جواب سن کر یقیناً حیرت ہوئی ہو گی لیکن اگر آپ اس جواب کو نوروں کے ماحول ان کے براٹ اپ اور ان کی نفسیات کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو آپ کو اس کی بات غلط محسوس نہیں ہو گی۔ خود سوچئے جس ماحول میں کسی سال بارش نہ ہو' مخدوم صاحب کا کوئی گھوڑا' بیل یا گائے مر جائے' ان کا پانی چوری ہو جائے' کوئی سائیں کی بھینس کھول کر لے جائے یا پھر چودھری صاحب سے کوئی قتل ہو جائے اور اس کی سزا نورے کو ملتی ہو تو پھر نورا نائن الیون جیسے واقعات کے بعد مرغا کیوں نہ بنے۔

خواتین و حضرات! اگر آپ پاکستان کو نوروں کے اس نفسیاتی پس منظر میں رکھ کر دیکھیں تو آپ کو محسوس ہو گا ہم بڑی حد تک بڑی قوموں کے نورے بن چکے ہیں۔ دُنیا کے کسی بھی کونے میں دہشت گردی کا کوئی بھی واقعہ ہو پوری دُنیا کی نظریں ہماری طرف اُٹھ جاتی ہیں۔ نائن الیون ہو' سیون سیون ہو' سپین میں ٹرینوں کو بموں سے اڑا دیا جائے' لندن کے ائر پورٹ پر کوئی دہشت گرد پکڑا جائے' میکسیکو کا کوئی شہری فرنچ پولیس سے بچ کر بھاگ نکلے' بیلجیئم میں کوئی بم دریافت ہو جائے' بالی کے کسی ڈسکو میں بم پھٹ جائے' کابل میں امریکی سفارتخانے کے سامنے خودکش حملہ ہو جائے' جاپان میں بیس لوگ اجتماعی خودکشی کر لیں' کوئی پاگل شخص سوئٹزرلینڈ کی پارلیمنٹ میں رائفل لے کر داخل ہو جائے۔ امریکہ کے کسی سکول میں کوئی نفسیاتی مریض طالب علموں پر حملہ کر دے یا پھر چیچنیا کے مجاہدین ماسکو کے کسی سکول پر قبضہ کر لیں' پوری دُنیا ہماری طرف دیکھنے لگتی ہے اور دُنیا کی ان نظروں نے ہماری نفسیات کو اس حد تک متاثر کر دیا ہے کہ اب کرہ ارض کے کسی بھی ملک میں دہشت گردی کی کوئی واردات ہو تو صرف پاکستان ڈر جاتا ہے بلکہ بعض اوقات نورے کی طرح ہم چپ چاپ کان بھی پکڑ لیتے ہیں۔

آپ ممبئی کے تازہ ترین واقعات کو لے لیجئے۔ 26 نومبر کو جونہی ممبئی میں دہشت گردی کا آغاز ہوا' بھارتی میڈیا' بھارتی سیاست دانوں اور بھارتی حکومت نے پاکستان پر الزام لگانا شروع کر دیا۔ بھارتی حکومت نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ اسلحہ اور دہشت گرد بحری جہاز اور موٹر بوٹس میں کراچی سے بھارت آئے تھے۔ بھارتی میڈیا بھی بہانے بہانے سے دہشت گردوں کو پاکستان کا نام لینے پر مجبور کرتا رہا۔ کل بھارتی وزیراعظم اور بھارتی وزیر خارجہ نے بھی اس سانحے کی ذمہ داری پاکستان پر ڈال دی اور یورپ اور امریکہ کے میڈیا نے بھی بھارت کی خواہش کو خبر بنانا شروع کر دیا۔ آج پاکستان اور بھارت کے وزرائے اعظم کے درمیان ٹیلی فون پر بات چیت ہوئی' اس گفتگو کے دوران من موہن سنگھ

نے یوسف رضا گیلانی سے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ہمارے پاس آپ کے خلاف ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں۔ بھارتی وزیراعظم نے ڈی جی آئی ایس آئی کو دہلی بھجوانے کی درخواست بھی کی' ہمارے وزیراعظم نے یہ درخواست فوراً منظور کر لی' جس کے بعد ڈی جی آئی ایس آئی جنرل احمد شجاع پاشا کسی بھی وقت بھارت روانہ ہو سکتے ہیں۔

خواتین و حضرات! کیا ہم واقعی عالمی طاقتوں کے نورے بن چکے ہیں' بھارت ممبئی کے بم دھماکوں کا الزام پاکستان پر کیوں لگا رہا ہے۔ کہیں دہشت گردی کے یہ واقعات پاک بھارت جنگ کا پیش خیمہ تو ثابت نہیں ہوں گے اور دُنیا ڈی جی آئی ایس آئی کو بھارت بھجوانے کے فیصلے کو کس نظر سے دیکھے گی۔

اختتام:

خواتین و حضرات! آج سے ساڑھے آٹھ سو سال پہلے چنگیز خان نے کہا تھا کہ دُنیا میں انسان سے بڑی اور مضبوط دیوار کوئی نہیں ہوتی۔ اگر انسان اندر سے مضبوط ہے تو اسے کسی دیوار' کسی فصیل اور کسی قلعے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر انسان اندر سے کمزور ہے تو دُنیا کا کوئی قلعہ' کوئی فصیل اور کوئی دیوار اس کی حفاظت نہیں کر سکتی اور خواتین و حضرات! ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم اندر سے کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم اپنا اعتماد اپنا کانفیڈنس لوز کرتے جا رہے ہیں۔ ہمارا یقین ٹوٹتا جا رہا ہے لہٰذا ہم اقوام عالم میں نورے بنتے جا رہے ہیں۔ دُنیا ہمیں روگ سٹیٹ کی شکل دیتی جا رہی ہے اور ہم اس الزام کو چپ چاپ برداشت کرتے جا رہے ہیں اور یہ ہماری سب سے بڑی خامی ہے۔ ہم اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں' ہم اگر اپنی عزت' وقار اور سلامتی کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اندر سے مضبوط ہونا پڑے گا۔ ہمیں اپنے اعتماد' اپنے یقین کی حفاظت کرنا پڑے گی۔ دُنیا خواتین و حضرات! ایک ایسی خوفناک جگہ ہے جہاں کمزوروں کو حق تو بڑی دور کی بات ہے بھیک تک نہیں ملتی۔

(28 نومبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

ممبئی واقعات اور بھارتی ردِعمل

آغاز:

خواتین وحضرات! آپ نے چانکیہ کا نام سنا ہوگا۔ ہندی میں اسے چنا کیہ کہا جاتا ہے جبکہ ہم اُردو میں اسے چانکیہ کہتے ہیں۔ چانکیہ ٹیکسلا کا رہنے والا تھا' ذات کا برہمن تھا اور انتہائی شاطر اور چالاک شخص تھا' یہ 350 قبل مسیح میں چندر گپت موریہ کا وزیراعظم بنا اور اس نے راجہ کی حکومت کو پورے ہندوستان پر پھیلا دیا تھا۔ چندر گپت موریہ اور چانکیہ کی ملاقات کا واقعہ بہت دِلچسپ تھا۔ چندر گپت موریہ جلاوطنی کے دور میں ٹیکسلا کی یاترا کے لئے آیا' اس نے یہاں ایک عجیب منظر دیکھا' اس نے دیکھا ایک برہمن نوجوان پیتل کی پتیلی میں پانی گرم کرتا ہے' جب پانی پوری طرح کھول جاتا ہے تو وہ گرم پانی کی پتیلی قریبی درخت کی جڑوں پر الٹ دیتا ہے' اس نے نوجوان سے پوچھا ''مہاراج آپ کیا کر رہے ہیں'' نوجوان نے جواب دیا ''میں درخت سے انتقام لے رہا ہوں'' چندر گپت نے پوچھا ''وہ کیسے؟'' برہمن نے جواب دیا ''میں درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا تو میرا پاؤں اس کی جڑ سے الجھا میں گر گیا جس سے میرے سر پر چوٹ آ گئی'' چندر نے پوچھا ''پھر'' برہمن نوجوان نے جواب دیا ''میں اب اس کی جڑوں میں گرم پانی ڈال رہا ہوں' یہ گرم پانی اس کی جڑوں کو جلا دے گا' یہ درخت چند دنوں میں سوکھ کر گر جائے گا اور یوں میرا انتقام پورا ہو جائے گا'' چندر گپت موریہ نے حیرت سے پوچھا ''مہاراج آپ اتنا مشکل کام کرنے کی بجائے کلہاڑی اُٹھائیں اور درخت کاٹ دیں'' برہمن نے کانوں کو ہاتھ لگایا اور بولا معاف کیجئے مہاراج برہمن درخت نہیں کاٹا کرتے' اگر میں نے درخت کاٹ دیا تو اس سے مجھے پاپ لگے گا۔ چندر گپت موریہ برہمن نوجوان کی ذہانت پر حیران رہ گیا' اس نے اسی وقت اسے اپنا وزیر بنایا اور اس کے بعد چانکیہ نے ہندوستان میں پہلی ہندو سلطنت کی بنیاد رکھی۔ چانکیہ نے چندر گپت موریہ

کے لئے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کتاب کا نام ارتھ شاستر ہے اور یہ کتاب۔ پچھلے ڈھائی ہزار سال سے ہندوستان کے بادشاہوں کو حکومت کرنے کے گر سکھا رہی ہے۔

خواتین وحضرات! بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو چانکیہ کے بہت بڑے فین تھے چنانچہ جب ہندوستان تقسیم ہوا تو نہرو نے چانکیہ کے پانچ بڑے اُصولوں کو بھارت کی نیشنل پالیسی بنا دیا۔ یہ پانچ اُصول کچھ یوں تھے۔ چانکیہ کا بڑا مشہور قول تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ نہرو نے آج سے ساٹھ سال پہلے فیصلہ کیا ہم نے نہ صرف اپنی لاٹھی مضبوط کرنی ہے بلکہ دُشمن کی لاٹھی چوری بھی کر لینی ہے۔ چانکیہ کہتا تھا ''آپ کا ہمسایہ ہمیشہ آپ کا دُشمن ہوتا ہے جبکہ ہمسائے کا ہمسایہ آپ کا دوست ہوتا ہے۔'' نہرو نے آج سے ساٹھ سال پہلے فیصلہ کیا بھارت نے ہمسایوں کے ساتھ دُشمنوں جیسے تعلقات رکھنے ہیں جبکہ ہمسایوں کے ہمسایوں کو دوست بنانا ہے شائد یہی وجہ ہے بھارت نے ہمیشہ پاکستان اور چین کو اپنا دُشمن سمجھا اور ایران' افغانستان اور روس کو اپنا دوست چانکیہ کا قول تھا ''دُشمن کی طرف محبت سے دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ' وہ قریب آئے تو اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دو' پھر اس کے ساتھ مل کر بچاؤ' بچاؤ کی آواز نکالو اور جب دُشمن مر جائے تو اس کی لاش پر بین کرو' بھارت 61 برسوں سے اپنے دُشمنوں کے ساتھ یہی سلوک کر رہا ہے۔ چانکیہ کا قول تھا ''اپنی کمزوری اپنی ناکامی کو کبھی تسلیم نہ کرو' ہمیشہ اپنی شکست کا الزام دوسروں پر تھونپ دو اور بھارت 61 برسوں سے یہی کرتا چلا آ رہا ہے حتیٰ کہ اگر بھارت میں طاعون پھیل جائے تو وہ اس کا الزام بھی پاکستان پر لگا دیتا ہے اور چانکیہ کا پانچواں اُصول تھا' اپنا اندرونی اتحاد قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ کسی نہ کسی بیرونی طاقت سے جنگ چھیڑے رکھو چنانچہ بھارت نے 60 برسوں سے کشمیر اور آسام میں جنگ چھیڑ رکھی ہے۔

خواتین وحضرات! اگر آپ ممبئی کی دہشت گردی کو چانکیہ کی اس پالیسی کی نظر سے دیکھیں تو فوراً چھ چیزیں آپ کے سامنے آ جائیں گی۔ نمبر ایک' ممبئی کی دہشت گردی بھارتی نظام' انٹیلی جنس اور سیکورٹی کا بہت بڑا فیلئر تھا لیکن بھارت اپنی اس ناکامی کو تسلیم نہیں کرے گا۔ دو' بھارت سرکاری سطح پر اس سانحے کی ذمہ داری پاکستان پر ڈال دے گا۔ تین' بھارت 2002ء کی طرح اپنی فوجیں پاکستانی سرحدوں پر لانے کی دھمکی دے گا۔ چار' وہ پاکستان کے خلاف بین الاقوامی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور اسے بڑی حد تک حمایت حاصل بھی ہو جائے گی۔ پانچ' عالمی سطح پر پاکستان کی آئی ایس آئی کو بدنام کرنے کی کوشش کی جائے گی اور چھ' بھارت پاکستان سے چند ایسے لوگ مانگ لے گا جنہیں بھارت کے حوالے کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوگا اور اس سے صورتِ حال مزید خراب ہو جائے گی۔ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے اگلے چوبیس گھنٹے پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں بہت اہم ہیں۔

خواتین وحضرات ! کیا بھارت واقعی اپنی فوجیں ہماری سرحدوں پر لے آئے گا؟ بھارت آئی ایس آئی کو کیوں بدنام کر رہا ہے؟ کیا ممبئی کے سانحے میں پاکستان کا ہاتھ ہے؟؟ اگر بھارتی فوجیں ہماری سرحدوں پر آتی ہیں تو فاٹا میں جاری آپریشن کا کیا بنے گا؟ ممبئی میں دہشت گردی کس نے کی' بھارت کسی ڈیزائن کے تحت چالیں چل رہا ہے یا پھر یہ ایک محض اتفاقی حادثہ تھا؟ کہیں ہمارا نیوکلیئر پروگرام تو خطرے میں نہیں پڑ جائے گا؟ کراچی میں بھی ہنگامے پھوٹ پڑے ہیں' کیا کراچی کے ان واقعات کا ممبئی کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور اگلے چوبیس گھنٹوں میں کیا ہوگا؟؟ یہ سارے سوال ہمارا موضوع ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات ! میں نے شروع میں چانکیہ کا ذکر کیا تھا اور آپ سے عرض کیا تھا کہ پنڈت جواہر لال نہرو چانکیہ کے بہت بڑے فین تھے۔ نہرو چانکیہ کا ایک قول اکثر دہرایا کرتے تھے۔ چانکیہ نے کہا تھا ''جو ڈر جائے اسے ہمیشہ ڈرائے رکھو اور جو نہ ڈرے اس سے ہمیشہ ڈرے رہو۔''

خواتین وحضرات ! چانکیہ کا یہ قول بھارت کی نفسیات بھی ہے اور دفاعی پالیسی بھی۔ ہم جب تک بھارت سے ڈرتے نہیں تھے اس وقت تک بھارت ہم سے ڈرا رہتا تھا لیکن جب سے ہم نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے' ہم نے جب سے اس کے چھوٹے موٹے مطالبات ماننا شروع کئے ہیں اس نے اس وقت سے ہم پر ''ڈرائے رکھو'' کی پالیسی استعمال کرنا شروع کر دی ہے لیکن دُنیا کی ہر لچک' ہر سمجھوتے اور ہر کمزوری کی ایک انتہا ہوتی ہے اور جب انسان اور قومیں اس انتہا کے قریب پہنچ جاتی ہیں تو ان کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ میں جنرل حمید گل صاحب کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں اگر بھارت نے ہم پر جنگ مسلط کی تو پاکستانی قوم متحد ہو جائے گی اور اس کا نقصان صرف اور بھارت اُٹھائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کیا بھارت یہ نقصان اُٹھائے کے لئے تیار ہے' اس کا فیصلہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں ہوگا۔

(30 نومبر 2008ء)

قومی سلامتی اور اتحاد

آغاز:

خواتین وحضرات ! حکومت نے کل قومی سلامتی پر آل پارٹیز کانفرنس بلوائی' اس کانفرنس میں پاکستان مسلم لیگ ن' مسلم لیگ ق' اے این پی اور ایم کیو ایم سمیت پاکستان کی تمام بڑی سیاسی جماعتوں کو دعوت دے دی گئی ہے اور اب تک 58 سیاسی راہنماؤں نے اس کانفرنس میں شرکت کی یقین دہانی کروائی ہے۔ اس کانفرنس کا مقصد پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں آنے والی حالیہ تبدیلی ہے۔ بھارت ممبئی کے واقعات کا الزام پاکستان پر لگا رہا ہے' آج بھارت نے ہمارے سفیر کو دفتر خارجہ بلا کر شدید احتجاج بھی کیا اور پاکستان اور بھارت کے عسکری ماہرین کا خیال ہے شائد بھارت اس موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی فوجیں ہماری سرحدوں پر لے آئے جس کے بعد خطے میں جنگ کی صورتِ حال پیدا ہو جائے۔ اگر بھارت اپنی فوجوں کو موبلائز نہیں کرتا تو بھی وہ پاکستان کو ممبئی کی دہشت گردی کا ذمہ دار ثابت کرے گا اور اس سے عالمی رائے عامہ کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ دونوں پوزیشنز پاکستان کے لئے خطرناک ثابت ہوں گی چنانچہ حکومت کل پاکستان کے تمام بڑے سیاست دانوں کے ساتھ حالات کی نزاکت کو شیئر کرے گی اور انہیں کسی متفقہ لائحہ عمل پر قائل کرے گی۔

کل کی اس کانفرنس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ ہم اگر ایک لمحہ کے لئے اس سوال کو پوسٹ بون کر دیں اور اس بات پر غور کریں کہ بھارت اپنے سیکورٹی فیلیئر کو پاکستان پر کیوں ڈال رہا ہے تو ہم صورتِ حال کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔

خواتین وحضرات ! آج سے ایک ماہ پہلے ایس ایم ایس کے ذریعے بھارت سے ایک لطیفہ

پاکستان آیا تھا اور قریباً ہم سب کے موبائل فونوں تک پہنچا تھا۔ لطیفہ کچھ یوں تھا کہ امرتسر کا ایک سکھ مر گیا اور اس کی لاش پر اس کی بیوی نے بین کرنا شروع کر دیا' سکھنی روتی جاتی تھی اور اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے یہ کہتی جاتی تھی کہ پتر تمہارا ابا ایسی جگہ چلا گیا ہے جہاں روشنی ہے اور نہ ہی ہوا' جہاں روٹی ہے اور نہ ہی کپڑا اور مکان' جہاں امن ہے اور نہ ہی امان اور جہاں کوئی رشتے دار ہے اور نہ ہی دوست۔ سکھ کا بیٹا ماں کا بین سنتا رہا جب وہ تھک گیا تو اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اس سے پوچھا ''اماں' کیا ابا پاکستان چلا گیا ہے۔''

خواتین وحضرات! یہ بظاہر ایک لطیفہ دکھائی دیتا ہے لیکن اصل میں یہ پاکستان کے بارے ایک سفارتی اور سیاسی تجزیہ ہے۔ یہ بھارت کے ماہرین کی پاکستان کے بارے میں رائے ہے۔ ہم اگر پاکستان کے موجودہ حالات کو دیکھیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پاکستان تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے' ہم شدید معاشی بحران کا شکار ہیں اور اگر ہمیں آئی ایم ایف قرضہ نہ دیتا تو شائد ہم اس ماہ تک ڈیفالٹ کر جاتے۔ ہماری فوج قبائلی علاقوں میں اپنے ہی لوگوں کے ساتھ الجھ چکی ہے' اس وقت فاٹا میں ہمارے 1 لاکھ 20 ہزار فوجی لڑ رہے ہیں' پاکستان کی سرزمین پر امریکی ڈرونز روزانہ آتے ہیں' میزائل داغتے ہیں اور آرام سے واپس چلے جاتے ہیں اور ہمارے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا' پورا ملک خودکش حملوں کی لپیٹ میں ہے' ہماری نئی حکومت شروع ہی میں کریڈیبلٹی کے شدید بحران کا شکار ہے' وکلاء چیف جسٹس کی بحالی کے لئے سڑکوں پر لڑ رہے ہیں' پنجاب میں پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کا اتحاد خطرے میں ہے' مہنگائی کنٹرول سے باہر ہو چکی ہے' افراط زر نا قابل برداشت ہو چکا ہے' بیرونی سرمایہ کاری رک چکی ہے' لوڈ شیڈنگ اور لاء اینڈ آرڈر خطرناک حد کو چھو رہا ہے' قوم شدید مایوسی میں مبتلا ہے اور ہم نے خوف اور سمجھوتے کو اپنی قومی پالیسی بنا لیا ہے لہٰذا ان حالات میں پاکستان ایک ایسا ملک بن گیا ہے کہ سکھ کا بیٹا اپنی ماں سے یہ پوچھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اماں ابا مرنے کے بعد پاکستان چلا گیا ہے۔ پاکستان کے اس امپریشن کے دوران جب ممبئی میں دہشت گردی کے واقعات پیش آتے ہیں تو بھارت پاکستان سے پچھلے ساٹھ سالوں کا انتقام لینے کا سنہری موقع سمجھنے لگتا ہے چنانچہ بھارت نے ممبئی کی دہشت گردی کا ملبہ پاکستان پر پھینکنا شروع کر دیا اور یہ حقیقت ہے مسائل میں گھرے اس ملک کے لئے یہ وار انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے اس وار سے پاکستان کو کون بچا سکتا ہے؟ اس خطرناک وار سے پاکستان کو صرف اور صرف قوم کا اتحاد ہی بچا سکتا ہے' یہ سیاست دان ہیں جنہوں نے اگر کل ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر یہ اعلان کر دیا کہ ملکی دفاع پر ہم سب ایک ہیں' اگر قوم نے ملک کے نام پر اپنے سیاسی اور نظریاتی اختلافات بھلا دیئے تو

بھارت کی سازش نہ صرف نا کام ہو جائے گی بلکہ یہ پاکستان کی سلامتی اور ترقی کے لئے بڑی اہم ثابت ہوگی کیونکہ اس کے نتیجے میں قوم ایک بار پھر اکٹھی ہو جائے گی۔

خواتین وحضرات! کیا حکومت کل تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لینے میں کامیاب ہو جائے گی' کیا کل کی قومی سلامتی کی کانفرنس کا اختتام قومی سلامتی کے قومی عزم پر ہوگا اور آج کراچی میں دہشت گردی اور ہنگامہ آرائی کو تین دن ہو گئے ہیں' ان تین دنوں میں 45 لوگ جاں بحق اور ایک سو 25 زخمی ہوئے۔ ان ہنگاموں کے پیچھے کون ہے' کیا یہ ممبئی کے سانحے کا نتیجہ ہے اور حکومت کراچی میں امن قائم کرنے میں کامیاب کیوں نہیں ہو رہی؟

اختتام:

خواتین وحضرات! دُنیا میں قوموں کے لئے نفاق سے بڑا کوئی دُشمن اور اتفاق سے بڑا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں ایک جمع ایک دو ہوتے ہیں لیکن قومی سطح پر جب کوئی ایک گروپ' کسی دوسرے گروپ کے ساتھ ملتا ہے تو اس وقت ایک جمع ایک دو نہیں ہوتا گیارہ ہوتا ہے۔ قدیم یونان میں لوگ جب ڈیلفی کے مندر میں جا کر دیوتاؤں سے پوچھتے تھے کہ قومیں کس سے مار کھاتی ہیں تو انہیں جواب ملتا تھا نفاق' سستی اور عیش پرستی سے اور جب یہ پوچھا جاتا تھا قوموں کا سب سے بڑا دفاع سب سے بڑا دوست کون ہوتا ہے تو دیوتا جواب دیتے تھے اتفاق چنانچہ ہمیں بھی اس وقت اتفاق کی ضرورت ہے۔ یقین کیجئے اگر کل ہمارے سیاست دانوں میں اتفاق پیدا ہو گیا تو بھارت تو کیا دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی کیونکہ اتفاق ایک ایسی طاقت ہوتی ہے جو ابابیلوں کو ہاتھیوں کے لشکر سے لڑنے کی ہمت دیتا ہے اور جو 313 کو دُنیا کی سب سے بڑی سلطنت کی بنیاد بنا دیتا ہے۔

(01 دسمبر 2008ء)

بھارت کا جنگی جنون اور ہماری دفاعی پوزیشن

آغاز:

خواتین وحضرات! آج تک کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ اگر پاکستان اور بھارت کے درمیان ثالثی کی عالمی کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں اور بھارت جنگی جنون میں اپنی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر لے آتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا پاکستان اپنے سے کئی گنا بڑے ملک، بڑی معیشت، بڑی فوج اور بڑی ٹیکنالوجی کا مقابلہ کر سکے گا؟ کیا ہمارے اندر اتنا پوٹینشل، اتنی طاقت اور اتنا جذبہ ہے کہ ہم بھارتی یلغار کو روک بھی سکیں اور اسے منہ توڑ جواب بھی دے سکیں جبکہ صورت حال یہ ہو کہ بھارت کی آبادی ایک ارب بارہ کروڑ ہو جبکہ ہم فقط 17 کروڑ ہوں، بھارت کی آرمڈ فورس 14 لاکھ ہو جبکہ ہماری فوج محض 5 لاکھ 50 ہزار ہو، بھارت کی ائرفورس ایک لاکھ 45 ہزار ہو جبکہ پاکستان کی صرف 45 ہزار ہو، بھارت کی نیوی 52 ہزار ہو جبکہ پاکستان کی 23 ہزار 8 سو ہو، بھارت کی میرین ایک ہزار ہو جبکہ پاکستان کے 12 سو۔ بھارت کے پاس 738 ائرکرافٹ ہوں، ہمارے پاس 353 ہوں، بھارت کے پاس 60 نیوکلیئر میزائل ہوں، ہمارے پاس 25 میزائل ہوں، بھارت کے پاس 27 جنگی بحری جہاز ہوں، ہمارے پاس آٹھ ہوں، بھارت کے پاس 16 آبدوزیں ہوں جبکہ ہمارے پاس 10 ہوں۔ بھارت کے پاس ایک سو 62 ملٹی پل راکٹ لانچر ہوں جبکہ ہمارے پاس صرف 45 ہوں۔ بھارت کے پاس 2 ہزار 7 سو 98 ٹینکس ہوں جبکہ ہمارے پاس 2 ہزار 3 سو 57 ہوں اور بھارتی فوج کے سالانہ اخراجات 20 بلین ڈالرز ہوں جبکہ ہمارا فوجی بجٹ صرف 2 بلین ڈالر سالانہ ہو۔ کیا ہم اتنے بڑے دفاعی گیپ کے ساتھ بھارت کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اس کا جواب لینے کے لئے ہمیں 1998ء میں جانا پڑے گا۔ مئی 1998ء میں پاکستان نے جب ایٹمی دھماکے کئے تو اس وقت ایک انٹرنیشنل چینل نے

پاکستان کے بارے میں ایک ڈاکومنٹری فلم نشر کی تھی، اس فلم میں پاکستان کے لوگوں کو جانوروں کے ساتھ جوہڑوں پر پانی پیتے دکھایا گیا، درختوں کے نیچے سڑک کے کنارے استرے سے شیو بنواتے دکھایا گیا، فٹ پاتھوں پر بیٹھ کر سنیاسیوں سے کان صاف کرواتے، دانت نکلواتے اور مداری کے کرتب دیکھتے دکھایا گیا، لوگوں کو سڑکوں کے درمیان چلتے ہوئے، بسوں کے ساتھ لٹک کر سفر کرتے ہوئے، رکشوں میں گھستے اور کپڑے پھڑوا کر نکلتے ہوئے اور ویگنوں، بسوں اور منی ویز میں مرغا بن کر ٹریول کرتے دکھایا گیا۔ فلم میں شہروں میں بکھری گندگی دکھائی گئی، لوگوں کو روٹی کے لئے قطاروں میں کھڑے دکھایا گیا، مزدوری کے انتظار میں سڑکوں کے کنارے بیٹھے مزدوروں کو دکھایا گیا، زچگی کے عمل کے دوران مرنے والی خواتین کو دکھایا گیا، ہسپتالوں کی حالت دکھائی گئی، سکولوں کی کنڈیشن پیش کی گئی اور عزت کے نام پر مرنے والی خواتین کا قبرستان دکھایا گیا اور آخر میں ٹیلی ویژن چینل نے اعلان کیا کہ آج یہ قوم نیوکلیئر پاور بن چکی ہے، آج اس پسماندہ قوم بنیادی ضرورتوں سے محروم ملک اور بیسویں صدی میں نویں صدی کی زندگی گزارنے والے معاشرے نے ایٹمی دھماکہ کر دیا ہے اور یقین نہیں آتا چاغی کا پاکستان اصل پاکستان ہے یا پھر اس گندگی، اس پسماندگی میں لتھڑا ہوا پاکستان، اصل پاکستان ہے۔

خواتین وحضرات! یہ فلم بنیادی طور پر پاکستان کا امیج خراب کرنے کی کوشش تھی اور وہ انٹرنیشنل چینل اس فلم کے ذریعے ہمیں ہماری اوقات بتانا چاہتا تھا لیکن اس فلم نے دُنیا کو نئی حقیقت سمجھا دی جو شائد عام حالات میں سامنے نہ آتی۔ اس فلم نے ثابت کر دیا کہ پاکستان ایک ایسا ملک اور پاکستانی ایک ایسی قوم ہیں جن کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں، یہ لوگ اگر چاہیں تو یہ گھاس کھا کر، گدھوں پر سواری کر کے، جوہڑوں کا پانی پی کر اور پچاس سال پرانے استروں کے ساتھ شیو کر کے بھی ایٹمی طاقت بن سکتے ہیں، یہ ننگے رہ لیں گے، بھوکے سو جائیں گے، پیدل سفر کر لیں گے اور چھت کے بغیر زندگی گزار لیں گے لیکن یہ بڑے سے بڑا چیلنج قبول کر لیں گے۔ یہ وہ حقیقت تھی جس تک مغربی طاقتیں پہنچ گئیں چنانچہ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے پوری دُنیا نے ہم پر نظریں گاڑھ رکھی ہیں۔ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں لہٰذا آج اگر چاند یا مریخ پر بھی کوئی واقعہ پیش آ جائے تو امریکہ سے لے کر بھارت تک ساری دُنیا ہماری طرف دیکھے گی اور یہی وجہ ہے ممبئی میں دہشت گردی کے ایک گھنٹے بعد پورے انڈیا نے ہمیں ملزم سمجھنا شروع کر دیا تھا۔

خواتین وحضرات! یہ ایک حقیقت ہے ہم سب کچھ کر سکتے ہیں، پاکستانیوں کے لئے دُنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں اور دوسری حقیقت ہمارا دفاع ہے، ہم لوگ آپس میں روزانہ لڑتے ہیں، ہم شیعہ اور سُنی کی تفریق کا بھی شکار ہیں، ہم فوج کو اپنی ناکامیوں کی وجہ بھی قرار دیتے ہیں، ہم سیاست دانوں کو بھی

برا بھلا کہتے ہیں' ہمارے ملک میں کرپشن' لوٹ کھسوٹ اور فیورٹزم بھی انتہا کو چھو رہی ہے' ہم دہشت گردی کا بھی شکار ہیں اور ہمارے ملک میں قانون اور انصاف کا سسٹم بھی ٹوٹتا چلا جا رہا ہے لیکن جب ملک کے دفاع کا سوال آتا ہے' جب کوئی دوسرا ملک ہماری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھتا ہے تو پھر پوری قوم اکٹھی ہو جاتی ہے' ہم سب ایک ہو جاتے ہیں اور میڈیا ہو' فوج ہو' بیوروکریٹس ہوں' سیاست دان ہوں' پاکستان پیپلز پارٹی ہو' مسلم لیگ ن' ق' پ' دال ہو' ایم کیو ایم ہو' اے این پی ہو' ایم ایم اے ہو' جماعت اسلامی ہو یا بلوچستان کی علاقائی جماعتیں ہوں پوری قوم ایک ہو جاتی ہے اور یہ دونوں حقیقتیں ہماری اصل طاقت ہیں۔ قومی سلامتی کی کانفرنس میں بھی تمام سیاسی جماعتوں نے حکومت کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلا دیا' یہ بات بھی ہمارے اس تھیسس کو سپورٹ کرتی ہے لیکن اس کے باوجود سوال یہ ہے اگر بھارت نے جنگی جنون میں پاکستان کی سرحدوں کا رخ کیا تو ہم اپنا دفاع کیسے کریں گے اور وار ٹیکنالوجی میں ہماری کیا پوزیشن ہے؟ یہی ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں کوئی بھی قوم کسی بھی وقت ٹیکنالوجی حاصل کر سکتی ہے' کوئی بھی قوم علم' پیسہ اور وسائل بھی حاصل کر سکتی ہے' دُنیا کی کوئی بھی قوم کسی بھی وقت ایک بہت بڑی فوج بن سکتی ہے اور یہ فوج دُنیا کا جدید ترین اسلحہ بھی حاصل کر سکتی ہے لیکن جذبہ دُنیا کی وہ واحد چیز ہے جو قدرت تمام قوموں کو نصیب نہیں کرتی' جذبہ ایک ایسی جنس ہے جو مارکیٹ سے ملتی ہے اور نہ ہی ادھار یا کرائے پر حاصل کیا جا سکتا ہے' یہ انسان کے دل میں ہوتا ہے اور انسان اسے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے دُنیا میں صرف وہی لوگ اور صرف وہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں جن کے پاس جذبہ ہوتا ہے ہو سکتا ہے ہمارے دُشمن تعداد' وسائل' اسلحے' فوج اور ٹیکنالوجی میں ہم سے بہتر ہوں لیکن جہاں بات جذبے کی آتی ہے وہاں دُنیا کی کوئی قوم پاکستان اور پاکستانیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(01 دسمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

مسنگ پرسنز

آغاز:

خواتین و حضرات! مرحوم الطاف گوہر پاکستان کے مشہور بیوروکریٹ' صحافی اور دانشور تھے' انہیں ملک غلام محمد سے لے کر صدر ایوب خان تک پاکستان کے بے شمار گورنر جنرلز' صدور اور وزرائے اعظم کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ الطاف گوہر 1950ء میں کراچی شہر کے ڈپٹی کمشنر تھے' سردیوں کی ایک رات وہ اپنے گھر میں آرام کر رہے تھے' اچانک باہر شور ہوا' گوہر صاحب نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھا' باہر صحن میں بیس' پچیس لوگ جمع تھے' یہ لوگ رو رہے تھے' دوہائیاں دے رہے تھے اور ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کے لئے منتیں کر رہے تھے۔ گوہر صاحب نے چوکیدار کو آواز دے کر پوچھا ''کیا مسئلہ ہے'' چوکیدار نے بتایا ''جناب یہ چند مچھیرے ہیں' پولیس ان کے ایک بچے کو پکڑ کر لے گئی ہے اور یہ اس سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتے ہیں'' گوہر صاحب کو یہ سن کر غصہ آ گیا اور انہوں نے ڈانٹ کر حکم دیا'' نکلوا ان سب کو باہر۔۔ شرم نہیں آتی ان بے وقوفوں کو' رات تین بجے جگا دیا'' یہ سن کر پولیس کے دو کانسٹیبل ان لوگوں کی طرف دوڑے لیکن ان میں سے ایک بوڑھا نکلا' سیدھا کھڑکی کے پاس آیا اور منہ زمین کے ساتھ لگا کر نیچے لیٹ گیا اور دہائیاں دینے لگا۔ بوڑھے کا کہنا تھا اس کا ایک ہی بچہ ہے اسے بھی پولیس پکڑ کر لے گئی ہے اور اسے یہ تک معلوم نہیں وہ کس تھانے میں ہے اور اس کا جرم کیا ہے'' گوہر صاحب نے نفرت سے منہ دوسری طرف موڑا اور بولے ''اگر پولیس لے گئی ہے تو اس نے کوئی نہ کوئی جرم کیا ہو گا' انوسٹی گیشن ہو گی' بے قصور ہو گا تو چھوٹ جائے گا' ورنہ جیل چلا جائے گا'' اس کے ساتھ ہی انہوں نے ان لوگوں کو باہر نکالنے کا حکم دے دیا۔

خواتین و حضرات! اس واقعے کے بیس برس بعد جنرل یحییٰ خان کے دور میں سردیوں کی ایک

رات میں پولیس الطاف گوہر کے گھر میں داخل ہوئی‘ انہیں سلیپنگ گاؤن میں اُٹھایا اور جیپ میں بیٹھا کر کسی اَن ناؤن جگہ لے گئی۔ پولیس نے انہیں ان کا جرم اور قید کا مقام بتایا اور نہ ہی گوہر صاحب کی فیملی کو بھی معلوم تھا کہ وہ کہاں ہیں‘ کس کی حراست میں ہیں اور آیا وہ زندہ بھی ہیں یا مر چکے ہیں۔ ان کے دوستوں نے ان کی گمشدگی کے خلاف عدالت میں پٹیشن دائر کی لیکن حکومت نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ گوہر صاحب بہت عرصہ قید تنہائی میں رہے‘ اس دوران انہیں ہر روز وہ مچھیرے یاد آتے تھے جو بیس برس قبل اپنے بچے کی رہائی کے لئے ان کے گھر آئے تھے اور انہوں نے ان لوگوں کو ڈانٹ کر گھر سے نکال دیا تھا۔‘‘ قید تنہائی میں جا کر گوہر صاحب کو معلوم ہوا جب پولیس رات کی تنہائی میں کسی کو اُٹھا کر لے جاتی ہے تو اس شخص اور اس کے خاندان پر کیا گزرتی ہے۔

خواتین و حضرات! ظلم‘ زیادتی‘ جبر‘ گرفتاریاں‘ قید اور تنہائی کی قید کتنی اذیت ہوتی ہے انسان کو اس کا اندازہ صرف اس وقت ہوسکتا ہے جو وہ خود قید‘ جبر‘ زیادتی اور ظلم کا شکار ہوتا ہے یا پھر اس کا کوئی بہت ہی قریبی عزیز اس اذیت سے گزرتا ہے۔ مجھے میاں نواز شریف صاحب نے ایک بار سنایا تھا کہ 12 اکتوبر 1999ء کو جب انہیں ان کے بھائی میاں شہباز شریف اور ان کے صاحبزادے کو گرفتار کر کے مری لے جایا گیا تو ان سب کو الگ الگ رکھا گیا تھا اور یہ ایک دوسرے کے وجود تک سے واقف نہیں تھے‘ اس وقت میاں نواز شریف‘ میاں شہباز شریف اور حسین نواز کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ معلوم کرنا تھا کہ ’’کیا ان کا خاندان زندہ ہے‘ کیا حسین نواز اور میاں شہباز شریف خیریت سے ہیں‘‘ اسی طرح مرحوم بڑے میاں صاحب‘ نواز شریف کی والدہ اور خاندان کے دوسرے افراد بھی ان کی خیریت کے لئے انتہائی پریشان تھے‘ پریشانی کے اس عالم میں ایک روز میاں نواز شریف نے قرآن مجید کی تلاوت کی آواز سنی‘ یہ آواز ان کے صاحبزادے حسین نواز کی تھی اور یہ آواز سن کر میاں صاحب کی کیا کیفیت تھی‘ اس کا اندازہ صرف میاں نواز شریف ہی کر سکتے ہیں۔ ایک ایسی ہی صورتِ حال نومبر 1996ء میں اس وقت پیش آئی تھی جب صدر فاروق احمد لغاری نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت توڑی اور فوج نے لاہور کے گورنر ہاؤس سے آج کے صدر آصف علی زرداری صاحب کو گرفتار کر لیا تھا۔ زرداری صاحب کو بھی کسی خفیہ مقام پر منتقل کر دیا گیا اور چند دنوں تک انہیں اپنے خاندان اور محترمہ کو ان کی خیریت کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

خواتین و حضرات! ہمارے حکمران اذیت سے بھرپور ان لمحات کا تجربہ کر چکے ہیں چنانچہ اب میں ان لوگوں کی توجہ پاکستان کے ان سینکڑوں ہزاروں خاندانوں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جن کے پیاروں کو صدر پرویز مشرف کے دور میں گھروں سے اُٹھایا گیا اور انہیں اندھے عقوبت خانوں‘

سیف ہاؤسز اور ٹارچر سیلوں میں پھینک دیا گیا‘ ان لوگوں کا جرم داڑھی‘ نماز‘ شلوار کُرتا اور ایمانداری تھی‘ ان میں سے کچھ لوگ امریکی ایجنسیوں کی نشاندہی پر اُٹھائے گئے‘ کچھ صدر پرویز مشرف اور ان کے ساتھیوں کی مہربانی سے غائب ہوئے اور کچھ محض شک میں اُٹھا لئے گئے۔ ان میں سے کچھ کو امریکہ کے حوالے کر کے لاکھوں ڈالرز وصول کر لئے گئے اور کچھ لوگوں کو مرنے کے لئے قید خانوں میں پھینک دیا گیا۔ پرویز مشرف کے پورے دور میں یہ معمول تھا کہ ایجنسیاں کسی بھی شخص کو راستے سے اُٹھاتیں اور اس کے بعد عدالتیں گونگی اور بہری ہو جاتیں‘ ان آٹھ برسوں میں ہزاروں لوگ گھروں سے اُٹھائے گئے اور آج تک ان کے لواحقین ان کی ایک جھلک دیکھنے اور ایک آواز سننے کے منتظر ہیں۔ ان مسنگ پرسنز کی غیر موجودگی میں ان کے والدین ان کی جدائی کو روتے روتے انتقال کر گئے‘ ان کی بیویاں اور بچے روٹی روٹی کو محتاج ہو گئے‘ یہ لوگ سڑکوں پر آئے تو پولیس نے ان پر ڈنڈے برسائے اور بے مہر عدالتی نظام اور گونگا بہرہ قانون ان کی قبروں کے اُوپر سے گزر گیا لیکن ان کی آزمائش‘ ان کی سختیوں میں کمی نہ آئی‘ ان کے لئے خوشی کی کوئی خبر نہ آئی۔

خواتین و حضرات! آج عید کا دوسرا دن ہے‘ آج کے دن بھی یہ لوگ آس کا دامن تھام کر‘ یہ لوگ اپنی اُمیدوں کے دروازے کھول کر اپنے پیاروں کا انتظار کر رہے ہیں لیکن وہ صدر آصف علی زرداری جو 1996ء میں خود اس اذیت سے گزرے تھے اور وہ میاں نواز شریف جو 1999ء میں ہر آہٹ پر سر اُٹھا کر دیکھتے تھے کہ شائد ان کے گھر سے کوئی شخص ان کی ملاقات کے لئے آیا ہے۔ میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری کے ایجنڈے میں یہ لوگ شامل ہی نہیں ہیں۔ ہم یہ عید ان مسنگ پرسنز کے اہل خانہ کے نام منسوب کرتے ہیں۔

اختتام:

خواتین و حضرات! دُنیا میں کامیابی کا معیار نتیجہ ہوتا ہے۔ کس نے کتنا کمایا‘ کس نے کتنے ملک فتح کئے‘ کس نے کتنے میچ جیتے‘ کس نے امتحان میں کتنے نمبرز لئے‘ کس کو کتنے ووٹ ملے‘ کس نے کتنے مہینوں میں کتنی فیکٹریاں لگائیں اور کس نے کتنے وقت میں کتنے کلومیٹر سفر طے کیا۔ ان سوالوں کا جواب کامیابی کا تعین ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ زیادہ ہوتا ہے‘ جس کی بیلنس شیٹ میں بڑے فگرز ہوتے ہیں اور جس کے اکاؤنٹس بھاری ہوتے ہیں‘ وہ زیادہ کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن اللہ کے نزدیک کامیابی کا معیار اس سے بالکل الٹ ہے۔ اللہ کا سسٹم یکسر ڈیفرنٹ ہے۔ اللہ صرف‘ صرف اور صرف کوشش دیکھتا ہے۔ اس کے دربار میں جس نے حق کے لئے‘ سچائی کے لئے اور اچھائی کے لئے زیادہ کوشش کی وہ زیادہ کامیاب سمجھا جاتا ہے خواہ اس کی کوشش کا کوئی بھی نتیجہ نہ نکلا ہو‘ اللہ کے نزدیک کربلا کے میدان میں

شکست فتح کی حیثیت رکھتی ہے اور ٹیپو سلطان کی ایک دن کی زندگی کامیاب لوگوں کے سو برسوں پر بھاری ہوتی ہے۔ حشر کے دن اللہ ہم سے ہمارے جنرل میجر کی طرح یہ نہیں پوچھے گا تم نے دُنیا میں کیا کیا کامیابیاں حاصل کیں بلکہ وہ یہ پوچھے گا تم نے انصاف کے لئے کتنی کوشش کی، تم نے عدل کے لئے سچائی کے لئے، حق داروں کے حق کے لئے، سچوں کے سچ کے لئے کتنی کوشش کی۔۔ بس اللہ کا امتحان کوشش سے شروع ہوگا اور کوشش پر ختم ہو جائے گا لیکن یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے، جب ہم لوگ اللہ کے پاس جائیں گے اور ڈاکٹر فاطمہ کی والدہ کی آنکھیں ہمارا راستہ روک کر کھڑی ہو جائیں گی، جب راجہ محمد اقبال صدیق کے سجدے ان کی نمازیں ہمارے راستے میں آجائیں گی، ڈاکٹر عابد شریف کی بہن ہمارا دامن پکڑ لے گی اور آمنہ مسعود کے بچے ہماری راہ روک کر کھڑے ہو جائیں گے تو ہم اور ہمارے حکمران کیا جواب دیں گے، ہم کیا بتائیں گے۔۔! سوال یہ نہیں ہم نے کتنے مسنگ پرسنز کو تلاش کیا؟ سوال یہ ہے ہم نے کتنے مسنگ پرسنز کو گھر پہنچانے کی کوشش کی۔ مسنگ پرسنز کے گھر والوں کی کوششیں جاری ہیں، یہ لوگ روز گھر کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہیں، انہوں نے آج تک اپنی اُمیدوں کے دروازے بند نہیں کئے، انہوں نے آج تک اپنے انتظار کی بینائی کو بجھنے نہیں دیا، انہوں نے آج تک اپنی آس کی پلکیں گرنے نہیں دیں اور انہوں نے آج تک اپنی محبت، اپنی شفقت کا رشتہ ٹوٹنے نہیں دیا لیکن میاں نواز شریف ہوں، آصف علی زرداری ہوں یا ہم سب ہوں، ہم نے اپنے رحم، اپنی مہربانی، اپنے انصاف اور اپنی خدا ترسی کے سارے رشتے توڑ دیئے ہیں، ہم نے انصاف کی ساری کوششیں ترک کر دی ہیں۔ میاں نواز شریف مری اور آصف علی زرداری گورنر ہاؤس کے ان لمحوں کو بھول چکے ہیں جب زندگی اور موت کے درمیان بندوق کی نالی کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

ہم سب کو مسنگ پرسنز کی حسرتوں اور ان کے لواحقین کی خواہشوں سے اُٹھتی چیخوں کے ساتھ عید مبارک ہو۔

(08 دسمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

برداشت کی عادت

آغاز:

خواتین و حضرات! اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی ایک کمیٹی القاعدہ اینڈ طالبان سینکشینز کمیٹی نے جماعت الدعوۃ کے امیر حافظ محمد سعید، ذکی الرحمٰن لکھوی جنہیں چند روز قبل بھارتی میڈیا نے چاچایا مہمان چاچا قرار دیا تھا، حاجی محمد اشرف اور ایک سعودی باشندے محمود محمد احمد بہاذق کو دہشت گردوں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے جبکہ جماعت الدعوۃ کو کالعدم تنظیموں لشکر طیبہ، الرشید ٹرسٹ اور الاختر ٹرسٹ کی فہرست میں ڈال کر اس پر بھی پابندی لگا دی ہے، اقوام متحدہ کے اس اعلان کے بعد پاکستان میں جماعت الدعوۃ کے دفاتر کو سیل کیا جا رہا ہے جبکہ ٹرسٹ کے اکاؤنٹس بھی منجمد ہو گئے ہیں۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے جماعت الدعوۃ، الرشید ٹرسٹ اور الاختر ٹرسٹ کیا ہیں، کیا یہ واقعی دہشت گرد تنظیمیں ہیں یا ان کا کسی دہشت گرد تنظیم یا گروپ کے ساتھ کوئی تعلق ہے، ہم جب اس سوال کے جواب کی تلاش میں نکلتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے یہ تینوں تنظیمیں ویلفیئر کے ادارے ہیں۔ آپ جماعت الدعوۃ کو لیجئے۔ یہ ایک ٹرسٹ ہے جو 1986ء میں قائم ہوا تھا اور اس کے تحت پاکستان میں 2 یونیورسٹیاں، 2 سائنس کالج، 160 سکول اور 50 مدارس کام کر رہے ہیں۔ جماعت الدعوۃ نے پاکستان میں 156 فری ڈسپنسریاں اور 72 چیرٹی ہسپتال بھی بنا رکھے ہیں، جماعت الدعوۃ نے بلوچستان کے دور دراز علاقوں میں میٹھے پانی کے 284 کنوئیں بھی کھدوائے ہیں اور یہ ادارہ اب تک 8 لاکھ افراد کو ہیپاٹائٹس کی ویکسین بھی لگوا چکا ہے۔ دوسرا ادارہ الرشید ٹرسٹ ہے، یہ ادارہ مفتی عبدالرشید نے 1996ء میں کراچی میں قائم کیا تھا، اور یہ بھی پاکستان میں ڈسپنسریاں، ہسپتال، تعلیمی ادارے، بلڈ بینک اور ایمبولینس سروس چلا رہا ہے، اس ادارے نے پکی پکائی روٹی کا پروجیکٹ بھی شروع کر رکھا ہے جس کے

تحت ملک میں 100 بیکریاں قائم ہیں‘ ان بیکریوں سے روزانہ 3 لاکھ افراد استفادہ کرتے ہیں‘ ٹرسٹ نے 300 مقامات پر کنوئیں‘ ٹیوب ویل‘ ہینڈ پمپس‘ واٹر ٹینکس اور تالاب بھی بنائے‘ یہ ادارہ 12 ہسپتال اور کلینکس بھی چلا رہا ہے‘ اس نے 5 سال میں 10 لاکھ سے زائد افراد کو لباس بھی فراہم کیا‘ یہ 130 غریب خاندانوں کی کفالت بھی کر رہا ہے‘ الرشید ٹرسٹ اب تک 90 ہزار افراد کی مدد کر چکا ہے‘ اسی طرح الاختر ٹرسٹ بھی پاکستان میں فری ایمبولینس سروس‘ تعلیم‘ صحت اور نادار لوگوں کی مدد کے بے شمار پراجیکٹس پر کام کر رہا ہے لیکن اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی ایک کمیٹی نے بھارت کے مطالبے پر ان تینوں آرگنائزیشنز پر پابندی لگا دی۔

خواتین وحضرات! بھارت ویلفیئر کے ان اداروں کو دہشت گرد کیوں سمجھ رہا ہے؟ بھارت اپنے داخلی مسائل کا ذمہ دار پاکستان کو کیوں ٹھہرا رہا ہے اور حالات کی خرابی کا اصل قصوروار کون ہے؟ بھارت یا پاکستان۔

اختتام:

خواتین وحضرات! طاقت اور ذمہ داری ان دونوں کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے‘ انسان اور قومیں جیسے جیسے طاقتور ہوتی جاتی ہیں‘ ان کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پاکستان اور بھارت ایک دوسرے کے ہمسائے بھی ہیں اور نیوکلیئر پاورز بھی اور یہ حقیقت ہے آپ دُنیا میں بہت کچھ بدل سکتے ہیں‘ آپ دوست بھی تبدیل کر سکتے ہیں لیکن آپ اپنا ہمسایہ نہیں بدل سکتے اور ہمسایہ بھی ایسا نیوکلیئر پاور ہو لہٰذا پاکستان اور بھارت کو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنا ہو گی‘ ہمیں ایک دوسرے کو تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ نیوکلیئر طاقت ایک ایسی پاور ہے جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ آئن سٹائن نے کہا تھا ''اگر دُنیا میں ایک بار جوہری جنگ چھڑ گئی تو اس کے آخر میں انسان دوبارہ اس مقام پر آ جائے گا جب وہ پتھروں اور ڈنڈوں سے لڑا کرے گا‘ کچا گوشت کھائے گا اور بدن پر پتے باندھے گا'' چنانچہ ہم اگر اس وقت سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں برداشت کی عادت ڈالنا ہو گی‘ ہمیں ایک دوسرے کا اچھا ہمسایہ بننا ہو گا۔

(11 دسمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

ٹیکنیکل مس ٹیک

آغاز:

خواتین وحضرات! کل انڈین ائرفورس کے دو طیاروں نے لاہور اور کشمیر سیکٹرز میں پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی‘ انڈین جہاز پاکستانی حدود میں چار کلومیٹر اندر آ گئے تھے‘ اس ''وائی لیشن'' کے جواب میں پاکستان ائرفورس کے طیارے اڑے اور انہوں نے بھارتی طیاروں کو گھیر لیا‘ پاکستانی ائرفورس کے ردعمل پر بھارتی طیارے واپس بھاگ گئے۔ اس واقعے کے بعد ایک نئی کنٹروورسی شروع ہو گئی‘ بھارت نے شروع شروع میں پاکستانی حدود کی خلاف ورزی سے انکار کیا تھا لیکن بعد ازاں بھارتی ائرفورس نے اسے ٹیکنیکل مس ٹیک یا تکنیکی غلطی قرار دے دیا۔ پاکستان کے دفاعی اداروں کا مؤقف بھارت سے بالکل مختلف تھا‘ ہمارے دفاعی اداروں کا کہنا تھا کہ بھارتی طیاروں نے جان بوجھ کر پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کی تھی کیونکہ بیک وقت دو مختلف مقامات پر دو طیارے ٹیکنیکل مس ٹیک نہیں کر سکتے۔ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے بھی اپنے ابتدائی بیان میں پاکستان کے دفاعی۔۔ اداروں کے اس مؤقف سے اتفاق کیا۔ وزیراعظم کا کہنا تھا یہ پاکستان کی حدود کی خلاف ورزی تھی لیکن آج برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کے دوران صدر آصف علی زرداری نے بھارت کا مؤقف دہرا دیا۔ صدر کا کہنا تھا بھارتی طیارے ''ٹیکنیکل مس ٹیک'' کی وجہ سے پاکستان میں داخل ہوئے۔ اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ آج کا سب سے بڑا سوال ہے اور یہ سوال اس لئے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ پاکستان کے دفاعی ماہرین یہ سمجھتے ہیں کہ بھارت کی طرف سے یہ ایک ''ٹیسٹ فلائٹ تھی‘ بھارت اس کے ذریعے ہمارا ردعمل‘ ہماری ائرفورس کی تیاری اور ہمارے دفاعی آلات کی مہارت چیک کرنا چاہتا تھا۔

خواتین وحضرات! دُنیا میں اس قسم کی ٹیکنیکل مس ٹیکس بڑی کیلکولیٹڈ اور جچی تلی ہوتی ہیں اور اس قسم کی دفاعی حرکتوں کو ٹالرینس ٹیسٹ کہا جاتا ہے اور اس قسم کے ٹیسٹوں کے ذریعے تو میں اپنے دُشمنوں کی قوت برداشت' ان کی جنگی تیاری اوران کے اعصاب کا مطالعہ کرتی ہیں' یہ ٹیسٹ عموماً اونٹ کی گردن کی طرح ہوتے ہیں' اگر بدو اونٹ کی گردن پر خاموش رہے تو اونٹ آہستہ آہستہ پورے کا پورا خیمے میں داخل ہو جاتا ہے اور بدو خیمے سے باہر نکل جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا ایک بار اس قسم کی ایک ٹیکنیکل مس ٹیک چین میں بھی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں امریکہ کا ایک جاسوس طیارہ چین کی حدود میں داخل ہو گیا تھا' چین نے نہ صرف یہ طیارہ اپنے ائربیس پر اتار لیا بلکہ بھرپور دباؤ اور مطالبے کے باوجود امریکہ کو طیارہ واپس دینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت امریکہ کے ایک سینیٹر نے چین کے سفیر سے کہا تھا ''کیا ہوا ایک طیارہ ہی تھا' اس سے غلطی ہو گئی' آپ معاف کر دیں' ضد چھوڑ دیں'' اس بات پر چینی سفیر نے ہنس کر جواب دیا تھا ''ہم نے اگر آج معاف کر دیا تو اس قسم کی غلطیاں اکثر ہوا کریں گی' ہم چینی لوگ سانپ کے بچوں کی بجائے سانپ کی ماں کو مارنے کے قائل ہیں۔''

خواتین وحضرات! آپ نے ایران کا واقعہ بھی سنا ہو گا۔ پچھلے دنوں نیٹو کا ایک جہاز ایران کی حدود میں داخل ہو گیا تھا اور ایران نے اس طیارے کو اپنے ائربیس پر اتار لیا تھا' نیٹو نے اس جسارت کو بھی ''ٹیکنیکل مس ٹیک'' قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں ایران نے وارننگ دی کہ اس قسم کی ٹیکنیکل مس ٹیک دوبارہ نہیں ہونی چاہئے اور وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کسی طیارے کو چین اور ایران کی فضائی حدود میں ٹیکنیکل مس ٹیک کی جرأت نہیں ہوئی۔

امریکہ کا ایک محاورہ ہے اگر آپ چوہے کو برفی کا ٹکڑا دیں گے تو وہ اس کے بعد آپ سے دودھ کا پیالہ مانگے گا جبکہ ایک ہندی کہاوت ہے انسان کو دُشمن پر حملے سے قبل گدھ کی طرح ''پی ہیو'' کرنا چاہئے۔ آپ کو معلوم ہو گا گدھ زخمی کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے' وہ سب سے پہلے اسے ہلکی سی چونچ مارتا ہے' اگر اس چونچ سے زخمی کے بدن میں کوئی حرکت ہو جائے تو گدھ فوراً چند فٹ دور جا کر بیٹھ جاتا ہے' وہ یہ حرکت اس وقت تک کرتا رہتا ہے جب تک زخمی مردار نہیں بن جاتا۔ ہندی کہاوت ہے آپ دُشمن پر حملے سے قبل اسے گدھ کی طرح چونچ ماریں اگر دُشمن اس چونچ پر احتجاج نہیں کرتا تو آپ اس پر فل سکیل حملہ کر دیں لیکن اگر دُشمن پلٹ کر آپ پر حملہ کرتا ہے تو چپ چاپ واپس آ جائیں' گدھ کی طرح ایک محفوظ فاصلے پر بیٹھ جائیں اور دُشمن کے کمزور ہونے کا انتظار کریں لہٰذا اس قسم کی ٹیکنیکل مس ٹیکس گدھ کی پہلی چونچ یا چوہے کے لئے برفی کا پہلا ٹکڑا ہوتی ہیں۔ اگر آپ دوسرے فریق کے مطالبے پر اسے برفی کا ٹکڑا پیش کر دیں تو وہ اس کے بعد آپ سے دودھ کا پیالہ مانگ لے گا اور اگر آپ پہلی چونچ

خاموش رہے تو وہ گدھ کی طرح آپ کے سرہانے بیٹھ جائے گا اور اس وقت تک آپ کو نوچتا رہے گا جب تک آپ کے جسم پر گوشت کا ایک بھی ٹکڑا موجود ہے اور میرا خیال ہے بھارت کی یہ ٹیکنیکل مس ٹیک بھی گدھ کی پہلی چونچ تھی' اگر ہم امریکہ کے ڈرونز کی طرح یہ چونچ برداشت کر گئے تو پھر اس کے بعد بھارت کی طرف سے بھی ہم پر میزائل حملے شروع ہو جائیں گے۔

خواتین وحضرات! بھارت نے ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزی کیوں کی' بھارت کی یہ حرکت واقعی ٹیکنیکل مس ٹیک تھی یا پھر یہ ہماری برداشت چیک کرنے کا پہلا ٹیسٹ تھا اور کہیں یہ فضائی خلاف ورزی پاکستان پر بھارت کی سرجیکل سٹرائیکس کا آغاز تو نہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! کہا جاتا ہے ہاتھی کے جسم میں سب سے نرم چیز اس کی سونڈ ہوتی ہے اور جب آپ اس کی سونڈ کو قبول کر لیتے ہیں تو پھر آپ کو پتھر کی طرح سخت ہاتھی پورے کا پورا برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کہا جاتا ہے جب ہاتھی کی سونڈ کمرے میں داخل ہوتی ہے تو جان لیں اس کے پیچھے دو سوٹن کا ہاتھی بھی موجود ہے اور اگر سونڈ واپس نہ گئی تو چند لمحے بعد پورے کا پورا ہاتھی کمرے کے اندر ہو گا اور اس کے بعد آپ بچیں گے' آپ کا سازوسامان بچے گا اور نہ ہی آپ کا کمرہ۔ بھارت کی طرف سے پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کیا تھی؟ یہ واقعی ٹیکنیکل مس ٹیک تھی یا بھارت کی ایک ویل کیلکولیٹڈ اور سوچی سمجھی جنگی حرکت تھی۔ ہم اس سوال کے جواب کو چند دنوں کے لئے مؤخر کرتے ہیں کیونکہ برطانوی وزیراعظم کی آمد اور رخصتی میں بے شمار کہانیاں ہیں۔ یہ کہانیاں آئندہ چند روز میں سامنے آئیں گی اور یہ کہانیاں ثابت کریں گی بھارتی فضائیہ کی غلطی کیا تھی لیکن ایک بات طے ہے اگر ہم نے اسے ایزی لیا تو یہ گدھ کی پہلی چونچ بھی ثابت ہو سکتی ہے اور ہاتھی کی وہ سونڈ بھی جس کے ساتھ دو سوٹن کا انتہائی خوفناک جنگی ہاتھی نتھی ہے۔

(14 دسمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

اس ملک کو انصاف چاہئے

آغاز:

خواتین وحضرات! چیف جسٹس آف پاکستان کی صاحبزادی کو اضافی نمبرز دینے کا معاملہ مزید الجھ گیا ہے' پاکستان مسلم لیگ ن قومی اسمبلی کی تعلیم کی قائمہ کمیٹی کا اجلاس بلانا چاہتی ہے لیکن سپیکر قومی اسمبلی اس اجلاس کی اجازت نہیں دے رہیں۔ آج اپوزیشن لیڈر چودھری نثار علی خان نے قائمہ کمیٹی کے چیئرمین عابد شیر علی کے ساتھ سپیکر سے ملاقات کی مگر اس ملاقات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا' قانونی اور آئینی حلقوں میں یہ بحث بھی جاری ہے کہ سپریم کورٹ طاقتور ادارہ ہے یا پھر پارلیمنٹ۔ یہ سوال بھی بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ کیا قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی چیف جسٹس کو طلب کر سکتی ہے اور کیا سپریم کورٹ قائمہ کمیٹی کی پروسیڈنگز رکوا سکتی ہے۔ آج اسلام آباد ہائی کورٹ نے بھی چیف جسٹس آف پاکستان کو مقدمے میں فریق بنانے سے انکار کر دیا' ہائی کورٹ کے رجسٹرار کا مؤقف تھا کہ ''آئین کی رو سے چیف جسٹس کو کسی مقدمے میں فریق نہیں بنایا جا سکتا'' اس ساری کارروائی سے یوں محسوس ہوتا ہے آئین اور قانون کا معاملہ مزید الجھ گیا' اس معاملے میں کس کا مؤقف درست ہے اور کس کا غلط اس پر تو ہم بات کریں گے ہی لیکن میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ دُنیا میں اس وقت تک انصاف کے تین نظام ہیں' پہلا نظام اسلامک سسٹم ہے' اسلامی نظام کی بنیاد برابری ہے' اس میں غلام اور آقا' امیر اور غریب اور خلیفہ اور عوام کے لئے قانون برابر ہے۔ اسلامی نظام عدل میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں ''اگر یہ چوری فاطمہ بنت محمد ﷺ نے بھی کی ہوتی تو باخدا میں ان کے ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔'' اس نظام میں ایک خلیفہ راشد مستقبل کے دوسرے خلیفہ راشد کے ساتھ کھانا کھا رہے ہوتے ہیں اور کوئی فریادی آ کر عرض کرتا ہے ''میں خلیفہ کے دربار میں آپ کے

مہمان کے خلاف مقدمہ پیش کرنا چاہتا ہوں'' تو خلیفہ فوراً اپنے مہمان سے فرماتے ہیں ''ابوحسن تم اس فریادی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ'' مہمان کھانا چھوڑتا ہے' مستقبل کا خلیفہ دسترخوان سے اُٹھتا ہے اور جا کر فریادی کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے' مقدمے کی کارروائی شروع ہوتی ہے تو فریادی کا دعویٰ جھوٹا نکل آتا ہے' فریادی چلا جاتا ہے تو مہمان خلیفہ سے عرض کرتا ہے ''جناب آپ نے انصاف کے تقاضے پورے نہیں کئے'' خلیفہ فرماتے ہیں ''وہ کیسے'' مہمان فرماتے ہیں ''آپ نے مجھے ابوحسن کہہ کر مخاطب کیا تھا' عرب میں کنیت عزت کی نشانی ہے جب مجھ پر الزام لگ گیا تو آپ کو مجھے عزت سے نہیں بلانا چاہئے تھا۔'' اسلامی نظام میں حضرت علی رضی تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوتے ہوئے یہودی کے دعوے پر مقدمہ ہار جاتے ہیں اور اسلام میں جب انصاف کا وقت آتا ہے تو عدالت میں خلیفہ کو بھی بلایا جا سکتا ہے اور ملک کے سب سے بڑے قاضی یعنی چیف جسٹس کو بھی۔

خواتین وحضرات! دوسرا نظام ویسٹرن جسٹس سسٹم ہے' اس سسٹم میں ایک طرف صدر بش اور دوسری طرف ان کی بیٹیاں عدالت میں طلب کی جاتی ہیں' ٹونی بلیئر کو مقدمات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' برطانیہ کا شاہی خاندان جج کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور دوسری طرف چیف جسٹس سفارتخانے کو خط لکھنے پر مستعفی ہو جاتا ہے' ٹرین کے سفر کے دوران ٹکٹ کھو جانے پر چیف جسٹس کو جرمانہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے اور معافی بھی مانگنا پڑتی ہے اور چیف جسٹس اپنے بھانجے کا کیس عدالت میں آنے کے بعد ایک ماہ کی چھٹی پر چلا جاتا ہے۔ اس نظام میں بھی چیف جسٹس ہو' ملک کا سربراہ ہو یا پھر کوئی ٹام' ڈک اور ہنری ہو' سب برابر ہوتے ہیں۔ انصاف کا تیسرا سسٹم بادشاہی نظام ہے۔ اس نظام میں بادشاہ' اس کا خاندان اور اس کے دوست احباب قانون' آئین اور ضابطے سے بلند ہوتے ہیں' انہیں سات قتل معاف ہوتے ہیں اور کوئی شخص بڑے سے بڑے جرم پر بادشاہ اور اس کے ساتھی پر اُنگلی نہیں اُٹھا سکتا' اس نظام میں بادشاہ کی خواہش آئین اور حکم کی حیثیت رکھتی ہے لیکن انصاف کا یہ نظام دُنیا میں تقریباً ختم ہو چکا ہے کیونکہ دُنیا دس ہزار سال کی تحریری تاریخ میں اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ جس ملک میں بالائی طبقہ انصاف کے دائرے سے باہر رہتا ہے وہ ملک نہیں چل سکتا۔

خواتین وحضرات! ہمارے ملک میں کون سا نظام چل رہا ہے؟ اس ملک کو انصاف کا کون سا سسٹم چاہئے؟ کیا چیف جسٹس آف پاکستان پارلیمنٹ کے اختیارات سے باہر ہیں اور کیا کوئی عدالت چیف جسٹس آف پاکستان کو کسی مقدمے میں طلب کر سکتی ہے یا نہیں؟

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے پروگرام کے شروع میں یہ نکتہ اُٹھایا تھا کہ اس ملک کو کس قسم کا

جسٹس سسٹم چاہئے۔ میرا یہ خیال ہے اس ملک کو فوری طور پر ایک جسٹس سسٹم چاہئے اور وہ جسٹس سسٹم کوئی بھی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جس معاشرے، جس ملک میں انصاف نہیں ہوتا جس ملک، جس معاشرے کا جسٹس سسٹم ٹوٹنے لگتا ہے وہاں جنگل کا قانون نافذ ہو جاتا ہے' وہاں کی ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے اور ہر مضبوط دانتوں اور لمبے پنجوں والا جانور چھوٹے جانوروں کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔ یہ انصاف ہوتا ہے جو جانوروں' چھوٹی مچھلیوں اور عام معصوم اور کمزور شہریوں کو مضبوط' بڑے اور طاقتور لوگوں' دو دو سو ٹن وزنی پروٹو کول لینے والے ہاتھیوں اور ڈبل ٹرپل شاہ جیسی مچھلیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور جب معاشروں سے ججوں کے ہتھوڑے' قلم اور فیصلے رخصت ہو جاتے ہیں تو اس کے بعد ڈنڈے' تلواریں اور رائفلیں قانون کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، جس کے پاس جتنی بڑی' لمبی اور مضبوط لاٹھی ہوتی ہے وہ اتنی ہی بھینسوں کا مالک بن جاتا ہے۔

خواتین وحضرات! ہم اگر اس ملک کو بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس ملک میں انصاف قائم کرنا پڑے گا ورنہ ہم سب اور ہم سب کے بچے کسی بڑی مچھلی کا بریک فاسٹ' لنچ یا ڈنر بن جائیں گے۔

(15 دسمبر 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

ہم خوفزدہ قوم ہیں

آغاز:

خواتین وحضرات! بھارت کے وزیر خارجہ پرناب مکھرجی نے گزشتہ روز بیان دیا تھا کہ ''ہم پاکستان سے یقین دہانیوں کے نہیں بلکہ عملی اقدامات کے منتظر ہیں' یہ بیان اس ملک کے وزیر خارجہ نے دیا تھا جس میں اس وقت دُنیا کی سب سے زیادہ علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ انڈیا کی 14 ریاستوں میں 17 بڑی اور 50 چھوٹی تحریکیں چل رہی ہیں جبکہ انڈیا کی 174 ڈسٹرکٹس اس وقت انتہا پسند' عسکریت پسند اور دہشت گردوں کے کنٹرول میں ہیں۔ بھارت کے وزیر اعظم من موہن سنگھ نے تین ماہ قبل انڈین چیف منسٹرز کی کانفرنس میں یہ اعتراف کیا تھا کہ ملک کی پانچ علیحدگی پسند تحریکوں بالخصوص ماؤ تحریک سے بھارت کی سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ بھارتی وزیر اعظم کی بات درست تھی کیونکہ ناگالینڈ' میزورام' منی پورہ' آسام' مغربی بنگال' بہار اور آندھرا پردیش میں علیحدگی کی انتہائی خوفناک تحریکیں چل رہی ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں ساٹھ سال سے جنگ کی صورتِ حال ہے جبکہ پنجاب میں پرسکون حالات کے نیچے آہستہ آہستہ خالصتان کی تحریک پروان چڑھ رہی ہے اور بھارت کے اپنے تجزیہ نگاروں کے مطابق یہ تحریک کسی بھی وقت سطح زمین پر آسکتی ہے۔

خواتین وحضرات! یہ تحریکیں ہندوستان کی 112 عسکری تنظیمیں چلا رہی ہیں' ان تنظیموں نے ہندوستان میں نہ صرف دہشت گردی کے کیمپس بنا رکھے ہیں بلکہ یہ ان کیمپس میں نوجوانوں کو ٹریننگ بھی دیتے ہیں اور ان کے پاس جنگی پیمانے پر ہتھیار بھی موجود ہیں لیکن بھارت آج تک ان 112 عسکری تنظیموں کو قابو نہیں کر سکا۔

خواتین وحضرات! بھارت میں علیحدگی کی سب سے بڑی تحریک نکسل باڑی کی موومنٹ ہے'

اس تحریک نے مغربی بنگال' بہار اور آندھرا پردیش بھارت کے تین صوبوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اس تحریک میں اب تک چھبیس ہزار لوگ کام آ چکے ہیں اور بھارتی حکومت تمام تر کوششوں کے باوجود اس تحریک کو کنٹرول نہیں کر سکی۔ بھارتی صوبے آسام میں دہشت گردی کی 34 تنظیمیں موجود ہیں' ان تنظیموں میں یونائیٹڈ لبریشن فرنٹ' نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ' برچھا کمانڈو فورس' یونائیٹڈ لبریشن ملیشیا' مسلم ٹائیگر فورس' آدم سینا' حرکت المجاہدین' حرکت الجہاد' گھور کھا ٹائیگر فورس اور پیپلز یونائیٹڈ فرنٹ جیسی دہشت گرد جماعتیں بھی شامل ہیں۔ منی پورہ میں چھ دہشت گرد تنظیمیں ہیں' ان تنظیموں میں پیپلز لبریشن آرمی' منی پور لبریشن ٹائیگر فورس' نیشنل ایسٹ منیارٹی فرنٹ' کوکی نیشنل آرمی اور کوکی ڈیفنس فورس شامل ہیں۔ اسی طرح ناگالینڈ میں نیشنل سوشلسٹ کونسل' تری پورہ میں آل تری پورہ ٹائیگر فورس' آرمڈ ٹرائیبل والینٹئر فورس' تری پورہ مکتی کمانڈوز اور بنگالی رجمنٹ ہے۔ میزورام میں برو نیشنل لبریشن فرنٹ' مقبوضہ کشمیر میں لشکر عمر' البرق' الجہاد فورس اور تحریک جہاد اسلامی۔ پنجاب میں ببر خالصہ انٹرنیشنل' خالصتان زندہ باد فورس' خالصتان کمانڈو فورس' بھنڈرانوالہ ٹائیگر فورس' خالصتان لبریشن فرنٹ اور خالصتان نیشنل آرمی جیسی عسکریت پسند تنظیمیں شامل ہیں۔ ان تنظیموں کے علاوہ بھارت کا شمار دُنیا کے ان 13 ممالک میں ہوتا ہے جن میں گوریلا فورسز موجود ہیں' ان فورسز میں پیپلز گوریلا آرمی' پیپلز وار گروپ' تامل نیشنل ٹروپس' آصف رضا کمانڈو فورس اور ایل ٹی ٹی ای یعنی لبریشن ٹائیگرز آف تامل شامل ہیں۔ ان پانچ آرگنائزیشن کے بھارت میں ٹریننگ کیمپس بھی ہیں اور ان کے پاس ہلکی توپوں سے لے کر چھوٹے میزائل اور ٹینکس بھی موجود ہیں لیکن بھارت آج تک ان تنظیموں کو ڈس آرمڈ کر سکا اور نہ ہی ان تنظیموں کو ختم کر سکا۔ بھارت نے پانچ سال سے 34 تنظیموں کو دہشت گرد قرار دے کر ان پر پابندی بھی لگا رکھی ہے لیکن اس پابندی کے باوجود یہ تنظیمیں نہ صرف انڈیا میں کام کر رہی ہیں بلکہ ان کی لیڈر شپ روزانہ دفاتر میں بیٹھتی ہے اور سیکورٹی کے کسی ادارے کو اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں لیکن اس بھارت کا وزیر خارجہ پاکستان سے کہتا ہے ہم یقین دہانی نہیں عملی اقدام کے منتظر ہیں۔

خواتین وحضرات! ایک طرف یہ صورتِ حال ہے کہ بھارت میں 112 دہشت گرد تنظیمیں ہیں' 34 پر پابندی ہے اور 14 ریاستوں میں علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن دوسری طرف بھارت نے پاکستان کی تین ایسی تنظیموں پر پابندی لگوا دی جن کا ابھی تک دہشت گردوں اور دہشت گردی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہوا۔ پاکستان نے بھی بھارت کے دباؤ میں آ کر ان تنظیموں کے دفاتر' ڈسپنسریاں' ہسپتال اور سکول سیل کر دیئے جس سے یوں محسوس ہوتا ہے ہم امریکہ کی طرح بھارت کے دباؤ میں بھی آ رہے ہیں' ہم دُنیا اور بھارت کو یہ نہیں سمجھا پائے کہ وہ ہمارے عملی اقدامات کا انتظار کرنے

کی بجائے اپنے ملک کی 112 دہشت گرد تنظیموں پر پابندی لگائے' وہ ہمارے عملی اقدامات کے انتظار کی بجائے پہلے ان تنظیموں کو دہشت گرد قرار دے جنہوں نے گجرات میں اڑھائی ہزار مسلمانوں کو زندہ جلا دیا تھا' جنہوں نے بھارت کے 25 کروڑ اچھوتوں کو آج تک انسانی حقوق نہیں دیئے' جنہوں نے بھارت کے کرسچنز کی بستیاں جلا کر راکھ کر دی تھیں اور جنہوں نے سمجھوتہ ٹرین میں پاکستان کے 65 شہریوں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ ہم دُنیا کو یہ بھی نہیں بتا پائے کہ بھارت کی ایجنسی را بلوچستان اور فاٹا میں حالات کو کس قدر خراب کر رہی ہے اور بھارت نے آج تک پاکستان میں کتنے بم دھماکے کرائے اور ہم آج تک عالمی فورم پر بھارت کی دہشت گرد تنظیموں آر ایس ایس' بجرنگ دل اور شیوسینا کا ذکر بھی نہیں کر سکے۔

خواتین وحضرات! بھارت کے سامنے ہمارا رویہ معذرت خواہانہ کیوں ہے؟

اختتام:

خواتین وحضرات! ہمارا رویہ معذرت خواہانہ کیوں ہے؟ میرا خیال ہے ہم اور ہماری حکومت خوف کا شکار ہے' ہم کبھی معیشت کے غم میں مبتلا ہو جاتے ہیں' ہمیں کبھی فوج کا خوف گھیر لیتا ہے' کبھی ہم امریکہ سے ڈر جاتے ہیں اور کبھی ہم انڈیا سے گھبرا جاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے خوف ایک بیماری ہے اور اس بیماری کے شکار لوگ ہمیشہ معذرت خواہانہ رویہ رکھتے ہیں لہٰذا ہم جب تک خوف سے آزادی حاصل نہیں کریں گے ہم اس وقت تک دُنیا کے دباؤ میں پستے رہیں گے۔ ہم اس وقت تک کبھی بش کے دروازے پر کھڑے رہیں گے اور کبھی پرناب مکھرجی کی ٹیلی فون کال سے ڈر جائیں گے۔ چنگیز خان نے کہا تھا جو قوم خیموں میں رہنے اور سوکھی روٹی کھانے پر تیار نہیں ہوتی وہ کبھی خوف سے آزاد نہیں ہوتی۔ ہم بھی اگر عزت' وقار اور سکون کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں' تو ہمیں اپنے خوف پر قابو پانا ہوگا کیونکہ خوف کا شکار انسان اور ڈری ہوئی قومیں چوبیس گھنٹوں میں 24 بار مرتی اور چوبیس بار زندہ ہوتی ہیں جبکہ بے خوف انسان زندگی میں صرف ایک بار مرتے ہیں اور نڈر قومیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔

(17 دسمبر 2008ء)

⊘ ⊘ ⊘

نفرت کا انوکھا مگر دلچسپ اظہار

آغاز:

خواتین وحضرات! دُنیا میں اس وقت پانچ بڑے مسائل ہیں' پوری دُنیا شدید معاشی بحران کا شکار ہے' دُنیا کو ٹریک پر واپس لانے کے لئے چار ہزار بلین ڈالرز درکار ہیں' دُنیا میں مہنگائی تاریخ کی انتہائی سطح کو چھو رہی ہے' جس کی وجہ سے تین ارب لوگوں کا لائف سٹائل برباد ہو گیا' دُنیا خوراک کی شدید کمی کا بھی شکار ہے' جس کی وجہ سے بیس سال بعد دُنیا کی 90 فیصد آبادی کو اپنی خوراک آدھی کرنا پڑے گی۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک بار پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی ہے جس سے نیوکلیئر وار کے خطرات ہیں اور امریکہ میں نئی حکومت کی تیاریاں زوروں پر ہیں لیکن یہ پانچوں مسائل پچھلے چھ دنوں سے عالمی میڈیا سے غائب ہیں اور پوری دُنیا کے ٹیلی ویژن چینلز' ریڈیو اور اخبارات عراقی صحافی منتظر الزیدی کے جوتوں سے بھرے پڑے ہیں۔ امریکہ کے اڑھائی سو ٹیلی ویژن چینلز نے چھ دن میں اس واقعے کو اوسطاً 19 گھنٹے 40 منٹ اور 16 سیکنڈ دکھایا۔ یہ واقعہ پچھلے چھ دنوں سے امریکہ کے 3 ہزار ریڈیو چینلز کی ٹاپ سٹوری ہے اور یہ واقعہ امریکہ بھر کے 24 ہزار چھوٹے بڑے اخبارات' میگزینز اور رسائل کی لیڈ سٹوری ہے۔ یہ واقعہ چھ دن سے انٹرنیٹ پر بھی بڑا ہاٹ ہے' یوٹیوب پر صدر بش کو جوتے پڑنے کا منظر اب تک ساڑھے آٹھ کروڑ لوگ دیکھ چکے ہیں' اب تک اس منظر کی 90 ویڈیو گیمز بن چکی ہیں اور انٹرنیٹ پر دستیاب ایک ویڈیو کو کل تک 14 لاکھ لوگ کھیل چکے تھے' اس ویڈیو گیم میں یوزر کو صدر بش کو جوتا مارنے کے لئے تیس سیکنڈ دیئے جاتے ہیں اگر 30 سیکنڈ میں یوزر جوتا مارنے میں کامیاب ہو جائے تو اسے انعام میں ایک اور موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ منتظر الزیدی کا یہ تاریخی جوتا خریدنے کے لئے اب تک بارہ سو اُمیدوار میدان میں آ چکے ہیں' سب سے بڑی بولی سعودی عرب کے ایک شہری نے دی

وہ اس جوتے کے عوض ایک کروڑ ڈالر دینے کے لئے تیار ہے' پاکستان میں بھی ایک سو کے قریب لوگ یہ جوتا خریدنا چاہتے ہیں۔ صدر بش پر جوتے پھینکنے کا منظر کل وینزویلا کی پارلیمنٹ میں دکھایا گیا اور صدر ہوگو شاویز نے منتظر الزیدی کو ''بہادر شخص'' کا ٹائیٹل دیا۔ صدر بش نے اس واقعے کو اپنی زندگی کا خوفناک واقعہ کہا جبکہ ماہرین اس کو 2009ء کا خوبصورت اور خوشگوار ترین واقعہ قرار دے رہے ہیں' دُنیا بھر بالخصوص اسلامی دُنیا میں منتظر الزیدی کے حق میں مظاہرے ہو رہے ہیں' امریکہ کے شہریوں نے تین دن قبل وائٹ ہاؤس کے سامنے جوتوں کا انبار لگا کر عراقی صحافی کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا' عراق' اردن' مصر' کویت' بنگلہ دیش' ملائشیا' انڈونیشیا اور پاکستان میں عراقی صحافی کے لئے جلوس نکلے جبکہ دُنیا کے قریباً تمام پریس کلبوں نے اس کے حق میں قراردادیں پاس کیں۔ گزشتہ روز سرحد اسمبلی نے بھی منتظر الزیدی کو ہیرو قرار دیا۔

خواتین وحضرات! صدر بش پر جوتے پھینکنے کا یہ واقعہ بظاہر ایک ناخوشگوار ایونٹ ہے لیکن اگر اس کو سفارت کاری میں رکھ کر دیکھا جائے تو اس واقعے کے نتائج بہت گہرے اور دوررس ہیں۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے دُنیا میں بش کی فلاسفی' بش کا نظریہ اور بش کا طریقہ کار ناکام ہو چکا ہے' دُنیا بش کے نظریے کو مسترد کر چکی ہے۔ آپ برطانیہ کو دیکھئے' برطانیہ نے ٹونی بلیئر کو ہٹا کر سب سے پہلے بش کے فلسفے کو جوتے مارے تھے' پھر سپین' اٹلی' جرمنی اور ہالینڈ نے وار آن ٹیرر سے پسپائی اختیار کر کے بش فلاسفی کو جوتے مارے' امریکیوں نے تاریخ میں پہلی بار سیاہ فام باراک اوباما کو ووٹ دے کر بش پالیسی کو جوتے مارے' امریکی فوج نے عراق میں لڑنے سے انکار کر کے بش نظریے کو جوتے مارے' صدر حامد کرزئی نے امریکیوں کو آنکھیں دکھا کر بش فارمولے کو جوتے مارے اور پاکستانی قوم نے 18 فروری کو صدر پرویز مشرف کی سیاسی جماعت کو شکست دے کر صدر بش کے فلسفے کو جوتے مارے۔ غرض پچھلے دو تین برسوں سے پوری دُنیا میں صدر بش کے نظریے' فلاسفی' پالیسی اور وار آن ٹیرر کو جوتے پڑ رہے ہیں' رہی سہی کسر منتظر الزیدی نے پوری کر دی لیکن اس حقیقت کے باوجود پاکستان دُنیا کا واحد ملک اور ہماری حکومت دُنیا کی واحد حکومت ہے جو ابھی تک بش فلاسفی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے' جس نے ابھی تک بش پالیسی کے دائرے سے قدم باہر نہیں رکھا۔ کیوں؟ شائد ہم لوگ بھی کسی بوٹ' کسی جوتے کا انتظار کر رہے ہیں۔

خواتین وحضرات! کیا ہم کبھی بش پالیسی سے آزاد ہو سکیں گے' آج پارلیمنٹ میں کچھ ارکان نے میاں نواز شریف کی صاحبزادی مریم نواز کے داخلے کے بارے میں تحریری مواد تقسیم کیا تھا' یہ مواد کس نے تقسیم کیا اور کیوں کیا؟ پاکستان مسلم لیگ ن نے قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی کے خلاف سٹے آرڈر جاری کرنے والے جج جسٹس زوار حسین جعفری کے خلاف تحریک استحقاق جمع کرا دی' اس تحریک

استحقاق کا کیا نتیجہ نکلے گا اور میاں نواز شریف نے اپنے ایک انٹرویو میں دعویٰ کیا کہ پاکستان ناکام ریاست کا منظر پیش کر رہا ہے۔ کیا پاکستان واقعی ناکام ریاست بن چکا ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں منتظر الزیدی کے جوتے کا ذکر کیا تھا' یہ واقعہ ثابت کرتا ہے انسان کی نفرت ہزاروں' لاکھوں رائفلوں' توپوں' بموں اور میزائلوں سے زیادہ مہلک ہوتی ہے' امریکہ نے پچھلے پانچ برسوں میں عراق پر "مدر آف آل وارز" یعنی جنگوں کی ماں جیسے بم بھی استعمال کئے' کروز میزائل بھی داغے' کیمیائی ہتھیار بھی پھینکے اور جدید رائفلیں اور توپیں بھی استعمال کیں' ان حملوں کے دوران عراق کے دو لاکھ شہری شہید ہو گئے لیکن منتظر الزیدی کے دو جوتے ان تمام شہادتوں' ان تمام حملوں' ان تمام توپوں' رائفلوں' میزائلوں اور بموں پر بھاری ثابت ہوئے۔ ان دو جوتوں نے امریکہ کے سارے ظلم' ساری زیادتی اور سارے جبر کا بدلہ لے لیا' دُنیا دُنیا کے ہر ہتھیار اور ہر اسلحے کا مقابلہ کر سکتی ہے' آپ حملہ کر کے کسی بھی ملک کو تباہ اور برباد کر سکتے ہیں لیکن آپ کسی انسان کو نفرت کرنے سے نہیں روک سکتے' آپ اسے جوتا دکھانے اور پھینکنے سے باز نہیں رکھ سکتے کیونکہ نفرت انسان کا وہ ہتھیار ہے جس سے انسان آخری سانس تک دستبردار نہیں ہوتا اور خواتین وحضرات! صدر بش کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ دُنیا بھر کے حکمرانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے' یہ تمام حکمرانوں کو یہ بتاتا ہے انسانوں کو' لوگوں کو عوام کو نفرت پر مجبور نہ کرو کیونکہ جب انسان نفرت کرتے ہیں تو وہ وقت کے سب سے بڑے فرعون کو بھی جوتا دے مارتے ہیں۔

(19 دسمبر 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

حکمرانوں کی کامیابی کیا ہوتی ہے؟

آغاز:

خواتین وحضرات! آج کا دن خبروں کا دن تھا' آج سیاسی دُنیا میں بے شمار نئی خبریں' نئی اطلاعات اور نئے بحران سامنے آئے' آپ پچھلے تین ہفتوں سے چیف جسٹس آف پاکستان کی صاحبزادی فرح حمید کی خبریں سن رہے تھے' پھر میاں نواز شریف کی صاحبزادی کے حوالے سے خبریں آنے لگیں اور آج پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز کے صدر اور وفاقی وزیر مخدوم امین فہیم کی صاحبزادی کا ایشو سامنے آ گیا۔ آج انکشاف ہوا مخدوم صاحب کی صاحبزادی کو قواعد اور ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آئرلینڈ میں فرسٹ سیکرٹری لگا دیا گیا' یہ پوسٹ آج تک سی ایس ایس کے ذریعے فارن سروس جوائن کرنے والے خواتین وحضرات کے لئے مختص تھی مگر پچھلے ماہ وزیراعظم نے اس پوزیشن پر ایک ایسی خاتون کو تعینات کر دیا جنہوں نے سی ایس ایس کا امتحان پاس نہیں کیا تھا اور ان کی واحد کوالیفکیشن مخدوم امین فہیم کی صاحبزادی ہونا تھا۔ آج کے دن ہی بھارت میں 120 سفیروں کی کانفرنس ہوئی جس میں بھارتی حکومت نے اپنے سفیروں کو پاک بھارت تعلقات کے بارے میں بریفنگ دی' دفاعی تجزیہ نگاروں کا خیال ہے یہ ایک غیر معمولی کانفرنس ہے اور پاکستان کو اسے غیر سنجیدہ نہیں لینا چاہئے کیونکہ یہ بھارت کی طرف سے جنگ کا آغاز بھی ہو سکتی ہے۔ آج لاہور اور اسلام آباد کی فضاؤں میں پاک فضائیہ کے طیاروں نے پروازیں کیں جس سے عوام جنگ کے اندیشوں میں مبتلا ہو گئے۔ آج ہی کے دن یہ خبر بھی سامنے آئی کہ بھارت نے راجھستان سرحد پر فوج کی تعیناتی شروع کر دی ہے' آج ہی کے دن امریکی فوج کے چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف ایڈمرل مائیک مولن پاکستان کے اچانک دورے پر آ گئے' آج ہی کے دن چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی اور صدر

آصف علی زرداری کے درمیان غیر معمولی ملاقات ہوئی اور آج ہی کے دن میڈیا کو چیف جسٹس کی صاحبزادی کے ایشو کا جائزہ لینے والی قائمہ کمیٹی کی کوریج سے روک دیا گیا جس پر کمیٹی کے چیئرمین عابد شیر نے شدید احتجاج کیا۔

خواتین وحضرات! یہ سارے ایشو انتہائی حساس ہیں اور آنے والے دنوں پر ان کے شدید اثرات مرتب ہوں گے۔ ایک طرف ان ایشوز کی سنگینی ہے جبکہ دوسری طرف حکومت ہے‘ ہماری حکومت اس وقت کریڈیبلٹی کے شدید بحران میں مبتلا ہے۔ امریکہ کے مشہور ادارے انٹرنیشنل ری پبلکن انسٹیٹیوٹ نے پچھلے دنوں پاکستان کی سیاست کے بارے میں ایک سروے رپورٹ جاری کی تھی‘ اس رپورٹ میں چاروں صوبوں کی پچاس ڈسٹرکٹس کے 88 فیصد لوگوں نے رائے دی کہ ملک غلط سمت میں جا رہا ہے اور وہ حکومت کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ یہ سروے رپورٹ اس لحاظ سے بڑی ''الارمنگ'' ہے کہ اس میں پہلی بار آئی آر آئی نے لوگوں سے یہ پوچھا کہ اگر حالات کو کنٹرول کرنے کے لئے آرمی اقتدار پر قبضہ کر لے تو ان کا کیا ردعمل ہوگا اور اس سوال کے جواب میں 56 فیصد لوگوں نے رائے دی کہ ہنگامی حالات میں فوج کو اقتدار پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ اس سروے رپورٹ میں میڈیا پاکستان کا مقبول ترین ادارہ ثابت ہوا جبکہ فوج پاکستان کا دوسرا مقبول ترین ادارہ بن کر سامنے آئی۔ سروے میں یہ بھی ثابت کیا گیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی مقبولیت میں بڑی تیزی سے کمی آئی ہے۔ سروے کے مطابق 73 فیصد لوگ قبائلی علاقوں میں امریکی حملوں کے مخالف تھے‘ 63 فیصد لوگوں نے آصف علی زرداری کی کارکردگی پر عدم اعتماد کا اظہار کیا‘ 59 فیصد لوگ معاشی صورتِ حال سے غیر مطمئن تھے جبکہ 62 فیصد لوگ پاکستان میں شریعت کے نفاذ کے حق میں تھے۔ یہ سروے رپورٹ ایک ایسے وقت لانچ کی گئی جب حکومت داخلی اور خارجی دونوں محاذوں پر شدید بحران کا شکار ہے۔ یہاں میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ آئی آر آئی کو امریکی حکومت فنڈز دیتی ہے اور دُنیا کے 70 ممالک میں اس کے دفاتر قائم ہیں اور اس کی جاری کردہ رپورٹس کی بنیاد پر بعدازاں امریکی حکومت‘ پورا یورپ اور مشرق بعید کے ممالک اپنی پالیسی بناتے ہیں لہٰذا اس نازک وقت میں اس رپورٹ کا سامنے آنا زیادہ خوش آئند نہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے بعض عہدیداروں کا خیال ہے میاں نواز شریف ملک کی داخلی اور خارجی صورتِ حال کا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں‘ وہ جہاں عسکری حلقوں کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنا رہے ہیں وہاں وہ عالمی برادری کو متاثر کرنے کے لئے غیر مقبول بیان بھی دے رہے ہیں۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے میاں صاحب کے الفاظ اور ردعمل میں شدت آ گئی ہے اور انہوں نے زرداری

نواز بھائی کی پالیسی تبدیل کر دی ہے۔ میاں صاحب کے بارے میں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ حکومت مخالف طاقتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر رہے ہیں اور وہ سینٹ کے الیکشنوں سے پہلے حکومت پر ہلہ بول دیں گے اور یہ خبر بھی گرم ہے پاکستان مسلم لیگ اٹھاون ٹوبی کے خلاف قومی اسمبلی میں تحریک پیش کرنے والی ہے اور اس تحریک کو پاکستان پیپلز پارٹی کے ارکان بھی سپورٹ کریں گے۔ بہرحال داخلی محاذ ہو یا خارجی دُنیا پاکستان کے حالات حقیقتاً ایسے نقطے پر پہنچ گئے ہیں جہاں خطرات ہی خطرات ہیں۔

خواتین وحضرات! کیا سیاسی صورتِ حال میں کوئی تبدیلی آ رہی ہے‘ کیا بھارت کسی بڑی جارحیت کی منصوبہ بندی کر رہا ہے‘ کیا میاں نواز شریف واقعی صورتِ حال کا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں‘ کیا آئی آر آئی کی رپورٹ کسی عالمی سازش کا حصہ ہے اور مخدوم امین فہیم کی صاحبزادی کا ایشو ملکی سیاست میں کیا رنگ اختیار کرے گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ایک بار سکندرِ اعظم نے اپنے استاد ارسطو سے کامیاب حکومت کی تعریف پوچھی تھی۔ ارسطو نے فوراً جواب دیا تھا ''وہ حکومت جسے عوام کامیاب قرار دیں'' ارسطو کا کہنا تھا ''بادشاہ کے سارے وزیر جھوٹ بول سکتے ہیں‘ بادشاہ کے سارے مشیر‘ سفیر اور خادم بھی جھوٹے ہو سکتے ہیں اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب بادشاہ خود اپنے ساتھ بھی جھوٹ بولنے لگتا ہے لیکن عوام کبھی جھوٹ نہیں بولتے‘ وہ بادشاہ کے ہر اچھے اقدام کی تعریف اور اس کی ہر غلطی پر افسوس کرتے ہیں'' ارسطو کا کہنا تھا ''وہ حکومت جس سے عام لوگ خوش ہوں اس کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔''

خواتین وحضرات! ارسطو نے یہ فارمولا آج سے اڑھائی تین ہزار سال پہلے بیان کیا تھا لیکن اگر آپ اس فارمولے کو آج کے حالات میں رکھ کر دیکھیں تو آپ کو یہ آج بھی سو فیصد درست معلوم ہوگا۔ حکومتوں کی کامیابی کا انحصار صرف اور صرف عام لوگوں کی خوشی میں پوشیدہ ہوتا ہے‘ اگر عوام کسی حکمران سے خوش ہیں تو وہ حکمران کامیاب ہے خواہ وہ حکمران‘ ان پڑھ‘ جاہل اور نالائق ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر عوام حکومت اور حکمرانوں سے خوش نہیں ہیں تو وہ حکومت ناکام ہے خواہ حکمران کتنے ہی سقراط‘ بقراط اور ارسطو کیوں نہ ہوں۔ کیا ہماری حکومت کامیاب ہے‘ اس کا فیصلہ بھی ظاہر ہے عوام ہی نے کرنا ہے لیکن یہ بات طے ہے اگر ہمارے حکمران نہ سنبھلے تو عوام کے فیصلے کا وقت وقت سے پہلے آ جائے گا‘ پانچ سال پانچ ماہ میں گزر جائیں گے۔

(21 دسمبر 2008ء)

قائداور ہم

آغاز:

خواتین وحضرات! 25 دسمبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی سالگرہ تھی' ہندوستان بھر کے مسلمان پورے جوش وخروش کے ساتھ سالگرہ کی تقریبات منا رہے تھے' اس دن دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک جلوس نکلا' لوگوں نے جلوس کے راستے میں قائداعظم کی تصویریں' پوسٹرز اور بینرز لگا رکھے تھے' قائداعظم یہ بینرز اور تصویریں دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے اچانک ان کی نظر ایک بڑی سی پینٹنگ پر پڑی' قائداعظم کے کسی چاہنے والے نے قائداعظم کی تصویر بنائی' اس تصویر کے سر پر سونے کا تاج بنایا' قائداعظم کو شاہی لباس پہنایا اور اس تصویر کے نیچے لکھ دیا ''شہنشاہ پاکستان'' قائداعظم نے اپنا قافلہ رکوایا' تصویر بنانے والے کو قریب بلوایا اور اس سے کہا ''ہم ایک جمہوری ملک بنا رہے ہیں' پاکستان میں کسی بادشاہ' کسی شہنشاہ اور کسی شہزادے کی گنجائش نہیں' پاکستان کا تاج قانون ہوگا' پاکستان کا تخت آئین ہوگا اور پاکستان کا لباس جمہوریت ہوگی اگر آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو مہربانی فرما کر آئندہ اس قسم کی کوئی حرکت نہ کیجئے گا۔''

خواتین وحضرات! کل 25 دسمبر ہے' ہم لوگ ہر 25 دسمبر کو قائداعظم محمد علی جناح کا یوم ولادت مناتے ہیں۔ آج جب بھارت پاکستان پر یلغار کے منصوبے بنا رہا ہے' بھارتی حکومت نے فوج کو ریڈ الرٹ کر دیا ہے اور پاکستان میں موجود سفیروں کا خیال ہے اگر پاکستان نے بھارت کے مطالبات تسلیم نہ کئے تو وہ کسی بھی وقت پاکستان پر سرجیکل سٹرائیکس شروع کر سکتا ہے۔ آج جب انٹرنیشنل ذرائع کا کہنا ہے بھارت کے مختلف شہروں میں 30 کے قریب دہشت گرد روپوش ہیں' یہ دہشت گرد کسی بھی وقت کارروائی کر سکتے ہیں اور بھارت اس کارروائی کے فوراً بعد پاکستان پر حملہ کر دے گا اور

یہ حملہ نیوکلیئر وار کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے تو ان حالات میں آج قائداعظم محمد علی جناح بہت یاد آ رہے ہیں اور ہم لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں اگر پاکستان کو قائداعظم کے خطوط پر چلایا گیا ہوتا تو آج کبھی ایسے حالات پیدا نہ ہوتے' ہم آج بین الاقوامی طاقتوں کی چراہ گاہ یا میدان جنگ نہ بنتے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے قائداعظم کس قسم کا پاکستان چاہتے تھے۔ خواتین وحضرات! قائداعظم کے تصور پاکستان کو جاننے کے لئے ہمیں پاکستان کی پہلی کابینہ کے تیسرے اجلاس پر نظر ڈالنا ہوگی' کابینہ کے اجلاس سے قبل اے ڈی سی نے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا ''سر اجلاس میں چائے سرو کی جائے یا کافی'' قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سخت لہجے میں پوچھا ''کیا وزراء گھروں سے چائے کافی پی کر نہیں آئیں گے'' اے ڈی سی نے انکار میں سر ہلا دیا۔ آپ نے فرمایا ''جس وزیر نے چائے یا کافی پینی ہو وہ گھر سے پی کر آئے یا پھر واپس گھر جا کر پیئے' قوم کا پیسہ قوم کے لئے ہے وزیروں کے لئے نہیں۔'' گورنر جنرل ہاؤس کے لئے ساڑھے 38 روپے کا سامان خریدا گیا۔ قائد نے حساب منگوالیا' کچھ چیزیں قائداعظم محترمہ فاطمہ جناح نے منگوائی تھیں' حکم دیا ''یہ پیسے ان کے اکاؤنٹ سے کاٹے جائیں'' دو تین چیزیں قائداعظم کے ذاتی استعمال کے لئے تھیں فرمایا ''یہ پیسے میرے اکاؤنٹ سے لئے جائیں'' باقی چیزیں گورنر جنرل ہاؤس کے لئے تھیں' فرمایا ''ٹھیک ہے یہ رقم سرکاری خزانے سے ادا کر دی جائے لیکن آئندہ احتیاط کی جائے'' 1948ء میں برطانوی شاہ کا بھائی پاکستان کے دورے پر آ رہا تھا' برطانوی سفیر نے قائداعظم سے درخواست کی ''آپ شہزادے کو ویل کم کہنے کے لئے ائرپورٹ پر تشریف لے جائیں'' قائداعظم نے ہنس کر کہا ''میں تیار ہوں لیکن جب میرا بھائی لندن جائے گا تو پھر برٹش کنگ کو اس کے استقبال کے لئے ائرپورٹ آنا پڑے گا۔'' ایک روز اے ڈی سی نے ایک وزیٹنگ کارڈ سامنے رکھا' آپ نے کارڈ پھاڑ کر پھینک دیا اور فرمایا ''اسے کہو آئندہ مجھے شکل نہ دکھائے'' یہ وزیٹر قائداعظم کا بھائی تھا اور اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنے کارڈ پر نام کے نیچے 'برادر آف قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان'' لکھوا دیا تھا۔ قائداعظم کے معالج کرنل الٰہی بخش نے آپ کے لئے جرابیں منگوائیں' آپ نے ریٹ پوچھا' بتایا گیا ''دو روپے'' گھبرا کر بولے ''کرنل یہ تو بہت مہنگی ہیں'' کرنل صاحب نے عرض کیا ''سر یہ آپ کے ذاتی اکاؤنٹ سے خریدی گئی ہیں'' قائداعظم نے فرمایا ''میرا ذاتی اکاؤنٹ بھی قوم کی امانت ہے' ایک غریب ملک کے سربراہ کو اتنا عیاش نہیں ہونا چاہئے'' جرابیں لپیٹیں اور کرنل الٰہی بخش کو واپس کرنے کا حکم دے دیا اور ایک نرس کی خدمت سے متاثر ہوئے تو اس سے پوچھا ''بیٹی میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں'' نرس نے عرض کیا ''سر میرا سارا خاندان پنجاب میں ہے' میں اکیلی کوئٹہ میں نوکری کر رہی ہوں' آپ میری ٹرانسفر پنجاب کرا دیں'' قائداعظم نے اداس لہجے میں جواب دیا

"سوری بیٹی یہ محکمہ صحت کا کام ہے، گورنر جنرل کا نہیں" قائد نے اپنے طیارے میں رائٹنگ ٹیبل لگوانے کا آرڈر دے دیا' فائل وزارت خزانہ پہنچی تو سیکرٹری خزانہ نے فائل پر نوٹ لکھ دیا "گورنر جنرل اس قسم کے احکامات سے پہلے وزارت خزانہ سے اجازت کے پابند ہیں۔" قائداعظم کو معلوم ہوا تو نا صرف وزارت خزانہ سے تحریری معذرت کی بلکہ اپنا حکم بھی منسوخ کر دیا۔

خواتین و حضرات! ہم جب قائداعظم کی زندگی کے یہ واقعات پڑھتے ہیں اور اس کے بعد آج کے پاکستان پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں آج اگر امریکہ یورپ اور بھارت ہمیں دھمکیاں دے رہا ہے تو اس کی صرف اور صرف ایک ہی وجہ ہے ہم نے اپنے قائداعظم کے اُصولوں کی خلاف ورزی کی' ہم قائداعظم کے وژن کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں لہٰذا قدرت نے ہم سے انتقام لینا شروع کر دیا ہے اور انتقام کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ہم اللہ سے معافی نہیں مانگتے اور اس ملک کو دوبارہ قائداعظم کے اُصولوں کے ٹریک پر واپس نہیں لاتے۔

خواتین و حضرات! قائداعظم کے پاکستان کی طرف خطرات تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور اب تو یورپ اور امریکہ نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ بھارت جنگی تیاریاں کر رہا ہے' کیا جنگ ہو گی اور اگر ہو گی تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! شروع میں قائداعظم محمد علی جناح کا ذکر ہو رہا تھا۔ جب کوئی شخص قائداعظم کے پاؤں چھونے کی کوشش کرتا تھا تو آپ کو شدید غصہ آ جاتا تھا اور آپ اس کو مخاطب کر کے کہتے تھے "ینگ مین ڈونٹ لوز یور سیلف ریسپکٹ" قائداعظم کا کہنا تھا "جو شخص ایک بار کسی کے قدموں میں جھک جائے وہ پوری زندگی دوسروں کے قدموں میں گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

خواتین و حضرات! کل قائداعظم محمد علی جناح کا یوم ولادت ہے' کاش میں آج اپنے قائد کو یہ بتا سکتا آپ نے جس قوم کے نوجوانوں کو اپنے پاؤں چھونے سے روکا تھا آج وہ پوری قوم دوسروں کے قدموں میں بیٹھی ہے' آج اس قوم پر ڈرونز حملے کرتے ہیں اور اس قوم کے لیڈرز ان حملوں کو جسٹی فائی کرتے ہیں۔ کاش میں اپنے قائد کو یہ بتا سکتا اے قائداعظم آپ کی قوم اپنی سیلف ریسپیکٹ لوز کر چکی ہے' آپ نے جس قوم کا خواب دیکھا تھا وہ آپ کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی تھی اور پیچھے چند سٹیٹ ایکٹر رہ گئے ہیں اور کچھ نان سٹیٹ ایکٹر اور ان ایکٹروں میں ایک بھی ایسا نہیں جو آپ کے سائے' آپ کے جوتے کی خاک کا بھی مقابلہ کر سکے۔

(24 دسمبر 2008ء)

ساداکوسازاکی

آغاز:

خواتین و حضرات! نیوکلیئر وار یا جوہری جنگ کتنی مہلک کتنی خوفناک اور کتنی ظالم ہوتی ہے اس کا جواب دُنیا کو ایک چھوٹی سی جاپانی بچی نے دیا تھا۔ اس بچی کا نام ساداکوسازاکی تھا' یہ بچی 7 جنوری 1943ء کو جاپان کے شہر ہیروشیما میں پیدا ہوئی تھی۔ امریکہ نے 6 اگست 1945ء کو ہیروشیما پر پہلا ایٹم بم پھینکا' اس حملے کے وقت سازاکی کی عمر دو سال تھی اور وہ اس وقت "گراؤنڈ زیرو" سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھی' یہ بچی اس حملے میں شدید زخمی ہو گئی لیکن اس کی جان بچ گئی' دس سال کی عمر میں اس بچی کو بلڈ کینسر ڈائی گنوز ہوا' یہ بیماری ایٹم بم کا نتیجہ تھی۔ میں آپ کو یہاں یہ بتاتا چلوں جب کسی جگہ ایٹم بم پھٹتا ہے تو وہاں کا درجہ حرارت 22 لاکھ سینٹی گریڈ تک چلا جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہاں موجود تمام اشیاء عمارتیں' گاڑیاں' دھاتوں سے بنی چیزیں حتیٰ کہ کنکریٹ کی دو دو میٹر موٹی دیواریں پگھل جاتی ہیں جبکہ انسان کا جسم اس درجہ حرارت میں پانی بن جاتا ہے اور قطروں کی شکل میں مٹی میں جذب ہو جاتا ہے اور اس کی ہڈیاں راکھ بن جاتی ہیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کے ایٹمی دھماکوں میں ایک لاکھ 80 ہزار لوگ جاں بحق ہو گئے اور ان میں سے 90 فیصد لوگوں کی نعشیں نہیں ملی تھیں' ہیروشیما کے ایٹمی دھماکے میں سیکنڈ کے ساٹھویں حصے میں آگ کا پندرہ میٹر بڑا گولہ بنا اور اس گولے نے ایک سیکنڈ میں گیارہ اعشاریہ چار کلو میٹر کے ایریے کو اپنی لپیٹ میں لیا اور اس علاقے میں موجود تمام اشیاء چھوٹے چھوٹے ذروں میں تبدیل ہو کر سترہ ہزار کلومیٹر فضا میں بلند ہو گئیں جس کے نتیجے میں پورے شہر پر سیاہ رنگ کا بادل چھا گیا۔

آپ یہاں ایک اور دلچسپ حقیقت بھی ملاحظہ کیجئے کہ ان ایٹمی دھماکوں میں مرنے والے لوگ زندہ بچ جانے والے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوش قسمت ثابت ہوئے کیونکہ زندہ بچ جانے والے لوگ

ایسے خوفناک امراض میں مبتلا ہو گئے کہ موت کو بھی ان پر ترس آنے لگا۔ ماہرین کا کہنا ہے جس جگہ ایک بار ایٹم بم پھٹ جاتا ہے وہاں کی زمین' پانی' ہوا اور فضا میں تابکاری پھیل جاتی ہے اور اس تابکاری کے باعث وہاں کی چار نسلیں کینسر کی مریض ہو جاتی ہیں۔

میں ساوا کو سازا کی کی طرف واپس آتا ہوں۔ سازا کی خون کے کینسر میں مبتلا ہو گئی اور اسے جنوری 1955ء کو ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔

خواتین و حضرات! جاپان میں ایک روایت پائی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کاغذ کے ایک ہزار بگلے بنائے اور اس کے بعد اللہ سے دُعا کرے تو اس کی یہ دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ سازا کی کی ایک دوست اسے ہسپتال میں ملنے کے لئے آئی' اس نے اس کے کمرے میں سنہری رنگ کا ایک کاغذ کاٹا' اس کاغذ کا ایک بگلہ بنایا اور یہ بگلہ سازا کی کے ہاتھ میں پکڑا کر بولی ''تم اس قسم کے ہزار بگلے بنا لو تو اللہ تمہیں صحت دے دے گا'' سازا کی شدید تکلیف میں تھی' وہ اسی عالم میں اُٹھی' اس نے کاغذ کا ٹکڑا لیا اور بگلہ بنانا شروع کر دیا' اس کے بعد سازا کی کی زندگی میں تبدیلی آ گئی' وہ جب تک جاگتی رہتی تھی وہ بگلے بناتی رہتی تھی' اس کی کوشش تھی وہ موت' کے فرشتے سے پہلے ہزار بگلے پورے کر لے لیکن بدقسمتی سے اس نے ابھی کاغذ کے 644 بگلے ہی بنائے تھے کہ موت کا فرشتہ آیا اور سازا کی کو ساتھ لے کر چلا گیا' سازا کی کی موت کی خبر پھیلی تو اس کے دوست جمع ہوئے' انہوں نے کاغذ کے ہزاروں بگلے بنائے اور یہ بگلے بعد ازاں سازا کی کے ساتھ دفن کر دیئے گئے۔ 1958ء میں ہیروشیما کے پیس میموریل پارک میں سازا کی کا ایک مجسمہ بنایا گیا' اس مجسمے کے ہاتھ میں سنہری رنگ کا بگلہ ہے اور مجسمے کے نیچے لکھا ہے

This is our cry, This is our prayer, peace in the world.

یعنی یہ ہماری پکار' یہ ہماری دُعا ہے دُنیا میں امن ہو۔

خواتین و حضرات! سازا کی 1955ء میں مر گئی لیکن آج تک جاپان کے بچے سازا کی کے نام پر کاغذ کے بگلے بناتے ہیں اور یہ بگلے روزانہ ڈاک اور کوریئر کے ذریعے سازا کی کے مجسمے کے قدموں میں پہنچا دیتے ہیں' روزانہ جاپان کے بچے سکولوں سے پیس پارک پہنچتے ہیں اور سازا کی کے مجسمے کے سامنے کھڑے ہو کر امن کی دُعا کرتے ہیں' ہر سال 6 اگست کو دُنیا بھر کے بچے بھی سازا کی کے لئے بگلے بناتے ہیں اور ساتھ ہی امن کی دُعا کرتے ہیں اور دُنیا بھر سے آنے والے سیاح بھی پیس پارک پہنچتے ہیں اور سازا کی کے مجسمے کے سامنے کھڑے ہو کر سوچتے ہیں کیا انسان واقعی اتنا سفاک' اتنا ظالم ہو سکتا ہے کہ اس کے ہاتھوں سازا کی جیسے بچے بھی محفوظ نہیں ہیں۔

خواتین و حضرات! پاکستان اور بھارت بھی آج اس نقطے پر پہنچ گئے ہیں جہاں 6 اگست 1945ء کو جاپان اور امریکہ تھے۔ پاک بھارت سرحدوں پر فوجیں جمع ہو رہی ہیں' پاکستانی فوج کے دستے فاٹا سے مشرقی سرحدوں کی طرف منتقل ہو رہے ہیں اور دُنیا بھر کے ماہرین کا تجزیہ ہے کوئی ایک چھوٹا سا ناخوشگوار واقعہ' بھارت کے اندر ممبئی جیسی دہشت گردی کا کوئی ان سی ڈینٹ برصغیر میں ایٹمی جنگ کا باعث بن سکتا ہے' جس کے نتیجے میں لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگوں کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے؟ جنگ کو تحریک کون دے رہا ہے۔ انڈیا یا پاکستان؟ کیا جنگ ہو گی؟ اور اگر جنگ ہوئی تو کہیں یہ جنگ اٹامک وار تو نہیں بن جائے گی۔ یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! دُنیا کے مشہور سائنس دان آئین سٹائن کو ایٹم بم کا بانی یا موجد سمجھا جاتا ہے' آئین سٹائن دُنیا کی ریکارڈڈ ہسٹری کا سب سے بڑا دماغ تھا' وہ ایک ایسا سائنس دان تھا جس نے کسی لیبارٹری یا تجربہ گاہ کے بغیر دُنیا کی سب سے بڑی حقیقت ڈسکور کی تھی' جس نے ثابت کیا تھا توانائی کی شکل تبدیل کی جا سکتی ہے۔ اس آئین سٹائن نے ایٹم بم کے بارے میں کہا تھا ''دُنیا کی تیسری عالمی جنگ ایٹمی ہو گی اور اس جنگ کے آخر میں انسان اس جگہ پر آ جائے گا جہاں اگر اسے چوتھی جنگ لڑنا پڑی تو وہ یہ جنگ پتھروں اور ڈنڈوں سے لڑے گا''

خواتین و حضرات! جب انسان مذاکرات میں ناکام ہوتا ہے تو وہ لڑائی کرتا ہے لیکن دُنیا کی ہر لڑائی کا اختتام دوبارہ مذاکرات پر ہوتا ہے لہٰذا یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے پھر انسان لڑتا کیوں ہے۔ وہ جنگ کیوں کرتا ہے؟ یہ دُنیا کا مہنگا ترین سوال ہے اور جس دن انسان کو اس سوال کا جواب مل گیا اس دن دُنیا میں حقیقتاً امن قائم ہو جائے گا لیکن اس سوال کے جواب سے پہلے سادا کو سازا کی جیسی مظلوم بچیوں اور ان کے کاغذ کے بگلوں کا دور ہے' اگر ہم چاہتے ہیں انڈیا اور پاکستان دونوں ملکوں کی بچیوں کی آخری عمر کاغذ کے بگلے بنانے میں ضائع نہ ہو تو ہمیں جنگ سے بچنا ہو گا کیونکہ جنگ میں جیت کسی کی بھی ہو لیکن یہ طے ہے اس میں انسانیت ہمیشہ ہار جاتی ہے۔

(28 دسمبر 2008ء)

نیا سال مبارک ہو

آغاز:

خواتین وحضرات! دُنیا میں اس وقت ایک ہزار ایک سو 25 کھرب پتی ہیں' ان میں سے 495 کا تعلق امریکہ سے ہے اور ان میں ایک نام بل گیٹس بھی ہے۔ بل گیٹس 53 برس کا ایک امریکی بزنس مین ہے اور یہ 13 برس تک دُنیا کا امیر ترین شخص رہا۔ بل گیٹس کے بارے میں بڑی بڑی دِلچسپ باتیں مشہور ہیں مثلاً کہا جاتا ہے بل گیٹس کی دولت میں ہر سیکنڈ 250 ڈالرز کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہم اگر اس اضافے کو 24 گھنٹوں پر ضرب دیں تو یہ 21.6 ملین ڈالرز بنتے ہیں اور اگر ان ڈالرز کو روپوں میں تقسیم کیا جائے تو یہ ایک ارب 72 کروڑ 80 لاکھ روپے بنیں گے گویا بل گیٹس کی دولت میں ایک ارب 73 کروڑ روپے کا روزانہ اضافہ ہو رہا ہے۔ بل گیٹس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر اس کے ہاتھ سے ہزار ڈالر گر جائیں تو اسے ہزار ڈالر اُٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اسے یہ رقم اُٹھانے کے لئے چار سیکنڈ لگیں گے جبکہ ان چار سیکنڈز میں اس کی دولت میں ہزار ڈالرز کا ویسے ہی اضافہ ہو جائے گا۔ بل گیٹس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امریکہ 7.3 ٹریلین ڈالرز کا مقروض ہے اور بل گیٹس اکیلا دس سال میں امریکہ کا یہ قرضہ ادا کر سکتا ہے۔ بل گیٹس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر وہ پوری دُنیا کے لوگوں میں پندرہ' پندرہ ڈالرز تقسیم کرے تو اس کے باوجود اس کے پاس پانچ ملین ڈالرز بچ جائیں گے۔ کہا جاتا ہے اگر بل گیٹس کو ملک تسلیم کر لیا جائے تو وہ دُنیا کا 35 واں امیر ترین ملک ہوگا۔ بل گیٹس کی دولت کو اگر ایک ایک ڈالر میں تبدیل کیا جائے تو اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے 713 بوئنگ طیاروں کی ضرورت پڑے گی۔ بل گیٹس کے نوٹوں کو اگر لمبائی میں بچھایا جائے تو یہ زمین سے چاند تک کے فاصلے سے چودہ گنا زیادہ ہوں گے اور بل گیٹس اگر 35 برس تک اپنی دولت خرچ کرتا رہے تو اسے

روزانہ 70 لاکھ ڈالرز خرچ کرنا ہوں گے تب جا کر اس کی دولت ختم ہو گی۔

خواتین وحضرات! میں نے بل گیٹس اور اس کی دولت کا یہ موازنہ آپ کو بل گیٹس کا ایک قول سنانے کے لئے کیا ہے۔ بل گیٹس نے کہا تھا ''اگر آپ غریب پیدا ہوئے ہیں تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں لیکن اگر آپ غربت کے عالم میں انتقال کر جاتے ہیں تو اس میں صرف اور صرف آپ قصوروار ہیں۔'' بل گیٹس کا یہ قول دُنیا میں ترقی کا سب سے بڑا نسخہ ہے' انسان اس کرہ ارض پر سب کچھ کر سکتا ہے' یہ بدصورت سے خوبصورت ہو سکتا ہے' یہ غربت سے امارت تک آ سکتا ہے' یہ ناکامی سے کامیابی تک کا سفر طے کر سکتا ہے' یہ جہالت سے علم تک پہنچ سکتا ہے اور یہ پسماندہ سے ترقی یافتہ کہلا سکتا ہے غرض زمین کی آخری تہہ سے آسمان کی آخری پرت تک دُنیا کا کوئی ایسا کام نہیں جو انسان کے لئے ناممکن ہو۔ بس انسان کو ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلی اخلاص' دُنیا کا کوئی شخص اخلاص کے بغیر اپنے حالات نہیں بدل سکتا۔ دوسری محنت' دُنیا کا کوئی شخص محنت کے بغیر کوئی ٹارگٹ اچیو نہیں کر سکتا۔ تیسری وژن' دُنیا کا کوئی شخص وژن کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا اور چوتھی مستقل مزاجی' دُنیا کا کوئی شخص مستقل مزاجی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا اور مستقل مزاجی' وژن' محنت اور اخلاص وہ چار خوبیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ ہر انسان کو عطا کرتا ہے لیکن ان چار خوبیوں کو بہت کم لوگ استعمال کرتے ہیں' جو استعمال کر جاتے ہیں وہ بل گیٹس بن جاتے ہیں اور جو نہیں استعمال کرتے وہ ہماری طرح حالات کا شکوہ کرتے رہتے ہیں' وہ کسی غیبی امداد کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

خواتین وحضرات! قومیں اور ان کا مقدر بھی انسانوں کی طرح ہوتا ہے' جو قومیں مستقل مزاجی' وژن' محنت اور اخلاص سے کام لیتی ہیں وہ قوموں کی دوڑ میں آگے نکل جاتی ہیں اور جو ان خوبیوں سے کام نہیں لیتیں وہ دوسری قوموں کی محتاج ہو کر زندگی گزارتی ہیں اور اگر ہم بل گیٹس کے قول کو قوموں پر لے کر آئیں تو ہم کہہ سکتے ہیں اگر کوئی قوم پسماندہ پیدا ہوئی تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں لیکن اگر وہ پچاس ساٹھ سال تک غیر ترقی یافتہ ہے تو اس میں وہ سراسر قصوروار ہے۔

خواتین وحضرات! آج سال کا آخری دن ہے' ایک گھنٹہ 52 منٹ بعد نیا سال شروع ہو جائے گا اور ہم 2008ء سے نکل کر 2009ء میں داخل ہو جائیں گے لیکن سوال یہ ہے ہم نے من حیث القوم 2008ء میں کیا پایا؟ قوموں کو اچھی قومیں بننے کے لئے انصاف کا ایک آزاد نظام درکار ہوتا ہے کیا 2008ء میں ہم وہ نظام عدل قائم کرنے میں کامیاب ہوئے' قوموں کو ترقی کے لئے جمہوریت درکار ہوتی ہے کیا ہم 2008ء میں ملک میں خالص جمہوریت قائم کر پائے۔ ملک کو ترقی کے لئے میرٹ چاہئے ہوتا ہے کیا ہم 2008ء میں ملک میں میرٹ قائم کر سکے' قوموں کو پسماندگی سے نکلنے کے

لئے سیلف ریسپکٹ، معیشت، علم، برابری اور اعتماد چاہئے ہوتا ہے کیا ہم نے 2008ء میں یہ ساری چیزیں اچیو کر لیں۔ قوموں کو زندگی گزارنے کے لئے ضروریات زندگی درکار ہوتی ہیں کیا ہم نے 2008ء میں عوام کے لئے علم، روٹی، صحت، مکان اور کپڑے کا بندوبست کر لیا۔ یہ سارے سوال، یہ سارے کیا کیا ہمارا آج کا موضوع ہیں۔

اختتام:

خواتین وحضرات! سوال یہ نہیں ہوتا ہم نے ایک سال میں کیا پایا؟ سوال یہ ہوتا ہے ہم نے ایک سال میں پانے کے لئے کیا، کیا کیا۔ ہم نے برے حالات کی دلدل سے نکلنے کے لئے کتنی کوشش کی، ہم نے پسماندگی کے تالاب سے بچنے کے لئے کتنی سعی کی، ہم نے ملک کو، عوام کو اور قوم کو بہتر قوم، بہتر عوام اور بہتر ملک بنانے کے لئے کتنی جدوجہد کی۔

خواتین وحضرات! کوشش وہ قطرہ ہوتی ہے جو ایک، ایک مل کر دریا بنتی ہے، ایک ایسا تنکا ہوتی ہے جو دوسرے تنکے کے ساتھ شامل ہو کر گھونسلہ بنتی ہے، روشنی کی ایسی کرن ہوتی ہے جو دوسری کرنوں میں مل کر سورج بن جاتی ہے اور یہ ترقی کی طرف اُٹھنے والا ایسا قدم ہوتی ہے جس سے دس ہزار میل کا سفر شروع ہوتا ہے اور جو قوم، جو ملک اور جو لوگ یہ پہلا قدم نہیں اُٹھاتے، جو کوشش نہیں کرتے ان کا مستقبل حال سے برا ہوتا ہے اور حال ماضی سے بدتر۔

ہمیں ماننا پڑے گا ہمارا 2008ء ہمارے 2007ء سے مختلف نہیں تھا لیکن ہمارا 2009 بھی ایسا ہی ہوگا؟ یہ وہ سوال ہے جو اس وقت پوری قوم کا دامن پکڑ کر کھڑا ہے۔ اگر ہم نے اس سوال کا جواب تلاش نہ کیا تو ہم خسارے میں رہیں گے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ''جس کا آج اس کے گزرے کل سے اچھا نہ ہو وہ ہلاک ہو گیا'' بہرحال آپ کو میری طرف سے نیا سال مبارک ہو اور میری دُعا ہے آپ کل تک جو اچھا کام نہیں کر سکے اللہ تعالیٰ آپ کو وہ اچھا کام کل تک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(31 دسمبر 2008ء)

⦸ ⦸ ⦸

مس مینجمنٹ

آغاز:

خواتین وحضرات! اشوک یا اشوکا ہندوستان کا پہلا بادشاہ تھا جس نے پورے برصغیر پر حکومت کی تھی اور اس کارنامے کی وجہ سے اشوک اعظم کہلایا تھا۔ اشوک کی حکومت کابل سے لے کر کلکتہ تک تھی اور اس کا شمار دُنیا کے ان چند بادشاہوں میں ہوتا تھا جنہوں نے فوج، بھاری خزانے اور بے شمار وسائل کے بغیر کامیاب حکومت کی اور ان کے دور میں امن وامان مثالی رہا۔ اشوک کے بارے میں کہا جاتا تھا اس کے دور میں زیورات سے لدی ہوئی جوان عورت کابل سے سفر کرتی ہوئی کلکتہ پہنچتی تھی اور راستے میں کسی کو اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، اس کے دور میں ہندوستان میں چوری کی واردات ہوتی تھی اور نہ ہی قتل۔ اس مثالی امن وامان کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ قارئین مینجمنٹ تھی، اشوک مینجمنٹ کا ماہر تھا، اس نے قانون بنا رکھا تھا کہ جس علاقے میں کوئی جرم ہوگا وہاں مجرم کے ساتھ ساتھ علاقے کے میئر، ناظم یا ڈی سی او کو بھی سزا دی جائے گی چنانچہ اس کے دور میں جتنی دیر چور قید خانے میں بند رہتا تھا اتنا ہی عرصہ علاقے کا منتظم بھی جیل میں گزارتا تھا۔ اس نے یہ قانون بھی بنا رکھا تھا حکومت جو ٹیکس، لگان یا مالیہ وصول کرے گی اس کا 80 فیصد حصہ اس علاقے کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوگا اور باقی 20 فیصد سرکاری خزانے میں جمع ہوگا، اس نے قانون بنا رکھا تھا بالغ ہوتے ہی لڑکے اور لڑکی کی شادی کر دی جائے گی اور لڑکے کو ملازمت سرکار فراہم کرے گی چنانچہ صرف ان تین اقدامات کی وجہ سے اشوک دُنیا کے بہترین بادشاہوں میں شمار ہوا۔ اشوک کہتا تھا ملک کے نوے فیصد مسائل انتظامی نوعیت یعنی مینجمنٹ ریلیٹڈ ہوتے ہیں اور اگر حکمران چاہیں تو ملک کا کوئی مسئلہ مسئلہ نہ رہے۔

خواتین وحضرات! میں اشوک کے اس فارمولے سے اتفاق کرتا ہوں کیونکہ اگر انسان یا حکومت میں مینجمنٹ کی کوالٹی موجود ہو تو بڑے بڑے مسائل بڑے آرام سے حل ہو سکتے ہیں اور اگر حکومت یا انسان کی مینجمنٹ کمزور ہو تو اسے جنت میں بھی گرمی محسوس ہوتی ہے' وہ کپاس کے ہزاروں ایکڑ کا مالک ہو کر بھی ننگا رہتا ہے اور اس کے گوداموں میں خواہ ہزاروں لاکھوں ٹن گندم ہو لیکن وہ اس کے باوجود بھوکا سوتا ہے۔ یہ مینجمنٹ ہوتی ہے جو قلت کو فراوانی میں تبدیل کرتی ہے اور یہ مینجمنٹ کی کمزوری ہوتی ہے جو سونے کے پہاڑوں کو مٹی کا ڈھیلا بنا دیتی ہے اور پاکستان کا شمار بدقسمتی سے دُنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جو مینجمنٹ کے فیلیئر کی سب سے بڑی مثال ہیں۔ قدرت نے اس ملک کو دُنیا کی تمام نعمتوں سے نوازا لیکن اس ملک کے عوام کو روٹی مل رہی ہے' روزگار' بجلی اور نہ ہی گیس اور پانی۔ حد تو یہ ہے ملک میں بجلی کا بحران عذاب کی شکل اختیار کر چکا ہے' ملک کے نو سو تین شہروں اور قصبوں میں پندرہ پندرہ گھنٹے بجلی بند رہتی ہے۔ کراچی' فیصل آباد' لاہور' سیالکوٹ اور پشاور میں انڈسٹری تقریباً بند ہو چکی ہے' پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں بجلی کی بندش کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں' لوگ سرکاری عمارتوں اور املاک پر حملے کر رہے ہیں' فیصل آباد شہر میں لوگوں نے ''فیسکو'' کے دفتر پر حملہ کر دیا تھا' لوگ پیپلز پارٹی کے جھنڈے اور بینرز بھی اتار کر جلا رہے ہیں جبکہ ٹیوب ویلز بند ہونے کی وجہ سے فصلوں پر بھی برا اثر پڑ رہا ہے۔ ایک طرف ملک سے بجلی غائب ہے اور دوسری طرف حکومت نے بجلی کے بلوں میں ستر فیصد تک اضافہ کر دیا ہے چنانچہ تاجر اور عام شہری حکومت کو خودسوزی کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ آج میاں نواز شریف نے فیصل آباد میں پریس کانفرنس میں مطالبہ کیا حکومت لوڈشیڈنگ اور بیروزگاری کے مسئلے پر قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرے۔ پاکستان مسلم لیگ ن کل اس اجلاس کی ریکوزیشن بھی دے گی جبکہ جے یو آئی نے کل سے صوبہ سرحد میں بجلی کی بندش کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ دونوں فیصلے ثابت کرتے ہیں بجلی کا بحران اب قومی مسئلہ بن چکا ہے اور یہ مسئلہ آنے والے دنوں میں سول وار کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔

خواتین وحضرات! بجلی کے ساتھ ساتھ پٹرول اور گیس بھی مسئلہ بن چکی ہے۔ ملک میں گیس کی لوڈشیڈنگ بھی ہو رہی ہے اور حکومت نے گیس کے ریٹس میں بھی 17 فیصد تک اضافہ کر دیا ہے جبکہ ملک بھر میں پٹرول کی سپلائی بھی تعطل کا شکار ہے۔ ملک کے سو سے زائد شہروں میں لوگوں کو پٹرول اور ڈیزل نہیں مل رہا۔

بجلی' پٹرول اور گیس کی یہ صورتِ حال ہمارا آج کا موضوع ہے۔ کیا واقعی ملک میں بجلی'

پٹرول اور گیس کی قلت ہے یا پھر یہ مینجمنٹ کا فیلیئر ہے اور حکومت مسائل حل کیوں نہیں کر پا رہی؟

اختتام:

خواتین وحضرات! ہندوستان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو جب رنگون میں قید کیا گیا تو انگریزوں نے اسے چوائس دی تھی کہ اسے موت تک اب صرف ایک قسم کا کھانا ملے گا۔ اسے کہا گیا کہ آپ اپنے لئے پکانے کی کوئی ایک چیز پسند فرما لیں' بہادر شاہ ظفر نے فوراً جواب دیا چنے۔ انگریزوں نے چنوں کی پچاس بوریاں بادشاہ کے خانسامے کے حوالے کر دیں' آپ یہ جان کر حیران ہوں گے بہادر شاہ ظفر ان چنوں سے روزانہ ایک نئی ڈش بنواتا تھا اور اس نے آخری دن تک کوئی سالن ری پیٹ نہیں ہونے دیا۔

بہادر شاہ ظفر کی اس خصوصیت کو مینجمنٹ کہا جاتا ہے۔ اگر آپ میں مینجمنٹ کی کوالٹی ہے تو آپ چنوں سے دس ہزار ڈشز بنا سکتے ہیں اور اگر آپ مینجمنٹ میں کمزور ہیں تو آپ دس ہزار مختلف ڈشز کو چنوں کا سالن بنا دیں گے۔ مینجمنٹ خواتین وحضرات! ایسا شیر ہوتی ہے جسے اگر بھیڑوں کا سردار بنا دیا جائے تو وہ ان بھیڑوں کو شیروں کا لشکر بنا دیتی ہے اور مینجمنٹ کی کمزوری وہ بھیڑ ہوتی ہے جسے اگر شیروں کے لشکر کے آگے کھڑا کر دیا جائے وہ شیروں کو گھاس کھانے پر مجبور کر دیتی ہے اور ہماری حکومت صرف مینجمنٹ میں مار کھا رہی ہے' ملک کے پاس سب کچھ ہے لیکن اس سب کچھ کو مینج کرنے کے لئے اچھے مینجر موجود نہیں ہیں اور جب تک حکومت اچھے مینجروں کا بندوبست نہیں کرے گی اس وقت تک یہ مسائل حل نہیں ہوں گے۔

(02 جنوری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

پاک انڈیا کشیدگی اور بی جے پی کی دھمکیاں

آغاز:

خواتین وحضرات! چندر گپت موریہ نے ایک بار چانکیہ سے پوچھا تھا ''گرو! تگڑے دُشمن پر حملہ کب کرنا چاہئے؟'' چانکیہ نے جواب دیا ''مہاراج دُشمن انسان ہو یا ملک اس کی اصل طاقت اس کے بھائی، اس کے دوست، اس کے عزیز اور اس کے ہمدرد ہوتے ہیں چنانچہ تگڑے دُشمن پر حملے سے پہلے اس کے ہمدردوں، اس کے عزیزوں، رشتے داروں اور بھائیوں کو اس سے دور کیا جائے، جب یہ یقین ہو جائے دُشمن کا کوئی دوست، کوئی ہمدرد اب اس کا ساتھ نہیں دے گا تو دُشمن پر فوراً فوجیں چڑھا دی جائیں۔

خواتین وحضرات! یہ تو معلوم نہیں چندر گپت نے چانکیہ کے اس مشورے پر کتنا عمل کیا تھا لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ چانکیہ کا وہ مشورہ ہمارے ہمسائے انڈیا کی فارن پالیسی ہے اور انڈیا نے ہمیشہ اس وقت پاکستان پر حملہ کیا جب پاکستان عالمی سطح پر تنہائی کا شکار تھا۔ آج بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال ہے۔ امریکہ سے لے کر یورپ تک اور یورپ سے لے کر مشرق بعید تک دُنیا پاکستان کو دہشت گردی کی فیکٹری سمجھتی ہے۔ آج حالت یہ ہے دُنیا کے جس کونے میں بھی دہشت گردی کی واردات ہوتی ہے تو پوری دُنیا سر اُٹھا کر پاکستان کی طرف دیکھنے لگتی ہے اور اس تاثر کی وجہ سے آج پاکستان اپنے تمام ہمدردوں کی ہمدردی سے محروم ہو چکا ہے اور یہ صورتِ حال انڈیا کے لئے نہ صرف انتہائی سودمند ہے بلکہ وہ اس کا فائدہ اُٹھانے کی کوشش بھی کر رہا ہے۔

خواتین وحضرات! بی جے پی انڈیا کی دوسری بڑی سیاسی جماعت ہے۔ 1999ء میں انڈیا میں بی جے پی کی حکومت تھی اور اس دور میں انڈیا نے پاکستان کے ساتھ ایک پیس پراسس شروع کیا

تھا۔ یہ پراسس آج تک چل رہا ہے لیکن ممبئی میں دہشت گردی کے واقعے کے بعد بی جے پی نے اپنی پالیسی تبدیل کر لی اور وہ اب کانگریس کی حکومت پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ پیس پراسس ختم کر کے پاکستان پر حملہ کر دے۔ بی جے پی اس معاملے میں اس قدر آگے چلی گئی ہے کہ اس نے پاکستان پر فوج کشی کو اپنی الیکشن مہم کا حصہ بنا لیا ہے۔

خواتین وحضرات! ہم نے پاکستان اور بھارت کے ماہرین کے درمیان ڈائیلاگ کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، ہم پاکستان کے کسی ایک ماہر کو اپنے سٹوڈیو میں بٹھاتے ہیں اور اس کے کسی ہم پلہ انڈین ایکسپرٹ کو ٹیلی فون لائن پر رکھتے ہیں۔ ہمارا آج کا پروگرام بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، آج انڈیا سے یشونت سنہا ہمارے ساتھ ہیں۔ یشونت صاحب بی جے پی کے صف اول کے لیڈر ہیں، یہ انڈیا کے وزیر خزانہ بھی رہے اور وزیر خارجہ بھی۔ یہ آج کل بی جے پی کے ترجمان بھی ہیں جبکہ سٹوڈیو میں ہمارے ساتھ موجود ہیں پاکستان مسلم لیگ ق کے سیکرٹری جنرل مشاہد حسین سید۔

ہم آج یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ بی جے پی جنگ کیوں چاہتی ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں آپ کو چندر گپت موریہ اور چانکیہ کا ایک مکالمہ سنایا تھا۔ اس مکالمے کے اگلے حصے میں چندر گپت نے چانکیہ سے پوچھا تھا ''گرو! کسی حکمران کا سب سے بڑا ہمدرد کون ہوتا ہے؟'' چانکیہ نے فوراً جواب دیا ''عوام'' چانکیہ کا کہنا تھا ''اگر عوام کسی حکمران کے ساتھ ہوں تو اسے کسی دوسرے ہمدرد کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر عوام کسی حکمران کو پسند نہ کریں تو پوری دُنیا کی ہمدردیاں بھی اس حکمران کو نہیں بچا سکتیں۔''

خواتین وحضرات! آپ اب تک انڈیا کے عزائم بالخصوص بی جے پی کی پالیسی سمجھ گئے ہوں گے چنانچہ اس نازک وقت میں پاکستان میں اتحاد انتہائی اہم ہے کیونکہ اگر حکومت اور عوام میں اس وقت نااتفاقی ہوئی تو اس کا نقصان ملک کو پہنچے گا۔ میری حکومت سے بھی درخواست ہے وہ عوام کو اعتماد میں لے کیونکہ اگر عوام ان کے ساتھ ہوئے تو دُنیا کی کوئی طاقت ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی اور اگر حکومت نے عوام کا اعتماد کھو دیا تو بش ہو یا براک اوبامہ ان کے لئے دُنیا کے تمام دوستوں، ہمدردوں اور مہربانوں کی حیثیت بارش میں بھیگے کاغذ اور موم کے بنے چولہے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

(03 جنوری 2009ء)

المیہ

آغاز:

خواتین وحضرات! سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب بیت المقدس فتح کیا تھا تو اس وقت عیسائیوں کے عالم یروشلم میں اس بحث میں مصروف تھے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا جارہا تھا تو انہوں نے خمیری روٹی کھائی تھی یا پتیری۔ اسی قسم کا ایک واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تھا۔ بغداد پر حملے کے وقت مسلم دانشور' عالم اور مفتی دریائے فرات کے کنارے بیٹھ کر یہ بحث کر رہے تھے کہ مسواک کا سائز کیا ہونا چاہئے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ کربلا کے پچاس سال بعد کوفہ میں پیش آیا۔ اس وقت عالم اسلام شدید اضطراب اور خانہ جنگی کا شکار تھا لیکن کوفہ میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ مچھر کو مارنا جائز ہے یا نہیں۔ یہ بحث بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ کوفہ کے مفتیوں نے تلواریں کھینچ لیں' جب بات فساد تک آ گئی تو کوفہ کے والی نے شہر کے معززین کا ایک وفد بنایا اور اسے بغداد بھجوادیا' بغداد میں اس وقت ایک امام صاحب موجود تھے' جب کوفہ کے معزز لوگوں نے امام صاحب سے پوچھا ''حضرت یہ بتایئے کیا اسلام میں مچھر مارنا جائز ہے یا ناجائز'' تو امام صاحب نے افسوس سے سر ہلایا اور ان سے کہا ''اے کوفہ کے بدبخت لوگو' تمہارے سامنے کربلا کا واقعہ پیش آیا اور تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ تم آل رسول ﷺ کو پانی پلا دیتے لیکن آج تم مچھر کے بارے میں فتویٰ لینے کے لئے آ گئے ہو' تم سے بڑا بدبخت اور بے حس کون ہوگا۔''

خواتین وحضرات! قومیں جب تباہ اور برباد ہونے لگتی ہیں تو ان کی نظریں بڑے بڑے مسائل سے مچھروں کے قتل جیسے مسئلوں پر شفٹ ہو جاتی ہیں۔ آپ افغانستان اور عراق کا مسئلہ لے لیجئے' امریکہ نے 2001ء میں افغانستان اور 2003ء میں عراق پر حملہ کیا تھا۔ ان دونوں حملوں میں قریباً

پانچ لاکھ معصوم' بے گناہ اور کمزور مسلمان شہید ہوئے لیکن مصیبت کی اس گھڑی میں عالم اسلام نے اپنے مسلمان بھائیوں کا ساتھ دینے کی بجائے سب سے پہلے پاکستان' سب سے پہلے سعودی عرب اور سب سے پہلے مصر کی فلاسفی ایجاد کر لی۔ آپ بے حسی کی انتہا دیکھئے پاکستان نے افغانستان پر حملے کے لئے نہ صرف نیٹو فورسز کو ہوائی اڈے اور زمینی راستے فراہم کئے تھے بلکہ آج تک نیٹو فورسز کو پٹرول' کھانے پینے کا سامان اور گولہ بارود پاکستان کے راستے افغانستان پہنچ رہا ہے۔ اسی طرح عراق پر حملے کے دوران گیارہ عرب ریاستوں نے امریکی فوج کی مدد کی تھی۔ نیٹو کی فوجیں سعودی عرب' کویت اور یو اے ای کے ذریعے عراق میں داخل ہوئی تھیں اور انہوں نے عراق میں قتل عام سے لے کر معصوم خواتین کی عصمت دری' مساجد' اولیائے کرام کے مزاروں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک تک کی بے حرمتی کی تھی اور پورا عالم اسلام اس پر خاموش رہا تھا۔ آپ آج غزہ پر اسرائیل کے تازہ حملوں کو لے لیجئے' اسرائیل نے 27 دسمبر 2008 کو غزہ کی پٹی پر حملہ کر دیا' اسرائیل نے نہتے' معصوم اور بے گناہ شہریوں پر میزائل داغنا شروع کر دیئے' اسرائیلی افواج ایک دن کی بمباری کے بعد ٹینکوں' توپوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ غزہ میں داخل ہو گئیں اور انہوں نے عام شہریوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس حملے کے دوران اب تک 672 شہری شہید اور 3500 سے زائد زخمی ہو چکے ہیں جبکہ ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے ہیں' غزہ کی گلیوں میں جنگ جاری ہے اور امریکہ' یورپ اور اس کے اتحادی سکون سے تماشا دیکھ رہے ہیں جبکہ عالم اسلام بے حسی کی چادر لپیٹ کر سو رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مسلمان دُنیا فلسطینیوں کی مدد کرتی لیکن جب اسرائیل نے غزہ پر حملہ کیا تو مصر نے فلسطینی مہاجرین کو روکنے کے لئے سرحدوں پر فوج کھڑی کر دی۔ سعودی عرب کے چیف جسٹس نے اسرائیل کے خلاف مظاہروں کو فساد قرار دے دیا جبکہ او آئی سی عالم اسلام کو اور عالم اسلام او آئی سی کو ابھی تک مسئلہ کی نزاکت نہیں سمجھا پایا۔ آپ امریکہ کا کردار بھی دیکھ لیجئے جب جنگ بندی کی درخواست سلامتی کونسل میں پہنچی تو امریکہ نے اس پر کارروائی رکوادی۔

خواتین وحضرات! آج محرم کی نویں تاریخ ہے' آج کے دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جابر سلطان کو للکار کر دُنیا میں ایک نئے فلسفے کی بنیاد رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا ''ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بہت بڑا جرم ہے'' آج غزہ کی پٹی میں اکیسویں صدی کا کربلا برپا ہے لیکن پورا عالم اسلام اس پر خاموش ہے۔ یہ ایک صورتِ حال ہے جبکہ دوسری طرف حکومت پاکستان نے اجمل قصاب کو اپنا شہری تسلیم کر لیا ہے جس کے بعد پاکستان کی سرحدیں بھی کربلا بننے والی ہیں۔ کیا عالم اسلام فلسطین کے کربلا پر خاموش رہ کر آج کوفیوں کا کردار ادا نہیں کر رہا اور کیا پاکستان بھارت کی طرف سے الزامات

تسلیم کر کے کربلا کا شکار نہیں ہو رہا۔ عالم اسلام کو فلسطین کے معصوم شہریوں کے لئے کیا کرنا چاہئے اور بھارت کے بارے میں ہماری کیا پالیسی ہونی چاہئے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہم قرآن مجید کو فرقان حمید تسلیم کرتے ہیں لیکن ہم اس کے احکامات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں' ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سچائی کو مانتے ہیں لیکن ان کی طرح سچ بولنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عادل تسلیم کرتے ہیں لیکن اسلامی دُنیا میں عدل قائم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غنی مانتے ہیں لیکن ان کی طرح مال خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم کا دروازہ کہتے ہیں لیکن ہم علم حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں اور ہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہتے ہیں' ہم انہیں دین کی آبرو بھی کہتے ہیں' ہم ان کی جرأت' ان کی قربانی اور ان کے اُصولوں کی تعریف بھی کرتے ہیں لیکن ہم ان کی طرح با اصول' ایثار پسند اور جرأت مند' بننے کے لئے تیار نہیں اور ہم ان کی طرح قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم اقتدار فرعون جیسا اور عزت حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی چاہتے ہیں اور ہم لوگ کھانا شمر کے دسترخوان پر کھانا چاہتے ہیں لیکن عزت حضرت عباس رضی اللہ عنہ جیسی چاہتے ہیں اور ہماری یہ وہ منافقت ہے جس کا ہم نقصان اُٹھا رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! اللہ کے نظام میں ہر گناہ' ہر جرم کی معافی موجود ہے لیکن اللہ اپنے ساتھ منافقت کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ ہم ایک ارب پچاس کروڑ مسلمان آج اس منافقت کی سزا بھگت رہے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ''میں شہادت کی موت چاہتا ہوں کیونکہ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا جرم ہے'' اور ہم ظالموں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور عزت بھی چاہتے ہیں' یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔!!

(07 جنوری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

اختیارات کا کنفیوژن اور سیاسی جماعتوں کی حکومت کے خلاف سازشیں

آغاز:

خواتین و حضرات! 1957ء میں سوویت یونین کے مارشل نکولائی بل گانن وزیراعظم تھے اور خروشچیف کیمونسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل تھے۔ 1957ء کے آخر میں سوویت یونین نے ایک دلچسپ سیاسی تجربہ کیا' کیمونسٹ پارٹی نے خروشچیف کو مستقبل کا وزیراعظم بنانے کا اعلان کر دیا جس کے بعد روس میں بڑی دلچسپ صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ مارشل با گانن دستوری اور آئینی لحاظ سے روس کے وزیراعظم تھے جبکہ خروشچیف مستقبل کے وزیراعظم چنانچہ ملک میں دونوں کے احکامات جاری ہونے لگے اور بیوروکریسی کنفیوژن کا شکار ہو گئی۔ 1958ء کے شروع میں یہ کنفیوژن مزید دلچسپ ہو گیا کیونکہ اس وقت خروشچیف نے وزیراعظم کے دفتر میں بیٹھنا شروع کر دیا تھا جس کے بعد یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ دونوں میں سے کس کو وزیراعظم کا پروٹوکول دیا جائے۔ روس کی بیوروکریسی نے اس کا یہ حل نکالا کہ انہوں نے دونوں کو وزیراعظم کا پروٹوکول دینا شروع کر دیا' اس کے بعد یہ مسئلہ سامنے آ گیا کہ بل گانن اور خروشیف دونوں میں سے کس کی گاڑی آگے ہو گی اور کس کی پیچھے۔ لہٰذا فیصلہ ہوا دونوں وزیراعظم بیک وقت گھر سے نکلیں گے' دونوں کی گاڑیاں شانہ بشانہ چلیں گی' دونوں کو گارڈ آف آنر دیا جائے گا اور دونوں ایک ہی دفتر میں بیٹھیں گے۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ دونوں قدم ملا کر ساتھ ساتھ چلا کریں گے اور دونوں میں سے کوئی کسی کے پیچھے نہیں ہو گا۔ قارئین۔۔۔ یہ مسئلہ حل ہوا تو اگلا مسئلہ سفارتی ملاقاتیں تھا۔ دُنیا بھر کے حکمرانوں' روس کا دورہ کرنے والے سفارتی اہلکاروں اور سفیروں کو یہ پریشانی لاحق ہو گئی کہ وہ سفارتی ڈیلنگ کس کے ساتھ کریں کیونکہ اگر وہ خروشچیف کے ساتھ ملتے ہیں تو وہ آئینی وزیراعظم نہیں ہیں اور اگر

وہ بلگانن سے کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو خروشچیف مائنڈ کر جائیں گے اور وہ وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالتے ہی یہ معاہدہ توڑ دیں گے۔ اس دور میں بھارت نے بلگانن کو دورے کی دعوت دے رکھی تھی۔ جب خروشچیف سیاسی منظر پر ظاہر ہوئے تو انڈیا مشکل میں پھنس گیا چنانچہ اس نے بلگانن اور خروشچیف دونوں کو دورے پر بلا لیا' روس کے دونوں وزیراعظم دہلی پہنچے تو یہ دورہ دُنیا بھر کے لئے سفارتی لطیفہ بن گیا۔ بھارتی حکومت نے دونوں وزیراعظموں کو طیارے سے اکٹھا اتارنے کے لئے جہاز کی خصوصی سیڑھی بنوائی۔ انہیں اکٹھا شانہ بشانہ چلانے کے لئے وزیراعظم ہاؤس اور سیکرٹریٹ کے کوریڈور کھلے کئے گئے اور دہلی میں اس وقت سڑکیں تنگ ہوتی تھیں چنانچہ دونوں وزیراعظموں کی گاڑیاں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتی تھیں لہٰذا دونوں وزیراعظموں کے سفر کے لئے بھارت کو نئی سڑکیں بنانا پڑیں۔ قصہ مختصر دورہ ختم ہوا تو بھارتی حکومت نے مندروں میں خصوصی گھنٹیاں بجائیں جبکہ 27 مارچ 1958ء کو بلگانن کی مدت ختم ہوئی تو روس نے آئندہ اس تجربے سے توبہ کر لی۔

خواتین وحضرات! طاقت کے ستونوں کے درمیان اختیارات کا توازن نظام کی خوبصورتی بھی ہوتا ہے اور کامیابی کی ضمانت بھی۔ کہا جاتا ہے دو مولویوں کے درمیان مرغی حرام ہو جاتی ہے' نکاح خوانوں کا پڑھایا ہوا نکاح خراب ہو جاتا ہے اور خانساموں کا تیار کردہ سالن برباد ہو جاتا ہے۔ سابق صدر پرویز مشرف نے 2003ء میں اسمبلی سے ایک ترمیم منظور کروائی تھی' یہ ترمیم سترہویں ترمیم کہلاتی ہے۔ اس ترمیم کے ذریعے صدر کو قومی اسمبلی توڑنے' چاروں صوبوں میں اپنی مرضی کے گورنر تعینات کرنے' تینوں مسلح افواج کے چیفس کا تقرر' الیکشن کمشنر کی تعیناتی اور اپنی مرضی کے جج پوسٹ کرنے کا اختیار مل گیا۔ اس ترمیم کے بعد ملک میں وہی صورتِ حال پیدا ہوگئی جو مارشل بلگانن اور خروشچیف کے درمیان موجود تھی اور 2002ء سے 2007ء تک بیوروکریسی اپنے اصل باس کا تعین کے کنفیوژن میں مبتلا ہوگئی۔ اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا اس نے صدر مشرف کے حکم پر عمل کرنا ہے یا وزیراعظم شوکت عزیز کی بات ماننی ہے۔ ستمبر میں آصف علی زرداری صدر بنے تو سترہویں ترمیم کے تمام اختیارات صدر آصف علی زرداری کے پاس آ گئے جس کے ساتھ ہی اختیارات کا کنفیوژن نئی حکومت کو شفٹ ہو گیا۔ آج ملک میں ایک بار پھر وہی صورتِ حال ہے حکومت اپنے اصل باس کا تعین نہیں کر پا رہی' حکومت کبھی صدر کی طرف دیکھتی ہے اور کبھی وزیراعظم کی طرف۔

خواتین وحضرات! پاکستان مسلم لیگ ن اور پاکستان مسلم لیگ ق دونوں جماعتوں نے سترہویں ترمیم کے خاتمے کے لئے مسودے فائنل کر دیئے ہیں اور یہ مسودے کسی بھی وقت قومی اسمبلی میں پیش ہو سکتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کا کہنا ہے یہ اس ترمیم کے ذریعے سسٹم کو شفاف بنانا چاہتی

ہیں جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی اس کوشش کو جمہوریت کے خلاف سازش قرار دے رہی ہے۔ بعض حکومتی ذرائع کا خیال ہے کوئی خفیہ ہاتھ پاکستان پیپلز پارٹی کے مخالفوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر رہا ہے اور یہ پلیٹ فارم مارچ میں سینٹ کے الیکشنز سے پہلے بہت بڑے سیاسی محاذ کی شکل اختیار کر لے گا؟ خواتین وحضرات! حقائق کیا ہیں؟ کیا واقعی مسلم لیگیں پیپلز پارٹی کے خلاف سازش کر رہی ہیں؟ کیا واقعی کوئی خفیہ ہاتھ حکومت کے خلاف سازش تیار کر رہا ہے اور کیا سترہویں ترمیم کا خاتمہ مسلم لیگیوں کو اکٹھا کر دے گا؟

اختتام:

خواتین وحضرات! سیاست کے چار سو اُصول ہیں لیکن ان اُصولوں میں 399 ایک طرف اور ایک اُصول ایک طرف اور وہ اُصول ہے سچائی۔ کہا جاتا ہے سچ پر کھڑا سیاست دان' سچائی پر مبنی سیاسی پالیسی اور سچ کو سچ کہنے والی سیاسی جماعت کبھی نہیں ہارتی۔ آپ سچائی کی حقیقت ملاحظہ کیجئے فیلڈ مارشل ایوب خان نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے اپنے لئے پورا آئین بنایا تھا لیکن یہ آئین ان کی حفاظت نہ کر سکا۔ کیوں؟ کیونکہ وہ سچے نہیں تھے۔ یحییٰ خان نے اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے ایل ایف اوز کی بنیاد رکھی تھی لیکن یہ ایل ایف اوز ان کی حفاظت نہ کر سکے۔۔ کیوں؟ کیونکہ وہ سچے نہیں تھے اور جنرل پرویز مشرف کی یونیفارم ان کی سترہویں ترمیم اور ان کی اپنی سیاسی جماعت کے اقتدار کی حفاظت نہ کر سکی۔۔ کیوں؟ کیونکہ وہ بھی سچے نہیں تھے لہٰذا خواتین وحضرات! دُنیا کی سب سے بڑی آئینی ترمیم سب سے بڑی اٹھاون ٹو بی اور سب سے بڑا آئینی تحفظ سچ ہے۔ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کو کسی آئین' کسی ترمیم اور کسی آئینی تحفظ کی ضرورت نہیں لیکن اگر آپ سچے نہیں ہیں تو دُنیا کی کوئی طاقت آپ کی حفاظت نہیں کر سکے گی' یہ انسان کی دس ہزار سال کی تاریخ کا سبق ہے۔

(11 جنوری 2009ء)

مسلم لیگوں کا اتحاد اور سترہویں ترمیم کا خاتمہ

آغاز:

خواتین وحضرات! نیلسن مینڈیلا دُنیا کے ان چند خوش نصیب لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا نام پوری دُنیا میں عزت' کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ پچھلے سال دُنیا کی نان کنٹرورشل پرسنلٹیز کی ایک فہرست بنی تھی اور اس فہرست میں نیلسن منڈیلا کا نام پہلے نمبر پر تھا۔ مینڈیلا کو لوگ امن' انسانی حقوق اور جمہوریت کا عالمی سفیر بھی کہتے ہیں۔ نیلسن مینڈیلا نے جنوبی افریقہ کی آزادی کے لئے پچاس سال تک مسلسل کوشش کی' وہ اس دوران 27 سال تک قید بھی رہے۔ اس قید میں تنہائی کی قید کے 7 سال بھی شامل تھے۔ 1994ء میں نیلسن منڈیلا کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور جنوبی افریقہ 342 سال کی غلامی کے بعد آزاد ہو گیا۔ 27 اپریل 1994ء میں جنوبی افریقہ میں الیکشنز ہوئے اور نیلسن مینڈیلا کی سیاسی جماعت افریقن نیشنل کانگریس بھاری ووٹوں سے کامیاب ہو گئی اور یوں 10 مئی 1994ء کو نیلسن مینڈیلا پچاس سال کی سٹرگل کے بعد جنوبی افریقہ کے صدر منتخب ہو گئے۔ نیلسن مینڈیلا نے صدر منتخب ہونے کے تین سال بعد 17 دسمبر 1997ء کو حکمران جماعت کی سربراہی سے استعفٰی دے دیا اور 2 جون 1999ء کو جب جنوبی افریقہ کے دوسرے الیکشنز آئے تو نیلسن مینڈیلا نے نہ صرف یہ الیکشن لڑنے سے انکار کر دیا بلکہ انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ نیلسن مینڈیلا کا یہ اعلان ان کی پچاس سال کی سیاسی جدوجہد سے بڑی خبر بن گیا' پوری دُنیا اس بات پر حیران تھی۔ ان دنوں امریکہ کے ایک جرنلسٹ نے نیلسن مینڈیلا سے اس عجیب وغریب فیصلے کے بارے میں پوچھا' نیلسن مینڈیلا نے اس کے جواب میں کہا'' 1994ء میں میرے پاس دو آپشن تھے' اقتدار یا عزت۔ میں نے عزت اور اقتدار میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا تھا' میں

نے مسلسل پانچ سال تک سوچا اور میں نے آخر میں عزت کو چُن لیا۔''

خواتین وحضرات! اقتدار اور عزت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دُنیا میں ایسے لوگ اُنگلیوں پر گنے جاتے ہیں جنہیں اقتدار کے ساتھ عزت بھی نصیب ہوئی' آپ امریکن صدر جارج بش اور پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف کو دیکھ لیجئے' جارج بش نے آج آخری پریس کانفرنس کی' وہ اس کانفرنس میں اداس دکھائی دے رہے تھے' وہ 8 سال تک دُنیا کی طاقتور ترین شخصیت رہے' انہوں نے ایک اشارے سے افغانستان اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لیکن 14 دسمبر 2008ء کو عراق کے صحافی منتظر الزیدی نے ان پر دو جوتے پھینک کر ان کے اقتدار کو مٹی میں ملا دیا جس کے بعد دُنیا بھر کے تجزیہ نگار یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ منتظر الزیدی کے دو جوتے جارج بش کی ساری فرعونیت' ساری طاقت اور سارے اقتدار پر بھاری ہیں۔ اس کے مقابلے میں منتظر الزیدی نے دو جوتے پھینک کر وہ عالم گیر عزت کمائی کہ جوتے بنانے والی ٹرکش کمپنی ایک ماہ میں کروڑ پتی ہو گئی۔ گزشتہ روز بحرین کے ایک تاجر نے منتظر الزیدی کو سکس ڈور لیموزین دینے کا اعلان کیا۔ دوسری طرف صدر پرویز مشرف آج کل امریکہ کے دورے پر ہیں' وہ جوں ہی امریکہ پہنچے وہاں لوگوں نے پرانے جوتے جمع کرنا شروع کر دیئے۔ اب تک نیو یارک میں چار ہزار جوتے جمع ہو چکے ہیں۔ یہ جوتے اقتدار اور عزت کا وہ فرق ہیں جنہیں ہر حکمران اپنے اچھے وقت میں بھلائے رکھتا ہے۔

خواتین وحضرات! سترہویں ترمیم بشمول 58 ٹو بی صدر پرویز مشرف کا ایک ایسا آئینی مہرہ تھا جس نے انہیں بے عزت کرنے' انہیں اقتدار سے بے دخل کرنے اور اس پورے نظام کو خراب کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ آج ایم کیو ایم نے اس سترہویں ترمیم کے خاتمے کے لئے اٹھارہویں ترمیم کا بل قومی اسمبلی میں پیش کر دیا جبکہ پاکستان مسلم لیگ ن اور مسلم لیگ ق بھی ترمیمی بل اسمبلی میں پیش کرنے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ کیا ہماری پارلیمنٹ سترہویں ترمیم ختم کر پائے گی۔ کیا مسلم لیگیں اکٹھی ہو سکیں گی اور اس مسئلے پر پاکستان پیپلز پارٹی کا مؤقف کیا ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! اقتدار اور عزت ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں اور دُنیا میں بہت کم ایسے حکمران گزرے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اقتدار کے ساتھ عزت نصیب کی تھی۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ کیا تھی؟ قارئین اس کی وجہ اُصول ہیں۔ عزت ہمیشہ با اُصول اور سچے انسانوں کو ملتی ہے جبکہ اقتدار کے لئے آپ کو بعض اوقات جھوٹ اور بے اُصولی کا سہارا بھی لینا پڑتا

ہے چنانچہ جوں جوں آپ کا اقتدار مضبوط ہوتا جاتا ہے عزت آپ سے دور ہٹتی چلی جاتی ہے۔

خواتین وحضرات! ہمارے حکمرانوں کو کیا ملتا ہے اقتدار یا عزت۔ ہم اس کا فیصلہ آنے والے سورجوں پر چھوڑتے ہیں لیکن ایک بات طے ہے 58 ٹو بی جیسی بیساکھیاں کسی انسان کو عزت نہیں دے سکتیں۔ عزت آپ کو نیلسن مینڈیلا جیسے فیصلوں ہی سے ملتی ہے اور یہ فیصلے کتنے بڑے ہوتے ہیں اس کا اندازہ آپ صرف اس بات سے لگا لیجئے کہ دُنیا میں اس وقت 245 حکمران اور دو ہزار دس لیڈر ہیں لیکن ان میں نیلسن مینڈیلا صرف ایک ہے چنانچہ آپ نیلسن مینڈیلا بنیں' حکمران نہیں۔

(12 جنوری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

نائن الیون کے مجرم

آغاز:

خواتین وحضرات! نائن الیون کا حادثہ دُنیا کا ایک ایسا واقعہ ہے جس نے پوری دُنیا کی ثقافت' سیاست اور سفارت کاری کا رخ موڑ دیا اور مؤرخین اب دُنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں' نائن الیون سے پہلے کی دُنیا اور نائن الیون سے بعد کی دُنیا۔ آپ کو یاد ہوگا 11 ستمبر 2001ء کو 19 مسلمان دہشت گردوں نے امریکہ کے چار طیارے اغواء کئے' ان میں دو طیارے نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا دیئے' تیسرا طیارہ واشنگٹن میں پینٹا گان پر گرا دیا جبکہ چوتھا طیارہ جس نے وائٹ ہاؤس یا کیپیٹل ہل کو نشانہ بنانا تھا وہ پینسلونیا کے قریب کریش ہو گیا۔ نائن الیون کے سانحے کے نتیجے میں 2 ہزار 9 سو 98 امریکن شہری ہلاک اور 6 ہزار 2 سو 91 زخمی ہوئے' یہ دُنیا کی تاریخ کی سب سے بڑی دہشت گردی اور امریکن تاریخ کا انتہائی خوفناک واقعہ تھا اور امریکن اداروں کی سٹڈی کے مطابق اس سانحے کی وجہ سے امریکہ اور دُنیا کی معیشت کو اب تک دو ہزار بلین ڈالرز کا نقصان ہو چکا ہے جبکہ اس سانحے کی وجہ سے دُنیا کے دس مقامات پر جنگی صورتِ حال ہے۔

خواتین وحضرات! یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نائن الیون کے ڈیزائنر کون تھے؟ دُنیا کی تاریخ کی سب سے بڑی دہشت گردی کرنے والے لوگ کون تھے اور ان کا تعلق کس کس ملک سے تھا۔

خواتین وحضرات! امریکن ایئر لائین کی فلائیٹ نمبر 11 سب سے پہلے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی ٹاور سے ٹکرائی تھی' یہ جہاز مصر کے شہری محمد عطا نے اغواء کیا تھا اور اس کے ساتھ سعودی عرب کے چار باشندے عبدالعزیز' ستام' ویل اور محمد ولید شامل تھے' یونائیٹڈ ایئر لائینز کی فلائیٹ نمبر 175 نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جنوبی ٹاور کو نشانہ بنایا تھا اور یہ جہاز متحدہ عرب امارات کے باشندے مروان نے ٹاور سے

ٹکرایا تھا اور اس کے ساتھ بھی سعودی عرب کے چار باشندے فیاض احمد' احمد الغامدی' حمزہ الغامدی اور موہند شامل تھے' امریکن ایئر لائین کی فلائیٹ نمبر 77 سعودی عرب کے باشندے ہنی ہن جور نے پینٹا گان پر گرائی تھی اور اس کے ساتھ سعودی عرب کا شہری سلیم الحمز ی اور تین عرب شہری نواف' ماجد اور خالد المدھار شامل تھے جبکہ چوتھا جہاز یونائیٹڈ ایئر لائین کی فلائیٹ 93 لبنان کا شہری زیاد جراح اڑا رہا تھا جبکہ اس کے ساتھ تین سعودی باشندے سعید الغامدی' احمد النامی اور احمد الحزنوی شامل تھے۔ آپ غور کیجئے دہشت گردی کی یہ واردات 19 افراد نے کی تھی اور یہ تمام سعودی' لبنانی' مصری اور امارات کے شہری تھے' اس کی پلاننگ بھی سعودی عرب' امارات' کویت اور مصر کے باشندوں نے کی تھی اور مراکش کے دو شہریوں نے ان دہشت گردوں کو فنی امداد دی تھی لیکن تاریخ کی اس سب سے بڑی دہشت گردی کے بعد امریکہ نے سعودی عرب' متحدہ عرب امارات' مصر' کویت' مراکش اور لبنان کی سرحدوں پر فوجیں جمع کیں' نہ ہی ان ممالک کو جنگ کی دھمکی دی اور نہ ہی سلامتی کونسل سے دہشت گردوں کے خاندانوں' دوستوں اور ان کی پرانی تنظیموں کو دہشت گرد قرار دلوایا' امریکہ نے ان ممالک سے دہشت گردوں کے دوستوں' عزیزوں اور رشتے داروں کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا جبکہ اس کے مقابلے میں انڈیا سے لے کر برطانیہ تک اور روس سے لے کر امریکہ تک پوری دُنیا اجمل قصاب کے نام پر پاکستان پر دباؤ ڈال رہی ہے' بھارت نے اپنی فوجیں پاکستانی سرحدوں پر بھی جمع کر رکھی ہیں' انڈین آرمی چیف جنرل دیپک کپور نے پاکستان کو یہ دھمکی بھی دے دی ہے کہ انڈیا کے پاس تمام آپشن کھلے ہیں' گزشتہ روز بھارتی وزیر چدم برم نے بھی یہ دھمکی دی تھی کہ اگر پاکستان نے بھارت کو مطلوب لوگ ان کے حوالے نہ کئے تو انڈیا پاکستان کو دُنیا میں تنہا کر دے گا۔ آج بھارت کی طرف سے یہ خبر بھی آئی کہ وہ مولانا مسعود اظہر کو حاصل کرنے کے لئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں جا رہا ہے۔ آپ دلچسپ حقیقت دیکھئے دُنیا نائن الیون جیسے واقعات کے مجرموں کو نان سٹیٹ ایکٹر ڈکلیئر کر کے ان کے ممالک کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھاتی ہے جبکہ پاکستان کو اس کے نان اسٹیٹ ایکٹرز کی کارروائیوں کی سزا دینے پر تل جاتی ہے' دُنیا کی پالیسی میں یہ تضاد کیوں ہے؟ اس کا جواب میں آپ کو آخر میں دوں گا۔

خواتین وحضرات! آج کی سیاست میں چار دلچسپ موڑ آئے ہیں' نمبر ایک میاں برادران کی ڈس کوالی فکیشن کا کیس کل پر شفٹ ہو گیا ہے' اس کیس کا کیا فیصلہ ہو گا؟ میاں نواز شریف نے کل بیان دیا تھا اگر زرداری صاحب اپنے وعدے پورے کر دیں تو انہیں دوبارہ گلے لگا لیں گے' وہ وعدے کون کون سے ہیں اور ان کا کیا سٹیٹس ہے؟ بھارت کے پاس تمام آپشن موجود ہیں' یہ آپشن کون' کون سے ہیں؟' انڈیا مولانا مسعود اظہر کے لئے سلامتی کونسل جائے گا اور کیا سلامتی کونسل مولانا مسعود اظہر کو گرفتار

کرا کر انڈیا کے حوالے کر سکتی ہے اور مسلم لیگوں کی یونی فکیشن کا مسئلہ ابھی تک لٹکا ہوا ہے' اس مسئلے کا کیا حل نکلے گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ہم نے شروع میں سوال اُٹھایا تھا امریکہ نے نائن الیون کے سانحے کے بعد دہشت گردوں کے ممالک کو دھمکی کیوں نہیں دی اور پاکستان کو اس کے نان اسٹیٹ ایکٹرز کی کارروائیوں کی سزا کیوں دی جا رہی ہے؟ خواتین وحضرات! بات بہت واضح اور سیدھی ہے' نائن الیون کے مجرموں کے ملک امیر ہیں جبکہ پاکستان غریب اور سیاسی لحاظ سے ایک کمزور ملک ہے' کہا جاتا ہے تگڑوں کے گز چار فٹ کے ہوتے ہیں اور سیلاب ہمیشہ ڈھلوانوں کی طرف آتے ہیں' ہم لوگ مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ حقیقت ہے' ہم ڈھلوانوں پر بیٹھے ہوئے کمزور لوگ ہیں چنانچہ آج دس ہزار میل دور کسی جگہ بجلی گرتی ہے تو پوری دُنیا ہماری طرف دیکھنے لگتی ہے' دُنیا کی یہ نظریں ہماری غربت اور ہماری سیاسی کمزوریوں کی سزا ہے اور جب تک ہم مضبوط نہیں ہوں گے' جب تک ہم دُنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھیں گے اور جب تک ہم دُنیا سے بھیک مانگنا بند نہیں کریں گے اس وقت تک الزامات کے سیلاب ہماری ڈھلوانوں کی طرف بڑھتے رہیں گے' اس وقت تک دُنیا ہمیں چار فٹ کے گز سے ماپتی رہے گی۔

خواتین وحضرات! کمزور قومیں اور غریب انسان ایسے بدقسمت لوگ ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اونٹ پر بھی بیٹھے ہوں تو انہیں کتا کاٹ لیتا ہے اور ان کی جھونپڑیوں کو گلیشیئر زمیں بھی آگ لگ جاتی ہے پھر کمزوری اور غربت دُنیا میں ناقابل معافی جرم ہے اور ہم لوگ اس ناقابل معافی جرم کے مجرم ہیں چنانچہ ہمیں عزت' برابری اور انسانی حقوق کیسے مل سکتے ہیں۔

(14 جنوری 2009ء)

ڈیوڈ ملی بینڈ کا دورۂ پاکستان اور ممبئی حملے

آغاز:

خواتین وحضرات! برطانیہ کے وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ بھارت کے دورے کے بعد پاکستان آ چکے ہیں' ان کا دورۂ پاک بھارت کشیدگی کے سلسلے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ڈیوڈ ملی بینڈ کے اس دورے سے پہلے بھارت پاکستان سے مطلوب افراد کی حوالگی کا مطالبہ کر رہا تھا جبکہ پاکستان کا مؤقف تھا کہ بھارت دہشت گردوں کے خلاف ثبوت پیش کرے۔ پاکستان ان کے خلاف تفتیش کرے گا اور جو مجرم پایا گیا اسے پاکستانی قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ دونوں ممالک کا مؤقف بے لچک اور اٹل تھا چنانچہ خطے میں جنگ کی صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ برطانیہ نے صورتِ حال کا تجزیہ کیا تو اسے پاکستان کا مؤقف درست محسوس ہوا لہٰذا برطانیہ کے وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے ثالث کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ ڈیوڈ ملی بینڈ 14 جنوری کو بھارت کے دورے پر پہنچے۔ بھارت میں ڈیوڈ ملی بینڈ نے بھارتی وزیراعظم اور وزیر خارجہ سے ملاقات کی اور انہیں پاکستان کے مؤقف پر قائل کر لیا جس کے بعد گزشتہ روز بھارتی وزیر خارجہ نے پریس کانفرنس میں اعلان کر دیا کہ اگر ممبئی حملوں کے ملزموں کے خلاف پاکستان میں مقدمہ چلتا ہے تو بھارت کو کوئی اعتراض نہیں۔ اس کے جواب میں پاکستان کے مشیر داخلہ رحمان ملک نے اسلام آباد میں پریس کانفرنس کی اور اس کانفرنس میں ممبئی حملوں کے خلاف تفتیش کے لئے تحقیقاتی کمیشن کا اعلان کر دیا۔ بھارتی وزیر خارجہ کی پریس کانفرنس کے بعد پوری دُنیا نے اطمینان کا سانس لیا اور انٹرنیشنل تجزیہ نگاروں کا خیال تھا پاکستان اب حافظ محمد سعید' ذکی الرحمان لکھوی اور مولانا مسعود اظہر کے خلاف پاکستان میں مقدمہ چلائے گا' انہیں سزا دے گا اور یوں یہ مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن جونہی ڈیوڈ ملی بینڈ دہلی سے اسلام آباد پہنچے' بھارتی وزیر خارجہ پرناب مکھر جی اپنے بیان سے مکر گئے اور

انہوں نے دوبارہ مطالبہ کر دیا کہ پاکستان مطلوب افراد کو انڈیا کے حوالے کرے' پوری دُنیا بھارت کی اس پالیسی شفٹ پر حیران رہ گئی۔

خواتین وحضرات! بھارت ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس کی وجہ چنکیہ یا چانکیہ فلاسفی ہے۔ چانکیہ نے ساڑھے تین سو سال قبل مسیح میں بھارت کے راجے چندر گپت موریہ کو حکومت کے رموز سکھائے تھے' ان رموز میں دُشمن کو پریشان رکھنے کا ایک گُر بھی تھا۔ چانکیہ کا کہنا تھا دُشمن کو کبھی اعتماد میں نہ آنے دو' کہو کچھ' کرو کچھ۔ کرو کچھ' کہو کچھ۔ جب دباؤ آئے تو وعدہ کر لو' جب دباؤ ہٹے تو مکر جاؤ۔ اور یہ گُر بھارت کی سیاسی پالیسی ہے چنانچہ آج تک ایسے بے شمار مواقع آئے ہیں جب بھارت کے بڑے بڑے لیڈروں نے پاکستان کے ساتھ کمٹمنٹ کی اور پھر اس کمٹمنٹ سے پھر گئے۔ مثلاً جواہر لال نہرو نے 1947ء میں پاک بھارت مسائل حل کرنے کے لئے لاہور میں قائداعظم سے ملاقات کا اعلان کیا لیکن جب ملاقات کا وقت آیا تو وہ وعدے سے مکر گئے۔ نہرو نے اقوام متحدہ' لوک سبھا' بھارتی میڈیا اور پاکستانی وفد کے سامنے کشمیر میں رائے شماری کا وعدہ کیا لیکن بعدازاں شیخ عبداللہ کو خط لکھ دیا ''میں نے یہ وعدہ صرف وقت گزاری کے لئے کیا تھا چنانچہ اسے سنجیدہ نہ سمجھنا'' نہرو جی اس وعدے سے بھی مکر گئے۔ بھارت نے شملہ معاہدے میں وعدہ کیا کہ وہ لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزی نہیں کرے گا لیکن معاہدے کے تھوڑے عرصے بعد اس نے پاکستان کی دو چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ 1997ء میں بھارت کے سیکرٹری خارجہ سلمان حیدر نے پاکستان کے سیکرٹری خارجہ کے ساتھ سیاچن سے فوجیں ہٹانے کا معاہدہ کیا لیکن وہ دہلی پہنچ کر اس معاہدے سے مکر گئے اور سب سے دِلچسپ بات بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی 1999ء میں لاہور آئے' انہوں نے مینار پاکستان پر کھڑے ہو کر پاکستان کو ایک تاریخی حقیقت تسلیم کیا اور وعدہ کیا انڈیا کشمیر سمیت تمام مسئلے گفت وشنید سے حل کرے گا لیکن وہ جونہی پاکستان سے امرتسر پہنچے انہوں نے اعلان کر دیا کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے چنانچہ یہ انڈیا کی پرانی پالیسی ہے' وہ اعلان کرتا ہے اس سے بھاگ جاتا ہے' وہ وعدہ کرتا ہے اس سے مکر جاتا ہے اور وہ معاہدے کرتا ہے اور توڑ دیتا ہے۔ یہاں پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ پھر انڈیا کے ساتھ پر امن اور خوبصورت ریلیشن رکھنے کا کیا نسخہ ہے؟ ناظرین یہ نسخہ میں آپ کو آخری حصے میں بتاؤں گا۔

خواتین وحضرات! آج کے دن بے شمار سیاسی واقعات پیش آئے مثلاً آج اسلام آباد ہائی کورٹ نے فرح حمید کیس کا تفصیلی فیصلہ جاری کر دیا۔ عدالت نے فرح حمید کو اضافی نمبر دینے کی درخواستیں خارج کر دیں۔ پنجاب میں ناظمین اور حکومت کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی ہے' ناظموں نے پنجاب حکومت کے خلاف 24 ارب روپے کے ہرجانے کا نوٹس دے دیا اور اٹھارہویں ترمیم پر

پاکستان مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی کے درمیان نیا رابطہ شروع ہو گیا لیکن ان سب سے بڑا سیاسی واقعہ برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ کا پاکستان کا دورہ ہے' آج میری ڈیوڈ ملی بینڈ سے ملاقات ہوئی جس میں انہوں نے واضح الفاظ میں کہا'' پاکستان کا مستقبل ممبئی حملے کے ملزموں کے شفاف ٹرائیل پر بیس کرتا ہے جس کے بعد طے ہو گیا آئندہ چند دنوں میں حافظ محمد سعید' مولانا مسعود اظہر اور ان کے ساتھیوں کا اوپن ٹرائیل شروع ہو جائے گا۔

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں عرض کیا تھا بھارت کے ساتھ پر امن اور خوبصورت تعلقات رکھنے کا نسخہ کیا ہے؟ ناظرین یہ نسخہ طاقت ہے۔ چانکیہ نے ارتھ شاستر میں بادشاہ کو مشورہ دیا تھا دُنیا کی سب سے بڑی سچائی طاقت ہے چنانچہ اپنی لاٹھی کو ہمیشہ مضبوط رکھو۔

خواتین و حضرات! یہ اُصول صرف انڈیا تک محدود نہیں بلکہ پوری دُنیا مائیٹ کو رائیٹ سمجھتی ہے اگر طاقت سچائی نہ ہوتی تو نائن الیون کے بعد امریکہ کبھی افغانستان اور عراق پر حملہ نہ کرتا اور آج اسرائیل غزہ پر میزائل نہ داغ رہا ہوتا۔ یہ کمزوری ہے جس کی سزا آج غزہ' عراق اور افغانستان بھگت رہے ہیں جبکہ دُنیا پاکستان کو اس سزا کی طرف دھکیل رہی ہے۔ ہم اگر اس سزا سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں طاقت حاصل کرنا ہو گی۔

خواتین و حضرات! ایک جرمن کہاوت ہے فتح ہمیشہ طاقتور کی ہوتی ہے اور فتح تو بڑی دور کی بات ہے کمزور قومیں تو اپنا دفاع اپنی حفاظت تک نہیں کر سکتیں چنانچہ طاقت حاصل کریں ورنہ آپ کسی طاقتور کا رزق بن جائیں گے۔

(16 جنوری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

انصاف اصل مسئلہ ہے

آغاز:

خواتین و حضرات! جولیس سیزر کا نام ایک محاورے کی شکل اختیار کر چکا ہے اور پوری دُنیا میں شائد ہی کوئی پڑھا لکھا شخص ہو جو جولیس سیزر کے نام سے واقف نہ ہو۔ ہمارے کیلنڈر میں جولائی کا مہینہ آتا ہے' یہ مہینہ جولیس سیزر نے کیلنڈر میں شامل کیا تھا اور یہ اسی کے نام سے منسوب ہے۔ جولیس سو قبل مسیح میں روم میں پیدا ہوا تھا اور سترہ سال کی عمر میں اس نے سیاست شروع کی تھی۔ ہم اپنی عام زبان میں پاپولر کا لفظ استعمال کرتے ہیں' اس کا مطلب مشہور یا عام ہوتا ہے' یہ لفظ روم سے شروع ہوا تھا اور اس کی بیک گراؤنڈ کچھ یوں ہے کہ جولیس سیزر کے دور میں روم میں'' پاپولرز'' کے نام سے ایک سیاسی جماعت ہوتی تھی' اس سیاسی پارٹی کا نام بعد ازاں ڈکشنری میں شامل ہوا اور اس سے پاپولر کا لفظ نکلا' جو لیس سیزر نے پاپولرز پارٹی جوائن کی' وہ سیاست سے فوج میں آیا اور بڑی تیزی سے رومن فوج کا سپہ سالار بن گیا' اس نے سپین فتح کیا' فرانس فتح کیا' برطانیہ پر قبضہ کیا اور وہ اپنے دور کا سب سے بڑا سپہ سالار بن گیا۔ وہ فوج کی مدد سے سن 46 قبل مسیح میں رومن ایمپائر کا شہنشاہ یعنی سیزر بنا' وہ صرف دو سال تک روم کا سیزر رہا لیکن اس نے ان دو برسوں میں تاریخ پر ایسے اثرات مرتب کئے کہ آج تک ہسٹری اس کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اس نے ان دو برسوں میں نہ صرف پورے یورپ پر روم کا جھنڈا لہرا دیا بلکہ اس نے اپنی سلطنت شام اور مصر سے لے کر سنٹرل ایشیا تک پھیلا دی۔ اس کے دور میں روم دُنیا کا خوشحال ترین شہر تھا' پورے شہر میں کوئی شخص بے گھر' بے روزگار اور غیر تعلیم یافتہ نہیں تھا' اس نے پوری سلطنت میں انصاف قائم کر دیا' کمیونیکیشن کا یہ عالم تھا کہ مصر کی آخری سرحد پر چوری ہوتی تھی تو اسے روم میں پتہ چل جاتا تھا' امن و امان کی یہ حالت تھی کہ اس کے دو برسوں میں کوئی تجارتی

قافلہ نہیں لٹا اور اس کے دور میں ملک کے کسی حصے میں کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔ یہ جولیس سیزر بعدازاں 15 مارچ سن 44 قبل مسیح میں اپنے دوست بروٹس کے خنجر سے مارا گیا اور اس کی موت سے بروٹس یوٹو کا محاورہ پیدا ہوا‘ اس کی ایک بیوی کا نام قلوپطرا تھا‘ اس دور میں روم میں بلیاں نہیں ہوتی تھیں‘ قلوپطرا مصر سے پہلی بلی روم لے کر آئی تھی اور اس بلی کی مہربانی سے آج روم شہر میں دُنیا میں سب سے زیادہ بلیاں ہیں۔ قلوپطرا نے سیزر کی موت کے بعد سانپ سے ڈسوا کر خودکشی کر لی تھی۔

خواتین وحضرات! جولیس سیزر کی کامیابی کا ایک فارمولا تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا تھا ’’تمہاری حکومت کی کامیابی کی کیا وجہ ہے؟‘‘ سیزر نے مسکرا کر جواب دیا ’’میں ہمیشہ عوام کی خواہشات کے مطابق چلا ہوں‘ میں نے اپنے لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھا چنانچہ میرے دور میں خوشحالی بھی آئی‘ امن بھی‘ روزگار بھی اور انصاف بھی۔ اس کا کہنا تھا جو حکمران عوام کی خواہشات کا احترام نہیں کرتا وہ بے عزت ہو کر تخت سے محروم ہو جاتا ہے۔‘‘

خواتین وحضرات! یہ حقیقت ہے حکومت وہی اچھی ہوتی ہے جو عوام کی خواہشات کا احترام کرے‘ جو لوگوں کی خوشی کا خیال رکھے اور جو لوگوں کی توقعات کے مطابق چلے۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب عوام کی توقعات‘ پبلک کی خواہشات‘ لوگوں کی خوشی اور حکومت کی خوشی‘ خواہشات اور توقعات کی ڈائریکشن مختلف ہو‘ لوگوں کی توقعات مشرق کی طرف سفر کر رہی ہوں اور حکومت مغرب کی طرف جا رہی ہو۔ یہ صورتِ حال ہمیشہ تصادم کی بنیاد بنتی ہے اور یوں حکومتیں اَن پاپولر یا غیر مقبول ہو کر فارغ ہو جاتی ہیں۔ مارشل لاؤں کو‘ آمریت کو یا شخصی حکومتوں کو اسی لئے برا کہا جاتا ہے کہ ان کے فیصلوں کی جڑیں عوامی توقعات میں نہیں ہوتیں چنانچہ یہ لوگ فوج‘ پولیس اور اپنی عدالتوں کے ذریعے حکومت چلاتے ہیں لہٰذا لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں۔

خواتین وحضرات! 18 فروری کے الیکشنز کے بعد عوام نے حکومت سے جو توقعات وابستہ کی تھیں ان میں معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی بحالی بھی شامل تھی لیکن بدقسمتی سے ایک سال گزرنے کے باوجود افتخار محمد چودھری بحال نہیں ہوئے۔ اس دوران یہ تجزیے بھی سامنے آئے کہ چودھری صاحب اب ماضی کا حصہ بن چکے ہیں اور وکلاء کی تحریک ختم ہو چکی ہے لیکن کل جب افتخار محمد چودھری کراچی گئے اور وکلاء نے جس والہانہ انداز سے ان کا استقبال کیا اس سے یوں محسوس ہوتا ہے معزول چیف جسٹس ابھی تک عوام کی توقعات میں زندہ ہیں اور جب تک یہ بحال نہیں ہوں گے اس وقت تک حکومت کی کریڈیبلٹی بحال نہیں ہوگی۔

خواتین وحضرات! میرا خیال ہے افتخار محمد چودھری کی بحالی کے بغیر یہ سسٹم آگے نہیں چل

سکے گا کیونکہ یہ مسئلہ سسٹم کے حلق میں مچھلی کا کانٹا بن کر پھنس گیا ہے اور جب تک یہ کانٹا نہیں نکلے گا نظام آگے نہیں بڑھے گا اور میرا خیال ہے وکلاء کا مارچ میں ہونے والا لانگ مارچ بھی سیاسی سطح پر نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ یہ میری ذاتی سوچ ہے لیکن اس مسئلے پر حکومت‘ وکلاء اور وکلاء تحریک کے مخالف وکلاء کا کیا مؤقف ہے اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ہم جیسے تیسری دُنیا کے شہریوں اور چھوٹے‘ پسماندہ یا ترقی پذیر ممالک کے مسئلے بھی عجیب ہیں‘ ہم میں سے ہر شخص جنت میں جانا چاہتا ہے لیکن مرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم سب لوگ سخی کہلانا چاہتے ہیں لیکن ہم پیسہ خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم سب لوگ اللہ کو راضی رکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم سب لوگ اس ملک کو ٹھیک دیکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم خود ٹھیک ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ہم سب لوگ انصاف کو پسند کرتے ہیں لیکن ہم انصاف کرنے والے سچے اور کھرے لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔ ہم انصاف قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہماری خواہش ہوتی ہے یہ انصاف کسی دوسرے کی ذات‘ کسی دوسرے کی کرپشن اور کسی دوسرے کے جرائم پر قائم ہو اور ہم انصاف کی چکی سے صاف بچ جائیں۔

خواتین وحضرات! ہماری یہ وہ منافقت‘ ہماری یہ وہ دوعملی ہے جس کی سزا ہم سب بھگت رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ ملک رہنے کے قابل نہیں رہا اور جب تک ہم لوگ انصاف کرنے والوں کو بھی پسند نہیں کریں گے ہمیں اس وقت تک انصاف نہیں ملے گا‘ ہم اس وقت تک اطمینان کی نیند نہیں سو سکیں گے‘ اس وقت تک یہ ملک آگے نہیں بڑھے گا۔

(18 جنوری 2009ء)

سفارتی غفلت

آغاز:

خواتین وحضرات! 1999ء میں افغانستان میں طالبان کی حکومت تھی اور اس حکومت نے القاعدہ' اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں کو پناہ بھی دے رکھی تھی اور یہ انہیں سپورٹ بھی کر رہی تھی' اس دور میں امریکہ سمیت اقوام متحدہ کے چند رکن ممالک نے سلامتی کونسل سے القاعدہ اور طالبان پر پابندی لگانے کی درخواست کی۔ سلامتی کونسل نے اس درخواست پر اکتوبر 1999ء میں ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی' اس کمیٹی کا نام ''القاعدہ اینڈ طالبان سینکشنز کمیٹی'' یا 67-12 کمیٹی تھا اور سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ممبر اور دس عارضی ممبرز اس کمیٹی کے رکن تھے۔ اس کمیٹی نے ایک ماہ بعد طالبان اور القاعدہ پر پابندی لگا دی اور اقوام متحدہ کے رکن ممالک کو حکم دیا کہ وہ بھی طالبان' القاعدہ اور ان دونوں کی معاونت کرنے والی تنظیموں پر پابندی لگا دیں' اس کمیٹی نے آنے والے دنوں میں القاعدہ اور طالبان کی سپورٹ کے الزام پر پاکستان کی چند تنظیموں کو کالعدم قرار دے دیا' ان تنظیموں میں لشکر طیبہ بھی شامل تھی' لشکر طیبہ پر پابندی کے بعد تنظیم کے سربراہ حافظ محمد سعید نے اپنی دوسری آرگنائزیشن جماعت الدعوۃ کو ایکٹو کر لیا اور اس تنظیم نے پاکستان اور آزاد کشمیر میں فلاح و بہبود کا کام شروع کر دیا۔ جماعت الدعوۃ نے ملک میں یونیورسٹیاں' کالج اور سکول بنائے' ہسپتال اور ڈسپنسریاں بنائیں' پانی کے کنوئیں کھودے اور یتیموں اور بیواؤں کی معاونت شروع کی' اس دوران 2005ء کا زلزلہ آیا اور جماعت الدعوۃ نے آزاد کشمیر میں ریسکیو کا کام کر کے پوری دنیا کو حیران کر دیا۔ جماعت الدعوۃ کی اس خدمت کا اعتراف امریکن ایمبیسی کے اہلکاروں نے بھی کیا۔ ایک طرف یہ سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف اقوام متحدہ کے ایک ممبر ملک نے کمیٹی 67-12 میں یہ درخواست دی کہ جماعت الدعوۃ لشکر طیبہ کا نیا نام ہے لہٰذا سلامتی

کونسل جماعت الدعوۃ پر پابندی لگائے اور حافظ محمد سعید' ذکی الرحمان لکھوی' حاجی محمد اشرف اور محمد احمد بہازق کو دہشت گرد قرار دے۔ کمیٹی 67-12 نے اس درخواست پر عملدرآمد شروع کیا تو صدر پرویز مشرف نے چین سے رابطہ کیا' چین کے پاس کیونکہ ویٹو پاور ہے اور وہ سلامتی کونسل کی تمام کمیٹیوں کی کارروائی رکوا سکتا ہے لہٰذا پاکستان کی درخواست پر چین نے جماعت الدعوۃ پر پابندی کی کارروائی کو ''ٹیکنیکل ہولڈ'' کروا دیا' کمیٹی نے اس دوران جماعت الدعوۃ پر پابندی لگانے کی تین کوششیں کیں لیکن تینوں مرتبہ چین نے کمیٹی کو کارروائی سے روک دیا۔ 26 نومبر 2008ء کو ممبئی میں حملے ہوئے اور انڈیا نے پاکستان کو ان حملوں کا ذمہ دار قرار دے دیا اسی دوران ایک خبر آئی کہ پاکستان نے 5 دسمبر کو امریکی دباؤ پر چین سے ''ٹیکنیکل ہولڈ'' ختم کرنے کی درخواست کر دی' چین نے ہولڈ اُٹھا دیا جس کے بعد 10 دسمبر 2008ء کو 67-12 کمیٹی نے جماعت الدعوۃ' الاختر ٹرسٹ اور الرشید ٹرسٹ پر پابندی لگا دی جبکہ حافظ محمد سعید اور ان کے تین ساتھیوں کو دہشت گرد قرار دے دیا۔ جس وقت 67-12 کمیٹی نے پاکستانی تنظیموں پر پابندی لگائی اس وقت اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب حسین عبداللہ ہارون اس پابندی سے لاعلم تھے' خود حسین ہارون نے بھی بیان دیا کہ ''کمیٹی نے مجھے کارروائی کی اطلاع نہیں دی تھی''۔ یہ افواہ بھی پھیلی کہ جس وقت پاکستانی اداروں پر پابندی لگ رہی تھی اس وقت کراچی میں ایک کلب کے الیکشن ہو رہے تھے اور حسین ہارون الیکشن میں ووٹ ڈالنے کراچی آئے ہوئے تھے یہاں پر ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ اقوام متحدہ اپنے روزانہ کے ایجنڈے کا ایک جرنل جاری کرتا ہے' یہ جرنل یو این کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہوتا ہے اور اس میں یو این کی تمام کمیٹیوں کے اس دن کے اجلاسوں کا وقت' اجلاس کا مقام اور ارکان کے نام تک دیئے جاتے ہیں لہٰذا سوچنے کی بات ہے 10 دسمبر کو جب کمیٹی 67-12 کا اجلاس بلایا گیا تو حسین ہارون اور ان کے عملے نے اس دن کا جرنل کیوں نہیں دیکھا اور اگر اس دن کے جرنل میں کمیٹی کے اجلاس کے بارے میں اطلاع نہیں تھی تو پندرہ ممالک کے کسی نمائندے نے بھی پاکستان کو اطلاع نہیں دی تھی اور کیا یہ ہماری سفارتی ناکامی نہیں۔

خواتین وحضرات! اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب جناب حسین عبداللہ ہارون ہمارے ساتھ موجود ہیں' حسین ہارون پاکستان کے نامور بزنس مین' دانشور اور سیاست دان ہیں۔ یہ سندھ اسمبلی کے سپیکر اور سندھ کے گورنر بھی رہے ہیں اور آج کل اقوام متحدہ میں پاکستان کی سفارت کر رہے ہیں۔ ہم ان سے کمیٹی 67-12 کے فیصلے کے اصل حقائق جاننے کی کوشش کریں گے۔ اور ان سے یہ بھی پوچھیں گے کہ اقوام متحدہ جب کسی شخصیت یا تنظیم پر پابندی لگاتی ہے تو وہ رکن ممالک کو اپیل کا حق بھی دیتی ہے لہٰذا کیا پاکستان ان اداروں کی ''ڈی لسٹنگ'' کے لئے کوشش کرے گا۔

اختتام:

خواتین و حضرات! سفارت کاری کا مقصد اپنے ملک کے مفادات کی حفاظت ہوتا ہے' حسین ہارون کا کہنا ہے کہ کمیٹی 67-12 کی دس دسمبر کی کارروائی خفیہ تھی اور انہیں بروقت اس کی اطلاع نہیں ملی' ہوسکتا حسین ہارون صاحب کی یہ بات درست ہو لیکن یہ طے ہے اس خفیہ کارروائی کا پاکستان کو نقصان ہوا اور انڈیا آج اس فیصلے کو پاکستان کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ ہم اگر حسین ہارون صاحب کو نئے ہونے کا مارجن دے دیں تو بھی میرا خیال ہے 67-12 کمیٹی کی کارروائی کے بارے میں بروقت معلومات ان کے ماتحت عملے کی ذمہ داری بنتی ہے۔ یقیناً ان کے نمبر ٹو ایک پروفیشنل سفارت کار ہوں گے اور ان سے یہ غلطی ہوئی ہے جس کا نقصان پاکستان کو ہوا لہٰذا حکومت کو اس کا سخت نوٹس لینا چاہئے کیونکہ دُنیا کی ہر غفلت کا کوئی نہ کوئی نقصان ہوتا ہے اور یہ نقصان کسی نہ کسی کو اُٹھانا پڑتا ہے لیکن یہ غفلت اگر کوئی سفارت کار کرے تو اس کا نقصان اکثر اوقات نا قابل تلافی ہوتا ہے اور اس کی سزا پوری قوم کو بھگتنا پڑتی ہے۔

(19 جنوری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

غلطیوں کی سزا

آغاز:

خواتین و حضرات! کل لاہور میں وکلاء کنونشن تھا' معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری اس کنونشن سے خطاب کے لئے لاہور تشریف لے گئے' چیف جسٹس کے استقبال کے لئے ہزاروں' لاکھوں لوگ جمع تھے انہیں لاہور ائرپورٹ سے جلسہ گاہ تک پہنچنے میں سات گھنٹے لگے' جلسے کے دوران ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا لیکن یہ واقعہ بہت اہم ہے کیونکہ تاریخ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے واقعات سے بنتی ہے۔ پنڈال میں ایک درمیانی عمر کی خاتون بھی موجود تھی' خاتون نے ہاتھوں میں قرآن مجید اُٹھا رکھا تھا اور وہ پنڈال سے سٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی' راستے میں سیکورٹی کا حصار تھا' پولیس نے خاتون کو مشکوک سمجھ کر روک لیا' خاتون نے رونا شروع کر دیا۔ خاتون کا کہنا تھا اس کا نام ارشاد بی بی ہے' علاقے کے ایک بااثر شخص نے اس کی تین سال کی بیٹی کے ساتھ بداخلاقی کی' وہ اپنی بیٹی کے لئے انصاف لینے نکلی تو اسے کسی نے انصاف نہیں دیا' وہ اب افتخار محمد چودھری سے ملنا چاہتی ہے' اسے یقین ہے چودھری صاحب اسے انصاف دیں گے۔ پولیس اہلکاروں نے خاتون کو بتایا بی بی چودھری صاحب معزول ہیں' وہ خود انصاف تلاش کر رہے ہیں' وہ تمہیں کیا انصاف دیں گے۔ خاتون نے قرآن مجید اُوپر اُٹھایا اور جواب دیا ''نہیں میرے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری ہی ہیں۔''

خواتین و حضرات! یہ بظاہر ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن یہ واقعہ عام آدمی کی رائے' عام شہری کی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ اس ملک کے عام شہری آج بھی افتخار محمد چودھری کو اپنا چیف جسٹس سمجھتے ہیں۔ جناب افتخار محمد چودھری نے بھی وکلاء کنونشن میں اعلان کیا کہ ''کوئی مانے یا نہ مانے لیکن وہ اب بھی آئینی چیف جسٹس ہیں۔ وکلاء نے بھی کل دوبارہ اعلان کیا کہ وہ 9 مارچ کو لانگ

مارچ بھی کریں گے اور اسلام آباد میں دھرنا بھی دیں گے اور یہ دھرنا اس وقت تک جاری رہے گا جب تک افتخار محمد چودھری بحال نہیں ہوتے۔ اس کنونشن کے بارے میں وکلاء اور پاکستان مسلم لیگ ن کے راہنماؤں کا کہنا تھا کہ یہ ایک منی لانگ مارچ تھا اور حکومت کو اس کنونشن سے چودھری صاحب کی پاپولیرٹی اور مسئلے کی سنگینی کا اندازہ لگا لینا چاہئے جبکہ اس کے مقابلے میں گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے دعویٰ کیا کہ افتخار محمد چودھری کے لئے صرف چند سو لوگ سڑکوں پر آئے تھے اور چند سو لوگوں کو تحریک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لاہور پیپلز پارٹی کے صدر نے بھی دعویٰ کیا کہ صوبے کے سارے وسائل استعمال کر کے بھی پنجاب حکومت صرف چھ سو لوگوں کو سڑکوں پر لا سکی جبکہ پنجاب کے سینئر وزیر راجہ ریاض کا کہنا تھا افتخار محمد چودھری عدلیہ کی آزادی کی بجائے کسی سیاسی جماعت کے سیاسی ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں' وہ ایک متنازعہ شخصیت بن چکے ہیں اور انہیں اب ایک علیحدہ سیاسی جماعت بنا لینی چاہئے۔

خواتین وحضرات! حقیقت کیا ہے؟ کیا واقعی افتخار محمد چودھری ملک کے آئینی چیف جسٹس ہیں؟ کیا لوگ واقعی ان کی واپسی چاہتے ہیں؟ کیا وکلاء کی تحریک جینوئن ہے یا پھر یہ ایک سیاسی ایشو بن چکا ہے اور سیاسی جماعتیں اس سے اپنی سیاسی دکانداری چمکا رہی ہیں' مارچ کا لانگ مارچ فیصلہ کن ہوگا یا پھر یہ پچھلے لانگ مارچ کی طرح بلبلہ ثابت ہوگا اور افتخار محمد چودھری ایک متنازعہ شخصیت ہیں' غیر متنازعہ شخصیت ہیں یا پھر وہ ایک ''پولیٹیکل تھرٹ'' کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور سیاسی جماعتیں اس تھرٹ کے ذریعے ذاتی مفادات حاصل کر رہی ہیں۔ افتخار محمد چودھری صاحب کے ایشو پر جہاں تک میری ذاتی رائے کا معاملہ ہے تو میرا خیال ہے افتخار محمد چودھری کی معزولی ایک بہت بڑی سیاسی غلطی تھی اور اس سیاسی غلطی کے نتیجے میں پہلے صدر پرویز مشرف کی وردی گئی' پھر ان کی سیاسی جماعت الیکشن ہاری اور آخر میں صدر پرویز مشرف کو اٹھاون ٹو بی کے تمام تر اختیارات کے باوجود اقتدار سے محروم ہونا پڑا۔ 18 فروری کے الیکشنز کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت آئی اور اس حکومت نے بھی صدر مشرف جیسی غلطی کی چنانچہ یہ حکومت بھی بڑی تیزی سے سیاسی اور عوامی حمایت سے محروم ہوتی چلی گئی لہٰذا مجھے خطرہ ہے جب تک افتخار محمد چودھری بحال نہیں ہوں گے' اس وقت تک حکومتیں بدلتی رہیں گی اور حکمرانوں کو چین نصیب نہیں ہوگا۔ مجھے خدشہ ہے جب تک چودھری صاحب بحال نہیں ہوں گے اس وقت تک سسٹم واپس ٹریک پر نہیں آئے گا اور میرا خیال ہے جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا اس وقت تک وکلاء اور سیاسی گروپس حکومت کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔

خواتین وحضرات! قدرت کبھی انسانوں کے گناہوں' جرائم اور کوتاہیوں اور حکمرانوں اور حکومتوں کی سیاسی غلطیوں کی سزا فوراً نہیں دیتی۔ گناہ' جرم' غلطی اور حکومتی کوتاہی اور اس کی سزا میں ہمیشہ

وقفہ ہوتا ہے۔۔ کیوں؟ میں اس کیوں کا جواب آپ کو آخر میں دوں گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے عرض کیا تھا قدرت کبھی انسانوں کے گناہوں' جرائم اور کوتاہیوں اور حکمرانوں اور حکومتوں کی سیاسی غلطیوں کی سزا فوراً نہیں دیا کرتی' اس دنیا میں غلطی' کوتاہی اور گناہ اور اس کی سزا میں ہمیشہ وقفہ ہوتا ہے۔۔ کیوں؟ کیونکہ قدرت ہمیشہ حکمرانوں اور انسانوں کو سنبھلنے' معافی مانگنے' توبہ کرنے اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے کا موقع دیتی ہے شائد یہی وجہ ہے تمام انسانوں کا حساب موت کے بعد نہیں بلکہ حشر کے دن ہوگا کیونکہ قدرت انسانوں کو موقع دیتی ہے کہ ہزاروں' لاکھوں' کروڑوں برسوں کے دوران کہیں ان کی کسی ایک نیکی پر پھل لگ جائے اور یہ پھل ان کے سارے گناہ دھو دے۔

خواتین وحضرات! صدر پرویز مشرف کا 3 نومبر 2007ء کا اقدام غلط تھا' قدرت نے انہیں غلطی ٹھیک کرنے کا پورا پورا موقع دیا لیکن انہوں نے یہ موقع کھو دیا چنانچہ آج وہ تاریخ کے اندھیرے میں گم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس حکومت نے بھی افتخار محمد چودھری کی بحالی کا وعدہ توڑ کر غلطی کی' قدرت آج انہیں بھی موقع دے رہی ہے اگر انہوں نے بھی اپنی غلطی کی اصلاح نہ کی' اگر انہوں نے بھی یہ موقع ضائع کر دیا تو اس بار بھی تاریخ مختلف نہیں ہوگی کیونکہ قدرت کے قوانین اٹل ہوتے ہیں' اللہ کسی کے لئے اپنے قانون نہیں بدلتا۔

(25 جنوری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

حکومت کمزور نہیں

آغاز:

خواتین وحضرات! کل وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے ملتان میں جلسے سے خطاب کیا' اس خطاب کے دوران وزیراعظم نے فرمایا'' پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کمزور نہیں ہوئی اور ہم پانچ سال پورے کریں گے''۔ میں وزیراعظم صاحب کی بات سے اتفاق کرتا ہوں کیونکہ حکومت نے تمام بڑے بڑے مسائل حل کر دیئے ہیں اور بس اب چند چھوٹے چھوٹے مسائل باقی ہیں اور یہ چھوٹے چھوٹے مسئلے بھی آئندہ چند دنوں میں حل ہو جائیں گے۔ ان چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں حاجی ریاض بھی شامل ہے۔ حاجی ریاض ملتان میں پیپلز یوتھ فورم کا نائب صدر ہے' وہ بے روزگار ہے اور اس نے کل وزیراعظم کے جلسہ گاہ کے سامنے خودسوزی کی کوشش کی لیکن خودسوزی کی ان کوششوں کے باوجود حکومت کمزور نہیں ہوئی۔ کل سوات کے طالبان نے اپنی شرعی عدالتیں تشکیل دے دیں اور 186 ارکان اسمبلی سابق وزراء اور سیاست دانوں کو ان عدالتوں میں پیش ہونے کا حکم دے دیا' طالبان کے مجرم سیاست دانوں میں اے این پی' پاکستان پیپلز پارٹی' پیپلز پارٹی شیر پاؤ' پاکستان مسلم لیگ ق اور جمعیت علمائے اسلام کے ارکان شامل ہیں۔ طالبان نے دھمکی دی اگر یہ لوگ ان کی عدالتوں میں پیش نہ ہوئے تو انہیں نشانہ بنایا جائے گا لیکن طالبان کی اس فہرست اور شرعی عدالتوں کے باوجود حکومت کمزور نہیں ہوئی۔ طالبان نے آج سوات کا ایک اور سکول دھماکے سے اڑا دیا۔ اس سکول کے بعد سوات میں تباہ ہونے والے سکولوں کی تعداد 182 ہو گئی۔ طالبان کی دھمکی کے بعد سرحد حکومت نے بسوں میں ٹی وی اور وی سی آر پر پابندی لگا دی لیکن ٹی وی پر پابندی اور سکول گرنے کے باوجود حکومت کمزور نہیں ہوئی۔ امریکہ کے نئے صدر باراک اوبامہ نے پاکستان پر ڈرونز حملے جاری رکھنے کا حکم دے دیا' اس حکم کے تحت ڈرونز نے

شمالی اور جنوبی وزیرستان پر پانچ میزائل داغے اور ان میزائلوں کے نتیجے میں 22 شہری شہید ہو گئے لیکن حکومت کمزور نہیں ہوئی۔ ملک میں لوڈشیڈنگ کا مسئلہ گھمبیر ہو چکا ہے' آج بھی پاکستان کے بے شمار شہروں میں دس سے پندرہ گھنٹے بجلی بند رہی' فیکٹریاں' ملیں اور کارخانے آخری سانس لے رہے ہیں' حکومت پٹرول پر 37 روپے فی لیٹر منافع کما رہی ہے اور گیس کے بلوں نے عوام کو بلبلانے پر مجبور کر دیا ہے لیکن حکومت کمزور نہیں ہوئی۔ مہنگائی عام شہری کی قوت برداشت سے تین گنا زیادہ ہو چکی ہے' لاء اینڈ آرڈر خوفناک شکل اختیار کر چکا ہے' حالت یہ ہے حکومت کا کوئی وزیر سیکورٹی کے بغیر دفتر سے گھر اور گھر سے دفتر نہیں جا سکتا' عوام کے تمام نمائندے بلٹ پروف شیشوں کے پیچھے کھڑے ہو کر عوام سے خطاب کرتے ہیں' وزیراعظم اور وزیر خارجہ خصوصی سیکورٹی میں اپنے شہر ملتان جاتے ہیں لیکن حکومت کمزور نہیں ہوئی۔ پاکستان پیپلز پارٹی اپنی حکومت کے باوجود محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کی تفتیش نہیں کرا سکی۔ حالت یہ ہے صدر آصف علی زرداری یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے بچے ان سے یہ پوچھتے ہیں ہم نے ابھی تک محترمہ کے قتل پر ایف آئی آر درج کیوں نہیں کروائی۔ افتخار محمد چودھری وعدوں کے باوجود بحال نہیں ہوئے' وکلاء نے نو مارچ کو لانگ مارچ اور لامحدود مدت کے لئے دھرنے کا اعلان کر دیا ہے اور چیف جسٹس کی بیٹی کے 20 نمبروں کا مسئلہ عالمی سطح پر ملکی شہرت کو نقصان پہنچا رہا ہے لیکن حکومت کمزور نہیں ہوئی۔ ملک میں میرٹ کی خلاف ورزی' کرپشن' لوٹ کھسوٹ اور بدانتظامی کی خبریں عام ہیں' صدر اور وزیراعظم کے درمیان اختلافات کی باتیں بھی ہو رہی ہیں' فروری کو تبدیلی کا مہینہ بھی کہا جا رہا ہے' کوئٹہ میں آج پورا دن ہنگامے جاری رہے اور شہر ایف سی کے کنٹرول میں ہے' لوگ چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں ہمیں کسی جگہ حکومت دکھائی نہیں دے رہی' پنجاب اور وفاق کے درمیان کھینچا تانی منطقی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے اور جمہوری حکومت ہونے کے باوجود سترہویں ترمیم آئین کا حصہ ہے لیکن حکومت کمزور نہیں ہوئی۔

خواتین وحضرات! میں وزیراعظم صاحب کی بات سے اتفاق کرتا ہوں' حکومت کمزور نہیں ہوئی اور یہ اپنی آئینی مدت پوری کرے گی بس چند چھوٹے چھوٹے مسئلے ہیں اور اس قسم کے چھوٹے مسئلے ہمارے جیسے ملکوں میں ہمیشہ اپوزیشن جماعتیں یا غیر محب وطن میڈیا پیدا کرتا ہے اور اگر چند اخبارات اور کچھ ٹیلی ویژن چینلز بند ہو جائیں تو ملک کے یہ چھوٹے چھوٹے مسئلے بھی حل ہو جائیں گے اور حکومت پورے اطمینان سے پانچ سال پورے کر سکے گی۔

خواتین وحضرات! کیا حکومت واقعی پانچ سال پورے کرے گی' کیا واقعی حکومت کمزور نہیں ہوئی اور صوبہ سرحد کی حکومت نے آئین میں تبدیلی کے بغیر سرکاری اعلامیوں میں باضابطہ طور پر پختونخوا

ہ کے نام کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! فارن ایکس چینج ریزرو حکومتوں کی طاقت نہیں ہوتے، حکومتوں کی قوت آئینی دفعات، اٹھاون ٹو بی، قومی اسمبلی اور سینٹ میں ٹو تھرڈ میجارٹی، اپنا صدر، اپنا آرمی چیف، اپنا ڈی جی آئی ایس آئی، اپنا چیف جسٹس، اپنے گورنرز اور اپنے چیف منسٹرز نہیں ہوتے، حکومتوں کی پاور دُنیا کی پانچویں بڑی فوج، پانچ لاکھ پولیس، امریکہ کی تھپکی، رچرڈ باؤچر کی مسکراہٹ اور جو بائیڈن کا ''ویل ڈن'' بھی نہیں ہوتی اور حکومتوں کی طاقت صدر بش کی حمایت اور براک اوبامہ کی واہ واہ بھی نہیں ہوتی۔ حکومتوں کی اصل طاقت عوام ہوتے ہیں، حکمرانوں کی اصل طاقت ملک کے عام شہری اور خلقت خدا ہوتی ہے۔ اگر ملک کا عام شہری، اگر ملک کے عوام، اگر خلقت خدا حکومت اور حکمرانوں سے مطمئن ہیں تو وہ حکومت مضبوط بھی ہے اور کامیاب بھی لیکن اگر عام شہری، اگر عوام حکمرانوں اور حکومت سے غیر مطمئن ہیں تو پھر خواہ پوری دُنیا اس حکومت کی حمایت کرے، خواہ اسے باراک اوبامہ اور جارج بش کی حمایت حاصل ہو، خواہ سارا آئین اس کی جیب میں ہو، خواہ صدر سے لے کر تھانے دار تک سارے عہدے اس کے پاس ہوں اور خواہ اس کے خزانے میں کھربوں ڈالرز پڑے ہوں وہ حکومت مضبوط نہیں ہوتی، وہ حکومت کبھی اپنی آئینی مدت پوری نہیں کرتی۔

خواتین وحضرات! ہماری حکومت مضبوط ہے یا کمزور اس سوال کا جواب بہت آسان ہے، ہمارے وزیراعظم پروٹوکول کے بغیر شہر میں نکل جائیں اور لوگوں سے پوچھیں ''کیا حکومت اپنی آئینی مدت پوری کرے گی''، لوگ جو جواب دیں وزیراعظم اسے سچ مان لیں کیونکہ عوام حکومتوں کے مشیر نہیں ہوتے لہٰذا وہ جھوٹ نہیں بولتے۔

(26 جنوری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

کیوں؟

آغاز:

خواتین وحضرات! جوزف بائیڈن امریکہ کے نائب صدر ہیں، بائیڈن نے دو دن قبل ایک امریکن ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیا جس میں انہوں نے فرمایا ''پاکستان میں ڈرونز حملے جاری رہیں گے اور امریکہ افغانستان اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں اپنی کارروائیوں میں بھی اضافہ کرے گا اور اگر ہمیں پاکستانی علاقوں میں القاعدہ کے بارے میں معلومات ملیں تو ہم حملوں سے گریز نہیں کریں گے۔'' اسی قسم کا ایک بیان امریکن وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے بھی کل سینٹ کی ''آرمڈ سروسز کمیٹی'' کے سامنے دیا۔ رابرٹ گیٹس کا بھی کہنا تھا ''پاکستان پر امریکن حملے جاری رہیں گے اور ہم نے پاکستان کو اس معاملے میں آگاہ بھی کر دیا ہے''۔ رابرٹ گیٹس نے کہا ''پاکستان کے بارے میں امریکہ کی سابق اور موجودہ حکومت کی پالیسی میں کوئی فرق نہیں، القاعدہ جہاں بھی پائی جائے گی ہم اس کا تعاقب کریں گے۔'' رابرٹ گیٹس نے یہ بھی بتایا کہ امریکہ موسم بہار میں افغانستان میں دو بریگیڈ مزید فوج بھجوائے گا جبکہ تیسرا بریگیڈ موسم گرما کے آخر میں بھجوایا جائے گا۔ ان دونوں بیانات سے ایک دن پہلے سینٹ میں قائد ایوان رضا ربانی نے اعتراف کیا امریکہ نے پاکستانی حدود کی 80 نہیں بلکہ صرف 32 مرتبہ خلاف ورزی کی اور ہم مجبور ہیں لہٰذا ہم ڈرونز طیارے نہیں گرا سکتے۔

خواتین وحضرات! جوزف بائیڈن اور رابرٹ گیٹس کے اس اعلان اور جناب رضا ربانی کے اعتراف کے بعد ایک بہت بڑی دِلچسپ حقیقت سامنے آتی ہے مثلاً پاکستان سترہ کروڑ لوگوں کا اور دُنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے لیکن دُنیا کا چھٹا بڑا ملک ہونے کے باوجود ہم پر امریکن ڈرونز کے حملے جاری رہیں گے۔ مثلاً ہم اپنے آپ کو دُنیا کی غیرت مند ترین قوم کہتے ہیں۔ فلسطین پر اسرائیل حملے

کرے، عراق پر امریکن بم گرنے لگیں، بھارت میں مسلمانوں سے زیادتی ہو یا لبنان پر فوج کشی ہو جائے ہم لوگ پاکستان میں غصے سے کھول اُٹھتے ہیں لیکن اس غیرت مندی کے باوجود پاکستان پر ڈرونز حملے جاری رہیں گے۔ پاکستان کو دُنیا جہادی کیمپ کہتی ہے، اس ملک کا ہر دوسرا شخص کفر اور اسلام کی جنگ میں شہید ہونا چاہتا ہے۔ پاکستان کی فوج دُنیا کی پانچویں بڑی فوج ہے، انڈیا کے بقول اس ملک کے دس نان سٹیٹ ایکٹرز نے پورا ممبئی برباد کر دیا تھا اور اجمل قصاب کی مہربانی سے بھارت کو دو دن میں دو بلین ڈالرز کا نقصان ہوا تھا لیکن اس جہادی سپرٹ اور ایسے ناقابل تسخیر نان سٹیٹ ایکٹرز کے باوجود پاکستان پر ڈرونز کے حملے جاری رہیں گے۔ پاکستان دُنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت ہے، پاکستان دُنیا کا پہلا اسلامی ایٹمی ملک بھی ہے، ہمارے پاس اڑھائی ہزار کلومیٹر تک وار کرنے والے میزائلز بھی ہیں، ہمارے سائنس دانوں نے صرف ماڈل دیکھ کر سکڈ میزائل بھی بنا لیے تھے اور دُنیا کا خیال ہے پاکستان کے تین سائنس دانوں نے پانچ ممالک کو ایٹمی ماڈلز اور میٹریل فروخت کیا تھا لیکن نیوکلیئر پاور ہونے کے باوجود پاکستان پر ڈرونز حملے جاری رہیں گے۔ ہماری پارلیمنٹ کے 450 اراکین نے 23 اکتوبر 2008ء کو قومی سلامتی پر مشترکہ قرارداد پاس کی تھی، پاکستان کے تمام سیاست دانوں نے یک زبان ہو کر اعلان کیا تھا ہم دُنیا کی کسی طاقت کو اپنی حدود کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس قسم کی مشترکہ قرارداد آج تک دُنیا کے صرف گیارہ ملکوں میں پاس ہوئی ہے، پاکستان کا بچہ بچہ ملکی سلامتی پر ایک ہے لیکن اس اتفاق اور اس اتحاد کے باوجود پاکستان پر ڈرونز حملے جاری رہیں گے اور پاکستان دُنیا میں امریکہ کا سب سے بڑا اتحادی ہے، ہم نے امریکہ اور چین کی دوستی کرائی، ہم نے امریکہ کے حکم پر افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جنگ لڑی، ہم نے نائن الیون کے بعد صرف ایک ٹیلی فون کال پر امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا، ہم نے ہزاروں لوگ گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کیے، ہم نے امریکن مفادات کی حفاظت کے لئے اپنے ایک لاکھ بیس ہزار جوان قبائلی علاقوں میں اتار دیئے، ہم نے امریکن وفاداری میں اپنے شہریوں پر بمباری کر دی اور ہم آج امریکہ کی اندھی حمایت کے نتیجے میں خودکش حملوں کا سامنا بھی کر رہے ہیں اور معاشی بدحالی کا بھی شکار ہیں لیکن اس کے باوجود پاکستان پر ڈرونز حملے جاری رہیں گے۔ کیوں؟ یہ ''کیوں'' ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! دُنیا کی پہلی اسلامی نیوکلیئر پاور ہونے کے باوجود، سترہ کروڑ لوگوں کی قوم ہونے کے باوجود اور امریکہ کے سب سے بڑے اتحادی ہونے کے باوجود پاکستان پر ڈرونز

حملے کیوں جاری رہیں گے۔ یہ وہ سوال تھا جو ہم نے شروع میں اُٹھایا تھا۔ خواتین وحضرات! اس کی وجہ صرف اور صرف کمزوری ہے، ہمیں یہ حقیقت ماننا پڑے گی، ہم نیوکلیئر پاور ہونے کے باوجود کمزور ہیں، ہمارے اندر حوصلہ، جرأت اور غیرت ختم ہو گئی ہے اور جب کسی قوم میں غیرت، جرأت اور حوصلہ ختم ہو جاتا ہے تو خواہ اس قوم کا بچہ بچہ سپاہی کی یونیفارم پہن لے اور اس کا ہر شہری فوج میں بھرتی ہو جائے یا اس کے گودام میں بیس ہزار ایٹم بم موجود ہوں، اس قوم پر ڈرونز کے حملے نہیں رک سکتے، وہ قوم غیروں کی یلغار سے نہیں بچ سکتی۔

خواتین وحضرات! جرأت اور غیرت روح کی طرح ہوتی ہے یہ اگر ایک بار انسانی جسم سے نکل جائے تو یہ کبھی دوبارہ واپس نہیں آتی اور ہمارے جسم سے غیرت اور جرأت نکل چکی ہے اور یہ وہ واحد مجبوری ہے جس کی وجہ سے ہم ان حملوں کا جواب نہیں دے رہے لہٰذا ہم پر ڈرونز حملے جاری رہیں گے۔

(28 جنوری 2009ء)

⦸ ⦸ ⦸

عقل نہیں مقدر مانگو

آغاز:

خواتین وحضرات! اگر ہم مسلم بادشاہوں کی فہرست بنائیں تو خلیفہ ہارون الرشید کا نام اس لسٹ کے شروع کے ناموں میں آئے گا۔ ہارون الرشید بیک وقت درویش‘ دانشور‘ عادل اور عالم بادشاہ تھا‘ اس کے دور میں پانچ امام تھے۔ امام مالک‘ امام شافعی‘ امام محمد، امام موسیٰ اور امام یوسف۔ ہارون الرشید کے چیف جسٹس کا عہدہ امام یوسف کے پاس تھا۔ ہارون الرشید کے دور میں بغداد کو وہی حیثیت حاصل تھی جو آج کل واشنگٹن کے پاس ہے‘ اس دور میں بغداد کی آبادی 17 لاکھ تھی‘ پورے شہر میں دولت کی فراوانی تھی‘ تمام شہری پڑھے لکھے اور برسر روزگار تھے اور شہر میں امن وامان کی صورتِ حال مثالی تھی۔ ہارون الرشید نے اپنے دور میں جہاں فقہ پر کام کروایا وہاں اس نے عالمی ادب کو الف لیلیٰ جیسی شاندار کتاب بھی دی اور اس نے ایک ایسی گھڑی بھی ایجاد کرائی جس سے ہر گھنٹے بعد پیتل کے گھڑ سوار باہر نکلتے تھے اور گھنٹیاں بجاتے تھے۔ ہارون الرشید کس قدر ذہین اور دانشور شخص تھا اس کا اندازہ آپ صرف اس واقعے سے لگا لیجئے‘ ایک بار کسی نے ہارون الرشید سے پوچھا ’’عقل بڑی ہوتی ہے یا مقدر‘‘ ہارون الرشید نے فوراً جواب دیا ’’مقدر‘‘ پوچھنے والے نے پوچھا ’’بادشاہ سلامت وہ کیسے‘‘ ہارون الرشید بولا ’’جب خوش قسمتی کسی انسان کی دہلیز پر پاؤں رکھتی ہے تو دُنیا جہاں کی عقل ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے لیکن جب کسی انسان کا مقدر خراب ہوتا ہے تو اس کا اپنا دماغ بھی کام کرنا چھوڑ جاتا ہے چنانچہ مقدر عقل سے ہمیشہ بڑا ہے‘‘ اس کے بعد ہارون الرشید نے دُنیا کی ایک ایسی حقیقت کی نشاندہی کی جسے ہم لوگ اکثر فراموش کر دیتے ہیں۔ اس نے کہا ’’اللہ سے جب بھی مانگو مقدر مانگو‘ عقل نہ مانگو کیونکہ میں نے ہمیشہ عقل مندوں کو مقدر والوں کا ملازم دیکھا ہے۔‘‘

خواتین وحضرات! یہ حقیقت ہے جب مقدر انسان کا ساتھ نہیں دیتا تو اس کی ہر چالاکی‘ ہر عقل مندی اور ہر دانش مندی الٹ ہو جاتی ہے۔ انسان کا سونا مٹی کے بھاؤ بکتا ہے اور کامیابی ناکامی سے بدتر ثابت ہوتی ہے۔ ہمارا جمہوری نظام اسی قسم کی بدقسمتی کی مثال ہے۔ 18 فروری 2008ء کے الیکشنز میں قوم نے سیاست دانوں کو بھرپور مینڈیٹ دیا جس کے بعد یہ توقع تھی کہ سیاست دان ملک کو جمہوریت‘ میرٹ اور انصاف کی پٹڑی پر لے آئیں گے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا لہٰذا آج جمہوریت کے صرف گیارہ ماہ بعد سسٹم ایک بار پھر خطرات کا شکار ہو چکا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے فروری کا مہینہ فیصلہ کن ثابت ہوگا۔ ایسا کیوں ہوا؟ آپ اس کی بے شمار وجوہات بیان کریں گے لیکن میرا خیال ہے ہماری اس جمہوریت کے پاس عقل تو ہے لیکن مقدر نہیں ہے چنانچہ آج اس کی شمع بجھ رہی ہے۔

ناظرین۔۔ فروری کے مہینے میں کیا ہوگا‘ اس سلسلے میں چار تھیوریز مارکیٹ میں موجود ہیں۔ پہلی تھیوری کے مطابق میاں برادران کی نااہلی کا مقدمہ چل رہا ہے‘ اس مقدمے کا فیصلہ کسی بھی وقت آ سکتا ہے‘ اس فیصلے کے بارے میں تین پیشن گوئیاں کی جا سکتی ہیں۔ ایک‘ کورٹ میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف دونوں کو نااہل قرار دے دے۔ دو‘ کورٹ میاں نواز شریف کو الیکشن لڑنے کا اہل قرار دے دے جبکہ میاں شہباز شریف کا کیس الیکشن ٹریبونل کو بھجوا دے اور الیکشن ٹریبونل میاں شہباز شریف کی صوبائی اسمبلی کی رکنیت منسوخ کر دے جس کے بعد پنجاب کی حکومت تحلیل ہو جائے اور پاکستان پیپلز پارٹی مسلم لیگ ق کے ساتھ مل کر نئی حکومت بنا لے اور تین، عدالت میاں برادران کو اہل قرار دے دے۔ یہ تینوں آپشنز مختلف ہیں لیکن ان تینوں فیصلوں کا نتیجہ ایک ہی نکلے گا اور وہ نتیجہ ہے میاں برادران اور پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت کے درمیان جنگ اور اس جنگ کے آخر میں سب فارغ ہو جائیں گے۔ تھیوری نمبر دو‘ پاکستان مسلم لیگ ن‘ اے پی ڈی ایم اور وکلاء لانگ مارچ کرتے ہیں‘ اسلام آباد میں دھرنا دیتے ہیں اور اس دھرنے کے نتیجے میں وفاقی حکومت افتخار محمد کو بحال کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ چودھری صاحب کرسی انصاف پر بیٹھ کر انصاف شروع کرتے ہیں اور اس انصاف کے نتیجے میں حکومت ختم ہو جاتی ہے یا پھر ایک اور 3 نومبر آ جاتا ہے‘ عدلیہ ایک بار پھر معطل ہوتی ہے‘ جلسے جلوس شروع ہوتے ہیں اور آخر میں سب فارغ ہو جاتے ہیں۔ تھیوری نمبر تین۔۔ لانگ مارچ شروع ہوتا ہے‘ حکومت پوری قوت کے ساتھ اسے روکنے کی کوشش کرتی ہے‘ پولیس‘ لاٹھی چارج‘ آنسو گیس اور حوالات کا کھلا استعمال ہوتا ہے‘ حالات مزید خراب ہو جاتے ہیں اور آخر میں سب فارغ ہو جاتے ہیں اور تھیوری نمبر چار۔۔ تمام پارلیمانی طاقتیں صدر سے سترہویں ترمیم کی ساری پاورز لے کر وزیراعظم کو دینے کی کوشش کرتی ہیں‘ وزیراعظم اور صدر کے درمیان تصادم ہوتا ہے‘ ایک دوسرے کو فارغ کرتا ہے اور پھر دوسرا بھی فارغ

ہو جاتا ہے اور آخر میں سب فارغ ہو جاتے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ چار مختلف تھیوریاں ہیں لیکن ان چاروں تھیوریز کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے یعنی سب فارغ ہو جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے فارغ ہونے کا یہ سلسلہ کب شروع ہوگا اور کہاں سے شروع ہوگا۔ اس سلسلے میں تجزیہ نگاروں کا خیال ہے یہ سلسلہ فروری میں شروع ہوگا اور اس سیاسی زلزلے کا مرکزی مقام لاہور ہوگا۔ پنجاب میں مسلم لیگ ن کی حکومت ختم ہوگی' پاکستان پیپلز پارٹی پاکستان مسلم لیگ ق کے ساتھ مل کر نئی حکومت بنائے گی اور مسلم لیگ ن پنجاب اور وفاق میں حکومت سے ٹکرائے گی اور یوں سارا نظام بیٹھ جائے گا۔

خواتین و حضرات! کیا یہ مفروضہ محض مفروضہ ہے یا پھر اس میں کوئی حقیقت بھی ہے؟

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے شروع میں عرض کیا تھا خلیفہ ہارون الرشید نے کہا تھا ''اللہ سے جب بھی مانگو تو عقل نہ مانگو مقدر مانگو کیونکہ میں نے ہمیشہ عقل والوں کو مقدر والوں کا نوکر دیکھا ہے'' ہارون الرشید نے مزید کہا ''بادشاہوں کو چاہیے وہ جب بھی مشیر رکھیں تو تجربہ کار' صاحب علم اور ٹھنڈے مزاج کے لوگوں کا انتخاب کریں کیونکہ جب بادشاہ کے گرد گرم مزاج' جاہل اور ناتجربہ کار لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو حکومت کو تاریخ کے قبرستان تک پہنچتے دیر نہیں لگتی۔'' ہارون الرشید اکثر عربی کی ایک کہاوت دہراتا تھا' وہ کہتا تھا جب بھی مشورہ کرو' کسی سیانے سے نہ کرو' تجربہ کار سے کرو اور وہ کہتا تھا جو لوگ تاریخ سے سبق نہیں سیکھتے وہ وقت سے پہلے تاریخ بن جاتے ہیں۔

(30 جنوری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

ہو جاتا ہے اور آخر میں سب فارغ ہو جاتے ہیں۔

انصاف صرف وزیراعظم کے لئے کیوں؟

آغاز:
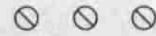
خواتین و حضرات! آپ نے برطانیہ کے سابق وزیراعظم سرونسٹن چرچل کا یہ واقعہ بے شمار مرتبہ سنا اور پڑھا ہوگا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران کسی نے چرچل سے کہا تھا ''برطانیہ تباہ ہو جائے گا'' اور اس کے جواب میں چرچل نے اس سے پوچھا تھا ''کیا ہماری عدالتیں کام نہیں کر رہیں'' پوچھنے والے نے جواب دیا ''ہماری عدالتیں اور ہمارے جج ٹھیک کام کر رہے ہیں'' چرچل نے فوراً کہا ''پھر برطانیہ تباہ نہیں ہوگا کیونکہ ملکوں کو جنگیں تباہ نہیں کرتیں' بے انصافی برباد کیا کرتی ہے۔'' لیکن خواتین و حضرات! آپ کو اس واقعے کی پوری تفصیل یا بیک گراؤنڈ معلوم نہیں ہوگی۔ چرچل کی عادت تھی کہ وہ گاہے بگاہے قانون اور انصاف کا سسٹم چیک کرتا رہتا تھا۔ اس کے چند ایسے دوست تھے جن کا تعلق عام طبقے سے تھا' ان میں سے کچھ پروفیسرز تھے' کچھ ڈاکٹرز تھے' کچھ کلرکس' کچھ عام چھوٹے موٹے دکاندار اور چند بے روزگار نوجوان اور مزدور تھے' چرچل مہینے میں ایک دن ان میں سے کسی ایک کے ساتھ لندن شہر میں نکلتا تھا' اس کا دوست عام سی چھوٹی کار میں ہوتا تھا جبکہ چرچل سٹاف کار میں سفر کرتا تھا۔ یہ دونوں جان بوجھ کر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرتے یا کوئی ایسا چھوٹا اور معمولی سا جرم کرتے جس کی سزا چند پاؤنڈز ہوتی تھی' ان جرائم کے بعد اگر پولیس چرچل کو وزیراعظم کی حیثیت سے خصوصی پروٹوکول دے دیتی یا اس کے جرم پر خاموش رہتی اور اس کے دوست کے خلاف قانونی کارروائی کرتی تو چرچل قانون کے سسٹم کے بارے میں پریشان ہو جاتا اور اگر پولیس دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتی تو چرچل مطمئن ہو کر گھر واپس چلا جاتا۔

اسی طرح چرچل عدالتوں میں بھی کبھی کبھار چھوٹے موٹے دعوے دائر کر دیتا تھا اور اس کے

دوست بھی اس کی رضامندی سے وزیراعظم کے خلاف عدالت میں چلے جاتے تھے‘ اگر عدالت دونوں کو طلب کر لیتی‘ اگر عدالت میرٹ اور قانون پر چلتی اور اگر عدالت چرچل کے خلاف فیصلہ دے دیتی تو وہ انصاف کے عمل سے مطمئن ہو جاتا تھا۔ چرچل کا انصاف کے بارے میں یہ قول بھی اسی قسم کے ایک واقعہ کا حصہ تھا۔ چرچل اور اس کے دوست نے ایک عدالت میں ایک ہی نوعیت کا الگ الگ مقدمہ دائر کیا‘ چرچل کو اسی دن انصاف مل گیا‘ وہ واپس آیا تو اس کے دوستوں‘ اس کی کابینہ کے اراکین نے اسے مبارک باد پیش کی لیکن چرچل نے کہا ”نہیں ابھی چند گھنٹے انتظار کرو“ تھوڑی دیر بعد اس کا وہ دوست اس کی سٹڈی میں داخل ہوا جس نے اسی روز عدالت میں دعویٰ دائر کیا تھا۔ چرچل نے اس کی طرف دیکھا تو دوست فوراً بولا ”عدالت نے مجھے بھی آج ہی بلوایا اور آج ہی فیصلہ کر دیا“ چرچل نے پوچھا ”کیا فیصلہ قانون کے مطابق ہوا“ دوست نے ہاں میں گردن ہلا دی‘ چرچل نے اپنی کیبنٹ کے اراکین کی طرف دیکھا اور کہا ”ہاں اب تم لوگ مجھے مبارک باد پیش کر سکتے ہو“ سب نے کھڑے ہو کر تالیاں بجائیں اور ان تالیوں کے بعد چرچل نے یہ مشہور فقرہ بولا ”برطانیہ تباہ نہیں ہوگا کیونکہ ملکوں کو جنگیں تباہ نہیں کرتیں‘ بے انصافی تباہ کیا کرتی ہے۔“

خواتین وحضرات! آج اسلام آباد ہائی کورٹ نے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو نیب کے تمام مقدمات سے بری کر دیا ہے‘ عدالت کا کہنا ہے وزیراعظم پر لگائے جانے والے الزامات ثابت نہیں ہو سکے۔ وزیراعظم پر الزام تھا انہوں نے سپیکر قومی اسمبلی کی حیثیت سے چند لوگوں کو قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نوکریاں دی تھیں جبکہ ان پر مہنگی گاڑیاں خریدنے کا الزام بھی تھا‘ میاں نواز شریف کے دور میں سیف الرحمان نے گیلانی صاحب کے خلاف ریفرنس بنایا جبکہ 1999ء میں جنرل پرویز مشرف نے یوسف رضا گیلانی کو گرفتار کر لیا‘ ان کے خلاف عدالتی کارروائی ہوئی اور ان کو مجموعی طور پر سترہ سال قید اور ایک کروڑ روپے سے زائد جرمانے کی سزا سنائی گئی‘ اس دوران یوسف رضا گیلانی قریباً پانچ سال تک قید میں بھی رہے لیکن آج انہیں انصاف مل گیا لیکن اس انصاف کے بعد ناظرین سوال یہ ہے اگر یوسف رضا گیلانی وزیراعظم نہ ہوتے تو کیا پھر بھی انہیں انصاف مل جاتا۔ دوسرا اس وقت سول کورٹس سے لے کر سپریم کورٹ تک لاکھوں مقدمات زیرالتوا ہیں‘ ان میں ایسے مقدمے بھی موجود ہیں جو چالیس چالیس سال سے چل رہے ہیں اور ان کا فیصلہ نہیں ہو رہا۔ ان لوگوں کا کیا قصور ہے؟ کیا ان کا یہ قصور ہے کہ یہ وزیراعظم نہیں ہیں اور جب تک یہ وزیراعظم نہیں بنتے انہیں اس ملک میں انصاف کے لئے اسی طرح دھکے کھانا پڑیں گے۔

خواتین وحضرات! انصاف صرف وزیراعظم کے لئے کیوں ہے؟ اور عام شہری کو اس ملک

میں انصاف کب ملے گا؟

اختتام:

خواتین وحضرات! اگر عدالتیں آزاد نہ ہوں‘ اگر ملک میں انصاف نہ ہو تو کیا ہوتا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یروشلم کے بے انصاف جج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چوروں کے ساتھ کھڑا کر دیتے ہیں اور اللہ کے نبی کو اس وقت کی سنگین ترین سزا سنا دیتے ہیں۔ ایتھنز کے بے انصاف‘ بے عدل جج سقراط جیسے سچے‘ کھرے اور دُنیا کے سب سے بڑے فلسفی کو موت کی سزا دے دیتے ہیں‘ بے عدل‘ بے انصاف عدالتیں گلیلیو جیسے سائنس دان‘ ناسٹرڈیمس جیسے ستارہ شناس اور ارشمیدس جیسے موجد کو مجرم ڈیکلیئر کر دیتی ہیں‘ اگر عدالتیں آزاد نہ ہوں اور جج حکومتی دباؤ میں ہوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا جاتا ہے‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام نقل مکانی پر مجبور ہو جاتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بازاروں میں بک جاتے ہیں۔ یہ انصاف ہوتا ہے جو جنگل اور معاشرے میں تفریق پیدا کرتا ہے۔ اگر معاشرے سے انصاف ختم ہو جائے تو انسان درندے اور شہر جنگل ہو جاتے ہیں اور شائد یہی وجہ ہے جس کے باعث رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ”خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں آج اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا اور تم سے پہلے والی قومیں اس لئے برباد ہو گئیں کہ جب ان کا کوئی عام شہری جرم کرتا تھا تو اس پر پوری حد نافذ ہوتی تھی لیکن جب وہی جرم کسی بڑے آدمی سے سرزد ہو جاتا تھا تو انصاف خاموش رہتا تھا۔“

خواتین وحضرات! افسوس ہم نے اس ملک کو ایسا ملک بنا دیا جس میں سزا عام شہری کے لئے ہے اور جزا بڑوں کے لئے۔ جس میں انصاف صرف وزیروں اور وزیراعظموں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

(04 فروری 2009ء)

دولت اور خدمت

آغاز:

خواتین وحضرات! رفیق الحریری لبنان کے وزیراعظم تھے‘ ان کا پورا نام رفیق بہاؤ الدین
لحریری تھا‘ وہ لبنان کے شہر صیدون میں ایک غریب کاشتکار کے گھر پیدا ہوئے اور انہوں نے بچپن ہی
یں لیموں اور مالٹے کے باغوں میں کام شروع کر دیا‘ انہیں ہزار مالٹے چننے کے عوض 24 مالٹے ملتے تھے
ور وہ یہ مالٹے بیچ کر اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتے تھے لیکن انہوں نے مزدوری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا
سلسلہ بھی جاری رکھا‘ وہ پارٹ ٹائم ایک اخبار ’’النہار‘‘ میں کام بھی کرتے تھے‘ وہ 18 سال کی عمر میں
بنان سے سعودی عرب منتقل ہوئے اور 1970ء میں انہوں نے وہاں ایک چھوٹی سی کنسٹریکشن کمپنی
کھول لی۔ اللہ نے کرم کیا اور رفیق الحریری پر مقدر کے دروازے کھل گئے۔ سعودی عرب کے شاہی
اندان کے ساتھ ان کے تعلقات استوار ہوئے‘ شاہ فہد نے انہیں اپنے دوستوں کی صف میں شامل کر لیا
س کے بعد انہیں سرکاری ٹھیکے ملنے لگے۔ اس دوران انہوں نے شاہ خالد بن عبدالعزیز کا پیلس بھی تعمیر
لیا‘ یہ دُنیا میں سب سے کم مدت میں بننے والا محل تھا‘ رفیق الحریری نے صرف چھ ماہ میں پورا محل بنا دیا تھا‘
س کے بعد انہوں نے بینکنگ‘ رئیل اسٹیٹ‘ پٹرول اور ٹیلی کمیونیکیشن کی فیلڈ میں قدم رکھا اور جھنڈے
اڑھ دیئے۔ وہ دُنیا کے ان چند انسانوں میں شمار ہوتے تھے جنہیں سعودی عرب نے شہریت دی تھی۔
فیق الحریری نے بعد ازاں لبنان کی سیاست میں قدم رکھا لیکن انہوں نے الیکشن میں حصہ لینے سے قبل
روت کے مشہور ٹی وی فیوچر اور المستقبل خرید لئے‘ وہ دُنیا کے ففٹی ورتھ امیر ترین شخص بھی تھے‘ وہ
199ء میں 48 سال کی عمر میں لبنان کے وزیراعظم بنے‘ انہیں لبنان کے کم عمر ترین وزیراعظم کا
زاز بھی حاصل ہوا‘ وہ 1992ء سے 2004ء تک مسلسل پانچ بار لبنان کے وزیراعظم بنے بعد ازاں

20 اکتوبر 2004ء کو انہوں نے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ ان دنوں شام کے ساتھ ان کے
تعلقات خراب تھے لہٰذا 14 فروری 2005ء کو جب وہ بیروت میں سفر کر رہے تھے تو راستے میں
اچانک ایک گاڑی دھماکے سے پھٹی اور رفیق الحریری اپنے سٹاف کے دس لوگوں کے ساتھ جاں بحق ہو
گئے۔ وہ سعودی عرب کے شاہی خاندان اور امریکن انتظامیہ کے بہت قریب تھے چنانچہ پوری دُنیا نے
ان کے قتل کو بہت سیریس لیا۔ دوسرا امریکہ شام‘ حزب اللہ اور ایران کو اس واقعے میں ملوث کرنا چاہتا تھا
چنانچہ امریکن دباؤ کے باعث اقوام متحدہ نے رفیق الحریری کے قتل کی تفتیش کے لئے ایک انکوائری کمیشن
بٹھا دیا‘ یہ یواین کی تاریخ کا اس نوعیت کا پہلا کمیشن تھا‘ اس کمیشن نے تحقیقات شروع کیں‘ آج ان
تحقیقات کو چار سال ہو چکے ہیں‘ اس پر 500 ملین ڈالر خرچ ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک اس انکوائری کا
کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکلا۔

خواتین وحضرات! 27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو راولپنڈی میں شہید ہو گئیں‘ محترمہ
کی شہادت کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی نے اقوام متحدہ سے رفیق الحریری کمیشن کی طرز پر ایک انکوائری
کمیشن بنانے کا مطالبہ کیا لیکن اقوام متحدہ نے اس مطالبے پر کوئی خاص سرگرمی نہ دکھائی۔ 18 فروری
کے الیکشنز کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت آئی تو حکومت نے یواین کو باقاعدہ درخواست بھی دے
دی۔ قریباً ایک سال تک یہ درخواست سرد خانے میں پڑی رہی لیکن پھر 4 فروری 2009ء کو اقوام متحدہ
کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے اسلام آباد میں محترمہ کی شہادت پر کمیشن کے قیام کا اعلان کر دیا‘
ابتدائی معلومات کے مطابق اس کمیشن کی سربراہی اقوام متحدہ میں چلی کے سفیر کریں گے جبکہ انڈونیشیا
اور شائد سویڈن کے ماہرین اس میں کام کریں گے۔ کمیشن کی انکوائری پر ساڑھے چار کروڑ ڈالرز خرچ
آئیں گے جس میں سے 50 لاکھ ڈالرز حکومت پاکستان ادا کرے گی۔

خواتین وحضرات! کیا واقعی اس کمیشن کی ضرورت تھی؟ کیا واقعی یہ کمیشن محترمہ کے قاتلوں کو
بے نقاب کر سکے گا اور کہیں یہ کمیشن محترمہ کی شہادت کو سرد خانے میں ڈالنے کی کوشش تو نہیں۔ جبکہ آج
اسلام آباد ہائی کورٹ نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی نظر بندی ختم کرنے کا حکم دے دیا۔ ڈاکٹر
صاحب آج سے آزاد شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنے میں آزاد ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب واقعی آزاد
زندگی گزار سکیں گے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں رفیق الحریری کا ذکر کیا تھا۔ رفیق الحریری کی دو
بیویاں اور سات بچے تھے‘ ان بچوں میں سے ایک بیٹے کا نام سعد حریری ہے۔ سعد حریری نے اپنے والد

کے انتقال پر ایک بین الاقوامی چینل کو انٹرویو دیا تھا' اس انٹرویو میں انہوں نے بتایا ان کے والد اکثر کہا کرتے تھے ''میں جب دُنیا سے رخصت ہوں گا تو میں پیچھے دو چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ دولت اور خدمت۔ میری دولت میرا کفن میلا ہونے سے پہلے پہلے میرے لواحقین میں تقسیم ہو جائے گی لیکن میری خدمت باقی رہے گی' اسے کوئی ختم نہیں کر سکے گا۔'' سعد حریری کا کہنا تھا ان کے والد کہا کرتے تھے ''دولت عارضی لیکن خدمات مستقل ہوتی ہیں' دولت خرچ ہو کر ختم ہو جاتی ہے لیکن خدمت خرچ ہونے کے بعد بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔'' وہ کہا کرتے تھے خدمت کھجور کا درخت ہوتی ہے جو صدیوں تک پھل دیتی ہے جبکہ دولت کاغذ کا ٹکڑا ہوتی ہے جو ذرا سی بارش' آگ کی ذرا سی چنگاری سے جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔

خواتین وحضرات! یہ ایسے انسان کے الفاظ ہیں جو دُنیا کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا اور جسے دُنیا کے بااختیار ترین حکمرانوں کا ٹائٹل بھی ملا لیکن یہ شخص جب مرا تو اس کی دولت ختم ہو گئی مگر اس کی خدمات' اس کے فلاح و بہبود کے ادارے اور اس کے کارنامے آج زندہ ہیں۔ نیکی خواتین وحضرات! دُنیا کی واحد چیز ہے جو انسان کو مرنے کے بعد بھی مرنے نہیں دیتی اور نیکی کو زندہ رکھنے کے لئے کسی کمیشن اور کسی اقوام متحدہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دُنیا میں اقتدار اور دولت دونوں زوال پذیر ہو جاتی ہیں لیکن خدمت' فلاح و بہبود اور نیکی کو زوال نہیں آتا' نیکیاں سورج کی طرح ہوتی ہیں یہ کائنات کے آخری لمحے تک زندہ رہیں گی۔

(06 فروری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

ڈواِٹ بی فورڈائی

آغاز:

خواتین وحضرات! آمریت' شخصی حکومت یا پھر حکمرانوں کی دہشت کتنی خوفناک ہوتی ہے اس کی ایک مثال سوویت یونین کے سربراہ جوزف سٹالن تھے' سٹالن سوویت یونین بلکہ پوری دُنیا کے لئے دہشت کی علامت تھے' ان کے بارے میں کہا جاتا ہے انہوں نے لاکھوں لوگوں کو قتل کروا دیا تھا' لاکھوں لوگوں کے اعضاء کٹوا دیئے تھے اور لاکھوں لوگوں کو سائبیریا میں جلاوطن کر دیا تھا۔ ان کے دور میں اونچی آواز میں ان کا نام لینا بھی جرم تھا اور اس جرم کی کم از کم سزا جلاوطنی ہوتی تھی۔ آپ سٹالن کے خوف کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔ جوزف سٹالن ایک بار ڈرامہ دیکھنے کے لئے ماسکو کے سب سے بڑے تھیٹر میں گئے' انہوں نے سارا ڈرامہ دیکھا' ڈرامہ ختم ہوا تو کاسٹ سٹیج پر آ گئی' ڈرامے کے ڈائریکٹر نے مائیک پکڑا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر اعلان کیا خواتین وحضرات! اس وقت سوویت یونین کے مرد آہن' دُنیا کے سب سے بڑے لیڈر اور دُنیا کی سپر پاور کے سربراہ جوزف سٹالن ہمارے درمیان موجود ہیں' میں انہیں سٹیج پر آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ڈائریکٹر خاموش ہوا تو سٹالن اپنی نشست پر کھڑے ہو گئے' ان کے احترام میں ہال میں موجود تمام لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر کھڑے ہو گئے' سٹالن آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سٹیج پر آئے' ڈائریکٹر کے قریب پہنچے اور خاموش کھڑے ہو گئے۔ ڈائریکٹر نے اس کے بعد حاضرین سے کہا ''خواتین وحضرات! میں آپ سے سوویت یونین کے مرد آہن کے اعزاز میں تالیاں بجانے کی درخواست کرتا ہوں'' ڈائریکٹر کی درخواست کے فوراً بعد ہال میں موجود خواتین وحضرات نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ سٹالن تماشائیوں کی طرف دیکھنے لگے' دس سیکنڈ تک تالیاں بجیں' سٹالن لوگوں کو دیکھتے رہے' ایک منٹ تک تالیاں بجیں' سٹالن لوگوں کو دیکھتے رہے' تالیوں کا دوسرا منٹ شروع

ہو گیا' سٹالن دیکھتے رہے' تالیاں پانچ منٹ تک پہنچ گئیں' سٹالن لوگوں کو دیکھتے رہے اور تالیاں دس منٹ تک چلی گئیں' سٹالن ہال کو دیکھتے رہے۔ آپ ذرا صورتِ حال ملاحظہ کیجئے' سٹالن سٹیج پر کھڑا ہے' ہال میں موجود تمام لوگ ایڑھیوں کے بل کھڑے ہیں اور مسلسل تالیاں بجاتے چلے جا رہے ہیں اور ان میں سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہو رہی ہے کہ وہ سٹالن کی موجودگی میں تالی بجانا بند کر دے۔ خواتین وحضرات! تالی ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اس کا دورانیہ 45 سیکنڈ سے اُوپر ہو جائے تو اس کا اثر الٹ ہو جاتا ہے مثلاً جب آپ کسی کو اپیری شیئیٹ کرنے کے لئے تالی بجاتے ہیں اور اس تالی کا دورانیہ 45 سیکنڈ سے اُوپر چلا جاتا ہے تو یہ اپیری سی ایشن ہوٹنگ میں تبدیل ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر آپ کسی کی خدمات کے اعتراف میں تالی بجاتے ہیں اور اس تالی کا دورانیہ بھی 45 سیکنڈ سے اُوپر چلا جاتا ہے تو خدمات کا اعتراف مذاق میں بدل جائے گا۔ آپ ذرا اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر ماسکو کے اس تھیٹر کی صورت حال پر غور کیجئے' سٹالن کے اعزاز میں وہاں بیس منٹ تک مسلسل تالی بجی تھی یہاں تک کہ ہال میں موجود ایک شخص نے تالی بجانا بند کی اور نشست پر بیٹھ گیا' اس کی تقلید میں سب لوگوں نے اپنے اپنے ہاتھ روکے اور چپ چاپ نیچے بیٹھ گئے۔ سٹالن نے غصے سے اس شخص کی طرف دیکھا اور سٹیج سے اتر گیا بعد ازاں کے جی بی کے اہلکاروں نے اس گستاخ شخص کو اغوا کیا' اس پر غداری کا مقدمہ قائم کیا اور اسے سائبیریا بھجوا دیا۔

خواتین وحضرات! یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے سٹالن نے ایسا کیوں کیا؟ اور 20 منٹ بعد تالی روکنے والے اس شخص کا جرم کیا تھا۔ اس شخص کا جرم احمقانہ سسٹم اور ظالمانہ روایات سے بغاوت تھا' وہ شخص منافقانہ ماحول میں 20 منٹ تک تالیاں بجا کر تھک گیا تھا چنانچہ اس نے اس ماحول سے بغاوت کا فیصلہ کیا' اس نے تالی بجانا بند کی اور نیچے بیٹھ گیا۔ اس کی اس حرکت پر سٹالن بھانپ گیا کہ دو ہزار لوگوں کے مجمعے میں وہ شخص ہے جس میں لیڈر شپ کی کوالٹی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ جب بیٹھا تو سارے ہال نے اس کی تقلید میں تالیاں بند کیں اور بیٹھ گئے چنانچہ سٹالن نے اسے سائبیریا بھجوا دیا۔

خواتین وحضرات! منافقانہ' ظالمانہ اور احمقانہ نظاموں کو چیلنج کرنے والے لوگوں کا یہی انجام ہوتا ہے' نظام اور نظام کے سربراہ ان لوگوں کو اُٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں یا انہیں اندر بند کر دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں اس کی تازہ ترین مثال ڈاکٹر عبدالقدیر اور افتخار محمد چودھری ہیں۔ ان دونوں نے وہی جرم کیا تھا جو سٹالن کے سامنے موجود شخص نے 20 منٹ بعد تالی روک کر کیا تھا چنانچہ پاکستان کا سسٹم پہچان گیا تھا کہ 17 کروڑ لوگوں کے اس ملک میں ڈاکٹر عبدالقدیر اور افتخار محمد چودھری دو ایسے لوگ ہیں جو عوام کو اکٹھا کر سکتے ہیں' جو لوگوں کو لیڈ کر سکتے ہیں اور جو لوگوں کو سسٹم سے ٹکرانے پر مجبور کر سکتے ہیں لہٰذا سسٹم

نے ایک شخص کو قید کر دیا اور دوسرے کو نکال کر باہر پھینک دیا۔

خواتین وحضرات! ڈاکٹر عبدالقدیر کا مستقبل کیا ہے؟ یہ کتنے دنوں تک آزاد رہ سکیں گے۔ یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! زندگی گزارنے کا ایک نظریہ ہے ''ڈو آر ڈائی'' کر جاؤ یا مر جاؤ۔ لیکن میں اسے ایک پرانا نظریہ سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے اسے ''ڈو اِٹ بی فور ڈائی'' ہونا چاہئے یعنی جو کچھ کرنا چاہتے ہو' مرنے سے پہلے کر جاؤ۔ اس نظریے کو تھوڑا سا مزید بہتر بھی بنایا جا سکتا ہے مثلاً ہم اسے اس طرح بھی لے سکتے ہیں ''آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہو' اسے مرنے سے پہلے کرنے کی کوشش کریں۔'' اسلام دُنیا کا واحد مذہب ہے جس میں کوشش اور نیت دونوں کو نیکی سمجھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا باقاعدہ ثواب دیتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر اور افتخار محمد چودھری اس معاشرے کے محسن ہیں' ان دونوں کو اس ملک کے عوام کو عزت نفس کے ساتھ جینے کا سبق دیا اور یہ نظام ان دونوں کو اس سبق کی سزا دے رہا ہے' ہم سب کا فرض ہے' ہم انہیں اس سزا سے بچانے کی کوشش کریں' ہم ان کے لئے دُعا کر کے' ان کی مدد کر کے اپنا فرض ادا کریں خواہ ہم اس کوشش میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں کیونکہ قدرت کے ہاں ہماری کوشش ضرور رجسٹرڈ ہو جائے گی۔۔۔ سو ڈو اِٹ بی فور ڈائی۔

(08 فروری 2009ء)

ہوس کے پجاری

آغاز:

خواتین وحضرات! مرحوم نصرت فتح علی خان پاکستان کے مشہور گلوکار اور موسیقار تھے' انہوں نے اپنے گلے کے زور پر پاکستان کا نام پوری دُنیا میں پھیلا دیا تھا۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا ''استاد جی آپ کیا کرتے ہیں'' نصرت فتح علی خان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا ''کیا مطلب'' پوچھنے والے نے عرض کیا ''جناب آپ کا روزگار کیا ہے'' نصرت فتح علی خان نے جواب دیا ''میں گاتا بجاتا ہوں'' پوچھنے والے نے کہا ''جناب ٹھیک ہے آپ گاتے بجاتے ہیں لیکن پھر بھی آپ کا روزگار کیا ہے'' نصرت فتح علی خان نے جواب دیا ''بھائی گانا بجانا ہی میرا کاروبار ہے'' پوچھنے والے نے حیرت سے کہا ''جناب آپ نے تو مجھے حیران کر دیا' میں تو گانا بجانے کو آپ کا شوق سمجھتا تھا۔''

خواتین وحضرات! نصرت فتح علی خان اور اس اجنبی شخص کے درمیان مکالمے کو اگر ہم سیاست اور حکومت میں رکھ کر دیکھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے' ایک سیاست دان ہونا' ایک وزیر ہونا خدمت ہے یا کاروبار اگر یہ خدمت ہے تو پھر ہمارے ارکان اسمبلی اور ہمارے وزراء اس خدمت کی تنخواہ' اس خدمت کی مراعات کیوں لیتے ہیں اور اگر یہ کاروبار ہے تو پھر ہمارے وزراء' ہمارے سیاست دان لوگوں سے عزت اور احترام کی ڈیمانڈ کیوں کرتے ہیں' یہ لوگ اپنے کام کو خدمت کیوں کہتے ہیں؟ کیا آپ کو معلوم ہے اس وقت پاکستان میں وفاقی وزراء' منسٹر فار سٹیٹ' وزیراعظم کے مشیروں' خصوصی معاونین اور وزراء کا سٹیٹس انجوائے کرنے والے چیئرمینوں کی کل تعداد کتنی ہے؟ مجھے یقین ہے آپ کو یہ حقیقت معلوم نہیں ہوگی۔

خواتین وحضرات! وفاق میں 92 لوگ وزراء کے سٹیٹس' مراعات اور تنخواہوں سے لطف

اندوز ہو رہے ہیں۔ ان میں 41 وفاقی وزراء ہیں' 17 منسٹر فار سٹیٹ ہیں جبکہ داخلہ' خزانہ اور پٹرولیم کے وزیراعظم کے تین مشیر سماجی بہبود' آبی وسائل پر تحقیق اور خصوصی امور کے وزیراعظم کے تین خصوصی معاون اور ایک تا مرگ وفاقی وزیر ان کے علاوہ ہیں۔ یہ معاونین اور مشیر وفاقی وزراء کے مقابلے میں کہیں زیادہ مراعات اور پروٹوکول انجوائے کر رہے ہیں جبکہ کشمیر کمیٹی کے چیئرمین مولانا فضل الرحمان' قومی اسمبلی کی خارجہ تعلقات کمیٹی کے چیئرمین اسفندیار ولی' قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف چودھری نثار علی خان اور سینٹ میں قائد حزب اختلاف کامل علی آغا کو وفاقی وزیر جبکہ سینٹ کے چیف وہپ مولانا عبدالغفور حیدری کو منسٹر فار سٹیٹ کا درجہ حاصل ہے اور یہ حضرات منسٹر فار سٹیٹ اور وفاقی وزیر کی مراعات اور تنخواہیں وصول کر رہے ہیں۔ ان کے بعد صدر کے سیکرٹری جنرل' بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی سربراہ' سٹریٹجک پروگرام کے سپیشل ایڈوائزر' ٹیکسٹائل کے مشیر' پارلیمانی امور کے مشیر' فروغ تجارت کی اتھارٹی کے چیئرمین' حکومتی اصلاحات کمیٹی کے چیئرمین' وفاقی لینڈ کمیشن کے چیئرمین' اٹارنی جنرل آف پاکستان' وفاقی محتسب اور اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین کو منسٹر فار سٹیٹ اور وفاقی وزیر کا درجہ اور مراعات حاصل ہیں جبکہ حکومت نے درجن کے قریب عمومی سفیر بھی نامزد کر رکھے ہیں اور ان سفیروں کو بھی وزراء کے برابر مراعات اور پروٹوکول ملتا ہے۔ یوں وزراء کی مراعات پانے والے لوگوں کی تعداد 92 بنتی ہے اور یہ تعداد کے لحاظ سے دُنیا میں سب سے بڑی کابینہ ہے۔

خواتین وحضرات! یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملک کو ایک وزیر کتنے میں پڑتا ہے؟ اس انکشاف سے پہلے میں آپ کو یہ بتاتا چلوں ایک وفاقی وزیر کو کیا کیا مراعات حاصل ہیں۔ وزیر کو تنخواہ کے علاوہ ایک گاڑی' آفس' آفس کا سٹاف' تیار گھر' گھر میں ضرورت کی تمام اشیاء اور گھر میں سٹاف' گھریلو ملازمین' حفاظتی عملہ' ٹیلی فون' موبائل' ایکویپمنٹ الاؤنس' گھریلو اشیاء کی ٹرانسپورٹیشن کے الاؤنس' انٹرٹینمنٹ اخراجات' پاکستان بھر میں دوروں اور سیاحت کے اخراجات' وزیر اور ان کی اہلیہ کے لئے ہوائی جہاز میں فرسٹ کلاس ٹکٹ' اندرون ملک اور بیرون ملک علاج کی ان لمیٹڈ سہولت یعنی اگر وزیر کے علاج پر ایک ارب روپے بھی خرچ ہوں تو کر دیئے جائیں' یوٹیلٹی بلز اور پولیس کے حفاظتی دستے کی سہولیات حاصل ہوتی ہیں' یہ صرف تحریری مراعات ہیں جبکہ وزراء کو وزارتوں کی بڑی گاڑیوں پر قبضہ کرنے کی سہولت بھی حاصل ہے' ہمارے وزراء ان سہولتوں کے علاوہ کون کون سی سہولت سے استفادہ کر رہے ہیں اس کے لئے دو مثالیں کافی ہوں گی۔ ہمارے ایک وفاقی وزیر نے دو ماہ کے دوران 4 لاکھ 58 ہزار 8 سو 33 روپے کا پٹرول خرچ کیا تھا جبکہ ایک وزیر کی چائے کا دو دن کا بل 26 ہزار روپے آیا تھا۔ اب آتے ہیں اس سوال کی طرف کہ ایک وزیر قوم کو کتنے میں پڑتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق

ایک وزیر پر قوم کے سالانہ 6 کروڑ روپے خرچ ہوتے ہیں' آپ چھ کروڑ کی اس رقم کو 92 سے ضرب دے دیں تو آپ کے سارے طبق روشن ہو جائیں گے اور یہ کس ملک کے وزراء ہیں؟ یہ ایک ایسے ملک کے وزراء ہیں جس میں عام شہری کی صحت پر سالانہ 194 روپے جبکہ تعلیم پر 145 روپے خرچ ہوتے ہیں۔

خواتین و حضرات! آج وزیر اعظم نے تین عمومی سفیروں کی برطرفی کا حکم جاری کیا' ان عمومی سفیروں میں سید شریف الدین پیرزادہ احسان اللہ خان اور حمید اصغر قدوائی شامل ہیں۔ یہ حضرات عمومی سفیر کی مراعات لے رہے تھے' یہ لوگ تو فارغ ہو گئے لیکن پیچھے رہ جانے والوں میں کون سے ایسے لوگ ہیں جن کے بغیر بھی یہ سسٹم چل سکتا ہے یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! دُنیا میں نیکی کی پانچ چیزیں ایسی ہیں جو جتنی بھی ہو جائیں کم لگتی ہیں۔ یہ چیزیں ہیں آزادی' محبت' علم' اختیارات اور ہوس۔۔۔ آزادی جتنی بھی ہو کم لگتی ہے۔ محبت جتنی بھی ہو وہ بھی کم لگتی ہے۔ علم جتنا بھی ہو کم لگتا ہے۔ اختیارات یعنی اقتدار بھی جتنا ہو کم ہو لگتا ہے اور ہوس کی بھی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ دیو جانس قلبی نے کہا تھا اگر انسان قناعت کی دولت سے مالا مال ہو تو اس کے لئے چارپائی جتنی زمین کافی ہوتی ہے لیکن اگر اس کی رگوں میں ہوس کا خون دوڑ رہا ہو تو پوری کائنات بھی اس کی جیب نہیں بھر سکتی۔ انسان کو دو وقت چار روٹیاں چاہئیں لیکن یہ ہوس ہوتی ہے جو اسے ان روٹیوں پر مکھن لگانے پر مجبور کرتی ہے اور یہ بھی طے ہے جس سیاست دان کے دل میں ہوس ہو وہ سیاست دان بزنس مین تو ہو سکتا ہے لیکن لیڈر نہیں ہو سکتا۔

(12 فروری 2009ء)

⦸ ⦸ ⦸

تین جذبے

آغاز:

خواتین و حضرات! دُنیا کے کسی بھی کونے میں جب قتل ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ فوری طور پر وہاں دو نئی اصطلاحات سامنے آتی ہیں۔ ایک اصطلاح قاتل ہے اور دوسری اصطلاح مقتول۔ قاتل اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے قتل کیا اور مقتول وہ شخص ہوتا ہے جو قتل ہو گیا۔ قاتل کے لئے دُنیا کے تمام قوانین' ضابطوں اور روایات' دُنیا کے تمام معاشروں' سماجوں' ملکوں اور ریاستوں میں کوئی نہ کوئی سزا موجود ہے۔ قاتل گرفتار ہوتا ہے' اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا ہے' عدالت ثبوتوں اور گواہوں کی بنیاد پر قاتل کو قاتل ڈکلیئر کرتی ہے اور اس کے بعد اس قاتل کو پھانسی دے دی جاتی ہے یا اسے زہر کا ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے یا اسے بجلی کی کرسی پر بیٹھا کر ہائی وولٹیج کا کرنٹ دے دیا جاتا ہے یا اسے زہریلی گیس کے چیمبر میں بند کر دیا جاتا ہے یا اسے گولی مار دی جاتی ہے یا اس کا سر کاٹ دیا جاتا ہے یا پھر اسے پانچ سال سے لے کر عمر بھر کے لئے قید میں ڈال دیا جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! یہ قاتل کی سزا ہوتی ہے لیکن یہاں پر ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے قاتل کو تو اس کے کئے کی سزا دے دی گئی' اسے پھانسی دے دی گئی یا اسے عمر بھر کے لئے قید میں ڈال دیا گیا لیکن مقتول کا کیا جرم تھا' اس معصوم اور بے گناہ کو کس جرم' کس گناہ کی سزا ملی۔۔۔! قدرت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ انصاف پسند ہے' اللہ' گاڈ' خدا یا بھگوان کسی کے ساتھ ظلم یا زیادتی نہیں کرتا لہٰذا پھر سوال یہ ہے قدرت نے مقتول کو کس جرم کی سزا دی' اس نے اسے کیوں مروا دیا!

خواتین و حضرات! یہ بڑی دلچسپ حقیقت ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کرنے لگا ہوں' 90 فیصد کیسز میں مقتول بے گناہ نہیں ہوتا اور وہ قاتل سے کہیں زیادہ ضدی' ہٹ دھرم' ظالم' وحشی اور گناہ

گار ہوتا ہے اور قدرت اسے اس چیز کی سزا دیتی ہے کہ اس نے ایسے حالات کیوں پیدا کر دیئے تھے کہ جن کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص اسے قتل کرنے پر مجبور ہو گیا' اللہ نے انسان کو فہم دیا' عقل دی' زبان دی اور شعور دیا لیکن مقتول نے اس شعور' زبان' عقل اور فہم سے کام نہیں لیا اور وہ حالات کو اس نہج پر لے گیا کہ قاتل دُنیا کا سب سے بڑا اور سنگین جرم کرنے پر مجبور ہو گیا یہاں پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ پھر قاتل اور مقتول میں بڑا مجرم کون ہے؟ اس کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں تاہم میں اتنا بتا دوں قتل سے لے کر جنگوں تک دُنیا کے تمام بڑے بحرانوں کی وجہ انسان کے تین جذبے ہوتے ہیں لیکن وہ جذبے کون سے ہیں' یہ میں آپ کو آخر میں بتاؤں گا۔۔ سردست ہم موضوع کی طرف آتے ہیں۔

خواتین و حضرات! بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے پاکستان میں سیاست بہت بڑے بحران کا شکار ہو چکی ہے اور شائد مستقبل قریب میں جمہوریت ایک بار پھر قتل ہو جائے لیکن سوال یہ ہے حالات کو اس نہج پر پہنچایا کس نے۔ وہ کون ہے جو جمہوریت' سسٹم اور ملک کو اس خوفناک مقام پر لے آیا؟ اس سانحے' اس حادثے کا اصل مجرم کون ہے؟ اس سلسلے میں بھی چار تھیوریز پیش کی جا رہی ہیں۔ تھیوری نمبر ایک' ایسے حالات کے اصل مجرم سابق صدر جنرل پرویز مشرف ہیں' وہ اگر آئین میں سترہویں ترمیم نہ کرتے' وہ اگر نو مارچ 2007ء کو افتخار محمد چودھری کو معطل نہ کرتے اور وہ اگر 3 نومبر 2007ء کو ایمرجنسی نہ لگاتے تو حالات آج اس نہج پر نہ آتے۔

تھیوری نمبر دو' حالات کی خرابی کی اصل جڑ پاکستان پیپلز پارٹی ہے' اگر پاکستان پیپلز پارٹی مری ڈکلیریشن پر عملدرآمد کر لیتی' اگر صدر آصف علی زرداری پانچ اگست کے معاہدے سے پیچھے نہ ہٹتے اور اگر حکومت پارلیمنٹ کے ذریعے 3 نومبر کے اقدامات کو ریورس کر دیتی تو حالات آج اس نہج پر نہ آتے۔ تھیوری نمبر تین' اس بحران کی اصل مجرم پاکستان مسلم لیگ ن ہے' اگر مسلم لیگ ن اور میاں نواز شریف اپنے مؤقف میں ذرا سی لچک دکھا دیتے' یہ چیف جسٹس کے ایشو پر تھوڑی دیر خاموش رہ جاتے' یہ حکومت کے ہاتھ مضبوط کرتے تو حالات اتنے خراب نہ ہوتے اور تھیوری نمبر چار' حالات کی خرابی کے اصل ذمہ دار وکلاء اور افتخار محمد چودھری ہیں' اگر افتخار محمد چودھری پیچھے ہٹ جاتے' وہ مستعفی ہو جاتے اور وکلاء لانگ مارچ' دھرنے اور جلسے جلوس کا سلسلہ شروع نہ کرتے اور یہ لوگ سسٹم کو چلنے دیتے تو حالات اتنی نازک شکل اختیار نہ کرتے۔

خواتین و حضرات! ان چار تھیوریز میں سے درست کون سی تھیوری درست ہے؟ حالات کی خرابی کا اصل ذمہ دار کون ہے؟

اختتام:

خواتین و حضرات! میں نے عرض کیا تھا' دُنیا کے تمام بحرانوں کی وجہ انسان کے تین جذبے ہوتے ہیں۔ یہ جذبے انا' ضد اور ہٹ دھرمی ہیں اگر انسان انا کے بانس پر نہ چڑھے' اگر انسان ضد کے گھوڑے پر نہ بیٹھے اور اگر انسان ہٹ دھرمی کے مینار پر کھڑا نہ ہو تو دُنیا میں کوئی قتل ہو اور نہ ہی جنگ اور دُنیا میں کوئی بحران بھی پیدا نہ ہو چنانچہ خواتین و حضرات! انسان کو چاہئے کہ وہ جب بھی کوئی بڑا فیصلہ کرنے لگے تو ایک بار اپنے آپ سے یہ سوال ضرور پوچھے کہ کہیں میں انا' ضد اور ہٹ دھرمی کا شکار تو نہیں ہوں' اگر اس کا جواب ہاں ہو تو وہ فوراً چند قدم پیچھے ہٹ جائے۔ یقین کیجئے وہ' اس کا خاندان' اس کی پارٹی' اس کا قبیلہ حتیٰ کہ اس کا ملک بہت بڑی تباہی سے بچ جائے گا۔ یقین کیجئے انا' ضد اور ہٹ دھرمی کا ایک قدم انسان کو وہاں لے جاتا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی۔

خواتین و حضرات! فرشتے اللہ کی واحد مخلوق ہیں جو پریشان نہیں ہوتے۔۔ کیوں؟ کیونکہ ان میں انا' ضد اور ہٹ دھرمی نہیں ہوتی لہٰذا ہٹ دھرمی' ضد اور انا وہ چیز ہے جو انسان کو نیک نہیں ہونے دیتی' جو انسان کو فرشتہ نہیں بننے دیتی لیکن یہاں پر سوال ہے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کون کر رہا ہے؟ اس کا جواب میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

(23 فروری 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

بزنس ڈیل آفر

آغاز:

خواتین وحضرات! ایک لفظ ہے پروپیگنڈہ۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کسی خبر' اطلاع یا انفارمیشن کو دور تک پھیلا دینا' یہ لفظ 1936ء تک محض ایک لفظ تھا لیکن پھر اسے ایک جرمن فلاسفر مل گیا اور اس فلاسفر نے اس لفظ کو سائنس بلکہ آرٹ کی شکل دے دی۔ اس جرمن فلاسفر کا نام پال جوزف گوئبلز تھا۔ گوئبلز جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر کا قریبی ساتھی اور وزیر تھا' ہٹلر نے اس کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے تاریخ میں پہلی بار ایک دلچسپ وزارت قائم کی' اس وزارت کا نام پروپیگنڈہ وزارت تھا اور گوئبلز اس کا وزیر تھا۔ گوئبلز نے وزارت کے دنوں میں ریڈیو' فلم' اخبارات' ڈرامے اور ادب کو پروپیگنڈے کے لئے استعمال کر کے پوری دُنیا کو حیران کر دیا۔ گوئبلز کا فلسفہ تھا'' آپ جھوٹ کو اتنی بار دہراؤ کہ وہ سچ لگنے لگے۔'' وہ یہ بھی کہتا تھا'' اگر آپ کسی سچ کو جھوٹ ثابت نہیں کر سکتے تو کم از کم آپ اس سچ میں شک کی ملاوٹ ضرور کر دیں' آپ کا آدھا کام ہو جائے گا۔''

خواتین وحضرات! گوئبلز نے یہ فلسفہ سیکھا کہاں سے تھا؟ اس کے پیچھے ایک چھوٹا سا لیکن انتہائی دلچسپ واقعہ تھا۔ گوئبلز کے والد جرمنی کی ایک فیکٹری میں ملازم تھے' گوئبلز بچپن میں ایک بار اپنے والد سے ملاقات کے لئے فیکٹری گیا' اس کا والد اسے مشینوں والے سیکشن میں لے گیا' یہ دن کا وقت تھا' فیکٹری کی تمام مشینیں چل رہی تھیں' وہاں اس کے والد نے اسے مشینوں کی قسمیں' نوعیت اور کام کے بارے میں لیکچر دینا شروع کر دیا لیکن مشینوں کی آواز کی وجہ سے اسے کوئی بات سمجھ نہیں آئی۔ گوئبلز نے اس وقت وہیں کھڑے کھڑے اندازہ لگا لیا کہ اگر دو لوگوں کی گفتگو کے درمیان غیر حقیقی' بے ربط اور جھوٹی باتوں کا شور پیدا کر دیا جائے تو گفتگو کے حقائق دونوں کے پلے

نہیں پڑیں گے چنانچہ اس نے بعد ازاں اس واقعے کو بنیاد بنا کر پروپیگنڈہ کا ایک ایسا فلسفہ تخلیق کیا جو آج بھی گوئبلز ازم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ گوئبلز کی مہربانی ہے کہ آج دُنیا کے 245 ممالک میں سے 191 ملکوں میں اطلاعات ونشریات کی وزارتیں موجود ہیں اور یہ بڑی حد تک وہی کام کر رہی ہیں جو گوئبلز 1945ء تک جرمنی میں کرتا رہا۔ گوئبلز کہا کرتا تھا'' سیاست ایک ایسی دُنیا ہے جس میں حقائق تلاش کرنا قریباً ناممکن ہے'' اس کا کہنا تھا'' سیاست دان اگر فرشتہ بھی ہو اور وہ مشرق کو مشرق اور مغرب کو مغرب کہہ رہا ہو تو بھی اس کی بات پر یقین نہ کریں کیونکہ سیاست دانوں کا سچ کبھی پورا سچ نہیں ہوتا۔''

خواتین وحضرات! گوئبلز کی بات کہاں تک حقیقت ہے' ہم دوسرے ملکوں کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن جہاں تک پاکستان کا معاملہ ہے' ہمیں یہ ماننا پڑے گا پاکستان میں سیاسی حقائق ہمیشہ دھندلے ہوتے ہیں اور سیاست بازی کے اس دھندلے پن' اس غبار میں اصل حقائق تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ آپ خود سوچئے جس ملک کے حکمران خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر 90 دن میں الیکشن کرانے کا اعلان کرتے ہوں اور بعد ازاں یہ نوے دن نو سال میں بدل جاتے ہوں یا جس ملک کا صدر 2004ء میں یونیفارم اتارنے کا اعلان کرتا ہو اور اس کا 2004ء بعد ازاں 2007ء تک چلا جاتا ہو یا جس ملک میں وعدے اور معاہدے بعد ازاں سیاسی بیان بن جاتے ہوں اس ملک میں حقائق تلاش کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ خواتین وحضرات! ہمارے سیاسی غبار میں 23 جنوری 2009ء کو ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا' صدر آصف علی زرداری نے اس رات پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف کو کھانے پر بلایا تھا۔ 25 فروری کو میاں نواز شریف نے پریس کانفرنس میں دعویٰ کیا اس کھانے کے دوران صدر نے سابق وزیر اعلیٰ کو ایک بزنس ڈیل کی آفر کی تھی' صدر نے میاں صاحب سے کہا تھا اگر وہ چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر کی مدت ملازمت میں ایکسٹینشن کی حمایت کر دیں تو سپریم کورٹ میاں برادران کے حق میں فیصلہ دے دے گی۔ 28 فروری کو میں نے میاں نواز شریف کا انٹرویو کیا تھا' اس انٹرویو میں میاں صاحب نے انکشاف کیا وفاقی وزیر اور پاکستان پیپلز پارٹی کے سینئر قائد میاں رضا ربانی اس واقعے کے گواہ ہیں؟

خواتین وحضرات! کیا میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کا یہ دعویٰ درست تھا؟ کیا واقعی صدر نے میاں برادران کو بزنس ڈیل کی آفر دی تھی۔ اصل حقائق کیا ہیں؟ جبکہ ہمارے ملک کی دو پارٹیز کے درمیان چھڑنے والی جنگ کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے پروگرام کے شروع میں گوئبلز کا ذکر کیا تھا' گوئبلز کے انجام کی کہانی بہت دردناک تھی' وہ جنگ عظیم دوم کے آخر میں اپنے بچوں اور بیوی کے ساتھ ہٹلر کے مورچے میں شفٹ ہوگیا' ہٹلر کی خودکشی کے بعد گوئبلز اور اس کی بیوی میگدا نے اپنے چھ بچوں کو زہر دیا اور ان کے سرہانے بیٹھ گئے' جب ان کے بچے مر گئے تو گوئبلز نے گارڈز کو حکم دیا کہ اسے اور اس کی بیوی کو گولی ماردیں' گارڈز نے اس کے آخری حکم پر عملدرآمد کیا یوں گوئبلز یکم مئی 1945ء کو اپنے ہی گارڈز کے ہاتھوں' اپنے ہی حکم سے مرگیا۔ مرنے سے پہلے گوئبلز نے بڑی دلچسپ سٹیٹ منٹ دی تھی' اس نے کہا تھا ''میں آج اس نتیجے پر پہنچا ہوں جھوٹ' جھوٹ ہوتا ہے اور سچ سچ۔'' اس نے کہا ''آپ جھوٹ کو وقتی طور پر سچ اور سچ کو تھوڑی دیر کے لئے جھوٹ بنا سکتے ہیں لیکن آپ جھوٹ کو عمر بھر کے لئے سچ اور سچ کو زندگی بھر کے لئے جھوٹ نہیں بنا سکتے لہٰذا میرا مشورہ ہے سچ کو سچ رہنے دیں کیونکہ اسی میں فلاح ہے۔

(02مارچ2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

ہارس ٹریڈنگ

آغاز:

خواتین وحضرات! دُنیا میں آج تک جتنے بڑے جرنیل' وارئیر یا فاتحین گزرے ہیں ان میں چنگیز خان کا نام چند ابتدائی ناموں میں آتا ہے۔ چنگیز خان منگولیا کے ایک پھٹے پرانے خیمے میں پیدا ہوا' 13 سال کی عمر میں اس نے ہتھیار اُٹھائے اور چالیس سال کی عمر تک پہنچ کر وہ چنگیز خان یعنی بادشاہوں کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے بعد وہ منگولیا سے نکلا اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے بخارا' سمرقند' شاہ پور' ہرات' ترکستان' آذربائیجان' تبریز اور خراسان فتح کرلیا اور وہ ساڑھے چھ ہزار کلومیٹر رقبے کا مالک بن گیا' اس کی سلطنت شمالی چین سے جارجیا تک پھیلی ہوئی تھی اور اس نے اتنی بڑی سلطنت کے حصول کے لئے 84 لاکھ لوگ قتل کرادیئے تھے' اس لحاظ سے وہ تاریخ کا سفاک ترین حکمران تھا۔

خواتین وحضرات! چنگیز خان نے آدھی دُنیا فتح کیسے کی؟ یہ بڑی دلچسپ حقیقت ہے اس کے لئے اس نے دو فارمولے اپنائے تھے۔ پہلا فارمولا حرکت یعنی سپیڈ تھی۔ چنگیز خان کے لشکر کی سپیڈ بہت زیادہ تھی' وہ ایک ہفتے میں وہاں پہنچ جاتا تھا جہاں پہنچنے میں دوسری فوجوں کو مہینہ لگتا تھا' اس سپیڈ کے لئے اس نے پیدل دستے ختم کرکے اپنا سارا لشکر گھوڑوں پر شفٹ کردیا تھا' اس کے ہر سپاہی کے پاس تین تین گھوڑے ہوتے تھے' دوران سفر جب اس سپاہی کا گھوڑا تھک جاتا تھا تو وہ اس گھوڑے کو ذبح کردیتا تھا' اس کا خون دوسرے گھوڑوں کو پلادیتا تھا اور گوشت کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیتا تھا اور دوسرے گھوڑے پر سوار ہو جاتا تھا چنانچہ چنگیز خان کا لشکر بغیر رکے آگے بڑھتا چلا جاتا تھا۔ دوسرا فارمولا ٹیکنیک تھا۔ تاتاری دُنیا کے پہلے لوگ تھے جو دوڑتے ہوئے گھوڑے پر بیٹھ کر تیر چلا سکتے تھے اس سے پہلے دُنیا کی کسی قوم کے پاس یہ تکنیک نہیں تھی چنانچہ چنگیز خان نے وار ٹیکنالوجی میں سپیڈ اور تکنیک کا اضافہ کیا' اس

سے قبل جنگ میں جسمانی قوت کو تکنیک اور سپیڈ سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔

خواتین وحضرات! چنگیز خان کو پوری زندگی صرف ایک شخص نے ٹف ٹائم دیا تھا‘ یہ شخص ترکستان کا حکمران علاؤالدین خوارزم شاہ تھا۔ چنگیز خان شمالی چین فتح کرنے کے بعد 1215ء میں ترکستان کی طرف بڑھا تو اس وقت تک خوارزم اس کے جنگی فارمولوں کو سمجھ چکا تھا چنانچہ اس نے شمالی چین سے لے کر سمرقند تک راستے کے تمام شہروں اور بستیوں کے تمام گھوڑے خرید لئے چنانچہ جب تاتاری چین سے نکلے تو وہ گھوڑوں کی شدید کمی کا شکار ہو گئے جس کے نتیجے میں تاریخ میں پہلی بار ہارس ٹریڈنگ کی اصطلاح استعمال ہوئی۔ جی ہاں خوارزم شاہ دُنیا کا پہلا حکمران تھا جس نے دُشمن کو شکست دینے کے لئے ہارس ٹریڈنگ کی تکنیک استعمال کی تھی‘ یہ اصطلاح اور یہ تکنیک 1893ء تک صرف جنگی کتابوں اور قدیم جرنیلوں کے کارناموں تک محدود رہی تھی مگر پھر 1893ء میں امریکہ کے مشہور اخبار نیویارک ٹائمز نے پہلی بار یہ اصطلاح سیاسی معنوں میں استعمال کی جس کے بعد ہارس ٹریڈنگ سیاست کا حصہ بن گئی۔ اس سے قبل 1790ء میں امریکہ کے صدر تھامس جیفرسن نے امریکہ کے کیپٹل کو تبدیل کرنے کے لئے جیمز میڈی سن اور الیگزینڈر ہیملٹن کے ووٹ خریدے تھے اور اس وقت کے سیاست دانوں نے اسے ہارس ٹریڈنگ کا نام دیا تھا جبکہ 1820ء میں ریس کے گھوڑے امریکن کلچر میں سنابری بن گئے تھے‘ اس دور میں اس امریکن بزنس مین کو بڑا بزنس مین سمجھا جاتا تھا جس کے پاس اعلیٰ نسل کے زیادہ گھوڑے ہوتے تھے اور گھوڑوں کی اس سنابری کی وجہ سے امریکن رائٹرز نے امریکہ کے اس دور کو ہارس ٹریڈنگ ایج لکھنا شروع کر دیا تھا۔

خواتین وحضرات! ہارس ٹریڈنگ گندی سیاست کا ایک گندا کھیل ہوتا ہے جس میں ایک سیاسی پارٹی اقتدار کے حصول کے لئے دوسری پارٹی کے ارکان اسمبلی کی وفاداریاں خریدتی ہے۔ ہارس ٹریڈنگ کے لئے رقم کا بندوبست عموماً تین طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ ایک‘ پارٹی یا حکومت سرکاری خزانے سے ارکان کو ڈائریکٹ رقم دے دیتی ہے۔ دو‘ ارکان کو خریدنے کے لئے تاجروں‘ انڈسٹریلسٹس اور سرمایہ کاروں کی مدد لی جاتی ہے‘ یہ لوگ رقم ادا کر دیتے ہیں اور بعدازاں حکومت سے مراعات لے کر اپنا نقصان پورا کر لیتے ہیں اور تین ارکان کو پرمٹ‘ ٹھیکے اور لیز پر زمینیں دے دی جاتی ہیں بہرحال اس کام کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے لیکن ایک بات طے ہے‘ جس ملک میں ہارس ٹریڈنگ ہوتی ہے اس میں اخلاقیات‘ سیاست اور جمہوریت کا جنازہ نکل جاتا ہے اور پورا معاشرہ بعدازاں کرپشن‘ لوٹ کھسوٹ اور بے ایمانی کا گڑھ بن جاتا ہے۔

خواتین وحضرات! آج کل پنجاب میں ایک بار پھر ہارس ٹریڈنگ شروع ہے‘ ارکان اسمبلی کی

خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہے اور تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ایک ایم پی اے کی قیمت پانچ کروڑ روپے تک پہنچ چکی ہے۔ ان اطلاعات میں کتنی حقیقت ہے؟ کیا واقعی پنجاب میں ہارس ٹریڈنگ ہو رہی ہے؟ اگر ہو رہی ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے شروع میں چنگیز خان کا ذکر کیا تھا‘ چنگیز خان 18 اگست 1227ء کو ایک جنگی مہم کے دوران مارا گیا تھا جس کے بعد اس کے بیٹوں نے اسے‘ اس کے غلاموں‘ بیویوں‘ گھوڑوں اور خزانوں کے ساتھ کسی نامعلوم جگہ پر دفن کر دیا تھا جس کے بعد چنگیز خان کی قبر آٹھ سو سال تک دُنیا کی نظروں سے اوجھل رہی۔ اکتوبر 2004ء میں چنگیز خان کا مقبرہ دریافت ہوا اور دُنیا کو پہلی بار اس کے مال ودولت اور شان وشوکت کا اندازہ ہوا۔

خواتین وحضرات! چنگیز خان نے کہا تھا ”میں نے زندگی کے ہر دُشمن کو شکست دی لیکن میں اپنی تقدیر کو فتح نہیں کر سکا۔“

خواتین وحضرات! انسان سب سے لڑ سکتا ہے وہ سب کو دھوکہ دے سکتا ہے‘ وہ سب کو شکست بھی دے سکتا ہے لیکن وہ اپنی تقدیر کو فتح کر سکتا ہے‘ دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ ہی لڑ سکتا ہے چنانچہ اگر انسان کی تقدیر میں ہار لکھی ہو تو اسے کوئی گھوڑا بچا سکتا ہے اور نہ ہی ٹریڈنگ۔۔۔ کیوں؟ کیونکہ دُنیا میں آج تک وہ نوٹ نہیں بنا جس سے آپ عزت اور تقدیر خرید سکیں۔

(06مارچ2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

خواب

آغاز:

خواتین وحضرات! جان ایف کینڈی امریکہ کے مشہور صدر تھے‘ وہ امریکہ کے قتل ہونے والے واحد صدر تھے‘ وہ براک اوباما سے پہلے امریکہ کے کم عمر ترین صدر بھی تھے اور وہ امریکہ کے پہلے رومن کیتھولک صدر بھی تھے۔ جان ایف کینڈی نے امریکہ کے کالوں کو حقوق دینے میں بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔ امریکہ کے موجودہ صدر براک اوباما نے پچھلے دنوں یہ اعتراف کیا تھا ”اگر کینڈی نہ ہوتا تو آج سیاہ فام نسل کا باشندہ امریکہ کا صدر نہ ہوتا۔“

1962ء کا واقعہ ہے جان ایف کینڈی ہیوسٹن کے دورے پر تھا اور وہاں ایک کالے نے بھرے مجمعے میں کینڈی کو گالیاں دینا شروع کر دیں‘ لوگوں نے کالے کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آیا اور اس وقت تک صدر کو برا بھلا کہتا رہا جب تک وہ تھک نہیں گیا‘ وہ کالا جتنی دیر صدر کو گالیاں دیتا رہا صدر کینڈی اتنی دیر خاموش کھڑا رہا۔ کالا جب خاموش ہوا تو کینڈی نے باقی تقریر کی اور مسکراتا ہوا واپس چلا گیا۔ راستے میں اس کے سٹاف نے کہا ”جناب امریکن قانون کے مطابق گالی دینا جرم ہے اور اس شخص نے آپ کو گالی دے کر قانون توڑا ہے‘ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس شخص کو گرفتار کر لیں“ کینڈی مسکرایا اور نرم آواز میں بولا ”نہیں‘ اس شخص نے مجھے گالی نہیں دی‘ اس نے اپنا خواب پورا کیا ہے“ سٹاف کے لوگوں نے حیرت سے صدر کی طرف دیکھا۔ کینڈی بولا ”اس ملک کے ہر کالے کا یہ خواب ہے کہ وہ بھرے مجمعے میں کسی گورے کو گالی دے اور گورے کے پاس بے بسی اور بے چارگی کے سوا کوئی چارہ نہ ہو‘ میں اگر آج اس شخص کو گرفتار کرا دیتا ہوں تو تمام کالوں کا یہ خواب ٹوٹ جائے گا۔“ کینڈی نے کہا ”حقیقتیں ہمیشہ خوابوں سے جنم لیتی ہیں اور کوئی قوم اس وقت

تک ترقی نہیں کرتی جب تک وہ خواب نہیں دیکھتی اور میں ان لوگوں کے خواب نہیں توڑنا چاہتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں خواب نہیں ٹوٹنے چاہئیں۔“

خواتین وحضرات! خواب دُنیا کی کتنی شاندار چیز ہیں اس کا اندازہ آپ صرف اس حقیقت سے لگا لیجیے کہ دُنیا کی تمام ایجادات کا آغاز خواب سے ہوا تھا‘ دُنیا کی تمام سائنسوں کی بنیاد خواب ہیں اور دُنیا کے ہر ملک‘ ہر سسٹم نے بننے سے پہلے لوگوں کے خوابوں میں جنم لیا تھا چنانچہ جب تک کسی انسان کے خواب زندہ رہتے ہیں اس وقت تک اس کی اُمید‘ اس کی آس‘ اس کی ترقی‘ اس کی خوشحالی اور اس کی کامیابی کی منصوبہ بندی بھی زندہ رہتی ہے لیکن جس دن اس کے خواب ٹوٹ جاتے ہیں اس دن اس کی ساری آسیں‘ ساری اُمیدیں دم توڑ جاتی ہیں‘ ہم نے اس ملک میں آزادی‘ خود مختاری‘ عدل‘ انصاف‘ برابری‘ میرٹ اور حقوق کے خواب دیکھے تھے لیکن یہ خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے۔۔ کیوں؟ کیونکہ یہ خواب راستے ہی میں ٹوٹتے رہے ہیں۔ ہم پچھلے آٹھ سال سے جمہوریت‘ عوامی رائے کے تقدس‘ اپنی سوچ‘ اپنی خواہش کے احترام کے خواب دیکھتے رہے‘ ہم نے اس خواب کے لئے سڑکوں پر ڈنڈے بھی کھائے‘ وردی اتارنے‘ الیکشن کرانے اور جمہوری پارٹیوں کو آگے لانے کے مطالبے بھی کئے‘ ہمارے یہ مطالبے پورے بھی ہوئے لیکن آج کا دن ان مطالبوں اور ان خوابوں کے قتل کا دن ہے‘ آج جمہوریت‘ آزادی‘ خود مختاری‘ میرٹ‘ عوامی رائے کا تقدس اور خواہشوں کے احترام کے سارے خواب سڑکوں پر ٹوٹ گئے ہیں‘ پولیس کے قدموں میں روند دیئے گئے ہیں۔

خواتین وحضرات! آپ جمہوریت کی خوفناک ترین‘ ظالمانہ ترین اور جانبدارانہ ترین ڈیفی نیشن بھی لے لیں تو بھی آپ کو ماننا پڑے گا جس جمہوریت میں عوام کا احتجاج کا حق سلب کر لیا جائے‘ جس میں لوگوں کو رائے دینے سے روک دیا جائے‘ جس میں لانگ مارچ‘ دھرنوں اور جلوسوں کی اجازت نہ ہو‘ جس میں سیاسی ورکروں کی پکڑ دھکڑ ہو‘ جس میں پولیس‘ ڈنڈے‘ آنسو گیس اور گولیاں ہوں اور جس میں قانون کو احتجاج کرنے والوں کے خلاف استعمال کیا جاتا ہو اس جمہوریت کو جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ آج دن بھر پاکستان کی سڑکوں پر جو کچھ ہوتا رہا‘ جو کچھ آج کی رات ہو گا اور جو کچھ کل تک کیا جائے گا‘ اس کی مثال دُنیا کی بدترین جمہوریتوں میں بھی ممکن نہیں اور مجھے آج پہلی بار جنرل پرویز مشرف کی آمریت اور موجودہ حکومت کی جمہوریت میں کوئی فرق دکھائی نہیں دے رہا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے آج ایک جمہوری حکومت کے ہاتھوں عوام کے خواب سڑکوں پر ٹوٹ رہے ہیں۔

خواتین وحضرات! ہمارے خوابوں کا قاتل کون ہے؟ پاکستان پیپلز پارٹی‘ پاکستان مسلم لیگ ن‘ پاکستان مسلم لیگ ق یا وکلاء کمیونٹی؟

اختتام:

خواتین وحضرات! سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس کے تین نتائج ہو سکتے ہیں۔ ایک جسٹس افتخار محمد چودھری کے اختیارات محدود کر کے انہیں بحال کر دیا جائے‘ وفاق میں پاکستان پیپلز پارٹی اپنے پانچ سال پورے کرے اور پنجاب میں پاکستان مسلم لیگ ن کے مینڈیٹ کو تسلیم کر لیا جائے۔ نمبر دو‘ لانگ مارچ ناکام ہو جائے‘ پیپلز پارٹی پنجاب میں ق لیگ کے ساتھ مل کر حکومت بنا لے‘ افتخار محمد چودھری کو کوئٹہ میں نظر بند کر دیا جائے اور وکلاء قیادت کے خلاف بغاوت کے مقدمے قائم کر دیئے جائیں لیکن اس آپشن پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا میاں برادران اس سسٹم کو چلنے دیں گے۔ نمبر تین‘ پندرہ دن بعد جی ہاں پندرہ دن بعد سب کو گھر بھجوا دیا جائے۔‘ بنگلہ دیش ماڈل آئے‘ ٹیکنو کریٹس کی حکومت بنے اور چار سال بعد الیکشن کرا دیئے جائیں۔

آپ ان تمام آپشنز کو سامنے رکھ کر سوچیے اس جنگ کا کیا نتیجہ نکلے گا لیکن ٹھہریئے‘ اس جنگ کا ایک اور نتیجہ بھی نکل سکتا ہے اور وہ ہے مائنس ون یعنی کسی ایک شخص کو ہٹا دیا جائے اور اس کے بعد یہ سارا سسٹم سیدھا ہو جائے لیکن وہ شخص کون ہے؟ کیا وہ صدر آصف علی زرداری ہیں‘ کیا وہ میاں نواز شریف یا وہ افتخار محمد چودھری ہیں اس کا فیصلہ کل تک ہو گا!۔

(11 مارچ 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

چیف جسٹس بحالی

آغاز:

خواتین وحضرات! کسی صاحب کے گھر میں سیب کا ایک درخت تھا‘ وہ صاحب ایسڈٹی کے مریض تھے لہٰذا وہ خود سیب نہیں کھا سکتے تھے لیکن وہ سیب کے اس درخت کی محبت میں گرفتار تھے چنانچہ وہ کسی دوسرے کو بھی درخت کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے‘ انہوں نے ایک مالی رکھا ہوا تھا‘ وہ صاحب جب گھر سے باہر جاتے تھے تو مالی اس درخت کی حفاظت کرتا تھا‘ یہ مالی ذرا سا بد دیانت شخص تھا چنانچہ جونہی وہ صاحب گھر سے باہر قدم رکھتے تھے تو مالی اپنے ایک دوست کو بلوا لیتا اور وہ دونوں مل کر سیبوں کو انجوائے کرتے تھے۔ ایک دن درخت کے مالک نے مالی اور اس کے دوست کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا‘ اس نے مالی کے دوست کو پکڑا‘ زمین پر گرایا اور اس کی چھاتی پر بیٹھ گیا‘ مالی ایک سائیڈ پر کھڑا ہو گیا اور چلا چلا کر اپنے مالک سے کہنے لگا ”سر اس کو ماریں‘ اس کو اور ماریں جونہی آپ گھر سے باہر نکلتے تھے یہ روز سیب توڑنے کے لئے آ جاتا تھا۔ ماریں۔۔اور ماریں۔“

مالک ملزم کو مارتا رہا‘ اس دوران سیب چور نے زور لگایا‘ مالک کو نیچے گرایا اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ مالی نے اپنے چور دوست کو جیتتے ہوئے دیکھا تو اس نے فوراً اپنا موقف بدل لیا‘ اس نے تالیاں بجائیں اور اونچی آواز میں بولا ”مارو‘ مارو‘ اس کو مارو۔ بے وقوف شخص نہ خود سیب کھاتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو کھانے دیتا ہے۔ یہ ہے ہی اسی قابل۔“

خواتین وحضرات! یہ مالی بنیادی طور پر انسانوں کی ایک خاص نفسیات کو ظاہر کرتا ہے۔ دنیا میں بے شمار ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمیشہ جیتنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں‘ ان لوگوں کا فلسفہ ہے ”جو جیت گیا وہی ہمارا ہیرو ہے“ اس قسم کے کریکٹرز ہمیں عام زندگی میں تو کثرت سے دکھائی دیتے ہی ہیں لیکن

ہماری سیاست بھی ایسے کرداروں سے بھری پڑی ہے۔ یہ لوگ اپنے باس' اپنے لیڈر اور اپنی پارٹی کے سربراہ کے اشارے پر نا صرف اپنا موقف بدل لیتے ہیں بلکہ حلف تک سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے ایسے سیاست دان گزرے ہیں جو اپنی جیبوں میں دو متضاد تقریریں رکھ کر پارلیمنٹ میں جاتے تھے اور دوران تقریر اگر ان کے باس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آتے تو وہ فوراً یہ تقریر جیب میں ڈال لیتے اور دوسری جیب سے اس سے بالکل الٹ تقریر نکال کر پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے جب کسی پارٹی کا سربراہ مسکراتا ہے تو پارٹی کے تمام عہدیدار منہ پھاڑ کر ہنسنا شروع کر دیتے ہیں اور جب باس افسردہ ہوتا ہے تو سب وزراء کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ میں نے وزیروں کو پارٹی سربراہوں کی بچیوں کی گڑیاؤں کی شادی پر مبارک باد دیتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور ان کے کتوں کی موت پر آنسو بہاتے ہوئے بھی۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ بہت سادہ اور سیدھی ہے۔ ہماری سیاست سے بنیادی طور پر ضمیر اور ذاتی رائے خارج ہو چکی ہے۔ ہمارے پولیٹیکل ورکرز کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ یہ لوگ جوں جوں ترقی کرتے جاتے ہیں' یہ اپنی رائے اور اپنے ضمیر سے دست بردار ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ زندگی کو اپنے باسز کی عینک سے دیکھنے لگتے ہیں۔ مثلاً آپ عدلیہ کے موجودہ بحران کو ہی لے لیجیے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت جب 9 مارچ' 12 مئی اور 5 اگست کے سمجھوتوں سے منحرف ہوئی تھی تو تمام وفاقی اور صوبائی وزراء نے افتخار محمد چودھری کو سیاسی شخصیت اور جانبدار چیف جسٹس کہنا شروع کر دیا تھا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے وزراء نے ٹاک شوز اور عوامی جلسوں میں چیف جسٹس پر کیا کیا الزام نہیں لگائے' یہ آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی لیکن جب رات وزیراعظم نے افتخار محمد چودھری کی بحالی کا اعلان کیا تو ان تمام وزراء کے خیالات نے 180 ڈگری کا ٹرن لے لیا اور آج یہ افتخار محمد چودھری کی بحالی کو حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دے رہے ہیں' ہم جب چوبیس گھنٹے پیچھے جا کر ان لوگوں کے خیالات دیکھتے ہیں اور اب ان کے خیالات سنتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے لیکن ہمیں یہ حیرت ہونی نہیں چاہئے کیونکہ جب ذاتی مفاد اُصولوں کی جگہ لے لیتا ہے تو انسان کا ضمیر رخصت پر چلا جاتا ہے اور ہماری سیاست آج اسی المیے کا شکار ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتا تا چلوں اس معاملے میں تمام سیاسی پارٹیوں کا رویہ ایک جیسا ہے۔

خواتین وحضرات! افتخار محمد چودھری صاحب کی بحالی کا اعلان ہو چکا ہے۔ کیا چیف جسٹس واقعی 21 مارچ 2009ء کو اپنے عہدے پر دوبارہ فائز ہو جائیں گے۔ کیا افتخار محمد چودھری 2 نومبر کی پوزیشن پر بحال ہو رہے ہیں یا پھر ان کی تقرری نئے سرے سے ہو رہی ہے اور اس کی کیا گارنٹی ہے کہ

21 مارچ تک یہ فیصلہ جوں کا توں رہے گا۔

اختتام:

خواتین وحضرات! صدر آصف علی زرداری کے مستقبل کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟ یہ کنفیوژن ابھی تک موجود ہے۔ سوال یہ ہے کیا آصف علی زرداری نے افتخار محمد چودھری کی بحالی کا فیصلہ خوش دلی سے کیا تھا؟ اگر نہیں تو پھر صدر آصف علی زرداری اور افتخار محمد چودھری کتنی دیر تک ایک ہی سسٹم کا حصہ رہ سکیں گے۔ این آر او کا کیا بنے گا کیونکہ اگر افتخار محمد چودھری این آر او کے ایشو پر خاموش رہتے ہیں تو ان کی کریڈیبلٹی کو نقصان پہنچے گا۔ میثاق جمہوریت جب پارلیمنٹ میں پیش ہو گی تو صدر صاحب کو اپنے بڑے بڑے اختیارات سے محروم ہونا پڑے گا۔ کیا صدر آصف علی زرداری اٹھاون ٹو بی کے خاتمے کے بعد ایک نمائشی صدر کی پوزیشن قبول کر لیں گے؟ اور کیا وہ وزراء کو ایوان صدر سے دور ہوتے اور وزیراعظم ہاؤس کے نزدیک ہوتے برداشت کر لیں گے؟ اس کا جواب اگر ہاں ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کتنی دیر۔ اگر اس کا جواب نہیں ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے اس سسٹم' اس جمہوریت کا کیا مستقبل ہوگا؟

خواتین وحضرات! آج 16 مارچ ہے اور 21 مارچ کو ابھی پانچ دن باقی ہیں۔ میرا خیال ہے ان پانچ دنوں میں ابھی چند تبدیلیاں مزید آئیں گی' اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک کائنات کا اُصول ہے کہ جب کسی تبدیلی کا آغاز ہوتا ہے تو وہ مکمل ہو کر رہتی ہے' وہ راستے میں نہیں رکتی۔ دوسرا کل سے صدر صاحب کسی پبلک فورم پر ظاہر نہیں ہوئے اور جب تک وہ ظاہر نہیں ہوتے اس وقت تک اس فیصلے کو حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(16 مارچ 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

جج کیوں بحال نہیں ہو رہے۔۔!!

آغاز:

خواتین وحضرات! سب سے پہلے ایک وضاحت کرتا چلوں' ہم نے گزشتہ پروگرام میں اٹارنی جنرل آف پاکستان ملک محمد قیوم کی ایک سٹیٹ منٹ کا حوالہ دیا تھا جس میں اٹارنی جنرل نے کہا تھا ''قائداعظم محمد علی جناح' مہاتما گاندھی اور چرچل بھی گریجوایٹ نہیں تھے'' اس پر بے شمار لوگوں نے ''پوائنٹ آوٹ'' کیا کہ قائداعظم ''بارایٹ لاء'' تھے اور یہ کیسے ممکن ہے ایک شخص گریجوایشن کے بغیر بار ایٹ لاء کر لے۔ یہ وضاحت ان لوگوں کے لئے ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح واقعی گریجوایٹ نہیں تھے' انہوں نے جس دور میں ''لنکن اِن'' میں داخلہ لیا تھا اس وقت ''بارایٹ لاء'' کے لئے گریجوایشن ضروری نہیں ہوتی تھی چنانچہ کوئی انڈر گریجوایٹ بھی اس وقت قانون کی تعلیم حاصل کر سکتا تھا اور قائداعظم ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے گریجوایشن کے بغیر ''بارایٹ لاء'' کیا تھا۔

خواتین وحضرات! یہ وضاحت صرف یہاں تک تھی اب ہم موضوعات کی طرف آتے ہیں۔

گزشتہ روز پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن کی قیادت نے ججوں کی بحالی کے لئے سات رکنی کمیٹی تشکیل دی' اس کمیٹی میں مسلم لیگ ن کی طرف سے چودھری نثار علی خان' اسحاق ڈار اور خواجہ آصف جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے میاں رضا ربانی' فاروق ایچ نائیک' شیری رحمان اور رحمان ملک شامل ہیں' اس کمیٹی کے کل چار سیشن ہوں گے جن میں سے ایک سیشن آج ہوا ہے۔ کمیٹی اس قرارداد کا مسودہ تیار کرے گی جس کے ذریعے پارلیمنٹ معطل ججوں کو بحال کرے گی' ہم حکومتی اتحاد کی نیت پر تو شک نہیں کر رہے لیکن پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں جب بھی کوئی پارلیمانی یا کیبنٹ کمیٹی بنائی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت سیدھے سادے اور آسان سے مسئلے کو گھمبیر' مشکل یا ناقابل حل

بنانا چاہتی ہے اور اگر یہ مقصد نہ بھی ہو تو بھی حکومت دودھ میں مینگنیاں ضرور ڈالنا چاہتی ہے۔

خواتین وحضرات! بیوروکریسی میں If اور But عام معاشرے میں جبکہ کمیٹی سیاسی دُنیا میں ایسے حربے ہیں جن کے ذریعے مشکل عمل کو آسان اور آسان ترین حل کو مشکل بنایا جا سکتا ہے۔ پاکستانی بیوروکریسی کے بارے میں کہا جاتا ہے ان کے پاس صرف دو الفاظ ہیں If اور But۔۔ اور یہ صرف ان دو الفاظ کے ذریعے پوری زندگی طاقت اور اقتدار کی ڈوریوں سے کھیلتے رہتے ہیں۔ اگر کسی بیوروکریٹ نے کوئی ایسا کام کرنا ہو جس کی رول' قاعدہ یا قانون اجازت نہ دیتا ہو تو وہ فائل پر سب سے پہلے وہ قانون یا وہ قاعدہ لکھتا ہے جس کی وجہ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ یہ عبارت عموماً اس قسم کی ہوتی ہے ''قانون کی فلاں دفعہ کی فلاں شق کے مطابق یہ کام ممکن نہیں'' لیکن اس کے بعد وہ If کا لفظ لکھتا ہے اور اس کے بعد وہ عموماً یہ لکھتا ہے ''صدر' وزیراعظم' وزیراعلیٰ یا گورنر اپنے فلاں خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں'' اسی طرح جب کسی بیوروکریٹ نے کوئی جائز کام نہ کرنا ہو تو وہ فائل پر سب سے پہلے وہ قانون لکھتا ہے جس کے تحت یہ کام قانونی ہوتا ہے لیکن اس کے بعد انگریزی زبان کا لفظ But لکھتا ہے اور ساتھ ہی یہ تحریر کر دیتا ہے یہ کام جائز ہے But مجھے یہ بندہ مشکوک دکھائی دے رہا ہے چنانچہ یہ کام نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح لفظ ''لیکن'' بھی انتہائی خوفناک اور زہریلا ہے' پاکستان میں تمام قسموں کی غیبتیں ''لیکن'' سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ ایدھی صاحب کو لیجئے' ہم میں سے اکثر لوگ ایدھی صاحب کی یوں تعریف کرتے ہیں' ایدھی صاحب نے دُنیا میں سب سے بڑی پرائیویٹ سروس بنائی' وہ آج تک 27 ہزار لاوارث لاشیں دفن کر چکے ہیں۔ وغیرہ' وغیرہ اور اس کے بعد وہ لیکن کہیں گے اور یہاں سے ایدھی صاحب کی غیبت شروع ہو جائے گی۔ مثلاً آپ نے سنا ہو گا فلاں صاحب بہت اچھے ہیں لیکن۔۔۔ اور اس کے بعد ان صاحب کی برائیاں شروع ہو جائیں گی اور ہمارے معاشرے اور سسٹم کا تیسرا حربہ کمیٹی ہے۔ ہماری حکومت جب بھی کسی معاملے کو التواء میں ڈالنا چاہتی ہے یا وہ اسلام آباد سے راولپنڈی پہنچنے کے لئے پشاور کا وایا استعمال کرنا چاہتی ہے تو وہ فوری نوعیت کا کام اُٹھا کر کمیٹی کے حوالے کر دیتی ہے اور کبھی کمیٹی کا کوئی رکن غائب ہو جاتا ہے اور کبھی کوئی۔ کبھی ایک رکن عین وقت پر عمرے کے لئے روانہ ہو جاتا ہے اور کبھی دوسرے رکن کے بیٹے یا بیٹی کی شادی آ جاتی ہے اور کبھی کوئی رکن حادثے میں زخمی ہو جاتا ہے اور یوں وہ معاملہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے۔

خواتین وحضرات! میں آپ کو وہ وجہ بتاؤں گا جس کے باعث ججوں کی بحالی التواء کا شکار ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! میں نے عرض کیا تھا' میں آپ کو آخر میں وہ وجہ بلکہ وجوہات بتاؤں گا جن کے باعث یہ سیدھا اور سادا سا مسئلہ الجھتا چلا جا رہا ہے۔

خواتین وحضرات! اس کی تین وجوہات ہیں' پہلی وجہ صدر پرویز مشرف ہیں' ایوان صدر کی طرف سے حکومت کو مسلسل یہ سگنل مل رہے ہیں کہ اگر حکومت نے ججز بحال کئے تو صدر اٹھاون ٹو بی استعمال کر دیں گے جس کے نتیجے میں اسمبلیاں اور حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور حکومت صدر کے اس فیصلے کے خلاف عدالت میں بھی نہیں جا سکے گی کیونکہ عدالتوں میں وہ جج بیٹھے ہیں جنہیں حکومتی اتحاد تسلیم نہیں کر رہا۔ دوسری وجہ قانونی پیچیدگی ہے۔ سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس ارشاد حسن خان نے اپنے دور میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ جب کوئی جج چلا جاتا ہے تو وہ چلا جاتا ہے چنانچہ حکومت کا خیال ہے جب ججوں کو قرارداد اور ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے بحال کیا جائے گا تو یہ آرڈر چند سیکنڈ بعد کورٹ میں چیلنج ہو جائے گا اور کورٹ اس کے خلاف فیصلہ دے دے گی جس کے بعد ایک نیا بحران شروع ہو جائے گا۔ میں اس سلسلے میں آپ کو یہ بھی بتا دوں ایوان صدر کے قانونی مشیروں نے وزیراعظم کے ایگزیکٹو آرڈر کے خلاف رٹ کر رکھی ہے اور مشیر یہ رٹ لے کر روزانہ عدالت میں کھڑے ہوتے ہیں تاکہ وزیراعظم جونہی ایگزیکٹو آرڈر جاری کریں' یہ رٹ اسی وقت جمع کرا دی جائے اور تیسری اور سب سے بڑی وجہ ''این آر اوز'' ہیں۔ پیپلز پارٹی کے قانونی مشیروں کا خیال ہے جب افتخار محمد چودھری بحال ہوں گے تو کورٹ میں این آر اوز کے خلاف ری ویو پٹیشن دائر ہو گی اور عدالت کے پاس این آر اوز کے خلاف فیصلہ دینے کے سوا کوئی آپشن نہیں ہو گا چنانچہ آصف علی زرداری کو ایک بار پھر ملک چھوڑنا پڑے گا۔

خواتین وحضرات! یہ وہ وجوہات ہیں جن کے باعث ججز بحال نہیں ہو رہے لیکن جی ہاں میں بھی ''لیکن'' کا لفظ استعمال کر رہا ہوں لیکن قدرت کیا چاہتی ہے' آسمانوں پر کیا منصوبے بن رہے ہیں اس کے بارے میں ایوان صدر کچھ جانتا ہے اور نہ ہی زرداری ہاؤس اور اس میں کوئی شک نہیں اللہ کا فیصلہ ہی حتمی ہوتا ہے اور یہ وہ فیصلہ ہوتا ہے جس کے خلاف اپیل بھی دائر نہیں ہو سکتی۔

(17 مارچ 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

ارادہ اور علی معین نوازش

آغاز:

خواتین وحضرات! ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان کے نامور سائنس دان تھے' ان کا تعلق انتہائی غریب طبقے کے ساتھ تھا لیکن انہوں نے اپنی قابلیت کی بناء پر کیمبرج یونیورسٹی سے ریاضی اور فزکس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب نے 1979ء میں فزکس میں نوبل پرائز حاصل کیا تھا' یہ اسلامی دنیا کے کسی سائنس دان کو ملنے والا پہلا نوبل پرائز تھا۔ نوبل پرائز کے بعد جنوبی کوریا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر عبدالسلام سے ملاقات کے لئے آئے اور انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک عجیب فرمائش کی۔ انہوں نے کہا ''ڈاکٹر صاحب ہم چاہتے ہیں آپ کوریا کے دو ہزار سائنس دانوں کو لیکچر دیں۔'' ڈاکٹر صاحب نے پوچھا ''کس موضوع پر'' کوریا کے فارن منسٹر نے جواب دیا ''آپ ہمارے سائنس دانوں کو یہ لیکچر دیں کہ وہ نوبل پرائز کیسے حاصل کر سکتے ہیں'' ڈاکٹر عبدالسلام نے حیرت سے پوچھا ''کیا کوئی سائنس دان صرف لیکچر سن کر نوبل پرائز حاصل کر سکتا ہے'' کوریا کے فارن منسٹر مسکرائے اور نرم آواز میں بولے ''ہم یہ حقیقت جانتے ہیں لیکن ہم آپ کو اپنے سائنس دانوں کے سامنے ایک رول ماڈل بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں' ہم انہیں یہ بتانا چاہتے ہیں اگر پاکستان جیسے پسماندہ ملک کا ایک سائنس دان نوبل پرائز حاصل کر سکتا ہے تو کوریا کے سائنس دان بھی یہ اعزاز حاصل کر سکتے ہیں۔ دوسرا ہو سکتا ہے آپ کا لیکچر سن کر ہمارے کسی ایک سائنس دان کے اندر نوبل پرائز حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو جائے اور یہ خواہش ہماری اس محنت کا نتیجہ ہو گی۔''

خواتین وحضرات! قوموں کی ترقی کے لئے رول ماڈل انتہائی ضروری ہوتے ہیں' یہ وہ لوگ' یہ وہ لیڈرز ہوتے ہیں جو اپنے پیچھے آنے والوں کو گائیڈ کرتے ہیں۔ ہم آج کا پروگرام ایک ایسے ہی

نوجوان کے نام سے منسوب کر رہے ہیں جس نے اے لیول کے امتحان میں ایک ایسا اعزاز حاصل کیا جو دُنیا کے 245 ممالک کے کسی نوجوان کے پاس موجود نہیں۔ اس نوجوان کا نام علی معین نوازش ہے‘ یہ راولپنڈی کے ایک پسماندہ ترین علاقے بکرامنڈی کا رہائشی ہے‘ یہ علاقہ جدید دُنیا کی بے شمار سہولتوں سے محروم ہے لیکن اس علاقے میں رہ کر اس نوجوان نے اے لیول کے امتحان میں 23 میں سے 21 مضامین میں اے گریڈ لے کر ورلڈ ریکارڈ قائم کیا۔ اس سے پہلے ایک نوجوان نے 13 مضامین میں اے گریڈ لیا تھا۔ علی معین نوازش کی اس اچیومنٹ پر اس کا نام ''گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ'' میں شامل ہونے والا ہے‘ اس نوجوان کے اس اعزاز پر دُنیا کی تیسری بڑی یونیورسٹی کیمبرج نے اسے فل ایجوکیشن کا فل سکالرشپ دے دیا ہے اور یہ یونیورسٹی کے اخراجات پر برطانیہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ علی معین نوازش کی یہ اچیومنٹ ثابت کرتی ہے اگر راولپنڈی بکرامنڈی کا ایک 18 سال کا نوجوان تعلیم میں ورلڈ ریکارڈ قائم کر سکتا ہے تو پاکستان کے دوسرے 6 کروڑ 75 لاکھ 35 ہزار 4 سو 12 نوجوان بھی یہ کمال کر سکتے ہیں۔ بس ان پونے سات کروڑ بچوں اور اس بچے میں صرف ایک چیز کا فرق ہے اور اس فرق کو ''ارادہ'' کہتے ہیں۔ علی معین نوازش نے آگے بڑھنے‘ ورلڈ ریکارڈ قائم کرنے اور ترقی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جبکہ باقی پونے سات کروڑ بچوں نے ابھی اس اچیومنٹ کا ارادہ نہیں کیا۔

خواتین وحضرات! ہمارا آج کا پروگرام روٹین سے ہٹ کر ہے‘ ہم نے آج علی معین نوازش کو آپ سے گفتگو کے لئے دعوت دی ہے۔ اس کے ساتھ ٹیلی فون لائن پر فخر پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہوں گے جبکہ حکومت کی نمائندگی وفاقی وزیر ڈاکٹر بابر اعوان کریں گے۔ ہمارے آج کے پروگرام کا مقصد کوریا کے فارن منسٹر اور ڈاکٹر عبدالسلام کے درمیان وہ مکالمہ تھا جس میں کوریا کے فارن منسٹر نے کہا تھا ''ہم آپ کے ذریعے اپنے سائنس دانوں کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں اگر ڈاکٹر عبدالسلام نوبل پرائز حاصل کر سکتے ہیں تو یہ اعزاز کوریا کے سائنس دان بھی حاصل کر سکتے ہیں۔'' ہم بھی آج علی معین نوازش کے ذریعے آپ اور آپ کے بچوں کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ دُنیا میں انسانی ارادے کے سامنے کوئی چیز نا ممکن نہیں ہوتی۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ہم میں سے ہر شخص پچاس‘ ساٹھ یا ستر سال کی عمر میں مر جاتا ہے‘ جس کے بعد لوگ ہماری شکل اور نام تک بھول جاتے ہیں‘ ہم میں سے صرف آدھ فیصد لوگ ایسے ہوں گے جنہیں اپنے پردادا کا نام معلوم ہوگا کیونکہ انسان صرف اپنی دوسری نسل تک کے لوگوں کو یاد رکھ سکتا ہے لیکن ہم میں سے جو شخص کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے دیتا ہے جس سے تاریخ کی آنکھوں میں حیرت آ

جاتی ہے تو اس شخص کا نام سینکڑوں ہزاروں سال تک یاد رکھا جاتا ہے۔ آپ نیوٹن کو لے لیجئے‘ آئین سٹائن اور ایڈی سن کو لے لیجئے۔ آپ سقراط‘ بقراط اور ارسطو کو لے لیجئے اور آپ برنارڈ شا‘ شیکسپیئر اور مولانا رومی اور سعدی کو لے لیجئے۔ یہ کون لوگ تھے! یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی عمر میں زندہ رہنے سے انکار کر دیا تھا‘ انہوں نے کائنات کی کسی نہ کسی روایت کو چیلنج کیا اور نسل انسانی کو ایک نیا اُصول دے دیا لہٰذا ان کا نام وقت کی دیواریں توڑ کر انسانی حافظے کا حصہ بن گیا۔

خواتین وحضرات! سقراط‘ بقراط‘ ارسطو اور آئین سٹائن اور نیوٹن اور آپ میں کیا فرق ہے؟ بس ایک چیز کا ان لوگوں نے پچاس‘ ساٹھ اور ستر سال کی زندگی جینے سے انکار کر دیا تھا جبکہ آپ اور میں نے صرف ستر سال کی عمر پر قناعت کر لی ہے چنانچہ وہ نسل انسانی کے ہیرو ہیں اور ہم تاریخ کے زیرو ہیں۔ آپ یقین کیجئے آپ‘ آپ اور آپ بھی دُنیا کی عظیم شخصیت بن سکتے ہیں۔ بس ایک ارادے کی ضرورت ہے۔ بس آپ نے صرف اتنا فیصلہ کرنا ہے

کہ آپ نے چھ ارب عام انسانوں میں آئین سٹائن کی طرح ایک خاص انسان بننا ہے‘ آپ آج یہ فیصلہ کر لیجئے انشاء اللہ کل تک کامیابی آپ کے قدموں میں ہوگی۔

(18 مارچ 2009ء)

⦸ ⦸ ⦸

ڈرونز حملوں پر ہماری خاموشی

آغاز:

خواتین وحضرات! ملائشیا کے لیڈر اور سابق صدر مہاتیر محمد اسرائیل کے سخت مخالف ہیں۔ ان کا کہنا ہے پوری دُنیا کی معیشت کو یہودیوں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور غریب ممالک بالخصوص اسلامی دُنیا کو اس معاشی غلامی کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔ یہ امریکہ کے بھی خلاف ہیں اور انہوں نے دُنیا کے ہر فورم پر امریکن پالیسیوں کی مذمت کی۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا ''کیا آپ اسلامی دُنیا کو یہودیوں کے پنجے سے آزاد کرا سکیں گے'' مہاتیر نے انکار میں سر ہلا دیا۔ پوچھنے والے نے پوچھا ''کیا آپ تنقید کے ذریعے امریکہ کو اپنی پالیسیاں تبدیل کرنے پر مجبور کر لیں گے'' مہاتیر نے دوبارہ انکار میں سر ہلا دیا۔ پوچھنے والے نے پوچھا ''پھر آپ اتنی جدوجہد کیوں کر رہے ہیں۔'' اس سوال پر مہاتیر محمد مسکرائے اور انہوں نے اپنی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ انہوں نے بتایا' وہ 1980ء میں لندن گئے تھے وہاں انہوں نے ٹریفالگر سکوائر میں نوجوانوں کا ایک گروپ دیکھا' یہ نوجوان نعرے لگا رہے تھے ''نیلسن مینڈیلا کو رہا کرو' نیلسن مینڈیلا کو رہا کرو'' مہاتیر محمد نے ان نوجوانوں سے پوچھا ''تم کتنے عرصے سے یہاں کھڑے ہو'' نوجوانوں نے جواب دیا ''پانچ سال سے'' مہاتیر نے پوچھا ''اور کتنے عرصے تک کھڑے رہو گے'' نوجوانوں نے جواب دیا ''جب تک نیلسن مینڈیلا آزاد نہیں ہوتا'' مہاتیر نے پوچھا ''کیا تمہیں یقین ہے تمہارے احتجاج سے نیلسن مینڈیلا آزاد ہو جائے گا'' نوجوانوں نے انکار میں سر ہلا دیا۔ مہاتیر نے پوچھا ''پھر تم احتجاج کیوں کر رہے ہو'' نوجوانوں نے جواب دیا ''اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک احتجاج حق کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کامیابی کی ضمانت کی بنیاد پر نہیں اور دوسرا ہم اس احتجاج کے ذریعے نیلسن مینڈیلا کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ دُنیا کے سارے گورے ان کے مخالف نہیں ہیں' ہمارے

جیسے چند گورے انہیں بے گناہ اور مظلوم بھی سمجھتے ہیں اور ان کی آزادی کے لئے کوشش بھی کر رہے ہیں۔'' یہ واقعہ سنانے کے بعد مہاتیر محمد نے بتایا میں نے ان برطانوی نوجوانوں سے دو باتیں سیکھیں۔ اول آپ جس بات کو حق سمجھیں اس کے لئے آواز ضرور بلند کریں' خواہ آپ کی آواز کا کوئی نتیجہ نکلے یا نہ نکلے۔ دوم آپ ظالم کو یہ ضرور بتائیں کہ پوری دُنیا تمہارے ظلم' تمہاری زیادتی کے ساتھ سمجھوتہ کر سکتی ہے لیکن میں اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں چنانچہ وہ دن ہے اور یہ دن ہے میں اسرائیل اور امریکہ دونوں کے خلاف احتجاج کر رہا ہوں۔

خواتین وحضرات! مہاتیر محمد کا یہ فلسفہ ایک نیا زاویہ نظر ہے اور میں بڑی حد تک اس کا قائل ہوں اور میری خواہش ہے ہم لوگ بھی من حیث القوم اس فلسفے کو اپنا لیں مثلاً آپ جنوبی اور شمالی وزیرستان کو لے لیجئے' امریکہ گزشتہ ڈیڑھ برس سے پاکستان کے قبائلی علاقوں پر ڈرونز کے ذریعے حملے کر رہا ہے' ایک اندازے کے مطابق اب تک وہاں 62 حملے ہوئے ہیں اور ان حملوں میں ساڑھے پانچ سو لوگ شہید اور اڑھائی ہزار زخمی ہو چکے ہیں جبکہ ڈرونز حملوں' فوجی آپریشنز اور شدت پسندوں کے ساتھ لڑائی کی وجہ سے پورے ٹرائیبل ایریا کی زندگی معطل ہو چکی ہے' لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے نقل مکانی کی اور یہ لوگ اب صوبہ سرحد اور پنجاب میں بے یارومددگار پڑے ہیں' قبائلی علاقوں میں سکول' بازار' ہسپتال اور کارخانے بند پڑے ہیں جبکہ کھیت اور باغ اجڑ چکے ہیں اور لوگ دانے دانے کو ترس رہے ہیں لیکن اپنے بھائیوں کی اس مصیبت پر اٹک کے پل سے اس پار مکمل خاموشی ہے۔ پاکستان کے عوام اور مذہبی اور سیاسی جماعتیں اس ظلم پر بھرپور احتجاج تک نہیں کر رہیں۔ جنوبی وزیرستان میں آج بھی ڈرون کا حملہ ہوا اور اس میں چھ افراد مارے گئے لیکن یہ خبر بھی ٹیلی ویژن چینلز تک محدود رہی۔

خواتین وحضرات! کیا ڈرونز حملوں پر ہماری خاموشی بے حسی نہیں؟ پاکستان کی کون سی جماعت ہے جس نے ان حملوں کے خلاف لانگ مارچ' دھرنے یا ریلی کا اعلان کیا؟ نہیں کوئی نہیں۔ کیا قبائلی علاقوں کا پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور ہم ان علاقوں کے لوگوں کو اپنے لوگ نہیں سمجھتے؟ اگر سمجھتے ہیں تو ہم نے آج تک ان لوگوں کے لئے کیا کیا؟ پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ اور سول سوسائٹی اس ظلم' اس زیادتی پر کیوں خاموش ہے؟ فاٹا کی صورت حال پر ہماری اور ہماری سیاسی جماعتوں کی کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ یہ سوال' یہ سوچ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! ہم اب آتے ہیں اپنی ذمہ داری کی طرف۔ ہمیں ان انگریز نوجوانوں جو پانچ سال تک ٹریفالگر سکوائر میں نیلسن مینڈیلا کی رہائی کے لئے جلسہ کرتے رہے ہیں کی طرح قبائلی عوام

کے حق میں ریلیاں، جلوس اور جلسے کرنے چاہئیں۔ ہمیں دُنیا کو بتانا چاہئے ہم اپنے قبائلی علاقے کے عوام کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ ''وار آن ٹیرر'' کی آڑ میں بہت بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ ہمیں چاہئے ہم امریکی حکومت، امریکی دانشوروں، صحافیوں اور شہریوں کو بتائیں ڈرون اور میزائل اس مسئلے کا حل نہیں ہیں، جنگیں صرف میزائلوں اور بموں سے نہیں جیتی جا سکتیں، جنگ جیتنے کا ایک طریقہ امن اور محبت بھی ہے چنانچہ امریکہ یہ طریقہ بھی استعمال کر کے دیکھے۔ ہمیں چاہئے ہم امریکہ کو بتائیں ڈرونز حملے ہماری حکومت کے لئے تو قابل قبول ہو سکتے ہیں لیکن ہم عام پاکستانی انہیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہمارا پاکستان طورخم سے شروع ہوتا ہے اور گوادر پر ختم ہوتا ہے اور اس خطے کا ایک ایک شخص، ایک ایک شہری ایک دوسرے کے ساتھ کھڑا ہے، ہم بھائی ہیں لہٰذا ہم اپنے بھائیوں کا ساتھ دیں گے اور یہ مسئلہ حل ہو یا نہ ہو ہم ظلم اور زیادتی پر احتجاج کرتے رہیں گے کیونکہ احتجاج حق کے لئے کیا جاتا ہے کامیابی کی ضمانت کے لئے نہیں۔

(25مارچ2009ء)

⊘ ⊘ ⊘

عام آدمی کہاں جائے

آغاز:

خواتین و حضرات! گزشتہ روز چکوال کی ایک امام بارگاہ میں خود کش حملہ ہوا، اس حملے کے نتیجے میں 25 افراد جاں بحق اور 50 زخمی ہوئے۔ مرنے والوں میں ایک نوجوان غلام رضا بھی شامل تھا۔ غلام رضا ایک دیہاڑی دار مزدور تھا اور اس کے اہل خانہ کا نان نفقہ اس کی مزدوری سے چلتا تھا۔ غلام رضا کے والدین اگلے چند دنوں میں اس کی شادی طے کرنے لگے تھے لیکن غلام رضا ایک اندھی موت کا شکار ہو گیا اور آج دوسرا دن ہے غلام رضا کی بہنیں اس کے خون آلود کپڑوں سے لپٹ کر رو رہی ہیں۔ اس قسم کی موت لاہور کے لبرٹی چوک میں پولیس کانسٹیبل فیصل رشید کو بھی نصیب ہوئی۔ فیصل رشید بھی تیس برس کا ایک غیر شادی شدہ نوجوان تھا، یہ بھی اپنے پورے گھرانے کا واحد کفیل تھا، اس کی والدہ نے تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کر کے اس کی دلہن کے لئے کپڑے بنائے تھے اور یہ لوگ بھی فیصل رشید کی شادی کے دن طے کرنے والے تھے۔ غلام رضا اور فیصل رشید کی کہانیاں الگ ہیں، ان دونوں کا تعلق دو مختلف علاقوں کے ساتھ تھا، ان دونوں کا مسلک مختلف تھا، غلام رضا شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا جبکہ فیصل رشید سنی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس نظریاتی اور علاقائی اختلاف کے باوجود دونوں میں بے شمار چیزیں کامن تھیں۔ مثلاً یہ دونوں پانچ وقت کے نمازی تھے، یہ دونوں جوان اور غیر شادی شدہ تھے، دونوں اپنے خاندان کے کفیل تھے اور دونوں نہایت شریف، سیدھے سادے اور مہذب انسان تھے۔ فیصل رشید کے والد شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض ہیں اور وہ فیصل رشید کی موت کے دن سے بستر پر پڑے ہیں جبکہ غلام رضا کے خاندان کی آنکھوں سے اب آنسوؤں کی بجائے خون کی لکیریں نکل رہی ہیں۔ لبرٹی کے واقعے کے بعد جب پنجاب کی انتظامیہ نے شہیدوں کے لئے مالی امداد کا اعلان کیا تھا تو

فیصل رشید کی ہمشیرہ نے روتے ہوئے کہا ''جب بھائی نہیں رہا تو ہم پیسوں کا کیا کریں گے۔''

خواتین وحضرات! پاکستان بم دھاکوں' خودکش حملوں اور دہشت گردی کی شدید لپیٹ میں ہے۔ پاکستان گزشتہ تین ماہ کے دوران دُنیا کا غیر محفوظ ترین ملک بن گیا' دہشت گردی کی یہ لہر اس قدر شدید ہے کہ امریکن تھینک ٹینکس نے اب کھلے عام یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہم اگلے چھ ماہ میں پاکستان کو سلامت نہیں دیکھ رہے۔ کچھ عرصہ قبل جب امریکی تھینک ٹینکس اس قسم کی پیش گوئی کرتے تھے تو ہم لوگ قہقہہ لگا کر ہنستے تھے لیکن آج بدقسمتی سے ان پیش گوئیوں پر یقین سا آنے لگا ہے کیونکہ اس دہشت گردی نے جہاں پاکستان کا امیج خراب کیا وہاں اس نے ہر پاکستانی شہری کو اندر سے زخمی کر دیا۔ ہم میں سے ہر شخص خوف کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے جہاں بھی دہشت گردی کی کوئی واردات ہوتی ہے تو تمام عزیز' رشتے دار اور دوست احباب ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور فونز کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک یہ ایک دوسرے کی آوازیں نہیں سن لیتے۔ یہ اس صورتِ حال کا ایک پہلو ہے جبکہ دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ آپ پچھلے تین برسوں کے دوران ہونے والی وارداتوں کا ڈیٹا نکال کر دیکھ لیں' آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ ان وارداتوں میں صرف اور صرف غلام رضا اور فیصل رشید جیسے عام لوگ مر رہے ہیں۔ ان وارداتوں کا شکار پولیس کے وہ کانسٹیبل بنتے ہیں جو صرف پانچ ہزار روپے تنخواہ لیتے ہیں اور اس تنخواہ سے آٹھ' آٹھ لوگوں کا پیٹ پالتے ہیں' اس کا ایف سی یا فوج کے انتہائی غریب جوان شکار ہوتے ہیں' اس میں ٹیکسی والے' رکشے والے' ویگنوں میں دھکے کھانے والے غریب شہری' دیہاڑی دار مزدور' ریڑھیاں کھینچنے والے' پھیری باز اور عام راہ گیر اس کا شکار ہوتے ہیں' اس میں نمازی نماز کے دوران شہید ہو جاتے ہیں اور معصوم اور بے گناہ بچے ان حملوں کی زد میں آ جاتے ہیں۔ آپ ظلم دیکھئے کہ امریکہ کے ڈرونز حملے ہوتے ہیں تو ان حملوں میں بھی اس ملک کا عام' غریب' بے بس اور بے گناہ شہری مارا جاتا ہے اور جب اس ڈرون حملے کا انتقام لیا جاتا ہے تو اس انتقام کا نشانہ بھی بے گناہ' بے بس' غریب اور عام شہری بنتے ہیں۔ گویا ہر صورت میں وہ عام شہری اس کا شکار ہو رہا ہے جس نے امریکہ کو پاکستان میں ڈرونز اڑانے کی اجازت دی اور نہ ہی جنرل پرویز مشرف' آصف علی زرداری یا حکومتوں کی پالیسیوں میں اس کا کوئی عمل دخل ہے۔ آپ ظلم کی انتہا دیکھئے ادھر بھی عام شہری اور ادھر بھی عام انسان۔۔۔ آخر یہ عام انسان جائے تو کہاں جائے۔

خواتین وحضرات! ہمارے سیاست دان اس عام انسان کے لئے کیوں نہیں سوچتے' کیا ان کے پاس اس صورتِ حال کا کوئی سلوشن موجود نہیں؟ کیا اس ملک میں عام شہری کا کوئی والی وارث ہے؟ کیا اس ملک میں عام شہری کی جان اور مال کی کوئی حیثیت ہے؟ ہمارے سیاست دانوں کے ضمیر کب

جاگیں گے اور یہ فیصل رشید اور غلام رضا جیسے لوگوں کو اپنے بچے کب سمجھیں گے؟ آج وزیراعظم نے دہشت گردی کے ایشو پر چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کے ساتھ میٹنگ بھی کی' یہ ایک سال میں حکومت کی اس نوعیت کی پہلی میٹنگ تھی جبکہ امریکن حکومت کے خصوصی ایلچی رچرڈ ہالبروک اور ایڈمرل مائیک مولن بھی پاکستان کو ڈومور کا حکم دینے کے لئے اسلام آباد پہنچ چکے ہیں۔ اس دورے اور اس میٹنگ کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین وحضرات! اس ساری صورتِ حال کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہ آج کے پاکستان کا سب سے بڑا سوال ہے اور اس سوال کا صرف اور صرف ایک جواب ہے۔ اگر ہم نے اس صورتِ حال کو کنٹرول نہ کیا تو ہم سب اس صورتِ حال کے کنٹرول میں چلے جائیں گے۔ آگ اگر آتش دان میں ہو' ماچس کی تیلی کے سرے پر ہو یا پھر چولہے کے برنر میں ہو تو یہ ایک نعمت ہوتی ہے لیکن اگر یہ چولہے' تیلی اور آتش دان سے باہر نکل آئے تو یہ جہنم بن جاتی ہے اور دہشت گردی کی یہ آگ ہر گزرتے دن کے ساتھ پٹرول کے ٹینک کے قریب ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ہم نے قبائلی علاقوں کے لوگوں کو انسان نہ سمجھا' ہم نے ڈرونز نہ رکوائے' ہم نے امریکن کو ''بس کرو' بس کرو'' کا پیغام نہ دیا اور ہم سب نے مل کر اس صورتِ حال کے خلاف کوئی مشترکہ پالیسی نہ بنائی' ہم نے پاکستانی بن کر پاکستان کے بارے میں نہ سوچا تو اس ملک میں جلے ہوئے گوشت اور بارود کی بو کے سوا کچھ نہیں بچے گا' عام آدمی اور خاص آدمی میں کوئی فرق نہیں رہے گا' نمازی اور غیر نمازی سب مارے جائیں گے۔ خدا کے لئے وقت کی نزاکت کو سمجھو' قدرت کسی کی رشتے دار نہیں ہوتی' وہ گھر بیٹھے لوگوں کی حفاظت نہیں کرتی۔

(06 اپریل 2009ء)

ڈرونز

آغاز:

خواتین وحضرات! 1848ء میں آسٹریا اور اٹلی کے درمیان جنگ ہو رہی تھی' اس جنگ کے دوران آسٹریا کا ایک بحری جہاز ویل کینو اٹلی کے شہر وینس کے ساحل کے قریب پہنچ گیا۔ اس جہاز نے وینس کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوگیا۔ اس وقت جہاز کے کمانڈر نے ایک نئی جنگی تکنیک ایجاد کی' اس نے 23 فٹ ڈایا میٹر کے غبارے تیار کروائے' ان میں بم رکھے اور یہ غبارے وینس شہر کی طرف اڑا دیئے' ان غبارہ بموں نے وینس میں تباہی پھیلا دی' یہ غبارے تاریخ کے پہلے ڈرونز تھے۔ یہ تجربہ کامیاب ہوگیا چنانچہ یورپ اور امریکہ میں دھڑا دھڑ ڈرونز' بغیر پائلٹ کے طیارے اور ریموٹ کنٹرول جہاز بننا شروع ہوگئے' ان جہازوں کو شروع میں ایریل تارپیڈو' فلائنگ بم اور پری ڈیٹر کا نام دیا گیا۔ 1917ء میں پہلی جنگ عظیم کے دوران ایک امریکن کمپنی نے امریکن آرمی کے لئے پہلا آٹو میٹک ڈرون بنایا' 1927ء اور 1929ء کے دوران اس آٹومیٹک جہاز کو کروز میزائل کی شکل دی گئی' 1930ء میں برطانیہ اس فیلڈ میں داخل ہوا اور اس نے ''فیری کوئن'' کے نام سے ایک ریموٹ کنٹرول ڈرون بنایا اور 1935ء میں اس ڈرون کو مزید بہتر بنا کر اس کا نام ''کوئین بی'' رکھ دیا گیا۔ میں آپ کو یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ کوئین بی پہلا پیری ڈیٹر تھا جسے ڈرون کا نام دیا گیا تھا۔ ڈرونز کی اصل پیداوار 1934ء میں ہالی وڈ میں شروع ہوئی تھی' ہالی وڈ کے مشہور اداکار ریے نلڈ ڈینی نے ہالی وڈ میں کمپنی رجسٹرڈ کرائی' تجارتی پیمانے پر ڈرونز بنائے اور دوسری جنگ عظیم کے دوران یہ ڈرونز امریکن آرمی کو فروخت کرنا شروع کر دیئے۔ ڈینی نے امریکن آرمی کو 15 ہزار ڈرونز سپلائی کئے تھے بہرحال یہ ایک لمبی داستان ہے اور میں آپ کو یہ بتا کر بور نہیں کرنا چاہتا کہ ان ڈرونز میں وائرلیس کے آلات کس نے

لگائے' اس میں کیمرہ کس نے فٹ کیا تھا۔ پہلا ڈرونز کتنے میل تک اڑ سکتا تھا' 1944ء میں جاپانیوں نے کتنے ڈرونز بنائے تھے اور امریکہ نے سالومن آئی لینڈز پر کتنے ڈرونز گرائے' پراجیکٹ فاکس کیا چیز ہے' ٹی جی ٹو کس ڈرون کا نام تھا' میکنڈ ونلڈ نے ڈرون میں جیٹ انجن کب لگایا' ٹی ٹو ڈی ٹو ون کس بلا کا نام ہے' کے ڈی ڈی ون کسے کہتے ہیں' کے ڈی ایچ ون ڈرون کی کون سی قسم ہے' کوریا اور ویتنام کی جنگ کے دوران کتنے سبک رفتار ڈرونز استعمال ہوئے' بوئنگ کارپوریشن کا ڈرونز میں کیا کنٹری بیوشن تھا' دی رین ماڈل 154 کیا چیز ہے' ڈرون کو سیٹلائٹ کے ساتھ کب منسلک کیا گیا اور لاک ہیڈ ڈی 21 کس کو کہتے ہیں۔ میں بس آپ کو دو بڑی حقیقتیں بتانا چاہتا ہوں۔ ایک 1995ء میں RQ1L کے نام سے ایسا ڈرون بنایا گیا جو دشمن پر ایٹم بم بھی پھینک سکتا ہے اور دو' امریکہ نے 21 اگست 1998ء کو ''لے ما'' نام کا پہلا ڈرون اڑایا تھا جس نے پہلی بار اٹلانٹک اوشن عبور کیا اور یہ 26 گھنٹے ہوا میں اڑ کر واپس اپنے اڈے پر اتر گیا تھا۔

خواتین وحضرات! امریکہ نے 2006ء میں پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرونز حملے شروع کئے تھے' شروع میں یہ ڈرونز افغانستان سے پاکستان آتے تھے' حملہ کرتے تھے اور واپس چلے جاتے تھے لیکن یہ تجربہ کامیاب نہیں ہوا چنانچہ بعد ازاں یہ ڈرونز پاکستان سے اڑنے لگے' یہ ڈرون بلوچستان کے ہوائی اڈوں پر پارک ہوتے ہیں' انہیں امریکن ریاست نواڈا کے ائر بیس ''نیلس'' سے سیٹلائٹ کی گائیڈنس دی جاتی ہے جبکہ انہیں تربیلا کے قریب سے کسی خفیہ مقام سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ سابق آرمی چیف جنرل اسلم بیگ نے کچھ عرصہ پہلے انکشاف کیا تھا کہ ان ڈرونز کو اسلام آباد کے میریٹ ہوٹل سے کنٹرول کیا جاتا تھا لیکن پھر ہوٹل کو دہشت گردوں نے اڑا دیا جس کے بعد ان کا کنٹرول کسی دوسری جگہ بھجوا دیا گیا بہرحال یہ درست ہے یا غلط کہ ڈرونز کہاں سے آتے ہیں یا انہیں کون کنٹرول کرتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کی موجودہ لہر کا ان ڈرونز کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور جب تک یہ ڈرونز حملے نہیں رکیں گے اس وقت تک ہم دہشت گردی پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ پاکستان کے عوام' حکومت اور سیاست دان ڈرونز حملوں کو رکوانا چاہتے ہیں۔ آج قومی سلامتی کی پارلیمانی کمیٹی نے بھی امریکہ سے اسی قسم کا مطالبہ کیا۔ ہمارے صدر' وزیراعظم' وزیر خارجہ' میاں نواز شریف اور تمام لیڈرز بھی ڈرونز حملوں کو رکوانا چاہتے ہیں لیکن پاکستان کے دورے پر موجود امریکی ایلچی رچرڈ ہالبروک اور ایڈمرل مائیک مولن نے اس مطالبے کو ری جیکٹ کر دیا ہے۔ یہ خبریں بھی گرم ہیں کہ امریکہ ڈرونز کا دائرہ کار اب بلوچستان تک وسیع کرنا چاہتا ہے۔

خواتین وحضرات! ہم ان ڈرون حملوں کو کیسے روک سکتے ہیں' کیا ہمارے پاس انہیں روکنے

کے لئے ٹیکنالوجی موجود ہے' امریکہ ہمارے مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہا اور ڈرونز کے ان حملوں کا آخری نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہ ہمارا موضوع ہے۔

اختتام:

خواتین و حضرات! کمزوری دُنیا کا سب سے بڑا جرم ہوتا ہے۔ اس کائنات' اس دُنیا میں صرف اور صرف وہ جاندار زندہ رہتے ہیں جن کے پنجے' دانت اور کھال مضبوط ہوتی ہے یا پھر وہ جو دوسرے ۔ بداروں سے تیز بھاگ سکتے ہیں۔ یہ اُصول انسانوں اور قوموں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ ہم اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری عاجزی' ہماری کمزوری اور ہماری سستی ہمیں بچا لے گی تو یہ ہماری خام خیالی ہے کیونکہ اگر آنکھیں بند کرنے سے خطرے ٹل سکتے تو دُنیا کی ساری بلیاں بھوکی مر جاتیں اور سر ریت میں دبا لینے سے طوفان ٹل سکتے تو دُنیا کے کسی شتر مرغ کو موت نہ آتی اور خواتین و حضرات! یہ بھی طے ہے ہم جب تک کھڑے نہیں ہوں گے' ہم اپنے اندر انکار کی جراُت پیدا نہیں کریں گے' ہم ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح نہیں دیں گے اور ہم جب تک روکھی سوکھی کھانے اور آبرو کے ساتھ زندہ رہنے کا فیصلہ نہیں کریں گے ہم اس وقت تک ڈرونز سے نہیں بچ سکیں گے۔

(07 اپریل 2009ء)

⊘ ⊘ ⊘